سوانح حضرت شیخ العالم

تاریخ، ریشی تحریک

کلام شیخ معہ ترجمہ و شرح

صحیفۂ نور

جلد دوم

مصنفہ:
غلام نبی گوہر

ناشر:
گلشن پبلشرز، مدینہ چوک، سرینگر

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

1217

صحیفہ نور ۲

کلام و پیغامِ حضرت

شیخ العالمؒ

مع ترجمہ و تفسیر اردو

تاریخِ ریشی اولیاء کشمیر

از

غلام نبی گوہر

ناشر

گلشن پبلشرز مدینہ چوک سرینگر

Marfat.com

(جملہ حقوق بحقِ مُصنّف محفوظ ہیں)

129378

نام کتاب ——— صحیفۂ نور ۲

کلام و پیغام حضرت شیخ العالمؒ معہ ترجمہ و تفسیر اردو
۔۔تاریخ ریشی اولیاءِ کشمیر

سالِ اشاعت ——— ۱۹۹۸ء
زیرِ اہتمام ——— شیخ اعجاز احمد
قیمت ——— 425/= روپئے

پبلشر:-

گُلشن پبلشرز گاؤکدل چوک سرینگر کشمیر

تقسیم کار:-

شیخ مُحمّد عُثمان اینڈ سنز تاجران کُتب
گاؤکدل چوک سرینگر کشمیر

Marfat.com

صحیفۂ نور ع۲

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ
سپاس عقیدت	۱۲
انتساب	۱۳
عرضِ ناشر	۱۴
منے وُدّچھ ..... (دیباچہ)	۱۶
پیش گفتار ڈاکٹر شیخ محمدؐ اقبال	۳۱

ریشی نامہ

ریشیان قبلِ شیخ	۴۴
زلکار ریشی	۴۸
پلاس ریشی	۵۰
رُمہ ریشی	۵۲
میراں ریشی	۵۴
سُخنے در بارۂ علامہ حاجنی	۵۶
لدرمن ریشی	۵۸
ریشیت کی تثلیث	۶۰
پلاس من ریشی	۶۱

Marfat.com

مضمون | صفحہ

مضمون	صفحہ
خلاصمن ریشی	۶۱
یاسمن ریشی	۶۲
سوزن ریشی	۶۶
سرہنگ ریشی	۶۷
ریشی تحریک شیخ العالمؒ کے بعد	۶۸
عرفان کے چار دریا	۶۹
بابا بام الدین	۷۱
آری رائے کا گپھا	۷۲
عرفان کا دریائے لبیدر	۸۳
بابا عبدالشکور	۸۴
بابا رجب الدّین	۸۵
بابا فخرالدّین	۸۵
صبّور ریشی	۸۶
سیّد حسین	″
بام الدّین صاحب کے مریدوں کے مُرید	۸۷
بابا حنیف الدّین حیدر	۹۱
حضرت بابا شمس الدّین	۹۲

Marfat.com

صفحہ	مضمون
۹۳	سندی ریشی
۹۴	بابا محمد حاجی
۹۵	بابا میر ریشی
۹۵	بابا ہردیشی ریشی
۹۶	سوزن ریشی ، بابالدی ریشی
؍؍	باباسمان ریشی، بابا دِلہ ریشی
۹۷	صاحبِ مُقام زین الدّین ولیؒ
۱۰۱	(عیش مقام)
۱۱۳	پھُرودہی
۱۱۴	قیام لداخ کے بارہ میں
۱۱۶	آبِ حیات کی نہریں
؍؍	حاجی شمس الدّین
۱۱۸	بابا پیام الدّین عرف بابم ریشی
۱۲۴	بابا دریا دین
۱۲۶	بابا حنیف الدّین
۱۲۷	بابا شکور الدّین
۱۲۹	بابا محمد حنیف ریشی
۱۳۰	بابا حنیف ننیگامی

Marfat.com

مضمون	صفحہ
وتر ٹھاکور	۱۳۰
مبارک ریشی	”
بابا لستہ ریشی یا فستہ ریشی	”
بابا لدٔرہ مل	۱۳۳
ستہ ریشی	۱۳۴
بابا سنگی ریشی	۱۳۵
بابا لست ریشی	”
زین الدّین ولی کے خلیفوں کے اہم ترین چیلے :-	
بابا دریا ریشی	۱۳۶
ریگی ریشی - بابا نیکی ریشی -	۱۳۸/۱۳۷
نوروز ریشی	۱۳۹
حضرت بابا لطیف الدّین خلیفہ سوئم	۱۴۱
بابا لطیف الدّین کے اہم خلفاء ریشی :-	۱۴۶
شیخ پیر باز	”
شیخ شریف اشوار	۱۴۸
بابا لدی گنائی	۱۴۹
لدّی کٹور	۱۵۰
بابا نوری ریشی	۱۵۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
لچھم ریشی	۱۵۲
بابا جندہ ریشی	۱۵۳
بہرام ریشی	۱۵۴
آوت ریشی	"
دائمی رفاقت	۱۵۶
بابا نصرالدین کے سلسلے سے	۱۶۷
مرتاض ریشی اولیاء اللہ :	
ملک ژوگی رینہ	۱۶۹
ژوگی ریشی	۱۷۱
حاجی لولی ریشی	۱۷۴
ریور ریشی	۱۸۱
بابا رکن الدین عرف ریپی ریشی	۱۸۳
یوسف ریشی	۱۸۷
حضرت شیخؒ کے دیگر مصاحب :	۱۸۸
سدہ شر کنٹ	۱۹۱
بابا تاج الدین	۱۹۲
بابا قیام الدین ریشی	۱۹۳
بابا بدر الدین ریشی	۱۹۴

Marfat.com

صفحہ	مضمون

صفحہ	مضمون
۱۹۴	بابا صدرالدّین
//	دَتی ریشی
//	سوزن ریشی
۱۹۵	مولانا مانک ریشی
۱۹۹	لچھم ریشی اول، پچھم ریشی دوئم
//	بابا قطب الدّین
۲۰۰	حضرت سنگرام ڈار
۲۰۲	روپہ ریوش (روپی ریشی)
۲۰۳	سِدہ ریشی
۲۰۴	بابا فیروز ریشی
//	بابا گلاب ریشی
//	بابا سیّد غلام الدّین
۲۰۸	سیّد عالی بلخی پکھرپوری
۲۱۸	مُخدّرات ریشی
//	ریشی تحریک کی نسوانی وِنگ (WING)
۲۲۲	صدرہ مأجی
۲۲۴	زسے دِدہ

Marfat.com

مضمون	صفحہ
حضرت شام ماجی	۲۲۷
بُہت دِد	۲۲۹
دُہت بی بی	۲۳۲
زاہدہ بی بی	۲۳۳
شنگہ بی بی عرف " یاون مژی"	"
دنہ بی بی	۲۳۴
سِلا بی بی اوّل	۲۳۵
سِلا بی بی دومؒ	"
سنگہ بی بی	"
گمنگہ بی بی	۲۳۷
حاصل بحث	۲۳۹
ریشی مسلک کا سکوت	۲۶۵
ریشی تحریک — زوال اور اسباب	۲۷۱
اویسی سلسلہ اور ریشی مسلک	۲۷۴

نورنامہ

صنف یا صفت	۲۷۷
شیخ العالمؒ اپنے کلام کے آئینے میں :	۲۸۰
نسب نامہ	۲۹۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
گھوڑ سوار شیخ	۳۰۹
سیاحتِ کشمیر	۳۱۲
عہدِ شیخ کلامِ شیخ کے آئینے میں :	۳۲۵
کلامِ شیخ ایک شہر آشوب	"
(ا) زرعی سوسائٹی	۳۲۷
(ب) ضیافتوں کا تذکرہ	۳۳۴
(ج) مہمان نوازی	۳۴۲
(د) رہن سہن کے عادات	۳۴۸
(ر) غذا	۳۵۵
(س) اخلاقی گراوٹ	۳۶۱
(ص) سماجی نابرابری	۳۶۳
(ط) وسائل نقل و حمل	۳۸۹
(ع) رسم و رواج	۳۹۳
(ف) دیگر سماجی حالات	۴۱۸
(ک) تعمیرات	۴۲۲
سماجی آگہی	۴۲۷
کلامِ شیخ العالمؒ میں احتجاج	۴۴۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مناظرِ فطرت اور کلامِ شیخ	۴۵۱
ماحولیاتی تحفظ اور تعلیماتِ شیخ	۴۶۰
کلامِ شیخ کی روشنی میں ریشی اور ریشیت۔	۴۷۵
شُرُوک اور حدیث۔	۵۱۰
(ا) دارِ عبرت	۵۱۶
(ب) ذکرِ خدا	۵۲۴
(ج) حلال و حرام	"
رواداری	۵۳۲
علمداری لقب کی تائید	۵۶۷
علم، عالم اور ملّا	۵۷۲
طنز و مزاح	۶۰۷
جہاد	۶۶۰
جنگ	۶۷۰
توبہ	۶۸۰
صحیفۂ نور کا اختتامیہ اور صحیفۂ فکر کا ابتدائیہ۔	۶۸۵

Marfat.com

سپاسؔ!

زاڈے پُنڈیلو اَو ذو تُو؛ نہ کھَبس گُر، گُپُن، نہ گاوَ
مُے بیبلِ شاہس سشیرہ ودلُو؛ اَو ذُو تُو دربنبڑ کتہِ آؤ[1]

"کیچڑ کے دلدل میں اُگا" دیوُل" کنول پودے کا حقیر ریشہ
جو اپنی طرف کھینچ نہ پاسکا
بھوکے حیوان کو بھی
وہی حقیر ریشہ جب بنا زینتِ طرّۂ افتخار
دستارِ فضیلتِ شاہی کا،
عطر بیز ہوا مثلِ گلاب
مٹ گئی اس کی حقیر، رذیل، ذلیل شناخت
اور پایا گلابی تشخص! ......"

میرے سخی علمدارؒ!
اُسی دیوُل کی طرح حقیر اور پست ذات ہوں
جو اُگ آیا عصیاں کی کیچڑ میں،
نشو و نما پا چکا ہے نفسانیت کے دلدل میں،
باندھ چکا ہوں اسی حقیر ریشہ کی طرح — گلدستہ کے گرد،
اپنا وجود — مٹا دے میرا سفلہ پن، میری ذلالت،
دیدے مجھے اپنے باغ کے گلابوں کی خوشبو
تاکہ پہچانا جاؤں!
(مہکتے رہیں جب تک سورج، چاند، ستارے)
بس آپ کے نورِ ازلی سے
تاکہ بن پاؤں شعاعِ نور
اِسی آفتابِ نور کا!

---

[1] نظم کی تشریح و تفہیم "کلامِ شیخ" میں موجود ہے۔

Marfat.com

انتساب

اپنے رفیق، راہبر، مُرشد
اور
اُستاد والدِ محترم مرحوم
الحاج محمد اکرم مقیمؔ کے نام
جنہوں نے مجھے کلامِ شیخؒ کی
جہتیں سمجھائیں۔

Marfat.com

عرضِ ناشر

الحمدللہ "صحیفۂ نور" کی تکمیل کا وعدہ ایفا ہوا۔ ان دو جلدوں میں "ریشی نامہ" کا جزو ہی مکمل ہوتا ہے۔ کلامِ شیخ کا اچھا خاصہ حصّہ بھی "نور نامہ" کے دو اجزا میں آپ تک پہونچ پایا۔ انشاء اللہ "ریشی نامہ" الگ اسی نام کے تحت بھی چھاپ کیا جائے گا۔ کلامِ شیخ کا بڑا حصّہ ان دو جلدوں میں شامل نہ ہو پایا۔ فاضل مصنّف نے دانستہ طور مفکّر اور شاعر شیخ کا مل رح کو پیش کرنے کے لئے وہ حصّہ الگ کر کے رکھا ہے۔ اس لئے ایک الگ کتاب میں ناقدانہ بحثیں ہونگیں جنہیں باقی ماندہ کلام معنی اور شرح کے سمیت چھاپ ہو گا۔ اب تک نور نامہ جز میں درج کئے گئے کلام پر بھی تنقیدی جائزات بہت حد تک ملتوی کئے گئے ہیں جو سب اسی کتاب میں کئے جائینگے جس کا نام فاضل مصنّف نے "شیخ العالم شاعر اور مفکّر" یعنے "صحیفۂ فکر" رکھا ہے۔ اس لئے عالموں، محققوں، ادیبوں اور تنقید نگار حضرات کی ضروریات کے پیشِ نظر ہم اعلان کرتے ہیں کہ حضرت علمدار کشمیر رح کے فکر و فن کی تمام جہتوں پر سیر حاصل تبصرہ کے سمیت یہ اہم تنقیدی دستاویز عنقریب بازار آرہا ہے۔

Marfat.com

ہم گوہر صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں وعدہ نبھانے میں بھرپور مدد کی۔ اور آئندہ بھی کرینگے تا اینکہ حضرت شیخ العالم کے بارہ میں ہمارا یہ مشترکہ پروجیکٹ مکمل ہو پائے۔ انشاءاللہ۔

شیخ عثمان اینڈ سنز (فرم) کی تقسیم کارانہ صلاحیتوں سے جلد اوّل کامیابی سے عوام میں متعارف ہو گیا۔ اس فرم کے مالک شیخ محمد عثمان صاحب کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ اُن اخبارات اور جرائد کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے جلد اوّل پر تبصرات کئے ہیں۔ ہاں جلد اوّل کی پریس لائن میں حقوق کی نگہداشت پبلشرز کی درج کی گئی ہے۔ تصحیح کیجاتی ہے۔

شیخ اعجاز

Marfat.com

"مے وُوۡچھ ژِ وُچھ نہٕ گژھ"[1]

(دیکھ آیا ہوں۔ دیکھ کے آئیے)

صحیفۂ نور کی دو جلدیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر کے اپنے وعدہ کا اہم حصّہ پُورا کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ریشی نامہ کا جُزو مُکمّل ہوا۔ البتہ کلامِ شیخ کا لگ بھگ نصف حصہ عنوانات کے تحت ان دو جلدوں میں معنی اور شرح کے ساتھ نُورنامہ میں درج کر چکا ہوں مگر ابھی تک شاعرِ نُندریشی کو پہچانا ہی نہیں ہے نہ اُنکی فکری عظمت واضح ہوئی ہے اور نہ ہی اُنکے فنّی محاسن ترتیب اور تسلسل کے ساتھ زیرِ بحث آئے ہیں۔ گو کہ اِن دو جلدوں نے اُس گمراہ کُن پروپگنڈا کا تاثر بہت حد تک ختم کیا ہوگا جو اُن خانہ ساز نقادوں نے قائم کیا ہے جنہیں کلامِ شیخ کا خود بھی عرفان حاصل نہیں ہے۔ وہ دوست وہی بات آگے بڑھا چکے ہیں جُو اِس صدی کی چوتھی دہائی سے رٹنے کی روایت پیدا ہوئی ہے۔ آزاد صاحب، پُشپ صاحب یا کول صاحب کو

---

(۱) کلامِ شیخ العالم ص۔ نُور جلد ۱ ص ۲۳۸

Marfat.com

کلامِ شیخ تک کوئی دسترس نہ تھی البتہ جو ان پڑھ موسیقاروں یا بکھاریوں سے ترنم میں سُنا تھا اُسی پر حضرتِ شیخ کے شاعرانہ قد و قامت پر ایک لیبل چسپاں کر بیٹھے اور اُنکے جانشین روایتاً وہی بات دُھراتے رہے۔ مرحوم آزاد نے چرارِ شریف میں ایک نجی مجلس میں خود کہا تھا "مجھے کلامِ شیخ کی عظمت کا یہ احساس نہ تھا اب اِن مخطوطات میں کھو جانا چاہتا ہوں بشرطیکہ یہ پروجکٹ (کشمیری زبان اور شاعری کا) مکمل کر پاؤں"۔ مگر مشیت کچھ اور تھی۔ آزاد اپنا وہ پروجکٹ بھی منتشر حالت میں چھوڑ کر رحمت حق ہوئے۔ کول صاحب، پشپ صاحب اور حاجنی صاحب کو نہ اس قدر مخطوطات تک رسائی حاصل تھی اور نہ ہی ایسی صحبت حاصل تھی جو آزاد کو چرارِ شریف میں اپنے اقرباکے ہاں بہم رہی تھی۔ مگر ہمارا ہمعصر محقق تحقیقات کے بنا ہی رائے صادر کرتے چلا آیا۔ اِسکا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف ہم نے ہی ہفت خوان طے کئے ہیں۔ جناب امین کامل کا کارنامہ بہر صورت اوّلیت کا حامل ہے۔ مگر اُنہیں بھی کچھ معقول مُشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اکادمی کا بجٹ اُس وقت اتنا محدود تھا کہ جس سے جو کام کامل نے نبھایا وہ بھی بننا "ناممکن" تھا۔ کلامِ شیخ کے مخطوطات تک رسائی کے لئے اُنہیں وادی کے اطراف و اکناف میں جانا تھا۔ اجارہ داروں

Marfat.com

کے گھروں میں دفنائے ہوئے مخطوطات کو دیکھنے کے لئے بھی نذر و نیاز ادا کرنے تھے۔ قلیل تنخواہ سے ایسا نہ کر سکتے تھے، نہ ہی اکادمی ایسے اخراجات پورا کر سکتی تھی۔ موتی لعل ساقی ایک واسطہ سے چرار شریف کا باشندہ مانا جاتا ہے۔ انہیں ذاتی تعلقات سے موّاد بہم رہا مگر ایک فرد کے لئے اور ایک محدود عرصہ میں یہ کٹھن کام انجام دینا بھی مشکل رہا۔ میں اپنے کو اسی زنجیر کی ایک کڑی تصوّر کرتا ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ ان دونوں فاضل پیشرو حضرات کی کوتاہیوں نے میرے سوچ اور طریقہ عمل کو نکھارا۔ شاید اگر اسی لگن سے کام چلے تو میرے جانشین محقق میری کوتاہیوں سے سبق سیکھ لینگے اور مستقبل قریب میں ہم حضرت شیخ العالمؒ کا جائز مقام بحثیت مفکر اور فنکار واضح کر پائینگے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ اکثر صاحب الرآئے اور صائب الرائے ہمارے اخذ کردہ نتائج کے ساتھ اتفاق کر پائینگے بلکہ حضرت شیخ اور انکے عہد کے بارہ میں تاریخ و تذکرات اس قدر غیر ذمہ دارانہ حاشیہ آرائی سے مرتّب ہیں جن سے اختلافات کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ مگر یہ اختلافات، یہ تضادات اور رایوں کا تصادم واضح کرنے سے ہی حضرت شیخ اور انکے عہد کے بارہ میں حقائق کو کھنگالا جاسکتا ہے مگر اس عمل

Marfat.com

کے لئے کئی بنیادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔

اولاً۔ اس متضاد مواد کا پوری تندہی، محققانہ استدلال اور ناقدانہ ردّ و قبول کے اصولوں کو اپنا کر مطالعہ کیا جائے۔ اس مواد کے مختلف اجزا کا اندرونی اور باہیکدگر بیرونی تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ مطالعہ کار شخصیت کو اس ماخذ مواد تک پہونچ حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ اس مواد کا بلاواسطہ مطالعہ لازمی ہے۔ اس کے لئے اور دو خصائص کا ہونا ضروری ہے:

الف ــــ اس پرانے زِشت کشمیری رسم خط کا عرفان حاصل کرنا جو مخصوص متن بار بار پڑھنے سے اور مختلف (یعنی ایک سے زائد) مخطوطات کے مطالعہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

(ب) فارسی زبان پر کامل دسترس ہو جس سے کم سے کم کلامِ شیخ کا فارسی ترجمہ اس تحقیق کار کو زشت خط میں لکھے گئے اصل متن کے لئے وضاحت کر پائے۔ مگر یہاں پر ریسرچ کے لئے بھٹکنے کا احتمال ہے کیونکہ ہمارے تذکرہ نویس حضرت نے کلامِ شیخ کے ساتھ پس منظر کے ایسے افسانے تراشے ہیں کہ لگتا ہے کہ اُس مخصوص تناظر میں ہی وہ نظم پارہ شُندریشی صاحبؒ نے تخلیق کیا ہوگا۔ اس طرح سے اُس گرفت سے ذہن آزاد کرنا بالکل مُشکل لگتا ہے۔

Marfat.com

ہاں اس دستیاب مواد کو (جو اکثر و بیشتر مخطوطات میں ہی ابھی تک پڑا ہے) بھی اوّلیت حاصل نہیں ہے بلکہ وہ بھی اعتباراً ثانوی درجہ کا ہی ہے۔

دوسری بات جُراءت کی ہے کیونکہ جو پس منظر جوڑے گئے ہیں یا جو کرامات کا لباس واقعات کو پہنایا گیا ہے اُس میں سے حقیقی شخص کو تلاش کرنا اتنا مُشکل نہیں ہے جتنا کہ اُن روایات کا توڑ کرنا مُشکل ہے جن کے ساتھ اب ایک طرح کی جذباتیت وابستہ ہوئی ہے۔ ایک جرّاح کی طرح تحقیق کے طالبِ علم کے لئے چابکدستی بھی ہونی چاہیئے اور جُراءت مندی بھی۔ اِن دو صلاحیتوں میں باہمی ربط متوازن بھی ہونا چاہیئے اور اور معقول بھی۔

تیسری خصوصیت عمومی نوعیت کی ہے۔ ہر ایک فنکار کی فنی شخصیت کو تعین کرنے کے لئے اُس کے فن پاروں کا کلیتہً طور جائزہ لیا جائے۔ یہ نہیں کہ ایک تنقید نگار کوئی فیصلہ صادر پہلے ہی کرے اور اُس فیصلہ کی تائید میں زیر تجزیہ فن کار کے مخصوص حوالہ جات دیتا چلا جائے۔ یہ بعینہٖ اُس قاضی کا عمل ہے جو کوئی مقدمہ پیش ہوتے ہی ـــ شہادت قلمبند کرنے سے پہلے ہی اور بحث و دلائل سماعت کرنے سے پہلے ہی رائے قائم کرتا ہے اور

Marfat.com

پھر اُس کے فیصلے کا دائرہ اُسی رائے کے مرکز کے اردگرد گھومتا رہتا ہے۔ وہ منصفانہ عمل نہیں ہے۔ اِس بارہ میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ کئی احباب حضرتِ شیخ کو بس ناصح، واعظ یا مُفکر مانتے ہیں تو اُسی رائے کے حوالہ سے کلامِ شیخ کا مطالعہ محدود رکھتے ہیں۔ یا میرے قابلِ احترام دوست ڈاکٹر حامدی صاحب "شیخ العالمؒ۔ حیات اور شاعری" میں اپنے "مرکزِ عقیدت" کو دُنیا کے عظیم شاعروں میں شامل کرتے ہیں مگر دلائل بی حوالہ جات کے مطالعہ سے یہ دعویٰ مفروضہ ہی رہتا ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ دلیل ہی اسقدر واضح ہو کہ قاری خود فنکار کی عظمت کا داعی بن پائے۔ یہ خصوصیت تب ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ جب ہم نے کلامِ شیخ کا مطالعہ بدقت کیا ہو۔ اسی طرح تمدن ساز اور تاریخ ساز شخصیت شیخ العالم کو جاننے کی کوشش کو بھی ایسے ہی تقاضات پورے کرتے ہیں۔

چوتھی بات یہ کہنی ہے کہ اکثر فنکار کے ہاں بلواسطہ یا بلاواسطہ کوئی نہ کوئی نظریۂ فن اُس کے فن پارہ میں ہی موجود ہوتا ہے۔ شیخ العالمؒ نے اپنا نظریہ بلاواسطہ واضح الفاظ میں کیا ہے۔ اس لئے آپ کی فنی شخصیت کو اُس مخصوص نقطۂ نظر سے ہی دیکھا جائے۔ ہمیں اُن کے نقطۂ نظر سے

Marfat.com

اتفاق ہو یا نہ ہو مگر ہمیں یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم ایک فن کار پر اپنا نظریہ عائد کریں۔ ہاں دیکھنا ہے کہ اُس نظریۂ فن کو کس فنکارانہ صلاحیت سے اُس نے نکھارا ہے۔

کلامِ شیخ کے بارےمیں قاری کو ایک دشوار مرحلہ سے گذرنا پڑتا ہے جب ایسے کلام کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے جو نہ اُن کے اسلوب سے وابستہ لگتا ہے نہ ہی اُنکے دائرۂ فکر میں آتا ہے۔ ایسا کلام ضرور الحاقی ہے مگر اس کا تعیّن کرنا بہت مُشکل ہے جو صرف منصفانہ ردّوقبول (JUDICIOUS SIFTING) کی عمل سے ہی مُمکن ہوسکتا ہے، اس کی مثالیں تیسرے جلد میں دینگے۔

ایک اور مرحلہ بحر اور اوزان کا ہے۔ کئی احباب کلامِ شیخؒ کو فارسی عروض کی کسوٹی پر بھی تقطیع کرنے کی مشق کرتے ہیں بلکہ میرے دادا محترم مرحوم مقیم صاحب نے بھی کوشش کی تھی مگر اس کے لئے چند اہم باتوں کو اولاً طے کرنا ضروری ہے:

(الف) کیا حضرت شیخ نے مقامی اوزان کے اصول اپنے اوپر عائد کئے تھے اگر ہاں تو وہ اُصول کیاہے؟ (ب) کیا آپ نے عربی، فارسی عروضی قواعد کا اپنے اُوپر نفاذ کیا تھا؟ اگر ہاں تو کیسے؟؟ (ج) کیا آپ نے مقامی اور خارجی قواعدِ عروض کا اُسی طرح دانستہ طور امتزاج کیا جس طرح آپ نے مقامی

129378

Marfat.com

بولی اور درآمد زبان (فارسی) کا معقول امتزاج پیدا کر کے موجود کشمیری زبان کے نشو نما کی ابتدا کی۔

اِن تین سوالات کا جواب دینے کے لئے محقق کو مقامی اور عربی فارسی قواعدِ عروض پر دسترس کامل ہونی چاہیئے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ مقامی بحر اور اوزان کا سلسلہ اُس وقت کیا تھا۔ اِس طرح سے اِس معاملہ میں بہت تحقیق کی ضرورت ہے۔

کچھ قواعد اِس سلسلہ میں مشترک بلکہ یُونیورسل لگتے ہیں۔ کسی بھی ضابطہ کا پابند بنانے سے پہلے کلامِ شیخ سے بیجا تصرف کے الفاظ و تراکیب کا اخراج ضروری ہے۔ مثلاً اکثر ترتیب کاروں نے شیخ کے نظم پاروں کو خطابیہ بنانے کے لئے اُن میں الفاظ:

اِہ مالہ (اے میرے باپ) اِہ بابہِ (اے میرے بھائی)
اِہ ماجی (اے میری ماں) نصرِہ (اے نصر الدّین) وغیرہ

الفاظ کی دراندازی کی ہے۔ جس سے کہ ایک طرف اسلوبِ شیخ ایک محدود دائرہ میں بند ہوا۔ فکر کی آفاقیت اور عالمگیریت دونوں سکڑ گیئں مگر بحر "بحرِ بےکراں" بن گیا۔ اسی طرح نعم البدل الفاظ کو نکال کر اصل الفاظ چُست کرنے کی ضرورت ہے جو الفاظ اِن ترتیب کاروں نے اپنی اور نئی نسل کی سہولیت کے لئے ٹھونس دئے مثلاً "نونن" متروک لفظ ہے اس کے بجائے

Marfat.com

خود ان کا تبوں نے لفظِ شفاعت" ٹھونس دیا ہے۔ یعنی ایسی آمیزش کے ساتھ عروضی جائزہ گمراہ کن ثابت ہو گا۔

ایک اور شرط بھی لابدی ہے کہ کلامِ شیخ کو سمجھنے کے لئے عہدِ شیخ شروع ہونے سے پہلے کی ادبی، تمدنی اور مذہبی تاریخ کا مطالعہ حاصل ہونا چاہیئے۔ تاکہ اُن تاریخی یا نیم تاریخی حوالہ جات کی عقدہ کُشائی ہو پائے جنکی چھاپ شعرِ شیخ کی شناخت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو قاری کو ایسے اشعار مہمل لگتے ہیں۔

حضرتِ شیخ کے ذہن و فکر پر قرآن اور اُسوۂ حسنہ شدّت کے ساتھ حاوی ہیں۔ یہ ڈھکی چھُپی بات نہیں ہے کہ آپ کی شاعری اسی طرح ملّی (اسلامی) شاعری ہے جس طرح ملٹن اور ٹیگور کے شعر پر عیسائیت اور ہندو مت کی علی الترتیب چھاپ ہے۔ آپ نے مثالیں تک قرآنِ پاک کے خرمن سے یا من و عن حاصل کیں ہیں یا اُسی اسلوب میں اپنے نقطۂ نظر کو سمجھانے کی مثالیں پیش کیں ہیں۔

یہ خصائص و خصائل بجائے خود حصولِ عرفان کے واسطے ہیں مگر ایک ریسرچر کو ترددات سے بھی مانوس اور مایوس ہونا پڑتا ہے۔ واقعاتِ شیخ اور کلامِ شیخ رح کے مابین کئی جگہوں پر واضح تضادات کا احساس ہوتا ہے۔ ایسے مرحلہ پر شک ہونے

Marfat.com

لگتا ہے کہ یہ دو شخصیات ہیں اور کبھی یہ دو متضاد فکر و عمل کی شخصیات لگتی ہیں۔ اِس تذبذب کی حالت میں یا تو ایسا کلام ــــ کلامِ شیخؒ نہیں لگتا ہے یا واقعات کی حاشیہ آرائی ہی غیر معقول عامیانہ کوششوں کا آئینہ دار لگتی ہے۔ اب یہاں پر کیا کیا جائے؟ میری رائے ہے کہ کلامِ شیخ کی کسوٹی پر ہی واقعات کا ردّ و قبول ہو سکتا ہے۔

کلام کی پختگی، فکری تقدّس، زبان سازی میں چابکدستی، عصری تقاضات کا شعور، قادر الکلامی کے ٹپکتے جواہر، تہذیبوں کے امتزاج کا آئینہ خانہ ـــــ یہ سب جہتیں اُسی کلام میں موجود ہو سکتی ہیں جو کسی عہد ساز شخصیت کا نتیجہ فکر ہوں۔ وہ عظمت تہذیبوں کے واضح ٹکراؤ پر موجود رہی ہو گی۔ ٹکراؤ کی شدّت اور تمدّنی امتزاج (CULTURAL SYNTHESIS) ہمارے ہاں چودھویں/ پندرویں صدی کا ہی زمانہ تھا۔ اور اُس عہد میں حضرت شیخ نورالدین ریشی نے ہی فکر سازی اور عمل آرائی کا رول ادا کیا ہے۔ یہ خصوصیات اِس کلام کو کسی گمنام یا غیر معروف شخصیت کے ساتھ نہیں ہونے دیتی ہیں۔ اور وہ عہد آفرین شخصیت اُس وقت کی بس علمدارِ کشمیر کی ہی ذات ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سولہویں، سترویں صدی کے (نور ناموں) کے مسودات کا بابا محمد خلیل اللہ اور

Marfat.com

بابا محمد کمال نے پوری طرح فائدہ اُٹھا کر کلامِ شیخ کی ترتیب و تدوین میں رہنمائی حاصل کی ہے راقم کو بھی بواسطہ دادائے مرحوم اُن میں سے کئی نسخوں کے استفادہ کا فخر حاصل ہے۔ اس طرح ہم نے کلامِ شیخ ہی کو حضرت شیخ کی ذاتِ گرامی کے واقعات سمجھنے اور پرکھنے کے لئے کسوٹی بنایا ہے۔

مگر یہاں پر بھی کچھ خدشات کے پیدا ہونے کا احتمال ہے کہ اِن نادر نسخوں میں بھی ایسا کلام موجود ہے جس کو معتبر ماننے میں ذہن تامل کرتا ہے۔ کیا اُس عہد میں ہمارے گھروں کے افراد میں گفتگو منظوم ہوا کرتی تھی۔ کیا والدۂ شیخ، اُنکی رفیقہ حیات اور اُن کے احباب سب شاعر تھے؟ اِس بارہ میں میں نے اِس کتاب میں کچھ اصول واضح کئے ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ سولھویں اور سترویں صدی میں حضرت شیخ ہمارے لوک ادب پر چھا گئے تھے اور اُن کی کتابِ زندگی کے مختلف ابواب لوک ادب کی داستانیں بن چکی تھیں۔ اِس عوامی تردماغی نے کلامِ شیخ کے ہی اسلوب میں بلکہ کلامِ شیخ کے ہی کچھ فن پاروں میں کچھ فکر آمیز نقاط کے بارہ میں منظوم سوالات بنائے تھے اور جواب کے طور پر کلامِ شیخ کو وابستہ کیا گیا تھا۔ یہی سوال و جواب بعد میں "غوریچھ پل" یا "مکالمہ ہمہ سادھو اور شیخ نورالدین"

Marfat.com

کے طور اِن نُور ناموں میں اُنیسویں صدی میں شامل کئے گئے۔ اِس کتاب میں اکثر جگہوں پر بحث کی گئی ہے انشاءاللہ جلد تین میں اِس بحث کو ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

اِن امورات کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے اپنے جانشین اور شیخیاتؒ کے حقیقی طالبِ علم کو مشورہ دُونگا کہ وہ حیاتِ شیخ اور فکرِ شیخ سمجھنے کے لئے تیسرے درجے کے موّاد پر ہی عمل نہ کرے۔ تیسرے درجے میں کاملؔ صاحب کے "نُور نامہ" سے "صحیفہ نور" تک وہ سارا موّاد موجود ہے جو ماضیٔ قریب میں منظرِ عام پر آیا ہے۔ اِس مشن کو آگے لیتے ہوئے ثانوی درجہ کے موّاد کا بلاواسطہ مطالعہ ضروری ہے۔ ہاں یہ بلواسطہ جدّوجہد بے معنی ہوسکتی ہے اگر درجہ اوّل کا موّاد۔ یعنی ہم عصر موّاد بہم ہو پائے۔ میری غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ تب ہی ممکن ہے جب میرے بعد کا آنے والا تحقیق کار "صحیفہ نور" کی بجائے اس کے ماخذوں سے اِستفادہ کرے۔ ہاں یہ کتاب اور اس سے پہلے یا اِس کے ساتھ شائع شدہ کتابیں شیخیات کے عام طالب علم کے لئے کافی ہیں تحقیق کار کے لئے بھی بہت مددگار ثابت ہوسکتی ہیں مگر اُن پر لازم ہے کہ وہ ہماری آراء سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا جواز درجۂ دُوئم کے

Marfat.com

سواد سے حاصل کرے۔

مثال ۱ اپنے عہد کے ایک مورخ جناب ڈاکٹر اسحٰق خان صاحب کی دو نگارشن کی کتاب "...rs Transition To Islam Role of Reshis" کا میں پہلے جلد کے دیباچہ میں بھی ذکر کر چکا ہوں بعد میں انہوں نے ناراضگی کا ردِ عمل ظاہر کیا، اس لئے وضاحت کی ضرورت پڑی۔ آپ نے اشاعتِ اسلام میں ریشی تحریک کے بارہ میں دوررس دعاوی کئے ہیں جو حق ہیں مگر اس وقت تک ریشی طرزِ عمل کے بارہ میں جو تاثر تذکرات اور تواریخوں میں ملتا ہے اُس سے خانصاحب کا دعویٰ متنازعہ بنتا ہے، اسلئے آپ پر یہ فرض عائد تھا کہ آپ ردّ و قبول JUDICIAL SIFTING کے اصول پر حقائق کی نشاندہی کرتے مگر لگتا ہے کہ آپ نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ روایتی واقعات کے ساتھ وابستہ ہی ہیں۔ ان روایات کو کھوکھلا ثابت کر کے ہی اس روحانی مشن کا تاریخ ازسرِ نو منطقی اور معقول بنیادوں پر تعمیر ہو سکتا ہے۔ اس گستاخی کا تکرار نیک نیتی پر مبنی ہے۔ خانصاحب جیسی شخصیت سے ہی توقع وابستہ ہے کہ وہ مورخانہ بصیرت سے ہی ریشی تحریک کا کشمیر میں اسلام کے حوالہ سے ازسرِ نو جائزہ لیں۔

اپنے ایک عزیز محترم اسد اللہ آفاقی کے گھر پر

Marfat.com

تعلیمات شیخ العالم" نام سے موسوم ایک ضخیم کتاب کے کتابت شدہ مواد کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی ہے

سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے
خوش زلیخا ہے کہ محوِ ماہ کنعاں ہوگئیں

ورق گردانی کی مگر گھنٹے دو گھنٹے میں کیا اندازہ کر پاتا اِنشاءاللہ چھپنے والا ہے ۔ سرسری مطالعہ سے لگا کہ آفاقی صاحب نے بھی پوری عرق ریزی کے ساتھ کلام شیخ، تذکرات اور تاریخ کا وسیع مطالعہ کیا ہے اور اُن خانہ سازِ عالموں" کی عظمت کو بے نقاب کیا ہے جو ادبی مناصب پر چند غزلیات اور ایک دو مضامین کے سہارے اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں اور پوری عمر ادبی عہدہ داریوں میں گذار کر فقط ایک کتاب بھی قوم کو نہ دے پائے۔

شکریہ کرنا مناسب ہے اُنکا جنہوں نے اِس کتاب کے جلد اوّل پر ہمیں اپنی رائے سے نوازا خاص کر اخبار گریٹر کشمیر (GREATER KASHMIR) کا جس نے دو قسطوں میں اِس کتاب پر جناب نذیر مسعودی کا تبصرہ شائع کیا۔ اخبار کے مالک، اڈیٹران اور نذیر مسعودی کا مشکور ہوں۔ عبدالغنی بیگ اطہر کا بھی شکریہ جس نے اخبار "ندائے مشرق" میں کتاب پر بہت جامع تبصرہ کیا اور

Marfat.com

اخبار کے ادارہ کا بھی مشکور ہوں۔ سرینگر ٹائمز کے صوفی برادران کا بھی شکریہ جنہوں نے کتاب کے بارہ میں وسیع تشہیر کی۔ اپنے پبلشرز، کاتبین صاحبان اور گھر والوں کا شکریہ کرنا ضروری ہے۔ اور قارئینِ کرام کا پیشگی شکریہ۔

میں مؤرخ عصر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا مرہونِ منت ہوں جنہوں نے مسودۂ جلد دوئم کا بدقت مطالعہ کیا اور پیش گفتار سے نوازا۔ ان چند اوراق سے میرا اعتبار بھی بڑھ گیا اور اعتماد بھی۔

والسلام

غلام نبی گوہر

"درجِ گوہر"
چرار شریف روڈ کرالپورہ

Marfat.com

جناب غلام نبی گوہر کا بحیثیت شاعر اور ناول نگار تعارف حاصل ہے مگر "صحیفۂ نور" پڑھکر پایا کہ آپکی ذات میں ایک صاحب بصیرت تاریخ داں بھی موجود ہے اور صاحب صلاحیت نقاد بھی۔ گو کہ تاریخ دانی اور تنقید نگاری اگر متضاد خصوصیات نہیں ہیں مگر لگتی ہیں ذرا مختلف۔ اس سطحی اختلاف کے باوجود دونوں کا آپسمیں چولی دامن کا واسطہ ہے۔ مؤرخانہ بصیرت پر ہی نقد و نظر کا انحصار ہے جبکہ ناقدانہ صلاحیت کو تاریخی شعور نشو و نما عطا کرتا ہے۔ گوہر صاحب کی ذات میں ان دونوں صلاحیتوں کا اکٹھا ہونا اُنکے طرزِ استدلال کو منفرد بھی بناتا ہے اور مؤثر بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے پیشہ نے آپ کی ان دونوں صلاحیتوں کو نکھارا ہے۔ بحیثیت جج آپنے واقعات کی گہرائیوں میں جھانکنے کی بصیرت پائی ہے اور وکالت کے پیشہ نے آپ کے استدلال کو منطقی بنایا ہے۔ اسی پس منظر میں "صحیفۂ نور" پر بات کی جائے تو اچھا ہے۔

Marfat.com

سلسلۂ "صحیفۂ نور" کی دوسری جلد نے ہمیں بھی حضرت علمدارؒ کشمیر کے ذکر کے ساتھ وابستہ رہنے کی سعادت عطا کی ہے۔ اور اسطور بہت سی مصروفیات کو نظر انداز کر کے اِن دونوں جلدوں کا مطالعہ کرنا پڑا، دونوں حصص دُو دُو اجزا پر مشتمل ہیں۔ جُز اول دونوں کا ریشی نامہ ہے اور دُوسرا جُز دونوں جلدوں کا نور نامہ ہے۔ ریشی نامہ میں سیرتِ حضرتِ شیخؒ، اُنکے پیشرو ریشی اولیائے کے سوانحی خاکے ریشی مسلک اور ریشی تحریک پر سیر حاصل تبصرات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ اِس تحریک کے سماجی، مذہبی، سیاسی اور تنظیمی عوامِل پر پہلی بار جامع بحث ہوئی ہے۔ گوہر صاحب نے منطقی دلائل سے ریشی مسلک کو ایک منظم تحریک کے طور پیش کر کے کشمیر کی تاریخ میں ایک منفرد باب کا اضافہ کیا ہے۔ ہمارا عام تصور رہا ہے کہ ریشیت تزکیہ نفس کے حصول کا ایک سیدھا سادھا رُوحانی مسلک ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہی جانتے تھے کہ ریشی ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ خدمتِ خلق کے بھی کچھ عام قسم کے کام انجام دیتا تھا اور عمومی طور پر یہ گروہ جنگلوں میں زندگی بسر کرنے والے راہب ہی لگتے تھے۔ مگر گوہر صاحب نے بکھرے ہوئے واقعات کو تسلسل کی ایک طلائی زنجیر میں باہمی طور منسلک کر کے ریشیت کا ایک

Marfat.com

انقلاب آفرین عملی منشور منظرِ عام پر لایا ہے۔

آپ نے حضرتِ شیخؒ کے چار خُلفاء کا جامع تذکرہ کیا اور ان چار واسطوں سے عرفان والیقان کے چار دریاؤں کا سنگم نشاندہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے حضرتِ شیخؒ کے دیگر اہم مریدوں کا بھی تحقیقی تذکرہ کیا ہے۔ زنانہ ونگ کے اہم قایدین کے کارناموں پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اختتام پر ریشی تحریک اور مسلک کی واضح توضیحات (DEFINITION) اسی جامع تذکرہ کی روشنی میں کیں ہیں اور ریشی تحریک کے مشنری سپرٹ کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ اس تحریک نے نہ صرف اشاعتِ دینِ اسلام میں اہم کارنامے انجام دئے ہیں بلکہ رفائے عامہ اور خدمتِ خلق کو عبادتِ خُدا کا حصہ بنا دیا تھا۔ اسی بحث کی روشنی میں گوہر نے جُراعت مندانہ پہل کرتے ہوئے ریشیت کی اُس تعریف کو مُسترد کیا ہے جو بقولِ اُس کے "سترویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے اپنے عہد کے زوال یافتہ ریشی کو دیکھ کر ہی تعین کی تھی"۔ اس معاملہ میں ہم اس رائے کے ساتھ کس حد تک اتفاق کر سکتے ہیں وہ بحث طلب مسئلہ ہے البتہ اختلاف کرنے کے لئے حضرتِ شیخؒ کے بارہ میں لٹریچر (جس کو گوہر نے شیخیات کے نام سے تعبیر کیا ہے) کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے

Marfat.com

حضرتِ شیخؒ کی داستانِ حیات مرتب کرنا کارے باشد ہے۔ روایتیں اس طرح متضاد ہیں کہ ہر ایک تذکرہ یا تاریخ میں درج واقعات میں اندرونی تضاد بھی موجود ہے اور بیرونی ٹکراؤ بھی۔ اِن ماخذوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بھی تضاد ہے۔ گوہر کا تاریخی کارنامہ پڑھکر کچھ تو لگتا ہے کہ آپ بھی عقیدت مندانہ جذبہ سے ہی مغلوب ہیں مگر اُن کے منطقی استدلال اور پُرمغز بحث سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے بہت باریک بینی اور دقتِ نظر سے کرامات اور اساطیری داستانوں کی دُھند میں سے شیخِ کاملؒ کی ضیا بار شخصیت کو نمایاں کیا ہے۔

گو کہ اس سے پہلے ۱۹۸۸ء میں آپ نے ساہتیہ اکادمی کے لئے حضرتِ شیخؒ کے بارہ میں انگریزی کتاب لکھی تھی اُس میں ان تضادات کا اشارہ تو واضح تھا اُسی خاکہ پر آپ نے صحیفہ نُور کا محل تعمیر کیا ہے۔

مؤرخ حسن شاہ کے دعویٰ کو چیلنج کرنا جُراءت کا قدم ہے۔ اور اس طرح کی بیباکی اُسی شخص کے بس میں ہے جس نے وسیع مطالعہ سے اپنے اندر واقعاتِ شیخؒ کو پرکھنے کی ایک چھٹی حس پیدا کی ہو۔ پیر حسن کھویہامی کے ساتھ گوہر کے اختلافات ایک دلچسپ بحث و مباحثہ کا موضوع پیدا کرتے ہیں۔ اس مؤرخ کے حق میں یا خلاف قلم اُٹھانے کے لئے کلامِ شیخ اور

Marfat.com

اور دیگر تاریخی مواد کو دِقتِ نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

گوہر کی مُورخانہ بصیرت کا داد دئے بغیر نہیں رہا جاتا ہے کہ آپ نے مضبوط دلائل اُور منطقی استدلال سے اس عام تاثر کو چیلنج کیا ہے کہ حضرت شیخ اُمّی تھے۔ اسی طرح "سازشیں"[1] ایک ذیلی عنوان ہے جس کے تحت روایات کا پیدا کیا ہوا تاثر مٹاتے ہیں کہ حضرت شیخ[2] محض ایک غار نشین فقیر تھے۔

اِس تاثر کی ہماری ذہنوں پر شدّت سے گرفت ہے، اسی وجہ سے یہ ماننا محال لگتا ہے کہ آپ کو گرفتار کیا ہو گا یا نظر بند کیا ہو گا! دربار میں آپ کے خلاف بدگمانی پھیلائی جا سکتی تھی، آپ کو (نعوذ باللہ) گمُراہ کرنے کے لیۓ ایک دلرُبا عشوہ فروش حسینہ کو مامور کیا جا سکتا تھا مگر انہی بکھرے ہوئے واقعات کو ایک تجربہ کار تفتیش کنُندہ کی طرح مُصنّف نے ایک کڑی میں منضبط کیا ہے۔ جس سے ذہن بیکدم یہ ماننے پر آمادہ ہوتا ہے کہ یہ "سب کچھ" سازشی کارناموں کا نتیجہ تھا اور سازشیں لابدی شیخ کے کسی مخصوص عمل کے ردِّ عمل کے طور بنائی گئی تھیں۔ یہ ردِّ عمل کیا ہو سکتا ہے؟ وہی مصنّف نے چابکدستی کے ساتھ واضح کیا ہے۔

[1] جلد ۲ ص ۱۹۶   [2] جلد ۱ ص ۱۵۶

Marfat.com

اس جلد میں ریشیت پر سیر حاصل اختتامی بحث کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ ایک منظم تحریک تھی محض متصوفانہ نظریہ نہیں تھا۔ یہ ایک تبلیغی مشن تھا مگر اس مشن کا منشور اور عمل سماجی فلاح پر مضمر تھا۔ سیاسی اغراض سے بالاتر ہوتے ہوئے بھی استحصالی منصب دار اس تحریک کے قوت سے ڈر گئے تھے۔ نتیجتاً سیاسی ردِّ عمل پیدا ہوا۔ اسی ردِّ عمل نے اس تحریک کو بلواسطہ ایک سیاسی تحریک بنا دیا تھا۔ بحث کے اس طریق استدلال نے اور اس بحث پر منطبق نتائج سے تاریخ کشمیر کو از سر نو مرتب کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی ہے۔

نورالدین ولیؒ کے سالِ ولادت کے بارے[۳] میں گوہر صاحب کی دلیلیں بصیرت افروز بھی ہیں اور قابلِ قبول بھی۔ "خطِ ارشاد" کے متنازعہ امر پر آپ نے مفاہمت کی ہے جس میں مصلحت کارفرما نظر آتی ہے۔ گوہر صاحب نے منصفانہ عمل اختیار کرکے حضرت شیخ کے قریب تر زمانہ کے تاریخی حوالہ جات کو مقدم گردانا ہے جو درست بھی ہے۔ اس اصول کو مانتے ہوئے آپ کو تسلیم ہے کہ حضرت میر محمد کشمیر میں باراںؔ سال

۳۔ جلد ۱ ص ۹۔ (۴) ملاحظہ ہو ذیلی عنوان "میر محمد ہمدانی..."
جلد ۱ ص ۹۸ تا ص ۱۲۲۔

Marfat.com

(۷۹۶ - ۸۰۸ھ) ہی رہے ہیں۔ اس بنیاد پر بھی "خطِ ارشاد" کے بارہ میں وہی دلیل قائم ہوتی ہے جس کی رُو سے اِس دستاویز کے بارہ میں شکوک اُبھرتے ہیں مگر گوہرؔ نے زمانی تضادات پر قابو پانے کے لیئے اِس دستاویز کی تحریر و تکمیل وسط ایشیا کے کسی مُلک میں کراکر سید علام الدین صاحبؒ کو میر محمد ہمدانیؒ کا سفیر بناکر حضرت شیخؒ کے پاس پہونچا دیا۔ یہ کہانی مقامی روایات سے مُتضاد ہے۔ اگرچہ اِس میں منطقی جواز موجود ہے مگر اِس بارہ میں بہت تحقیق کی گنجائش ہے۔ اور جب تک گوہرؔ صاحب تائیدی واقعات کا کھوج نہ لگا پائینگے اِس دلیل کو قبول کرنا مُشکل امر ہے۔ بلکہ ناقدین یہ کہنے میں حق بجانب ہونگیں کہ یہ دلیل محقق گوہرؔ کی نہیں بلکہ ناولسٹ گوہرؔ کی اختراع ہے۔

مُصنّف نے قبل شیخؒ مسلم ریشیان کرام کا عہد تعین کرتے ہوئے کچھ اہم اشارات زیر بحث لائے ہیں جنکی روشنی میں "مسلم کشمیر" کا تاریخ نئے زاویوں پر مرتب کرنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اِس بحث سے ایک اہم معاملہ اُبھرآتا ہے کہ کیا سید عبدالرحمان بلبل صاحبؒ کے ورودِ مسعود سے قبل کشمیر کی زندگی پر اسلام کا اثر غالب ہوا تھا اور کیا خطۂ کشمیر نُورِ قرآن سے اس وقت مُنوّر ہو چکا تھا؟۔

Marfat.com

زیرِ تبصرہ جلد میں دقّتِ نظر کے ساتھ مُصنّف نے ریشی تحریک کے پُرکار مگر سادہ نصب العین کو موجودہ تحریکوں کی "غرضمندانہ قیادت" کے ساتھ تقابلی موازنہ کرکے تاریخی ادوار کے مابین بُعد کی دیواریں اُکھاڑ کر تسلسل کا ماحول پیدا کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ دلائل تحریک کی مختلف جہتوں اور گوناگون طریقۂ عمل پر دال ہیں۔

اس تحریک میں ماحولیاتی شعور کی نشاندہی کرکے مُصنّف نے اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ کشمیر سے ہی تحفّظِ ماحول کی منظم تحریک کی ابتدا ہوئی ہے۔

دونوں کتابوں کا دوسرا حصّہ (نورنامہ) کلامِ شیخؒ کے درست متن کا مُستند دستاویز ہے۔ آپ کو چرارِ شریف کے فرزند ہونے کے ناطے سے اس خطہ میں مُستند مخطوطات کے مُطالعہ کے مواقعات فراہم تھے۔ گھر میں بھی مخطوطات کا ایک خزانہ بہم تھا اور اُس کے ساتھ شیخ کا کلام پڑھنے کیلئے تجربہ کار اساتذہ کے پاس زانوے ادب تہہ کرنے کا موقعہ بھی فراہم ہوا تھا۔ یہ سعادت ہر ایک کے قسمت میں نہیں ہے۔

کلامِ شیخ میں عہدِ شیخ کی تلاش کے بارہ میں کچھ مضامین نظر نواز ہوئے ہیں مگر جس ناقدانہ صلاحیت اور

Marfat.com

مورخانہ بصیرت کا اُستادانہ امتزاج گوہر نے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے چودویں اور پندرویں صدی کے کشمیر کا حال اسی کلام بلاغت نظام سے کریدا ہے۔ اس کامیاب کوشش سے اس جدید نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ عظیم ادب اپنے عہد کے کرب کا ترجمان بھی ہوتا ہے اور آئینہ دار بھی۔ البتہ خود مُصنّف نے منصفانہ انداز میں اعتراض اُبھارا ہے کہ اگر آپ کی دلائل کے مطابق "تذکرات شیخ"۔ (ریشی نامے اور نورنامے) اعتباراً متنازعہ ہیں تو اُنہی کتابوں میں مُندرج کلام شیخ کو شکوک سے بالاتر کیسے مانا جائے۔ جواب بھی آپ خود دیتے ہیں کہ اُنیسویں صدی کے دو اہم ترتیب کاران بابا محمد کمال اور بابا محمد خلیل اللہ نے کلام شیخ کے قدیمی مخطوطات کا مطالعہ کیا تھا، گوہر صاحب نے بھی چرارِ شریف میں موجود ایسے نسخوں کے مطالعہ کا دعویٰ کیا ہے، ہمارے پاس کوئی جواز نہیں کہ ہم چرارِ شریف کے اِن تین دیدہ فرزندوں کمالؔ، خلیلؔ اور گوہرؔ کی شہادتیں رد کریں۔

"صحیفۂ نور" کے مطالعہ سے واضح ہے کہ گوہر صاحب نے اسرار قرآن کو اپنے روح میں سرایت کیا ہے۔ اس خصوصیت سے آپ کو یہ وجدان حاصل ہوا ہے کہ آپ کلام اللہ کو شیخ کی

Marfat.com

شاعری کا مخزن و مصدر ثابت کرنے میں کامیاب ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ اور اسلامیات کے جو حوالہ جات کلام شیخ میں دیے گئے ہیں انکو موجودہ تراکیب اور محاورات میں واضح کرنے کا سہرا بھی گوہر کے سر ہی ہے۔ آپ نے شیخ العالمؒ کے تاریخ ساز کردار کو سمجھنے کے لئے نہ صرف ضخیم فارسی مخطوطات کا پورے انہماک کے ساتھ مطالعہ کیا ہے بلکہ تاریخ کشمیر، تاریخ اسلام اور اسلامیات کے ساتھ گہری وابستگی رکھی ہے۔ محققانہ مہارت کے حصول کی خاطر وُسعتِ مطالعہ اور وُسعتِ نظر کی اہم ضرورتیں ہوتی ہیں جو گوہر صاحب نے بہت حد تک حاصل کیں ہیں۔

حضرتِ علمدارؒ کی سوانح عمری مُرتّب کرنے کے لئے کلامِ شیخ کو معتبر ترین کسوٹی بنانا گوہر کی جدّت طرازی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ واقعاتِ شیخؒ جو ان تذکرات میں درج ہیں کلامِ شیخ کے ساتھ مفاہمت رکھنے کے بجائے متصادم ہی لگتے ہیں۔ ایسے مراحل پر اکثر لغزشیں سرزد ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ شاعر تخلیقی عمل کے دوران استعاروں اور علامتوں کی وساطت سے اپنے بارہ میں کچھ نہ کچھ بیان کرتا ہے کبھی پُرجلال تجربہ کے اظہار سے تخلیق کار کا ذاتی جلال بھی

Marfat.com

ٹپکتا ہے۔ کبھی اظہارِ بندش میں فنکار اپنے کو بہت نیچے لاتا ہے۔ ایسے متضاد تجربات کلامِ شیخؒ میں بھی ہیں مگر گوہرؔ کی فنکارانہ جدّت نے حد بندی کی ہے۔ یہاں پر ہماری دانست میں کلامِ شیخ پر دسترس کامل کے علاوہ مُصنّف کا منطقی سوچ بھی کارفرما رہا ہے۔ یہ صلاحیت اُن میں بحیثیتِ جج نکھر آئی ہے۔ اس طرح گوہرؔ کا کارنامہ سہ آتشہ ہے۔

"صحیفہ نُور" کا طُرّۂ امتیاز کلامِ شیخ کا ترجمہ ہے۔ تشریح و توضیح ہم بھی اپنے انداز سے کر سکتے ہیں لیکن بُنیادی امر یہ ہے کہ کلامِ شیخ میں استعمال الفاظ کا صحیح تعین ہو کر متروک یا مشکوک الفاظ، تراکیب، استعارات وغیرہ کو عام فہم بنایا جائے۔ گوہرؔ صاحب نے ایسے متروک الفاظ کے حلِ مطالب پیش کر کے ہمارے لئے بھی کلامِ شیخ کی گوناگوں جہتیں پانے کی کُنجی بہم رکھی ہے۔ کئی تراجم آپ نے منظوم کئے ہیں جن میں کلامِ شیخ کی رُوح موجود ہے۔

گوہرؔ کا دعویٰ ہے کہ اِن دو جلدوں میں بیشتر کلامِ شیخؒ پیش کرنے کے باوجود ابھی وہ اپنے قاری کو حضرت شیخؒ کی شاعرانہ عظمت کا عرفان نہ دے پائے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ایسا آپ تیسرے جلد میں ہی کر پائیں گے۔

Marfat.com

توقع رکھیں گے کہ یہ جلد ہی ہمیں مرحمت ہوگا۔ ہم دست بدعا ہیں کہ گوہر صاحب "صحیفۂ نور" کے پروجکٹ کو مکمل کر پائیں اور یقین بھی ہے کہ آپ یہ مہم ضرور سر کرینگے۔ حضرت شیخ" کی اس بشارت کے ساتھ ہم گوہر صاحب کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں:

بُم بیتھ بیٹھ ہیُتز ژ ہڈ تہٕ قہر
سہٕ تتھ شہر گژھِتھ بیوٗہ

شیخ محمد اقبال

سعودیہ برزلہ۔ سرینگر
۵؍ دسمبر ۱۹۹۸ء

Marfat.com

صحیفۂ نورؑ ۲

جز

ریشی نامہ

گوہر کاشمیری

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ریشیانِ قبلِ شیخؒ

جلد اوّل میں ہم نے حضرت شیخؒ کے پیشرو ریشی اولیاء کا تذکرہ اجمالی طور کیا ہے مگر بحث تشنہ ہے۔ مؤرخ حسن نے تاریخ کے تیسرے جلد میں کشمیر کے اہم چار قبلِ شیخ ریشیان کی ترتیب کو برہم کیا ہے جس سے ان اولیاء کے زمانہ کے بارہ میں لازماً تضادات پیدا ہونگے۔ لہذا اس تضاد کی ہی نشاندہی پہلے کی جاتی ہے۔

وہ نظم جس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا روحانی سلسلہ بیان کیا ہے پھر ایک بار پیش ہے:

اوّل ریشی احمدؐ ریشی ❖ دوم اویسؓ قرنی آو
ترییم ریشی زلکار ریشی ❖ ژورم ریشی پلاس آو
پانژیم ریشی رمہ ریشی ❖ شیے یم ریشی میران آو
ستمس کرمے دشنا ہشی ❖ بوہ کس ریوش مے کیاہ زاو

(ترجمہ کے لئے جلد ۱، ص ۱۳۸ ملاحظہ ہو۔)

اس نظم میں آپ نے حفظِ مراتب کو ملحوظِ نظر رکھکر بصراحت لکھا ہے: کہ محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ریشیّت کے منبع و مصدر ہیں۔ جس

(نوٹ) :۔ مصرعہ ۴ اور ۵ میں اکثر تذکرات میں پلاس اور میران کے ساتھ "حضرت" آیا ہے۔ راقم سے بھی جلد ایک میں یہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ چونکہ نام پاکؐ کے ساتھ اس نظم میں "حضرت" نہیں ہے۔ اس لئے کسی اور نام کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ تصحیح کی جاتی ہے۔

Marfat.com

طرح ہر ایک روحانی سلسلہ انہی ؐ کی ذات بابرکات کے فیض کا مرہون منت ہے اسی طرح ریشی مسلک عرفان کا منبع بھی انہی ؐ کی ذات ہے۔ اس سلسلہ کو آگے لیتے ہوئے آپ نے حضرت اویس قرنی رضؓ کو دوسرا ریشی ولی قرار دیا ہے۔ عرب کے قریۂ قرن سے آپ کسی واسطہ کے بغیر سیدھے کشمیر پہونچ کر زلکا (یا زلکی) ریشی کو تیسرا ریشی ولی مانتے ہیں۔

اس کے ساتھ حضرت شیخ ؒ نے ایک اور نظم (مناجات) بھی تخلیق کی ہے۔ جس میں آپ نے اپنے مالکِ حقیقی سے عفو اور مہربانی کی درخواستیں کی ہیں۔ اس نظم میں آپ نے ان ریشی اولیائے کرام ؒ کے حوالہ سے دعائیں کی ہیں۔ لیکن اس عجز و انکساری میں آپ نے عمرانی لوازمات کی پابندی روا نہیں رکھی ہے۔ ایک عاجز بندہ بحضور ربّ الجلیل دعا میں محو ہے اور اس دوران اپنے مالک کو اس کے نیک بندوں کا واسطہ دیتے ہیں۔ لہٰذا یہاں شاعر پر حفظِ مراتب کی پابندی نہیں تھی۔ جس کا نام ذہن پر اولاً حاوی ہوا۔ اس کے بارہ میں طبیعت موزوں ہوئی تو تلمیحاتی شعر نتیجہ بنا۔ اس کے برعکس اوپر دیے گئے نظم میں شاعر نے ہر ایک ولی کے درجہ کے مطابق عمرانی لوازمات پورا کرتے ہوئے تذکرہ کیا ہے۔

مؤرخ حسن نے دوسری نظم میں دی گئی ترتیب کو بنیاد بنایا ہے۔ میران رُمّہ اور رُپلاس کو علی الترتیب چوتھا، پانچواں اور چھٹا ریشی قرار دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ آپ نے اس انحراف کو معتبر بنانے کے لئے "صاحب وقائع" یعنی محمد احمد کاشمیری کا حوالہ دیا ہے۔ ہم نے جلد اوّل میں تذکرہ کیا ہے کہ جہاں پیر کہ پیر غلام حسن کھویہامی کو ان سے قبل کی متواتر اندراجات اور روایات سے دانستہ انحراف کرنے پڑا وہاں پر وہ وقائع کشمیر کا ڈھولتے ہے۔

Marfat.com

جناب کمال بابا مرحوم نے ریشی نامہ عنبر شمامہ حسن کھوئیہامی کے تاریخ کشمیر لکھنے سے پچاس سال قبل مرتب کیا تھا اور اس کے فوراً بعد اس نے نظم نور نامہ لکھا اور صرف دس پندراں سال بعد روضۃ الریاض بابا محمد خلیل اللہ نے مرتب کیا۔ دونوں فاضل مصنفین کے پاس سولھویں صدی اور پندرھویں صدی کے لکھے گئے نور نامہ موجود تھے جن میں کئی نسخے ۱۹۰۵ء میں نذرِ آتش ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ دونوں مصنفین دربارِ عمدار کے خدام، نعت خوان اور منقبت خوان بھی تھے، انہوں نے اپنے بچپن سے اس نظم کو اپنے اسلاف سے اسی ترتیب سے سنا تھا جس سے یہی ثابت ہے کہ کشمیر کا پہلا مسلم ریشی زلکا تھے، دوسرے پلاس ریشی تھے، تیسرے رُمہ ریشی اور چوتھے میراں ریشی تھے۔ یعنی حضرت شیخؒ نے ولایت حضرت میراں ریشیؒ سے حاصل کیا، انہوں نے رُمہ ریشیؒ سے اور انہوں نے پلاس ریشیؒ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ حسن صاحب کا خلاصمن، پلاس من اور یاسمن ریشی تینوں کو پلاس ریشی کے بیٹے قرار دینا بھی ثابت نہیں ہے۔ حضرت بابا نصیب نازکیؒ نے ان تینوں اولیا کرام کا مدلل تذکرہ کیا ہے۔ گو کہ آپ نے ان تینوں کو ایک دوسرے کا بھائی مانا ہے، مگر انہوں نے یہ تذکرہ نہ کیا ہے کہ آپ تینوں پلاس ریشی کے بیٹے تھے۔ اس بات کی تردید بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ تینوں کی عمریں بہت دراز تھیں۔

چونکہ بابا نصیب الدین کے مطابق ان تینوں بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے یاسمن کی عمر چھ سو (۶۰۰) سال تھی ـــــ اس طور منجھلے کی عمر ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) سال اور بڑے کی اس سے زیادہ عمر درج ہے۔ اس

Marfat.com

طور تینوں کشمیر کے دوسرے ریشی کے بھی بیٹے ہو سکتے ہیں۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ کے مُرید رُمّہ ریشی یا اس کے مُرید میران سے بیعت حاصل کی تھی۔ ان پیشرو اولیاء کرامؒ کا زمانہ تعین کرنا ضروری ہے ۔ لیجئے اب ہم ان کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں ۔

---

۱ : نوٹ : جلد ۱ میں ریشیت کے عنوان کے تحت ص ۱۳۸ سے ص ۱۵۶ تک اس موضوع پر اشارات دیئے گئے ہیں۔ البتہ وہاں پہ کاتب صاحب کے سہو سے صفحہ ۱۴۴ پر نمبر ۱۴۵، اور ص ۱۴۵ پر نمبر ۱۴۴ لگا ہے ۔ قاری حضرات نوٹ کریں طبع ثانی میں ازالہ ہوگا ۔

Marfat.com

"زلکا ریشی"

آپ کے بارہ میں حضرت شیخؒ اپنی مناجات کے ایک بند میں یوں رطب اللسان ہیں :

ڈنڈک ونک زلکا ریشی :. تم کرُھس منگن ماییے
ان کھینک تھوُن نیندن :. کر بندن توشہ خدائے

ترجمہ : ڈنڈک ونا کے زلکا ریشی کتنے مرتاض تھے۔ ضبط نفس میں اس حد تک کمال حاصل کر چکے تھے کہ جنگل میں خود رو جڑیوں کا رس چوس کر اپنی بھوک مٹاتے تھے ، اس نے کسی قسم کا غذا (SOLID DIET) چکھا نہیں۔ اے میرے مولا! تم ایسے ہی بندوں پر مہربان رہتے ہو۔"

اس مختصر سے حوالہ سے ہمیں آپ کی شخصیت کے بارہ میں متعارف کیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کس خاص جگہ سے آپ کا تعلق ہے۔ مگر اس حوالہ سے اُن کا زمانہ اخذ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کا پہلے بھی اشارہ دیا گیا کہ اس نظم سے استفادہ کئے بغیر کچھ کج فہم لوگ زلکا ریشی کو حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ تعبیر کر بیٹھے تھے جس کی تردید ہم کر چکے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا کہ کشمیری رامائن کا رُوپ اپنے ماحول کے مطابق جُدا اور منفرد تھا۔ اس اساطیری داستان کے مطابق " ڈنڈک ونا " جہاں رام چندر جی کو چودہ سال گذارنے پڑے تھے۔ شمالی کشمیر میں ضلع بارہمولہ پرگنہ حمل (موجودہ رفیع آباد) میں واقع تھا۔ زلکا صاحب کس عہد میں گذرے ہیں واضح نہیں ہے۔

Marfat.com

آپ کا زمانہ تعین کرنے کی جلد اوّل میں تفتیش درج ہے مگر یقین کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں پھر ایک بار وضاحت کی جاتی ہے، کہ مؤرخ حسنؔ لکھتے ہیں :

"محمودؔ غزنوی نے کشمیر میں چھاؤنی مقرر کی تھی، تو اُن کے یعنی رامو ریشی کے کمالات کا شہرہ سُن کر ان کی ملاقات سے بہرور ہونے کے لئے چلے گئے اور غار کے دروازے پر منتظر بہ آیۂ کریمہ :

وَاَطیعو اللّٰہَ وَاطیعو الرّسول وَاُولی الامر منکم

اُونچی آواز سے پڑھتے رہے ...."

(اسرار اخیار (اردو ترجمہ تاریخ حسن جلد ۳ اردو ترجمہ صفحہ ۔)

حسنؔ صاحب نے اس واقعہ کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ ہم نے البیرونیؔ کے کتاب الہندؔ کے کئی تراجم کی ورق گردانی کر کے جو پایا بجنسہٖ درج ذیل ہے :

"اتنا ہی اخذ ہے کہ محمودؔ غزنوی نے شمالی کشمیر کے جنگلوں میں کسی کشمیری مرتاض شخصیّت سے ملاقات کی تھی۔" حضرت راموہ ریشی زیادہ تر جنوبی کشمیر میں ہی دشت نورد رہے ہیں۔ البتہ اُن کے خلیفہ حضرت میراںؔ ریشی کا دائرۂ عمل شمالی کشمیر میں پھیلا ہوا تھا۔ اس طور لگتا تھا کہ سلطان غزنوی کی ملاقات میراں ریشی سے ہی ہوئی تھی، دونوں ہمعصر تھے اور دونوں کا زمانہ گیارھویں صدی عیسوی کا رہا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ میراں ریشی ہی اپنے مُرشد سے پہلے وفات پا چکے ہیں کیونکہ

Marfat.com

اوّل الذکر کی عمر صرف تریاسی[۸۳] سال تھی، جبکہ راموہ ریشی کی عمر دراز رہی ہے۔
راموہ ریشی کا پیر طریقت پلاس ریشی تھے اور ان کے مرشد جناب زلکا ریشی ہیں۔ اس طور زلکا ریشی کا زمانہ قرین قیاس دسویں صدی عیسوی کا ہے۔

"پُلاس ریشی"

شجرۂ طریقت والی نظم میں نند ریشی رحمۃ اللہ علیہ نے پلاس ریشیؒ کو دوسرا کشمیری ریشی ولی تسلیم کیا ہے، اور آپ کو حضرت زلکا ریشی کا جانشین اور خلیفہ مانا ہے۔ مؤرخ حسن نے آپ کو حضرت شیخؒ کے پیشرو کی حیثیت سے چوتھا کشمیری ریشی ولی بنایا ہے جو ہم نے دلائل سے مسترد کیا ہے۔ مناجات میں آپ کی عظمت، ریاضت اور خلوص کا حوالہ یوں دیا گیا ہے:

پیران ابھیاس پلاس رشو ٭ تم فرستنس لیشون دڑائے
تس زیپس مٹھوئی نہ شو ٭ کر بندن توشہ خدائے

یعنی، حبس نفس پر قدرت رکھنے والا پلاس ریشی درخت سفیدہ کا چھلکا اتار کر اُسی چھلکے کی رطوبت کو زبان سے چاٹ کر روزہ رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد خدا میں صرف ہوا اور کبھی ایک سانس بھی ماسوا اللہ کی ذکر میں ضائع نہیں کیا۔

حسن صاحب آپ کو لدرمن ریشی کا مرید قرار دیتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر حسن صاحب کی دی ہوئی ترتیب (متذکرہ بالا شجرہ والی نظم کی) ہی صحیح مان لیں تو بھی آپ راموہ ریشی کے بلا واسطہ مرید تسلیم کیے جا سکتے ہیں

Marfat.com

حتیٰ کہ دیرینہ روایت اور اس نظم کی درست ترتیب کے پیشِ نظر خود زمہ ریشی آپ کے خلیفہ ہیں۔ اس طرح تاریخِ حسن کی اس حد تک تردید ضروری بنتی ہے۔

اسی طرح عام تاویل کے مطابق حضرت الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی پلاس ریشی بنایا جاتا ہے۔ یہ تاویل بھی مسترد کی گئی ہے۔

پلاس کا زمانہ بارھویں صدی کے اختتام تک جاری رہا ہے یا تیرھویں صدی کے ابتدائی تک رہا ہے۔ آپ نے بھی ایک سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔ مگر آپ کس علاقہ سے تھے یہ کلام حضرت شیخ رح سے واضح نہیں ہے۔ حسن کے مطابق آپ نے اپنا بیشتر وقت پرگنہ مارتنڈ کے جنگلوں اور زمہ زوہ کی آری رائے غار میں عبادتِ خدا میں صرف کیا ہے۔ حسن نے "پلاس من" ریشی بھی آپ کا نام لکھا ہے ___ قبل شیخ ریشیان کشمیر کا تذکرہ بھی کچھ اتنا مختصر اور منتشر ہے کہ ایسے دھوکوں میں آنا ناگزیر بنتا ہے۔ چونکہ مرحوم حسن کا مرکزِ تحقیق کشمیر کی سیاسی تاریخ تھی اور اس طرح انہیں ان "جزئیات" کی تحقیق کا موقع نہ ملا ہے، نہ ہی یہ اس کا محدود دائرۂ عمل تھا۔ لہٰذا جہاں پر بھی آپ کو مدلل بحث کی ضرورت باب خمیس (ریشیاں کے باب) میں پڑی تو آپ بلا تامل ہمائے قافِ ابہام "وقائع کشمیر" کے سایہ میں آتے ہیں۔ چونکہ راقم کا مطالعہ سالہا سال سے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے حیات و کلام تک محدود رہا، اس لئے ریشی ناموں کے مطالعہ سے لگتا ہے کہ حضرت شیخ رح سے قبل پلاس ریشی اور ریلاس من دو ہستیاں گذری ہیں۔ حضرت شیخ نے پلاس ریشی کا تذکرہ بہ صراحت کیا ہے اور انہی مبہم عبارات کی بنا پر حسن نے پلاس اور پلاس من کو ایک ہی شخص بنا دیا ہے۔ لگتا ہے کہ پلاس من حضرت پلاس کا بیٹا تھا اور خدا شناس

Marfat.com

اور یاسمن کا بھائی تھا۔ پلاس ریشی کا جائے مدفن معلوم نہیں ہے۔ قرینِ قیاس یہی ہے کہ آپ اسی غار میں دفن ہیں جہاں دو سو سال کے بعد آپ کے پہلو میں حضرت لدرمن ریشی آرام فرما ہو گئے البتہ پلاسمن اپنے برادران کے ساتھ بیجبارہ میں ہی دفن ہے۔

حضرت پلاس ریشی کے تین فرزندان کا باپ ہونے سے یہی معقول طور اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلم ریشیان نے اگر ترکِ لذّات کیا تھا مگر نکاح سے اجتناب رہبانیت کا عمل نہیں بنا تھا بلکہ مجرّد رہنا یا نکاح کرنا ہر ریشی کے انفرادی صورتِ حال پر موقوف رہا ہے۔

"رُمہ ریشی"

پانچواں ریشی ولی اور کشمیر میں اس سلسلہ کا تیسرا قائد رُمہ ریشی گذرا ہے جو جنوبی کشمیر کے موجودہ ضلع اور تحصیل پلوامہ کے "رامُوہ" گاؤں کے غار میں خلوت نشین ہوئے۔ یہ گاؤں آپ کے نام کی مناسبت سے ہی "رامُوہ" بنا ہے۔ مؤرخ حسن نے آپ کے بارہ میں ذرا طوالت سے لکھا ہے، اور واقعاتِ کشمیر کو ہی ماخذ بنا دیا ہے۔ گو کہ اب ہمارے پاس کچھ ایسی معقول دلائل موجود ہیں جنکی بنیاد پر (ملاحظہ ہو جلد اوّل ص ۹۶-۹۷) ہمیں یہ قبول کرنے میں تامل ہے کہ حسن صاحب کو واقعاتِ کشمیر کا مخطوطہ دستیاب ہوا تھا اور دستبرد ہونے سے پہلے ان دلائل اور حوالہ جات کے اندراجات نقل کئے تھے، مگر پھر بھی ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے تاریخ حسن سے واقعات کا بجنسہٖ پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

واقعاتِ کشمیر کا حوالہ دیتے ہوئے حسن لکھتے ہیں: کہ رُمّہ ریشی دریائے جیحون کے اُس پار کے لوگوں میں سے ہے، دُنیا کی سیاحت کی تھی، سات حج کئے۔ بے شمار خدادوستوں سے ملے۔ راجہ کی لشکر کے ساتھ کشمیر آکر رامون گاؤں میں خلوت نشین ہوئے۔ جنگلی جڑی بوٹیوں اور ساگ پات پر بسر اوقات کرتے۔ نہ کسی قسم کا اناج نہ کھاتے تھے، آخری عمر میں دودھ پیتے تھے ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رہا تھا۔ شیبان اور انگول ریشی کی خدمت کی۔ آگ کی ضرورت پڑتے ہی درخت کی سوکھی ٹہنی پر لعاب چھڑ کر شعلہ پیدا کرتے تھے پہاڑوں میں آپ کے ساتھ میں جنگلی درندے لطف اُٹھاتے تھے۔ کوئی آدمی ان کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ کئی برس نگرکوٹ کے علاقہ میں گوشہ نشین ہوئے۔ ایک دن تھوہر کا کانٹا ہاتھ میں چبھ گیا، درد آفرین زخم لگ گیا آپ نے اس کانٹے کو بددُعا دی تو سولہ[16] برس اس کانٹے کی جھاڑیاں پنجاب میں نہ اُگ پائیں۔ لدرمن ریشی ان کی خدمت بجا لاتے تھے جب ان کے ہاتھ پاؤں مضمحل ہو گئے، پھر محمود غزنوی کے ساتھ ملاقات کا تذکرہ ہے۔ جس کا ذکر اُوپر آیا ہے۔ رامُوہ ریشی نے (بقول حسن بہ روایت مُلّا احمد) سلطان محمود غزنوی سے کہا:

"تمہارے مرشد ابُوالحسن خرقانی نے مجھے بچپن میں دریا میں ڈالا جب میں نے غوطہ کھایا تو مجھ پر عالمِ ملکوت کا حال کُھل گیا اس لئے بھائی چارہ کی رعایت سے تجھ سے ملا۔ اب مجھے فرصت دیجئے سلطان نے عرض کیا" فتح کالنجرا کیلئے میرے حق میں دُعا فرمائیے"۔

"فتح کالنجراے بعد سومنات کی فتح کی کنجی تجھے بخشی گئی۔ ریشی نے جواب دیا: ہیرا نین کا ری

Marfat.com

سے چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر بادشاہ کو دیا اور فرمایا کہ "یہ ٹکڑا تمہارے جھنڈے کے پھریرے کے ساتھ لگا ہوگا تو تمہاری تلوار کسی جگہ کند نہ ہوگی"۔ پھر لکھا ہے کہ ایک جاڑے کی سخت سردی سے تکلیف ہوئی تو فرمایا "سورج ہم سے کیوں چھپا ہے؟" اسی وقت سورج نکل آیا۔ ٹھنڈ ختم ہوئی پھر چھ برس کشمیر میں برف نہ ہوئی۔ آپ تین سو بائیس (۳۲۲) سال زندہ رہے۔

چونکہ آپ کی عمر لمبی رہی ہے اسی لئے "رُمہ رِیشُن آئے" عمر خضر کے لئے کشمیری زبان میں نعم البدل محاورہ بنا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے عام تاثر دیا گیا تھا کہ رُمہ ریشی کوئی کشمیری ریشی ولی نہ تھا بلکہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے لئے ہی نُند ریشی نے یہ نام تجویز کیا ہے۔ اس غلط تاویل کی ہم تردید کر چکے ہیں۔

قصہ محمود غزنوی کا تواریخ کی کسوٹی پر آئندہ بحث ہوگی۔

"حضرت میراں ریشی"

شجرہ طریقت والی نظم کے حوالہ سے حضرت شیخؒ کے پیشرو قائد میراں ریشی تھے جن کا رتبہ انہوں نے سلسلہ ریشیت میں چھٹا تعین کیا ہے اور خود ساتواں ریشی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو بلا واسطہ تربیت میراں ریشی سے ملی تھی۔ ہاں جو امانت عرفان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تھا وہی امانت زلکار ریشی تک اور اُن سے نُند ریشی تک پہنچتا ہے۔ واسطہ شاید حضرت یاسمن ریشی ہیں جنہوں نے حضرت شیخؒ کے والد بزرگوار

Marfat.com

شیخ سالار الدین کو اپنے فیض سے اس عظمت کا امین بنایا تھا۔

"کر بندن لوتشہ" والی نظم میں نند ریشی اپنے فاضل پیشرو کو خراج عقیدت ادا کرتے ہیں اور یہی ایک بند ہمیں میراں صاحب کے حالات کا مختصر ترین خاکہ پیش کرتا ہے۔ بصورت دیگر ہمارے پاس کوئی تحریری یا تقریری دلائل ان کے بارے میں موجود نہیں ہے

ریشی اولیاء کے بارہ میں ریکارڈ نہ ہونے کے برابر تھا۔ آپ کے اسمائے گرامی روایتی داستانوں سے بھی محو ہو چکے تھے۔ البتہ اسی لئے اس چھوٹی نظم (جس میں حضرت شیخؒ نے اپنا روحانی شجرہ بیان کیا) کے بارہ میں غلط تاویلیں کی تھیں۔ اس دور از کار تاویل میں حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کو میراں ریشی بنایا گیا جس کی ہم نے جلد اوّل میں دلائل کی روشنی میں تردید کی ہے۔ اب اس ایک بند کو ملاحظہ کیجیئے:

رُش وُنی ہند میراں رِشی ؛ نمُہ زُندرہ ساسن ان جل کیوٗ ہ

(رُش ونی کا میراں ریشی جس نے زندگی کے ایک ہزار مہینے پورے کئے تھے آخر پر وہ بہ جسد ہی آسمان پر چلے گئے۔)

مصرعہ اوّل سے ان کے جائے سکونت کا حوالہ ہے وہ "رُیش وُنی" مقام پر ریاضت کرتے تھے جو صفاپورہ تحصیل سوناواری ضلع بارہمولہ میں واقع ہے شاید اس جگہ کو "رُیش وُنی" ۔۔۔ ریشی کی جاگیر ۔۔۔ میراں ریشی کی مناسبت سے ہی نام پڑا ہوگا۔

مصرعہ دوم سے واضح ہے کہ اُس نے دانہ پانی پر بسر اوقات کیا ہے۔

Marfat.com

دیگر ریشیان کی طرح غلّہ سے بالکل اجتناب نہ کیا۔ اور اسی مصرعہ سے آپ کی عمر بھی متعین کی گئی ہے۔ یعنی ایک ہزار قمری مہینے جو تریاسی برس اور اسی برس قمری اور شمسی بالترتیب بنتی ہے۔

آپ رُمّہ ریشی کے مُرید تھے مگر لگتا ہے کہ آپ اپنے پیر بزرگوار کی وفات سے بہت پہلے رحمتِ حق ہوتے ہیں۔ چونکہ مُرشد کی عمر تین سو بائیس سال رہی ہے اور آپ صرف تریاسی سال جئے۔ اس طرح لگتا ہے کہ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے پیر رُمّہ ریشی صاحب بہت مدّت زندہ رہے، اور اس طرح میراں ریشی کے مُرید لدرمن، پلاس من، خاص من اور یا سمن اپنے بڑے پیر کے بلاواسطہ فیض سے بھی مستفیض رہے ہیں۔ رُمّہ ریشی کو بھی ۱۲۰۰ء کے بعد ہی وفات پائے ہیں (اگر قصہ محمود و رُمّہ درست مانا جائے تو) اور لگتا ہے اس سے بہت پہلے میراں صاحب رحمتِ حق ہوچکے تھے، مگر کب؟ یہ پوری طرح واضح نہیں ہے بلکہ ہم وہ صدی بھی پوری طرح تعین نہیں کرسکتے ہیں، جس میں آپ گذرے ہیں۔

سُخنے دربارۂ علّامہ حاجنی

استادِ محترم علّامہ محی الدین حاجنی نے اپنے مضمون بعنوان "قبل شیخ کے ریشی" (مجلہ علمدار مطبوعہ کشمیر کلچرل آرگنائزیشن) میں تاریخ حسن کا ہی مضمون من وعن درج کیا ہے۔ مرحوم سے توقع نہیں تھی کہ آپ دیگر مواد کا تقابلی مطالعہ کئے بغیر حسن صاحب کی متنازعہ فیہ روایت پر مہرِ تصدیق ثبت کریں۔ چونکہ مرحوم کی ذات ہمارے عہد میں اساطیری روپ دھار

Marfat.com

چکی تھی اور کسی بھی تاریخی اور تحقیقی مضمون پر آپ کی تائید ایک سند کا اعتبار حاصل کرتی تھی اس لئے نفسِ مضمون سے گریز کرتے ہوئے یہ لکھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ مرحوم حاجنی نے "تاریخ حسن"، آزاد صاحب کی "کشمیری زبان اور شاعری" جلد دوم اور چند معاصر مضامین ہی حضرت شیخ "کے بارے میں پڑھے تھے ، اور بدقّتِ نظر سے آپ کی شخصیّت، کلام، مشن اور تحریک کے بارہ میں تحقیق نہیں کی تھی، اس کا اعتراف مرحوم نے جون ۱۹۷۹ء میں مرحوم شیخ محمد عبداللہ وزیراعلیٰ صاحب کے پرائیویٹ دفتر پر بھی کیا تھا۔

انہیں حضرت شیخ" کے بارہ میں عام طالب علم کے برابر علمیت رہی ہے۔ اس لئے اگر آپ نے مزید تحقیقات کئے بغیر حسن کا اتباع کیا ہے اس کو مہرِ تصدیق یا سند نہ مانا جائے۔

اس گریزِ دانستہ کے بعد پھر ہم اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان مقتدر چار ریشی اولیاء کرام کے بارہ میں، جیسا کہا گیا ہمارے پاس مواد نفی کے برابر موجود ہے اگر اس ایک مناجات میں پانچویں عظیم کشمیری ولی اور سردارِ ریشیان نند ریشؒ نے تذکرہ نہ کیا ہوتا تو ہمیں ان کے بارہ میں کچھ معلوم نہ ہوتا ——— پیر غلام حسن شاہ کھویہامی کی عقابی نظروں نے کلام شیخ میں کچھ مواد کھنگال لیا تھا تو وہ ابہامی تاویلیں غلط قرار دی گئیں جو ان ریشیان کے بارہ میں پیدا ہوئیں تھیں ، مگر ان کا تذکرہ اکثر ریشی ناموں میں مختصراً آیا ہے۔

شیبان ریشی اور انگول ریشی کے بارہ میں صاحب "روضۃ الریاض" نے بھی مختصر حوالہ دے کر انہیں حضرت رمہ ریشی کا مرید مانا ہے۔ حسن صاحب

Marfat.com

لکھتے ہیں: کہ رُمَہ ریشی کی زندگی کے آخری ایام میں ان دو ریشی شخصیات نے ان کی خدمت کی۔ پس یہ ثابت ہے کہ آپ دونوں تیرھویں صدی عیسوی میں کشمیر کی روحانی فضا پر چھائے ہوئے تھے۔ اگرچہ "انگول" نام کشمیری لفظ لگتا ہے مگر "شیبان" لفظ کے ڈانڈے عربی لغت سے ہی وابستہ ہیں۔ اس بات سے یہی اشارہ اخذ ہوتا ہے کہ بارھویں صدی میں بھی کشمیر میں مسلمان رہتے تھے اور شیبان صاحب مسلم گھرانے میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

"لدرمن ریشی"

گُڈہ سَتھو کا گاؤں موجودہ تحصیل چاڈورہ کا ایک مشہور گاؤں ہے کریوہ دامودر جہاں پر کشمیر کا پہلا ہوائی اڈہ اور موجودہ ملٹری ائیر ڈرم واقع ہے کے دامن میں ہے، اس لئے اکثر جنگوں اور جنگجویانہ ماحول میں متاثر رہتا ہے۔ ذوالچو کے حملہ کے بعد کشمیر میں طوائف الملوکی وبا کی صورت اختیار کرگئی تھی گڈہ ستھو بھی الگ ایک راجواڑہ قائم ہوا تھا۔ نی وانو راجہ تیلسرہ کی شکست کے بعد حضرت شیخ کا پردادا ہنر سنز زندگی کی آخری ایام میں راجہ گڈہ ستھو کے پاس ہی پناہ لیتا ہے اور یہیں پر اس کا بیٹا گرزاسنز قلعہ داری کے منصب پر فائز ہوا اور یہیں شیخ کے والد صاحب "سلر سنز" تولد پاگئے، اسی گاؤں کے متمول گھرانے کا فرزند "لدرمن" تھا جو رُمَہ ریشی کے نظر کرم سے مسلمان ہوگیا اور پھر شب و روز خدا کی عبادت میں محو ہوگیا۔ نفس کشی کا یہ عالم تھا کہ چالیس برس تک جنگلی ساگ کے ساتھ روزے کھولتا تھا۔

Marfat.com

ریشی نامہ میں تذکرہ آیا ہے کہ زلچو (حسن کو ان مصنفین نے غلط طور ذوالقدر خان نام دیا ہے' اور خواہ مخواہ اس قصائی کو آشتی اور امن کے دین میں شامل کیا ہے) کے حملہ کے دوران ریشی اولیا مارے گئے۔ تاریخ حسن میں درج ہے کہ دونوں فرقوں کے اس مرتاض طبقہ کو تہہ تیغ کیا گیا ہے جن میں پنڈت ریشی بھی تھے' اور مسلمان ریشی اولیا بھی تھے۔ بقول حسن بدھ مت کے غلبہ کی وجہ سے ان شہید ریشیوں کی قبروں کے نشانات تک موجود نہ رہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ ۱۳۲۰ عیسوی میں زلچو کی غارتگری میں بہت ریشیانِ کرام تہہ تیغ کیے گئے ہیں۔

مورخ حسن کا بیان ہے کہ "رُمّہ ریشی کی وفات کے بعد آپ ہندوستان چلے اور کوہ شوالک میں "سرہنگ ریشی" کی خدمت گزاری میں لگے رہے' اور جب واپس آئے تو ریشیوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی جو سارے "آری رائے" کے غار میں (دریائے لدر کے کنارے علاقہ مارتنڈ میں موجودہ بمہ زوہ کی جگہ) گوشہ نشین ہوئے۔

ہماری رائے ہے کہ اٹھتی ہوئی جوانی میں ہی رُمّہ ریشی کی نگاہ تقدیر ساز نے آپ کو روحانی انقلاب سے آشنا کیا، واقعہ کوئی ۱۲۶۱ء کے قریب رونما ہوا۔ ایکسو بیس سال کی زندگی پاکر آپ ۱۳۲۰ یا ۱۳۲۱ء کو دوران زوالچو کے حملہ کے دوران ہی واصل بحق ہوئے۔ سوا سو سال بعد آپ کے پہلو میں حضرت بام الدینؒ ابدی نیند سو گئے۔

میری رائے میں جو بابا محمد خلیل نے ریشیاں کے قتل و غارت کا تذکرہ لکھا ہے اس سے یہی اخذ ہے کہ زوالچو کے فوجیوں نے لدرمن ریشی اور آپ

Marfat.com

کے ساتھی ریشیوں کو شہید کر ڈالا تھا۔ یہ شہادت کا واقعہ بھی محض جنگی جنون کا نتیجہ ہی نہ ہوگا بلکہ لگتا ہے کہ زولچو کے حملہ کے وقت جب راجہ کشمیر امراء اور درباری رعیّت کو گرسنہ بھیڑیا کے پنجوں میں چھوڑ کر خود بھاگ چلے تو ان مسلمان ریشی بزرگوں نے عدم تشدّد کے عمل سے ہی احتجاج کے ردِّ عمل کو ظاہر کیا جس پر غارت گر کے فوجی یا خودِ زولچو ناراض ہوا تو ان کو تہہ تیغ کیا۔ اس عالمِ بے کسی میں جب کشمیر پر ظلم و غارت کا قہر نازل ہو چکا تھا، جاہ پرست برہمن بھی اپنے کو بچانے کے لئے چھُپ گیا۔ مگر ریشی بزرگانِ دین سینہ سپر بنکر کسی نہ کسی طرح اس ظلم کے خلاف کچھ ایسے اقدامات کر گئے جو اُن کے اور حملہ آور طاقت کے مابین بنائے مخاصمت بن گئے۔ ورنہ اگر یہ صرف غاروں میں عبادت گذار اور منفی راہبانہ عمل پر کاربند تھے تو حملہ آور فوج انہیں تہہ تیغ کرتا تو کیوں! اس طرح سے ایسی واقعات نے ریشیت کے رہبانی پیکر کو جہاد کی رُوح سے متحرک کیا اور شیخ نورالدین ولیؒ نے پھر اسی تحریک کو بے سلاح اور بے جنگ مُلک شکن بنایا۔

ریشیت کی تثلیث

حضرت پُلاس ریشیؒ جیسا کہ کہا گیا کشمیر کے دوسرے مُقتدر ریشی قائد گزرے ہیں۔ مگر حسن کھویہامی نے پُلاس ریشی اور پلاسمن ریشی کو ایک ہی شخصیّت قرار دیا ہے، اس بارہ میں تذکرہ نویسان باباکمال اور بابا خلیل نے بھی کچھ واقعات کو خلط ملط کیا ہے گو کہ دونوں نے پلاس ریشی اور پلاسمن ریشی کو دو الگ شخصیات کے طور پر پیش کیا ہے۔ مگر جو توصیف حضرت شیخؒ نے

Marfat.com

پلاس ریشی کی بیان کی ہے وہ جزوی طور ان تذکرہ نویسوں نے پلاسمن پر بھی چسپاں کیں ہیں ۔ نند ریشی نے پلاس کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ درخت سفیدہ کے چھلکے سے روزہ کھولتا تھا ، اور دونوں تذکرہ نویساں نے وہ توصیف پلاس اور پلاسمن دونوں کے بیانات میں درج کی ہے ۔ " پلاسمن " پلاس ریشی کا بیٹا تھا ۔ اس کے دو اور بھائی خلاصمن اور یاسمن تھے ۔ اب ان تینوں کا مختصر تذکرہ درج کیا جاتا ہے :

پُلاس من ریشی

آپ کا تولّد ۲۳ - ۱۲۲۲ عیسوی میں ہوا ہے ۔ اس طرح سے آپ اور آپ کے دو بھائی ـــــ تینوں پلاس ریشی کی پختہ عمر میں تولّد پا چکے ہیں ۔ دن کو رُوزہ رکھتے اور راتیں عبادت گذاری میں جاگتے رہنا تھا ۔ طے مکان کا کرتب بھی واصل تھا ۔ آپ اپنے مُریدوں کے ساتھ عیدِ قربان مناتے تھے ، مگر عقیدت مند دوستوں نے ادھر آپ کو خانۂ کعبہ میں حج کا طواف کرتے بھی دیکھا تھا ۔ آپ کے سالِ وفات کے بارہ میں کچھ وثوق سے کہنا ممکن نہیں ہے ۔ کیونکہ آپ کے واقعات آپ کے والد بزرگوار کے واقعات کیساتھ خلط ملط ہوئے ہیں ۔ اس کرامت سے یہ بھی اخذ ہے کہ زلچو کے حملہ سے قبل بھی یہاں کے مسلمان حج کو جاتے تھے ۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایلبال مت کے بہت پہلے سے یہاں مسلمان موجود تھے جو زیارت کعبہ کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے ۔

خلاص من ریشی

پلاس ریشی ان کا باپ بھی تھا اور طفولیت ... ہیں سے آپ نے

Marfat.com

تربیت بھی حاصل کی تھی، بعد میں سرہنگ ریشی سے بھی تربیت حاصل کی آپ ۱۳۴۰ - ۴۱ عیسوی میں وفات پا گئے ہیں اور اپنے بڑے بھائی پلاسمن کے پہلو میں کریوہ بیجبہاڑہ میں دفنائے گئے۔ باپ اور برادران کی طرح بہت بڑے مرتاض، صاحبِ حال اور ولیٔ باکمال گذرے ہیں۔ ضبطِ نفس اور ترکِ لذات پر زبردست کمال حاصل کیا تھا۔

یاسمن ریشی

پلاسمن اور خلاصمن کے چھوٹے بھائی تھے۔ نفس کشی میں کمال تھا، لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے۔ جنگلی درندوں کے ساتھ اُنس رکھتے تھے۔ پہلے اپنے بھائی پلاسمن ریشی سے تربیت حاصل کی تھی اور پھر اپنے برادران کی وفات کے بعد انہی کی مزارات پر مجاورت کی۔ ریشی ناموں میں آپ کے سال وفات کے بارہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ جب کہ حسن صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ سلطان علاؤ الدین کے عہد کے آخری حصہ میں وفات پا گئے۔ علاؤ الدین کا عہد ۱۳۴۳ - ۵۴ تک کا رہا ہے، اس طور آپ کی وفات ۱۳۵۴ء یا ۱۳۵۳ء میں ہی ہوئی ہوگی۔ ذکر حضرت شیخ العالم میں مؤرخ حسن لکھتا ہے :

> " ملا احمد جو حضرت شیخ العالم رحمتہ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے، لکھتے ہیں : کہ ایک دن شیخ سلر اپنی بیوی صدرہ کے ساتھ یاسمن ریشی کے ہاں گئے جو بیمار تھے، اور ایک چشمہ پر تھے اچانک للہ عارفہ ایک گلدستہ لیکر وہاں پہونچی، یاسمن ریشی

Marfat.com

نے اس سے پھولوں کا گچھا لیکر صدرہ ماجی کو دیکھکر کہا، سر پر لگاؤ خداوند کریم تم کو ایک بیٹا عطا کرے گا جو ہمارے حقیقت اور ہمارے حال کا وارث ہو گا۔"

جلد اوّل میں ہم اس داستان کو غیر تاریخی قرار دے چکے ہیں جو تاریخوں، تذکرات اور روایات میں چھا گیا[1] اور جس کے مطابق ایک سادھو نے پیشنگوئی کی تھی کہ "کھی" گاؤں کے چشمہ سے پھولوں کا ایک دستہ اُبھر آئے گا اور جو اُس کو سونگھ لے گی وہ ایک عظیم ولی کی ماں بن جائے گی۔ اور پھر صدرہ نے ایسا کیا تو "نُندرشی" بطنِ والدہ میں ہو بچے۔ اس واقعہ کے برعکس حسن صاحب کا مندرجہ بالا واقعہ خرق عادت نہیں لگتا ہے، بلکہ ایک بشارت کا درجہ رکھتا اور ایک عظیم ولی سے اس قسم کی بشارت ناممکن نہیں تھی اس کے بعد حسن صاحب لکھتے ہیں: کہ "۱۰ ذالحجہ ۷۵۷ھ کو تولد پا چکے"۔ ہم نے دلائل کی بناء پر حسن صاحب کے دیئے ہوئے اس تاریخ ولادت کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور مقدم بابا نصیب صاحب کی روایت کو ہی مانا ہے[2] مگر یہاں پر اس معاملہ پر پھر بحث کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

ذیل کے امورات توجہ طلب ہیں:

(۱) ۔ کہ کیا حسن صاحب کو اپنی تاریخ کی تینوں جلدیں مرتب کرتے وقت نُکسو واقع کشمیر کے دستیاب مخطوطہ پر بدستور تصرف حاصل تھا۔

---

[1] : ملاحظہ ہو صحیفہ نور جلد اوّل صفحہ ۳۵

[2] : ملاحظہ ہو جلد اوّل صفحہ ۷۹ تا صفحہ ۸۴

Marfat.com

(۲)۔ بصورت دیگر کیا آپ کے ذاتی ریکارڈ میں ایسے اکتباسات کے نقولات، نوٹس (Notes) وغیرہ موجود تھے جن کی بناء پر آپ نے جا بجا پندرھویں صدی کی اس اہم تاریخ (وقائع کشمیر) کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو محض حافظ کی بنیاد پر ان کے ایسے متنازعہ اندراجات کو مقدّم نہیں مانا جا سکتا ہے جن کی تردید پندرھویں صدی کے قریب تر تاریخوں سے ہوتی ہے۔

ایسا تصور نہ ہوئے کہ ہم کشمیر کے اس عظیم مؤرخ پر خدانخواستہ کسی دانستہ تعصب یا کج نیتی کا الزام عاید کرتے ہیں۔ مگر ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک عظیم محقق بھی کہیں پر کوئی فروگذاشت (معمولی بھی سہی) کر بیٹھتا ہے تو اس فروگذاشت کو ڈھانپنے کے لئے متعدد ایسے جواز تراشے جاتے ہیں جو تضادات کا ایک پلندہ بنتا ہے۔ اگر اس بارہ میں اطمینان ہو پائے کہ حسن صاحب کو اپنا تاریخی اور تحقیقی کارنامہ پایۂ تکمیل تک پہونچاتے میں وقائع کشمیر جیسا اہم دستاویز ساتھ رہا ہے تو اس صورت میں حضرت شیخؒ کے بارہ میں تاریخِ حسن ہمعصر دستاویز کا آئینہ دار ہونے کی وجہ سے مقدم ترین بنتا ہے بلکہ بابا نصیب صاحب کے بیانات پر بھی تقدّم حاصل کر سکتا ہے۔ مؤرخ حسن کی روایت کچھ اس حد تک منطقی استحکام پکڑ چکی ہے کہ ان کو ردّ کرنا مشکل بن گیا ہے۔ ان وجوہات پر ضمناً مختصر بحث ہوگی :۔

(۱)۔ روحانی قدروں اور روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کسی ظاہری واسطہ کے بغیر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفان کا امانت حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ تک پہونچایا ہوگا۔ موصوف نے

Marfat.com

اس امانتِ عظیم کے مرحلہ وار سفر کے اہم پڑاؤ تو بیان کیے ہیں جن میں زلکا ریشی، پلاس ریشی، رتمہ ریشی اور میراں ریشی کی شخصیات نمایاں ہیں مگر اس سلسلہ میں ایسی کڑیاں بھی ہیں جو ہمارے نظروں سے اوجھل ہیں ۔

حضرت میراں ریشی حضرت شیخؒ کی ولادت سے پہلے وفات پا چکے تھے محض رُویائے صادقہ اور الیقان سے ہی عرفان کا یہ امانت حضرت شیخ تک نہیں پہونچایا جا سکتا تھا سلسلہ وار یہ امانت حضرت یاسمن ریشی تک پہونچا، وہاں سے حضرت شیخ کے والد سالارالدین کو یہ فیض دیا گیا۔ تذکرات اور تواریخوں میں باتفاق درج ہے کہ سالارسنز حضرت یاسمن ریشی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے اور عرفان کی سند پا گئے۔ حسن نے بہ روایتِ وقائع کشمیر لکھا ہے کہ یاسمن صاحب نے للہ عارفہ سے گلدستہ لے کر اس کو صدرہ ماجی کا تاجِ سر بنایا۔ اس طرح طوبیٰ کی اس شاخِ نازک کو اس گراں مایہ ثمر اُٹھانے کی قوت بڑھا دی گئی جو اُس عرفان کے بیج کا لازمی نتیجہ تھا جو پشتِ سالارالدین میں منشائے ایزدی اور بشارتِ بندۂ خدا سے پہونچ پا چکا تھا۔ اس واقعہ کے پیشِ نظر مورخ حسن کی روایت زیادہ معقول لگتی ہے۔

(۲)۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت یاسمن ریشی بیمار تھے اور اس کے فوراً بعد ۵۴-۱۳۵۳ء سلطان علاؤالدین کے عہد میں واصلِ بحق ہوئے۔

(۳)۔ گلدستہ للہ عارفہ صدرہ ماجی کا تاجِ سر بننے کے فوراً بعد وہ حاملہ رہی ہے۔ ۱۳۵۳ء یا ۱۳۵۴ء کا واقعہ ہوگا۔ اور اس طرح سے ولادت آپ کی ۱۳۵۵ء میں ہونا معقول نظر لگتا ہے۔

مگر کیا یہ روایت وقائع کشمیر سے اخذ ہے یا حسن صاحب کے

Marfat.com

خلّاق ذہن نے کسی سابقہ فروگذاشت کو ڈھانپنے کے لئے ایک ریاضی دان کی طرح فارمولہ آزمائے۔ یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے جس کو انفرادی کوشش طے نہیں کر پا سکتی ہیں۔

اس بحث کی روشنی میں حضرت یاسمن ریشی کا مقام واضح ہوتا ہے کہ وہ سلسلۂ اویسی کی ایک اہم ترین کڑی ہیں، اور ریشی تحریک کے ایک عظیم ستون بھی ہیں۔

سُوزن ریشی

ضلع بڈگام کے کانہر گاؤں کے سوزن ریشی کا حال بیان کرتے ہوئے مورخ حسن نے دعویٰ کیا ہے کہ ریشیانِ طبقۂ اوّل کے حالات سُوزن ریشی تک انھوں نے وقائع کشمیر کے حوالہ سے درج کیے ہیں، آپ کا حال لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ چالیس برس تک گپھا میں بیٹھ کر جنگلی ساگ کے گلے سڑے پتے کھا کر بسر اوقات کرتا تھا۔ سُلطان شمس الدین کا بیٹا جمشید شکار کھیلنے گیا، کانہر ریشی کے غار پر پہونچا ریشی نے کوئی التفات نہ کیئے پھر شہزادہ شہر آیا اور رونق کی مشہور حسینہ عشوہ فروش بدکار عورت نندی پنچن کی خدمات لیں۔ نندی مکر و ریا سے غار کے اندر پہونچی ریشی کو گمراہ کیا۔ رات بھر اس کے پاس شب باش رہی، بر صبح ریشی کے کمزور چال وچلن کے بارہ میں واقعہ کی تشہیر کی۔ سُوزن ریشی نادم ہو کر زندگی سے بیزار سات دن رُوتا رہا، کھانا پینا بند کیا اور ساتویں دن مر گیا۔ ریشی کا یہ انجام دیکھکر نندی شرمندہ اور پشیمان ہو گئی۔ کفارہ ادا کرنے کے لئے جنوبی

Marfat.com

کشمیر میں چوپایاں کی چرائی کے لئے رقبہ خرید کر کے وقف کر دیا۔ یہ میدان نندی مرگ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی طرح نندی نے دریائے ویشو سے نندی نہر پرگنہ ناندی کلگام کی خشک اراضی سیراب کرنے کے لئے نکالی اور خود بیجبہاڑہ میں یاسمن ریشی کے مزار پر عبادت میں خلوت نشین ہوگئی اور اس ریشی کو اس آزمائش میں ڈالنے کی پاداش میں جمشید تپ دق کے مرض سے مر گیا۔

سرہنگ ریشی

مؤرخ حسن نے کئی ریشیوں کے حوالہ سے کوہ شوالک کے سرہنگ ریشی کا تذکرہ کیا ہے۔ لد رمن کے بارہ میں تذکرہ کرتے ہوئے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی کوہِ شوالک کے اس مرتاض کی خدمت بجا لائی۔ خلاصمن کے بارہ میں بھی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : کہ آپ نے سرہنگ ریشی جیسے سربیت یافتہ ریشیوں سے اکتساب فیض کیا تھا۔ سرہنگ ریشی کون تھا، کہاں سے آیا تھا ؟ ان حالات کے بارہ میں تاریخ حسن خاموش ہے جبکہ راقم نے ریشی نامہ عنبر شمامہ، روضۃ الریاض اور نور نامہ بابا نصیب الدینؒ میں اس نام کے کسی ریشی کا حال نہیں پڑھا۔ نام سے لگتا ہے کہ آپ شاید کشمیری النسل نہیں تھے۔

دسویں صدی سے ہی مقامی ریشی تحریک مسلمان ہو چکی تھی اور خطہ کشمیر کے اطراف و اکناف کو اس روحانی انقلاب نے اپنے گھیرے میں لیا تھا، مگر ہم تک اس انقلاب کو بپا کرنے والوں میں سے صرف چند ایک کے نام پہنچے ہیں جن کا تذکرہ مکمل کیا گیا۔

Marfat.com

ریشی تحریک شیخ العالمؒ کے بعد!

حصّۂ اوّل میں بہ صراحت بحث کی گئی کہ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے واصل بحق ہونے کے وقت ۱۴۳۸ عیسوی میں اس تحریک نے اپنی اکائیوں کا گاؤں گاؤں جال بچھا دیا گیا تھا، ہر پرگنہ میں ریشی مراکز قائم ہوئے تھے جس کا مظاہرہ حضرت شیخؒ کے نماز جنازہ میں شامل لوگوں کے اژدھام نے کیا۔ اگرچہ نو لاکھ لوگوں کا جمِ غفیر جمع ہونا حضرت شیخؒ کی شخصیّت کا مقناطیسی اثر کا نتیجہ تھا مگر اس جمِ غفیر میں نظم وضبط پیدا کرنا، مختلف علاقوں سے قلیل وقت میں لوگوں کو "چراروں" کی جانب پورے ضبط وتحمل کے ساتھ پہونچانا اس تحریک کے منّظم اور مستعد ہونے کا ایک بیّن ثبوت پیش کرتا ہے۔

جب آپ تبلیغی مشن پر غار کیموہ سے چلدیئے تو یہ کاروانِ "الثالث بالخیر" کے مصداق تین افراد پر مشتمل تھا۔ خود میر کاروان اور اس کے دو تربیت یافتہ نصر الدین اور تاج الدین، یہ دو بھی کچھ عرصہ قبل ہی کفر کی ضلالت سے نورِ اسلام کے آغوش میں آچکے تھے۔ یہ واقعہ ۱۴۰۷ء کا تھا اور صرف اکتیس سال کے بعد اس تحریک کا کیا حال تھا۔ اس کا تذکرہ ہوا۔ اس ایک قرن میں ۱۴۰۷ سے ۱۴۳۸ عیسوی تک) آپ نے اپنی مسیحائی کے اعجاز سے ہزاروں مردہ قالبوں میں زندگی کی روح پھونک دی تھی، اپنے فیض نظر سے ہزاروں نا ربخت لوگوں کی تقدیروں کی کایا پلٹ کرکے

Marfat.com

جنت ان کا مقدر بنایا تھا۔ ان ہزاروں مریدوں میں کئی لوگوں کی انہوں نے خود تربیت کی تھی اور اکثر طالبانِ رُشد و ہدایت کو کفر، شرک اور نفاق کی ضلالت سے نکال کر انہیں صراط المستقیم پر گامزن کرا کے ان کی روحانی تربیت اپنے مختلف مریدوں کے سپرد کی تھی۔ مثلاً: پیر باز کو راہِ ہدایت پر لا کر اس کو تربیت کے لئے پوسٹکری تربیت گاہ پر بابا لطیف الدین کی خدمت میں بھیجدیا۔ جوگی زینہ کو ہدایت بخشنے کے بعد اسکو بابا نصر کی تربیت میں چھوڑا۔ مگر پھر بھی بہت سے ایسے ریشیانِ کرام ہیں جن کو بلا واسطہ حضرت شیخؒ کی مُریدی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان سینکڑوں مریدوں میں کوئی دو درجن کے قریب اولیائے آپ کی ذاتی تربیت سے ولایت کا افضل مقام حاصل کیا جن میں مرد بھی اور عورتیں بھی تھیں۔ اس طرح اس سرچشمہ عرفان سے بہت سی سلسبیلیں پھوٹ نکلیں، مگر چار نہریں چار رُود بارِ معرفت ہیں۔

"عرفان کے چار دریا"

اِتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں اِس عاشقِ رسولؐ نے بھی اپنے عظیم مشن کی خلافت کے لئے اپنے خاص چار جانشین کے بارہ میں اشارات دیئے ہے، اور انہیں اشاروں کے مطابق آپ کے وصال کے بعد تحریک نے قائد منتخب کئے گئے۔ اشارہ اس قطعہ میں ہے:

بُمِہ نصر تہ بابا زینو ⁂ لطیف دنیہ ڈلو چھس
خدائے دِژام تہ ژ ناہ بُہ زلو ⁂ ییمے میانی پیہ تہند چھوس

Marfat.com

ترجمہ :۔ "بابا بام الدین، نصر الدین، زین الدین اور لطیف دین (چاروں) ہی پیکرِ جمال (عرفانی) ہیں۔ مشیت ایزدی سے میں نے ان چار جواہرات کو ایک مالا میں پرو دیا ہے، یہی تو میرے وارثان ہیں اور میں ان کا اثاثہ ہوں۔"

تاج الدین تو آپ کا پہلا رفیق اور دمساز ہے، بابا قطب الدین آپ کی تحریک کے دبیرِ عمومی اور آپ کے دبیر خصوصی رہے ہیں۔ حضرت سیّد علی بلخی پکھر پوری کو اپنے تلامذہ میں شامل کرنے کے لئے آپ کو چلۂ کلاں کے خطرناک موسم میں برف و باراں میں استقبال کے لئے جانا پڑا۔ سیّد غلام الدین صاحب آپ کے لئے ایک عظیم تحفۂ امیری تھا جن کا رتبہ ایک روحانی سفیر (Spiritual Ambassador) کا جیسا ہے۔ قاضی سیدؒ آپ کا وہ مرید تھا جو فقہ و حدیث پر ید طولیٰ رکھتا تھا۔

تولی رینہ سینکڑوں ان ریشیوں کا سردار تھا جو اولاً تو سنت سادھو تھے مگر پھر شیخؒ کے نظرِ کرم سے اوتار بنے تھے۔ دائرہ اتنا وسیع اور گوناگوں ہونے کے باوجود آپ نے اپنے بعد قیادت کے لئے صرف انہی چار رفیقوں کے بارہ میں اشارات واضح کئے۔ تین یا پانچ احباب کا ذکر نہیں کیا، چار تک ہی محدود رکھا یہ صرف پیروئی عمل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ تھا، انہی چار بزرگان کو عرفان کی وہ امانت آگے پہونچانے کا مشن سپرد کیا گیا جو بواسطۂ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپکو دربارِ رسالتؐ سے عطا کیا گیا تھا ان چار اولیاء کرام کے بارہ میں بحوالہ حاجی ادہمی مؤرخ سیّد علی ماگرے نے تذکرہ کیا ہے کہ انہی کو حضرت شیخ نور الدین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت میر محمد

Marfat.com

ھمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔[1]

اب ہم انہی چار عظمتوں کا پہلے تذکرہ کریں گے۔ جن کے واسطے سے ریشی تحریک روحانی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی پر حاوی رہی ہے۔ گو کہ سیاسیات پر بلاواسطہ اس کا اثر دو صدیوں تک نمایاں رہا، مگر روحانی اور تمدنی شعبوں پر اب تک یہ اثر نمایاں ہے۔ ہاں سیاسی سوچ پر "کشمیریت"[2] کے مفہوم سے اسی منفرد سوچ کے ساتھ تعلق ہے جس سوچ کو سادہ و پرکار ریشی شخصیات نے کسی نعرہ بازی کے بغیر ہمارے خون میں سرایت کیا تھا۔

بابا بام الدین

حضرت شیخ نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ ترتیب کرتے ہوئے بابا بام الدین صاحب کا پورا تعارف کیا گیا۔ مگر یہاں پر اس موادِ منتشر کو یکجا کیا جاتا ہے تاکہ طالب علم کو بابا بام الدین کو جاننے کے لئے سرگردانی نہ کرنا پڑے۔

روایات سے پایا جاتا ہے کہ آپ اس سنت کے فرزند تھے جس نے موضع کھی جوگی پورہ میں رات کے پچھلے پہر اپنی بیوی کو پیشن گوئی کی تھی کہ

---

[1]: ص، ن (صحیفۂ نور) ص ۱۱۶

[2]: ۔ جو لوگ سیاسی سحر آفرین نعرہ دیتے ہیں انہیں اس کا مفہوم تک معلوم نہیں اور وہ ہی اس فکر کی شناخت، یعنی کشمیری زبان کو پامال کر چکے ہیں۔ ہاں بہ مصداق "پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری" لفظِ کشمیریت کو محض سیاسی استحصال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

نزدیکی چشمہ سے جوہی کا ایک گلدستہ ابھر آئے گا جو عورت اس کو سونگھ لے گی ایک عظیم فرزند کی ماں بن جائے گی ، اور اس کے فوراً بعد چنبیلی کا ایک اور گلدستہ ابھر آئے گا، جو عورت اس کو سونگھ لے گی وہ بھی مہاپرش کی ماں بن جائے گی مگر اس کی اولاد رتبہ میں پہلی والی کے بیٹے سے کم ہوگا۔
اس روایت کے مطابق جوہی کا گلدستہ صدرہ ماجی والدۂ شیخ العالمؒ نے سونگھ لیا تو وہ اس عظیم بیٹے کے امانت سے حاملہ ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد سدنت کی بیوی نے چنبیلی کا گلدستہ سونگھ لیا تو اس کو بھی حمل ٹھہرا اور وہ جو بچہ اس نے جنم دیا وہی بمہ زوہ کے مشہور آرہی رائے کے غار میں خلوت نشین ہوا اور وہاں پر ہندومت کے پرچار کا ایک قلعہ قائم کیا۔

ہم اس روایت کو غیر معتبر قرار دے چکے ہیںؔ[1]۔ البتہ اس جلد میں یاسمن رشیی کے ذیلی عنوان کے تحت مؤرخ حسن کی روایت کو ہم معقول تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعات ہمیں معلوم نہیں کہ کھی جوگی پورہ کے دو سادھو زادہ کن مراحل سے گذر کر آرہی رائے کے اس مشہور گپھا تک پہونچے اور بمہ سادھو کا لقب کیسے دھار گئے۔

آرہی رائے کا گپھا:- علاقہ ماژنڈ میں دریائے لدر کے کنارے پتھریلی چٹانوں کا ایک پہاڑی سلسلہ ہے، اس کے دامن میں اس وقت اسی دریا کے کنارے اننت ناگ پہلگام شارع عام چلتا ہے۔ راجہ سندیمان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے قبل صرف ایک قرن فرمانروائے ملک کشمیر تھا وہ تخت و تاج کا مالک ہونے کے باوجود مہاپنڈت کا دماغ اور

[1] ملاحظہ ہو سن ان جلد ۱ صفحہ ۳۵ ۔

Marfat.com

مہاتما کا دل رکھتے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے عہد میں ایشہ بری " علاقہ پھاگی "
میں شیومت فلسفہ کی تبلیغ وتفسیر کے لئے اپنے گرو کی ہدایت کے مطابق ایک
بہت بڑا مندر تعمیر کیا تھا، پھر رفتہ رفتہ وہ بھی حکمرانی سے دل برداشتہ ہو
گیا اور مارتنڈ کے پرگنہ کی اسی پہاڑی کی چٹانوں کو چیر کر ایک عمیق اور
تاریک غار کھدوایا جس میں راجہ سندیمان نے باقی زندگی تپسیا میں گذاری
روایت ہے کہ راجہ اسی غار میں غائب ہوئے[لے]۔ اس کے بعد صدیوں یہ گپھا
مہا پرش، سنتوں اور مرتاض ریشیوں کی تپسیا اور ریاضت کے لئے ایک مثالی
ماحول فراہم کرتا رہا۔ مؤرخ حسن کی روایت سے لدرمن ریشی اور اس کے ہمراہ
کوہ شوالک سے آئے ہوئے بہت سے ریشی اسی غار میں عبادت کرتے رہے اور ہماری
تحقیقات کے مطابق لدرحسن اور اس کے ساتھی مرتاض ریشیوں کو سفاک زلچو کے
فوجیوں نے شہید کیا۔ اس واقعہ کے کوئی نوے ۹۰ سال بعد اس غار میں ایک نوجوان
برہمن زادہ نے مکتی حاصل کرنے کے لئے اپنے کو اذیتوں، صعوبتوں اور آزمائشوں
میں ڈالا۔ یہ تھے " بمہ سادھو "۔

ہم پھر باباصاحب کے بارہ میں واقعات کی تفتیش کریں گیں۔ یہ کہا گیا
کہ ریشی ناموں میں شیخ نورالدینؒ اور بمہ سادھو کے ملاقات کی جو تفصیل دی
گئی ہے وہ بہت حدتک ناقابلِ اعتبار لگتی ہے۔ مؤرخ حسن نے دعویٰ کیا ہے،
کہ طبقۂ اوّل کے ریشیان کا تذکرہ اس نے وقائع کشمیر سے اخذ کئے ہیں۔ اسی طرح
متن میں حضرت امیرؒ اور حضرت شیخؒ کی ملاقات اور حضرت شیخؒ کے سال ولادت

لے:۔ ملاحظہ ہو " راج ترنگنی " ترجمہ ایس سی پنڈت " تاریخ حسن جلد ۱ ص

Marfat.com

کا ذکر کرتے ہوئے بھی دونوں جگہوں پر وقائع کشمیر کا حوالہ دیا ہے۔ اس طور یہ اس کا دعویٰ بنتا ہے کہ تذکرہ ریشیانِ طبقہ اوّل' اور تذکرہ شیخ العالمؒ۔ ان دونوں ابواب کے لئے اس کا ماخوذ حضرت شیخؒ کے "ہمعصر مؤرخ ملا احمد کا وقائع کشمیر" ہے۔ گویا جو واقعہ اب اس نے شیخؒ اور ساد موکی ملاقات کا درج کیا ہے اور جو مطالعہ ان دو عظمتوں کا اس نے نقل کیا ہے ان سب دلائل کا ماخوذ بھی وقائع کشمیر ہی ہے یہ تفصیل بہت حد تک وہی ہے جو ریشی ناموں میں درج ہے۔ گو کہ کمال بابا اور بابا محمد خلیل اللہ دونوں نے ان تفاصیل سے بھی زیادہ باتیں لکھی ہیں جو تاریخ حسن میں درج ہیں۔ یہ تفصیلات جلد اوّل کے ص۵۱ تا ص۵۹ میں درج کی گئی ہیں

یہاں پر حسن صاحب کی بیان کردہ داستان بھی درج کرتے ہیں جسکو وہ وقائع کشمیر کے ساتھ وابستہ کرکے ہمعصر تاریخ کا اعتبار دیتے ہیں:

"بومہ سادھو نام سخت پتسیا کرنے والا برہمن ہندوؤں کا بڑا گرو تھا، جس کے مندر میں تین سو ساٹھ بت تھے جن کی وہ پوجا کیا کرتا تھا۔ صبح سویرے طنے مکان کرکے پانچ تیرتھ سے اشنان کرکے سورج نکلنے سے پہلے اپنی کٹیا میں واپس پہونچتا تھا۔ وہ پانچ تیرتھ یہ ہیں:۔

چندرہار بیجبہارہ، شیوہ پارہ (کوہِ سلیمان)، چھتر یا چھتہ بل، اوّلر ناگ جمیل ڈلر، کھادن یار بارہمولہ۔ کسی ایک تیرتھ کو مرکز مان کر ان تمام تیرتھوں تک آنے جانے کی مسافت کئی سو میل بنتی ہے اور پھر اشنان اور پوجا میں جو وقت لگتا ہے اس کا خیال رکھنا

Marfat.com

بھی ضروری ہے۔ یہ سارا کام برہمن پو پھوٹنے سے سورج نکلنے تک پورا کرتا تھا۔۔۔ حضرت شیخؒ اس کے حال اور کمال سے واقف ہوئے اور اس باکمال آدمی کو راہِ ہدایت پر لانے کا خیال پیدا ہوا۔۔۔۔۔

لہو میں لتھڑا ہوا گائے کا چمڑہ کندھے پر ڈال کر برہمن کے مندر میں گھس گئے۔ برہمن نے شور مچایا اور کہا: کہ

"اے بدذات فسادی اپنی چھاؤں سے میری مورتیوں کو چھوت مت لگاؤ، اور گائے کی کھال سے مندر کو بھرشٹ مت کرو۔"

شیخؒ نے کہا: "تم گائے کا پیشاب اور گوبر سے اپنے جسم اور اپنے مندر کو شدھ کرتے ہو تو چمڑے کا قصور کیا؟"

سادھو:۔ شاید تم تندرستی ہو!

شیخ:۔ ہاں!۔

سادھو:۔ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

شیخ:۔ اسلام! تمہارا مسلمان ہونا ہے۔

سادھو غصے سے آگ بھگولا ہو گیا، لڑائی پر آمادہ ہوا

شیخ:۔ بھائی ٹھہرو! یہ تو بتاؤ کہ یہ مورتیاں کس نے تراش لیں ہیں!

برہمن:۔ سنگ تراش نے! تم یہاں سے نکل جاؤ۔

شیخ:۔ اچھا، نکلتا ہوں، کچھ کھانے کو دو۔

سادھو:۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، دیگچی خالی پڑی ہے۔

شیخ:۔ جھوٹ کیوں بولتے ہو، تپیلی تو بھر کر ہے۔

سادھو نے پتیلی سامنے لائی، دیکھا کہ پکے ہوئے چاول سے بھر کر ہے۔

Marfat.com

حیران ہو کر پوچھا :

سادھو :۔ کس منتر سے اس کو بھر دیا گیا ہے ؟

شیخ :۔ میرے خدا نے بھر دیا۔ اسی کو نا بُود سے بُود کرنے کی قدرت ہے اور یہ تیرے بُت تم کو کیا فائدہ پہونچائیں گیں، اور نہ کوئی نقصان دیں گیں۔ خدا کی وحدانیّت پر ایمان لاؤ۔

سادھو :۔ تیری چیپڑی چکنی باتوں سے مُورتی پُوجا کو نہیں چھوڑوں گا۔

شیخ :۔ اگر تیری مُورتیاں بھی خدا کی وحدانیّت کا اقرار کرینگیں تو ؟

" مُورتیاں بلند آواز " لَا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ " کا ورد کرتی ہیں۔"

اب جلد اوّل میں ہیجو قسم کی داستان پر ہمارا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

(ملاحظہ ہو "صحیفۂ نُوسا" جلد اوّل ص۵۱ تا ص۵۹)

ھم نے واقعات و حالات کے پیشِ نظر یہ فیصلہ صادر کرنے کی جسارت کی ہے کہ ساری کہانی لوک ادب کا جُز ہے۔ حق و صدارت یہی ہے کہ حضرت شیخؒ اور بمہ سادھو میں مُباہلہ ہوا۔ جس میں دُو عقیدوں۔ دُو نظریات کا ایک رُوحانی مقابلہ ہوا، کامل نظریہ غالب رہا افضل تر عقیدہ فتحیاب ہوا، اور حضرت شیخؒ کی تقدیر ساز نظرِ عنایت نے بمہ سادھو کو آگ کے شعلوں سے بچایا جو بحیثیت مشرک اس کا مقدر تھا۔ منتخب مقامِ فردوس مقدر بنایا۔

اس بحث کی روشنی میں حسن صاحب کے اس دعوٰی کی بھی قلعی کھُل جاتی ہے کہ اس کا ماخذ حضرت شیخؒ کے مُرید او معتقد مُلّا احمد کاشمیری تھے۔

Marfat.com

تھے اس داستان کو حقیقت تسلیم کرتا ہے کیونکہ معصر تاریخ سے ماخذ ہے مگر ایسا کرنے سے حضرت شیخؒ ان کے مشن اور ان کے طریقہ تبلیغ کے بارہ میں اندیشات اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت شیخؒ کی شخصیت اور ان کے مشن کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم کی رائے ہے کہ حسن صاحب نے بھی یہ داستان ریشی ناموں سے اخذ کر کے اپنے انداز میں درج کی ہے اور وقائع کشمیر کی مہر تصدیق ثبت کر کے اس داستان کو معتبر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اب پھر ہم بام الدین کی بات کرتے ہیں

بمہ سادھو کے مسلمان ہونے پر اُن کو اپنے محسن اور مرشد نے بام الدین نام رکھا۔ اُن کی تربیت پر ہی اور اُن کی ہی ہدایت پر ایک سفید پتھر کو دوسرے پتھر سے گسائی کرتا تھا اور جو دودھ سی رطوبت اس رگڑ سے پیدا ہوتی تھی اسی نمی سے روزہ کھولتے تھے۔ وہ سفید پتھر اُن کے روضہ میں موجود ہے۔ دیئے میں بھی تیل کی بجائے پانی سے روشنی پیدا کرتے تھے۔ دوسرا پتھر جو وہیں غار میں موجود ہے، اسی سے پانی نکالتے تھے اور اسی پانی سے وضو کر کے دن رات محو عبادت رہتے تھے۔

حسن کا قول ہے کہ سلطان علی شاہ فرزند سکندر شاہ کو بابا صاحب کی ملاقات کا شوق دامنگیر ہوا۔ (بابا محمد خلیل اور بابا محمد کمال نے بادشاہ کا نام نہیں لکھا ہے۔) تو اس نے آپ کے حضور میں آنے کی اور آپ کے دیدار سے مشرف ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تاریخ حسن اور تذکرات شیخؒ سے یہی اخذ ہے کہ بام الدین صاحب نے پیغامبر سے کہا:

" ہاں! آپ تو ہمارے پاس آ سکتے ہیں، مگر عام لباس میں آئیں کیونکہ

Marfat.com

میری آنکھیں دُنیا داری کی بناوٹی رنگ دیکھنے کی متحمل نہیں ہیں۔"

پھر بادشاہ کالی کمبل میں ملبوس اس غار میں بابا صاحب کی ملاقات کے لئے آئے :۔

سلطان :۔ اگر کسی چیز کی خواہش ہے تو حکم کریں۔

بابا صاحب :۔ خواہش یہی ہے کہ دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اور میرا نام اپنی مجلسوں میں نہ لیں۔

سلطان :۔ اہلِ دُنیا سے آپ کو کیا عداوت ہے ؟

بابا صاحب :۔ اس سے کہیں زیادہ جو مجھے دُنیا سے ہے۔

سلطان :۔ دُنیا والوں اور درویشوں میں کیا فرق ہے ؟

بابا صاحب :۔ جتنے آنکھوں والے اور اندھے میں فرق ہے۔ جتنا فرق روشنی اور اندھیرے میں ہے۔

سلطان کے جانے کے بعد بابا صاحب نے وہ کُٹیا دھو ڈالی۔

اس عہد میں دُو برادران رجب میر اور شوگر میر فوجی چھاؤنیوں میں شراب کی سپلائی کے ٹھیکداران تھے۔ ایک روز وہ جام کشیدہ مٹکوں میں لئے ہوئے چھاؤنی کی طرف جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے لوگوں کو بیگار پر لیتے تھے اور اس مہم میں انہوں نے حضرت بام الدین کو بھی بیگار پر لیا۔ جب وہ مقام پر پہونچے تو اس فقیر کو بھی حکم ہوا کہ وہ بھی بادہ نوشان کے درمیان جام تقسیم کرے۔ جو بھی ہاتھ سے جام لے کر پیتا تھا اس کو ایک لذیذ شربت کے لذّت سے کام و دہن شیریں آشنا بنتا تھا، اور نظریں بے باک اور روشن ہو جاتی تھیں۔ یہ بادہ نوش بگڑنے کی بجائے رُوحانی لذّت کے آشنا ہو گئے،

Marfat.com

اور اس بیگار کے مزدور سے اس کا پریچہ طلب کیا تو انہوں نے کہا :
"میں حضرت شیخ نورالدین کے فیض سے مستفیض ہوں اور انہی
کی رفاقت سے یہ مقام پا چکا ہوں ۔"

رجب میر اور شوگر میر کے علاوہ بہت سے فوجی جوان اُن کے حلقہ ارشاد میں آ گئے ۔

ریشی ناموں کے تذکرات میں اس مکالمہ کو اور بھی بڑھ چڑھ کر پیش کیا ہے جو حضرت شیخ اور بمہ سادھو کے مابین ہونا بتلایا جاتا ہے ، وہاں پہ جنت کا ترونزہ بھی لایا جاتا ہے ۔ اس کہانی کو ہم نے تسلیم نہیں کیا بلکہ لگتا ہے کہ وہ حصہ حسن مورخ کو بھی معقول نہیں لگا اور اس لئے آپ نے ان جزئیات کو اپنی تاریخ میں شامل نہیں کیا ۔ مگر جو کچھ اس نے شامل کیا ہے وہ بھی تاریخ سے زیادہ قصہ لگتا ہے ۔ اور ایسا قصہ جو حضرت شیخ العالم رحمتہ اللہ علیہ جیسے عظیم مبلغ کے لئے شایانِ شان نہیں لگتا ۔

حضرت شیخ العالمؒ کے پردہ کرنے کے بعد ۸۳۸ ء کے دسمبر میں حضرت بابا بام الدینؒ اپنے مرشد کا خلیفہ ریشی تحریک کا علمبردار اور مسلک ریشیت کا مرشد اعلیٰ منتخب ہوا ۔ گو کہ آپ حضرت شیخؒ سے معرفت حاصل کرنے کے بعد اپنی غار سے باہر بہت کم جاتے تھے اور صرف علاقہ مارنڈ میں جاتے تھے ۔ اپنے مرشد کے جنازہ میں بھی شامل نہ ہوئے تھے اور نہ ہی آپ نے خلیفہ کی تقرری کی کارروائی میں شمولیت کی تھی ۔ مگر پھر بھی آپ کی روحانی عظمت ، بے مثال ریاضت ، رہبرانہ صلاحیت اور دیگر خصوصیات کی بنا پر آپ ہی کو خلیفہ مقرر کیا گیا ۔

بابا صاحب برابر دو سال (چھ دن کم) اپنے پیر کے بعد خلافت پر متمکن

Marfat.com

رہے اور دسمبر ۱۴۴۰ء میں اپنے معبود سے واصل ہوئے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

رحمت حق ہونے کے وقت آپ نے مُریدوں کو بلایا اور ہدایت کی جب تک اُن کے رُوحانی برادر زین الدّین تشریف آور نہ ہوں گیں تجہیز و تکفین نہ کی جائے۔ مریدوں نے استفسار کیا۔

"مگر حضرت وہ تو علاقہ بُوٹا دیش (بُوٹ ٹیُون) یعنی لدّاخ میں ہیں۔ کڑاکے کی سردی ہے، برف باری زوروں پر ...... "

لیکن ہدایت میں تاکید ہوئی۔ برفباری بڑھ رہی ہے، کوہ و دامن برف سے ڈھکے ہوئے ہیں، راستے اور پگڈنڈیاں مسدود ہو چکے ہیں۔ بُمہ زوہ کے گاؤں سے بھی آرسی رائے کی گپھا تک آنا مشکل ہو چکا ہے۔ مُرید حضرات نا اُمید ہوئے اور میت کو غسل دینے میں تعجیل کرنے لگے کہ دُور سے آواز آئی:

"رکو میں آرہا ہوں۔"

زین الدین جنہیں زین العابدین بڈشاہ نے کشمیر بدر کیا تھا لدّاخ سے پہونچے، غسل دیا، کفن بدن پر اوڑھ لیا اور امانت کو اُسی غار میں، جہاں رام سندیان غائب ہوا تھا۔ جہاں لدّرمن ریشی اور اس کے ساتھ مرتاض شخصیات شہید ہو کر دفن ہوئے تھے وہی پر، سپُرد خاک کیا گیا۔ زین الدین منیؒ کے توده کے نزدیک جس کے نیچے بابا صاحب آرام کرنے کی خاطر ابھی ابھی سلائے گئے تھے، ان کا خرقہ اور کلاہ رکھتے ہیں تاکہ دونوں کو اپنے ساتھ بطور یادگار لے جا مگر قبر کی گہرائی سے ایک ہاتھ اوپر آیا اور دونوں امانتیں قبر میں لے گیا اور قبر سے آواز آئی:

" برادر! جب میں نے اس مایا جال کی دُنیا میں کوئی یادگار

Marfat.com

نہیں چھوڑی تو فریب کی یہ نشانیاں یہاں پر کیوں رکھوں ؟؛ [1]

بابا خستہ خلیل اللہ نے ایک بلند خیال منقبت آپ کے شان میں روضۃ الریاض کے ذکر دوم کا طرہٗ امتیاز بنایا ہے۔ چند شعر پیش ہیں ۔

شیخ بام الدین یکے در وصل حق
در ریاضت از ہمہ بُردہ سبق
مست از جام شراب معرفت
آنچہ غیرِ حق ، بہ ریدہ زاں ورق
سائرِ بیداء ناپیداءِ عشق
طایرِ اوجِ فضائے نُہ طبق
چشم نہہ بر خوانِ احسانش مدام
کن مشامِ جان ز فیض او عبق

معتقدین نے اسی آرتی رائے کے گپھا میں آپ کا روضہ تعمیر کیا ہے جو اب تک اور قیامت تک مرجع عقیدت ہے اور رہیگا ۔

لگتا ہے کہ بُمہ سادھو کے نام پر دریائے لدر کے کنارے آباد ہوئے گاؤں کا نام " بُمہ زُو " پڑا۔ یعنی وہ چھوٹا جزیرہ نما (زُو) جگہ جو " بُمہ " نے آباد کیا ہے یا یہ کہ اس جگہ کا نام ہی بمہ زو تھا اور جب یہاں پر ایک مرتاض سادھو گوشہ نشین ہوا اور اس کا آشرم کشمیر اور وادی کے جنوب میں اہل ہنود کے لئے کشش کا مرکز بن گیا ، تو اس سادھو کو لوگ بُمہ زو کے سادھو کے لقب سے جاننے لگے جس لقب کے وزن دار تہہ میں سادھو کا اصلی نام ہی اوجھل ہو گیا۔

---

[1] : آپ کا وصال چہاردہم ماہ صیام ۸۴۴ھ بعد نمازِ عشاء ہوا ہے ۔

Marfat.com

پھر مسلمان ہونے کے بعد اس کے تقدیر ساز رہبر نے "بُمہ" کی مناسبت سے ہی آپ کا نام بام الدین رکھا۔

حضرت شیخ کے تذکرہ میں (حصّہ اوّل) آیا ہے کہ بُمہ سادھو کی زیرِ نگرانی اور سرپرستی کے تحت آری رائے گا گپھا پندرھویں صدی عیسوی کے عشرہ اوّل اور چودھویں صدی کے اختتام پر شیومت فلسفہ اور عقیدہ کو احیائے نو دینے کے لئے منظم کیا گیا تھا اور اس طرح کفر کا ایک خیبر بن چکا تھا۔ جس کو کہ وقت کے عظیم مبلّغِ اسلام حضرت شیخ نور الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ نے ردِ انقلاب کا ایک مرکز تصوّر کیا اور شرک کے اسی خیبر کو توڑنے کا پہلا عظیم کارنامہ غارِ کیموہ سے نکلنے کے بعد انجام لایا۔ چونکہ جنوبی کشمیر کے علاوہ ملحقہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں موجودہ کشتوار، بھدرواہ، رام نگر، چمبہ وغیرہ سے ہندو یاتری آشرم سے اور آشرم کے مٹھ دار سے استفادہ کرنے کے لئے جوق در جوق آتے تھے۔ اسی لئے بابا بام الدین کے راہبر نے اس اپنے نئے مگر عظیم المرتبت طالب کو ہدایت دی تھی کہ وہ اس گپھا سے کہیں دُور نہ جایا کریں۔ گو کہ سیر و سیاحت ریشیت کا ایک اہم خاصہ رہا ہے۔ مگر پھر بھی اس روایت کے برخلاف بام الدین صاحب پر ایک قسم کا قدغنِ حرکت عائد کیا گیا۔ اس حکم کی خلاف ورزی آپ نے تب بھی نہ کی جب اپنے راہبر کے آخری سفر کے دوران آپ کو "زرار" مرکز پر پہونچنا چاہیئے تھا یہ ہدایت اسی لئے آپ پر خاص طور پر عائد کی گئی تھی کہ جو ہندو عقیدت مند آپ کے پاس آتے رہیں وہ اس انقلاب کے فیض سے مستفیض ہو پائیں جس انقلاب نے بُمہ سادھو کو حضرت بام الدین بنا دیا تھا۔ موقع و محل

Marfat.com

اور حالات کی خاص نوعیت میں یہ "قیام" بھی متحرک تبلیغ اور فوجی جہاد سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہو پایا۔

انہی سب حقائق کے پیش نظر آپ کا آستان عالیہ بھی حضرت شیخ العالم کے مرقد شریف اور روضۂ زین الدین ولی (عیش مقام) کے ساتھ ساتھ ہمارے لوک ادب میں عرفان کے سرچشموں کی علامتیں بن چکا ہے۔

بُس واتہ بمہ ژُو، زرار، مقام
تس بیٹھ دُوزخن نار حرام

ترجمہ:۔ "جو بمہ ژو، زرار شریف اور عیش مقام پہونچے (یعنی: ان تین (بقعہ جات کے عرفان تک پہونچے) اس پر نار جہنم حرام ہے۔"

"عرفان کا دریائے لِدر"

پرگنہ مارتنڈ میں دریائے لدر کے کنارے پر جو سرچشمہ فیض بابا بام الدین نے قائم کیا اور جس سرچشمہ کو قبل اسلام بلکہ قبل مسیحیت سے ہی رُوحانی تشخص حاصل رہا ہے، جو کشمیر میں پہلا شہید مقبرہ ہے۔ جہاں پر شرک کے ایام میں بھی رُوحانی کرتبوں سے پتھر کے بُت فضائی وسعتوں میں پرواز کر چکے تھے۔ اسی سرچشمہ سے آپ نے بہت سے گمراہ لوگوں کو ہدایت عطا کی، کفر و شرک کی ضلالت میں پڑے ہوئے سینکڑوں لوگوں کو نُورِ اسلام سے چشم دل کو بینا کیا۔ یہیں سے اسلامی انقلاب کے اثرات موجودہ جموں ڈویژن اور ہماچل پردیش کی پہاڑی ریاستوں میں خاموشی سے داخل ہوئے مگر ان ہزاروں بندوں ...

Marfat.com

جن پیر بابا بام الدین کے فیضِ نظر نے دونوں جہانوں میں آگ کے شعلے حرام کئے تھے' بہت سے خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو خود معرفت کی نہریں بہا چکے ہیں ان میں اولیّت ان دو بادہ فروشوں کو حاصل ہوئی ہے جن پر شرابِ انگور نے ہی (جس کو کہ بابا صاحب کے نظرِ خمار آگین نے سہ آتشتہ بنا یا تھا) شرابِ طہور کا اثر کیا' جام پیتے ہی اُن کے قلب و ذہن کی صیقل ہو گئی اور وہ دونوں برادران شوکہ میر اور رجب میر بابا صاحب کے مُرید بن گئے۔ اوّل الذکر اپنے اصل نام عبد الشکور سے مشہور ہو گئے اور دوسرے بابا محمد رجب الدین کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

۱۔ بابا عبد الشکورؒ

اپنے بھائی بابا محمد رجب الدین کے ساتھ شراب کی بیگار کے واقعہ کے بعد آپ بھی تائب ہوئے۔ پھر انے سب گناہوں کا کفارا ادا کیا، پچیس سال اپنے پیر و مُرشد کی خدمت انجام دی۔ پھر اسی پرگنہ مارنڈ میں "لوزر" نامی گاؤں میں ایک آدم خور دیو نے لوگوں کا قافیہ حیات تنگ کیا تھا تو پھر آپ اُن گاؤں والوں کی استدعا پر وہاں گئے' وہاں پر ایک دیو ہیکل مُوکل آپ کی خدمت میں حاضر آیا اور ایک گھوڑا ان کی سواری کے لئے پیش کیا جس پر سوار ہو کر آپ نے اس آدم خور دیو پر حملہ کر کے اس کو پسپا کیا۔ پھر اس گاؤں کے لوگ اُن کے شیدائی ہو گئے۔ یہیں پر آپ نے زندگی کے بقیہ" چالیس" سال ریاضت میں گذار دیئے جن چالیس سالوں میں آپ نے کڑوی جنگلی سبزی کے رس پر گذارہ کیا جو آپ سحری کے وقت نوش کر کے دن بھر روزہ رکھتے تھے اور شام کو سی سبزی کا وہ تلخ جام پی کر روزہ کھولتے تھے۔ اپنے نفس پر اس

Marfat.com

طرح کی اذیت عائد کر کے اس عمل کا کفارہ ادا کرتے تھے جو انہوں نے دورانِ شباب شراب نوشی کی وجہ سے روا رکھی تھی۔

آخر یہ اسی گاؤں میں انتقال فرمایا، اور وہیں پر گاؤں والوں نے ان کی قبر پر روضہ تعمیر کیا اور یوم وصال پر آج تک عرس کی تقاریب منائی جاتی ہیں۔

۲۔ بابا رجب الدینؒ

بادہ فروشی کے ایام میں بھی مطالعہ میں محو رہتا تھا، ایک باشعور طالبِ علم تھا۔ بام الدین صاحب سے ہدایت پا کر علم قرآن، حدیث، فقہ کا دن رات مطالعہ کرتے رہے۔ خاموشی ان کا شعار تھا۔ قرآن مجید کی کتابت سے جو چند پیسے دن میں کماتا تھا اس قلیل رقم سے دودھ وغیرہ خرید کر دن کے روزے پورے کرنے کے بعد شام کو اپنے بارہ مریدوں کے ساتھ اکٹھے روزہ کھولتا تھا۔ ان بارہ مریدوں کو بھی عرفان کے بلند و بالا مقامات کی سیر کرا چکا تھا پرگنہ مارہنڈ کے موضع "ناگہ نارن" میں آپ کا مقبرہ آج تک عقیدت مندان کا زیارت گاہ بنا ہے۔ سال وصال معلوم نہیں ہے۔

۳۔ بابا فخر الدین صاحبؒ

رجب الدین اور شکور الدین کا چھوٹا بھائی تھا۔ حضرت بابا بام الدین نے ہی اُن کی تقدیر سنواری۔ پہلے اُن سے ہی ارشاد حاصل ہوا، مگر چھوٹی عمر کی وجہ سے راہبر کی وفات کے بعد حضرت زین الدین ولی سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ جن کی ہدایت پر آپ علاقہ پھاکھو میں ایک جنگل میں رنگل گاؤں کے نزدیک عبادت میں مشغول ہوئے وہیں پر حضرت زین الدین

Marfat.com

ولیؒ کے ایک خلیفہ بابا دربادین سے ملاقات ہوئی اور وہیں پر دفن ہیں۔

۴۔ صبور ریشی : آپ اُن دنوں سے حضرت بام الدین صاحب کے معتقد تھے جب وہ بمہ سادھو کی حیثیت سے ہی جانے جاتے تھے۔ جب بمہ سادھو بابا بام الدین بن گیا یہ اُن کا پرانا شش بھی اُن کے ساتھ یا فوراً بعد نورِ اسلام سے منوّر ہوا۔ مسلمان ہونے سے پہلے ان کا نام کیا تھا، معلوم نہیں ہے۔ پرگنہ کوٹھار میں ایک جنگل میں آپ پیرِ طریقت کے ارشاد کے مطابق عبادت میں مشغول ہو گئے، وہیں پر لوگوں کی ہدایت بھی کرتے رہے۔ ۸۷۲ھ (۶۸-۱۴۶۷عیسوی) میں وفات پائی، وہیں ان کا روضہ ہے۔

۵۔ سید حسین : آپ حسبی نسبی سیّد تھے۔ شاید وسط ایشیا سے آئے تھے طلبِ مرشد نے بام الدین صاحب کے غار تک پہونچا دیا، پھر اُن کے ہی بنے اور اُن کا بنکر شب و روز عبادت میں مشغول رہے۔ ۱۴۴۰ء سے (اپنے رہبر کے وصال کے بعد سے) ۱۵۰۴ء تک اُن کی قبر پر ہی رہے، اور اسی مرکز ریشیت سے نو وارد ریشیوں کو تربیت دیکر خدمتِ خلق اور عبادت گذاری کے لئے رخصت کرتا تھا۔ پھر ۱۵۰۴ء میں وفات پا گئے اور اپنے پیر بزرگوار کے پہلو میں دفن ہیں۔

Marfat.com

بام الدین صاحب کے مُریدوں کے مُرید

گو کہ بابا بام الدین صاحب کے مُریدوں کی تعداد بہت ہے، مگر اُن میں ایسے بھی بہت سارے مُرید ہیں جو پیر پنچال کے اُس پار کے جنگلوں میں، پہاڑوں اور دیہات میں ریاضت اور تبلیغ پر مامور رہے اُن کا ریکارڈ وادی کے تذکرہ نویسان کو حاصل نہیں ہوا۔ اور اُس پار کے لوگوں میں کئی وجوہات کی بنا پر ایسا ریکارڈ منضبط کرنے کا رواج تھا اور نہ روایت۔ ایسے بھی اُن کے کچھ مُرید گذرے ہیں جو بالکل عوام سے ملتے جلتے نہ تھے۔ لہٰذا اُن کے مرقد تک بھی لوگوں کو پتہ نہ لگ گئے۔ اس لئے صرف انہی تابناک شخصیات تک ہم نے یہ تذکرہ محدود رکھا جن کا تذکرہ اُوپر آیا ہے۔ اب ہم ان اولیاء کرامؒ کا تذکرہ کرینگے جنہوں نے بابا بام الدین صاحب سے فیض ان کے خلفاءؒ کے واسطہ سے حاصل کیا۔ ان میں پہلے ذکر کرتا ہوں نوروز ریشی کا۔

• بابا نوروز ریشیؒ

بابا رجب الدینؒ کے چہیتے بارآن مریدوں میں شامل تھے۔ وقائع نگاروں سے متفقہ روایت ہے کہ آپ نہ صرف عالم شباب میں راہ سلوک میں داخل ہوئے تھے بلکہ آپ کے شباب کے سونے پر مردانہ جمال کا سہاگ خوب نکھر آچکا تھا۔ جوانی الہڑپن اور حسن وجمال کے باوجود سب یاروں میں نفس کشی اور ریاضت میں ممتاز تھا، بہادر بھی تھا اور طاقتور بھی۔ آپ کو رجب الدین صاحب آبادی میں جانے سے روکتے تھے۔ مگر ایک دن ناگہ نارن سکاؤں میں چلے گئے جہاں ایک آسودہ گھرانے کی ماہ وش اس عجیب ملک پر فریفتہ

Marfat.com

ہوگئی، شاید دوسرے طرف بھی اس آگ کے شعلے فروزاں ہونے لگے تھے، تو آپ کے دوستوں نے بات مُرشد تک پہونچادی۔ جو آگ بگولہ ہوگئے اور مُرید پر لوٹ پڑے۔ پھر میں کہا:

" یا میری نظروں سے اوجھل ہو جا یا میں ہی بھاگ چلا جاؤں گا۔"

پھر وہیں ایک متمول پنڈت جس کا نام سنتی پنڈت تھا کے گھر میں چھپ گیا، وہیں عبادت میں مشغول ہوا۔ اور پنڈت سے زادِ راہ طلب کیا تا کہ حج بیت اللہ پر جاسکے۔ پنڈت نے کہا: کہ اُس پر حج واجب نہ تھا۔ اور پھر وہیں ایک کمرہ میں عبادت کرتا رہا، صرف پنڈت اور اُس کی بیوی کو ہی ہمراز بنایا، گھر کے دیگر افراد کو بھی معلوم نہ تھا کہ اُس گھر کے ایک کمرہ میں کون عبادت گذار یادِ حق میں محو تھا۔ گاؤں والوں کو کیسے پتہ لگتا! اُن مخدوش حالات میں افواہ یہی عام پھیل چکی تھی کہ نور رُوز یا تو حج پر چلا گیا یا غائب ہوا یا علاقہ چھوڑ کر دُور کسی دیگر پرگنہ میں گیا۔ مگر اسی دوران اس کے راہبر بابا رجب الدین کے آخری سفر کا وقت آیا تو مُریدوں نے اصرار کیا کہ مسندِ خلافت پر کس کو بٹھایا جائے۔

" جاؤ سنتی پنڈت کے گھر کے فلاں کمرہ میں ہماری امانت ہے، وہ لاؤ، فوراً لاؤ۔"

مُرید اور گاؤں والے نشاندہ شدہ کمرہ کے دروازہ پر پہونچے، اس کو کھول دیا اور نور رُوز ریشی کو وہاں عبادتِ خدا میں مشغول پایا۔ پھر آپ کو پیر بزرگوار کے پاس لایا گیا، جہاں دونوں بغلگیر ہوئے اور رجب الدین صاحب جانِ عزیز جاں رِیں کے سپرد کر گئے۔ نور رُوز ریشی اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ نور رُوز ریشی کی فصاحت و بلاغت کا روضۃ الریاض اُن کے حسن و جمال کے ساتھ خاص ذکر

Marfat.com

کرتا ہے۔ مگر آپ کا تذکرہ کہیں بہ حیثیت شاعر نہیں ہوا۔ اس لئے پایا جاتا ہے کہ آپ کی فصاحت اور بلاغت آپ کے خطبوں اور تقاریر میں نکھر آچکی تھی۔ اس طرح ریشی اولیا نہ صرف دن و رات عبادت گزاری میں رہتے تھے بلکہ بحث و تمحیص، تقاریر اور وعظ خوانی بھی اس تحریک کا زیور تھا۔ مگر اس جہت کو بعد کے تذکرہ نویسان نے "اوپل ہاک" اور "ہنڈ" جنگلی سبزیوں کے انبار کے نیچے اس طرح دفن کیا کہ ہمیں یہ دشت نوردان منزلِ عشق صرف مضمحل اور ناتوان جندہ پوش ہی نظر آتے ہیں۔

نورُوز صاحب، صاحبِ کرامت بھی تھے۔ حسن صاحب نے تذکرات سے اخذ کرتے ہوئے ان کی بہت سی کرامت میں سے رجعت آفتاب کی ایک کرامت کا تفصیل سے بیان کیا ہے نا گہ نارن کے لوگوں نے سنتی پنڈت پر عزرِ کثیر کی خیانت کا الزام عائد کیا تھا۔ چونکہ سنتی پنڈت نے ریشی صاحب کی خدمت اور اطاعت عقیدت کے ساتھ کی تھی، تو ریشی صاحب نے گاؤں والوں کو سنتی پنڈت کے خلاف الزام واپس لینے کی سفارش کی، مگر انہوں نے شرط عائد کی کہ وہ اُن کی تیار کردہ ضیافت میں بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کریں۔ ریشی صاحب نے بھی شرط عائد کی کہ ضیافت غروب آفتاب سے پہلے تقسیم ہونی چاہیے۔ جانبین شرائط مان گئے مگر نورُوز صاحب آفتاب غروب ہونے کے بعد تک بھی مراقبہ سے سر نہ اٹھا پائے۔ گاؤں والوں پر شک ہوا کہ شاید نورُوز ریشی شرط تو مان گئے مگر تجاہل عارفانہ سے شرط توڑ دی، اور ردِ عمل کے طور پر گاؤں والوں نے کہا:

"سنتی پنڈت کو اب رقم ادا کرنا ہوگی۔"

"کیوں!"۔ ریشی صاحب نے پوچھا۔

Marfat.com

"اس لئے، کہ آپ کو غروب آفتاب سے پہلے ضیافت میں شرکت کرنا تھا۔ سورج تو ڈوب چکا ہے۔"

"کہاں ڈوبا!"

لوگوں کی نظریں افق کی جانب مرکوز ہو گئیں اور سورج ملحقہ پہاڑی کی چوٹیوں پر معلّق پایا۔ اور ضیافت کی شرکت بھی ہوئی، سنتی پنڈت بھی بارِ کفالت سے آزاد ہوا۔ مگر لوگ آپ کی کرامت دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ ابھی کچھ دیر پہلے سینکڑوں آنکھوں نے سورج ڈوبتے ہوئے دیکھا تھا، اور دیکھا تھا کہ ان کے اردگرد سارا ماحول ایک موہوم سی کالی چادر اوڑھنے لگا تھا، ابھی دیکھتے ہیں کہ شفقِ شام نورُوز ریشی کے سیفِ نظر سے شہید ہو کر دریائے لدر میں خونین وجود کا عکس نچھاور کر رہے تھے۔

مگر اسی اوشائے کمال نے نورُوز ریشی کا رشتۂ حیات بھی منقطع کیا اور ضیافت کے فوراً بعد موت کے میٹھے مشروب سے وہ محظوظ ہو کر ابدی نیند سو گیا، اور ناگہ نارن علاقۂ مارننڈ میں اس کا روضہ بھی مرجعِ عقیدت ہے۔

۶۔ بابا عبدالصبور

آپ بابا شکور اور بابا رجب الدین دو برادران کے ساتھ بام الدین صاحب کا مرید ہوا اور انہی کی ہدایت پر علاقہ کوہار کے ایک گاؤں میں ایک تنگ و تاریک غار میں عبادت کرتے تھے، نفس کشی میں مشہور تھے۔ لوگ جوق در جوق ان سے ہدایت پانے کے لئے ان کے پاس آتے تھے۔ اسی گاؤں میں دوسرے گاؤں سے بیاہی گئی ایک عورت پر اس کا شوہر اور شوہر کے گھر والے زبردست ظلم ڈھاتے تھے۔ گاؤں بھر میں کوئی بھی اس مظلوم کو پناہ دینے کی جرأت

Marfat.com

نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کے شوہر کا گاؤں بھر میں رسوخ تھا۔ یہ مظلومہ عورت اسی غار میں ریشی صاحب کے حضور میں پناہ لینے آئی، ریشی نے پناہ دیدی اور اسی کے ساتھ نماز اور عبادت کا ذوق بھی پیدا کیا۔ کئی روز یہ عورت غار میں پیر کی ہدایت کے مطابق عبادت میں مشغول رہی، اس کا شوہر ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار پر پہونچا، غار سے اپنی عورت کے سمیت ریشی کو بھی مار پیٹ کر کے نکالا، گاؤں میں پہونچا دیا۔ دونوں پر بدکاری کی تہمتیں عائد کیں، ریشی نے صفائی میں لب کشائی بھی نہ کی۔ اس تہمت تراشی میں اور بھی گاؤں والے اس ظالم مرد کے ساتھ مل گئے، جب گاؤں والوں نے ریشی صاحب کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لئے مجبور کیا تو اس نے صرف اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی :

"اے ربّ ذالجلال ! اگر ہم نے کوئی بھی گناہ کیا ہو تو ہماری موت ابھی اور اسی وقت اٹل بناؤ۔"

دیکھتے ہی دم زدن میں تہمت تراش ظالم مرد اور اس کے حواری غش کھا کر گر پڑے اور وہیں پر دم توڑ گئے۔ پھر وہ عورت اسی ریشی کی مرید بن کر اس کی خدمت پر عمر بھر رہی اور خود بھی ولایت کا درجہ پا چکی۔

صبور صاحب کے موت کے بعد وہ ان کی قبر پر ملحقہ غار میں عبادت کرتی رہی اور آخر پر وہیں واصل حق ہو کر دفن بھی کی گئی۔ دونوں کا آستان اب تک فیض و برکت کی کرامات سے معتقدین کو مالا مال کرتا ہے۔

۷ ۔ بابا حنیف الدّین حیدرؒ

چھوٹی عمر میں ہی حضرت بابا بام الدّین صاحب کی حضور میں آئے اور اُن سے ارشاد و بیعت حاصل کرکے وہیں آرہی رائے

Marfat.com

کی غاروں میں بکثرت درود و اذکار میں مشغول رہتے تھے۔ بلا ناغہ سال بھر عیدین کے بغیر روزہ رکھتے تھے اور راتوں جاگتے تھے۔ اکثر بار عبادتِ خدا میں مشغول رہتے تھے۔ پھر جب ان کے پیر نے محسوس کیا کہ جواں سال طالبِ سلوک و معرفت کے منازل طے کر چکا ہے تو اس کو پرگنہ لار کے ریشی سب سنٹر کھولنے اور چلانے کے لئے متعین کیا۔ گو کہ آپ اپنے پیرِ برحق کا ہجر برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے، مگر ارشادِ مُرشد کو کبھی نہ ٹال سکتے تھے۔ پھر حضرت شیخؒ کی حیات میں ہی "الہال" آئے تھے یہاں بہ علاقہ لار کے لئے ذیلی سنٹر قائم کیا، وہیں عبادت کرتے رہے۔ لاتعداد لوگوں کو ہدایت سے بہرور کیا اور ۸۹۰ھ میں (۱۴۸۵ء) اپنے خالق سے ملے "ریشیٔ واصل حنیف الدین" مادۂ تاریخ وصال ہے

حضرت بابا شمس الدینؒ

آپ بھی بابا بام الدین صاحب کے مُرید تھے۔ ریاضت اس درجہ کرتے تھے کہ نڈھال ہو جاتے تھے۔ اس فقر و فاقہ کے اثر نے آپ کو ہڈیوں اور پوست کا محض ایک ڈھانچہ بنا کے رکھا، اتنے نحیف ہو چکے تھے کہ انہوں نے لکڑی کا ایک تابوت بنوایا تھا جس میں آپ کے مُرید آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو "جنازہ نشین" کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں تابوت کے محمل نشین بنے ہیں؟ آپ فرماتے تھے:

"اس لئے بطنِ مادر کے تابوت سے قبر کے تابوت پر جاتے جاتے میرے قدم دھرتی پر نہ پڑ پائیں۔"

۱۴۶۰ اور ۱۴۷۰ عیسوی کی دہائی کے درمیان سلطان زین العابدین

Marfat.com

کولداخ میں بغاوت فرو کرنے کے لئے خود فوج کشی کرنا پڑی تو اس جنگ میں بابا صاحب کا ایک مرید بھی سپاہی تھا، وہ مرید دشمن کے نرغے میں آ گیا اور توجہ اپنے پیرِ کامل کی جانب کیا: فوراً پیرِ کامل کو وہاں پر ڈھال پکڑے موجود پایا، دشمن کے وار سے بچ نکلا۔ یہاں کشمیر میں بہت سے فوجیوں کے مرنے کی افواہیں پھیلتی رہیں جن میں اس مرید کا نام بھی شامل تھا۔ اس کی بیوی بابا صاحب کے پاس آئی اور گڑگڑاتے اُن سے ماجرا عرض کیا۔ بابا صاحب نے یقین دیا کہ اس کا شوہر گھر پہنچ رہا اور بہ سلامت تھا۔ عورت گھر پہنچی تو شوہر کو بسلامت دیکھا۔ اِدھر اس فوجی نے پیر کی کرامت سے بچنے کی تفصیل لوگوں کو سُنا دی۔ آپ کا آستان عالیہ تاریگام میں عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے

نندی ریشی!

آپ بھی بابا رجب الدین کے مُرید تھے "رُشہ بابا" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۵۴ سال کسی عورت پر نظر نہیں اُٹھائی، حتیٰ کہ اپنی بوڑھی بہن ان کی کٹیا پر بھائی کے دیدار کے لئے آئی۔ دیدار کی درخواست اندر بھیجدی۔ جواب آیا:

"بہن اس مختصر سی دُنیا میں کیا مختصر ملاقات کرے گیں! ہاں وہاں کے لئے کچھ کر دے، تاکہ وہاں دائمی ملاقات میں قربت رہے گی۔"

دوسری بار ایک اور عورت آئی ملاقات کے لئے عجز وزاری کی مگر ریشی صاحب نے مُلاقات نہ دی اور آنے کی وجہ پوچھی۔ تو سائلہ نے کہا:

"اس کو شوہر نے دربدلِ مہرین ۳۲ کنال اراضی دی تھی جو اس کو ضرورت نہیں، وہی کھیت وہ اس ریشی مرکز کے لئے وقف کرنا چاہتی

Marfat.com

ہے۔"۔۔۔ نندی ریشی صاحب نے لینے سے انکار کیا" کہ ریشیوں کو کس کام کے لئے ضروری ہے۔" مگر آپ کے خدام نے آپ کو مجبور کیا تو انہوں نے مانکہ جی بی کی استدعا قبول کی۔ اب بھی "مانکہ جی بی کے کھاہ" کے نام سے وہ جگہ مشہور ہے۔ ناگہ نارن میں ہی اس کا مقبرہ ہے۔

بابا محمد حاجی!

آپ نندی ریشی کے مرید تھے۔ آپ کو خاتم خانوادہ بابا بام الدین کے لقب سے بھی جانا جاتا ہے۔ یعنی آپ کے بعد ریشیت کی وہ سلسبیل مخفی ہوگئی جو بابا بام الدین کے واسطہ سے جاری ہوئی، مگر اس وقت بھی (یہ چک عہد کا دور تھا) آپ کی کرامات کا شہرہ تھا۔

ایک واقعہ تذکرہ نویسان نے نقل کیا کہ آپ کی کٹیا کے نزدیک ناگہ نارن علاقہ مارتنڈ میں چوروں نے مال مسروقہ جمع کیا تھا کہ پولیس نے انہیں گرفتار کرلیا، مال ضبط کیا اور بابا محمد حاجی صاحب کو سارقان کے راز دار کی حیثیت میں بطور ملزم پکڑا گیا اور گرفتار ہوا۔ چوروں کیساتھ ان کو بھی گھسیٹے لینے لگے۔ پہاڑوں کے اردگرد ہزاروں کوّے جھنڈ بنائے ہوئے آئے اور ان سپاہیوں پر حملہ آور ہوئے، کوئی چونچ سے کسی سپاہی کی آنکھ میں ڈنگ مارتا ہے، کوئی گردن پر کاٹتا۔ کوؤں کو بھگاتے بھگاتے وہ اس لق و دق دشت میں زخمی ہوگئے، چور بھاگ چلے مگر حاجی صاحب مضروب سپاہیوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کوّے پھر حملہ آور ہوتے۔ سپاہیوں نے خود ہی حاجی صاحب کو اپنی جگہ واپس پہونچا دیا، خود جاکر اپنے حاکم سے ماجرا بتایا۔ حاکم نے بتایا:

"بہت افسوس ہے کہ تم لوگ زندہ آئے ہو، ورنہ وہی پر خدائی قہر

Marfat.com

یعنی غیبی آواز کو پڑھنا چاہیے ، اور : الم ترکیف فعل ربُّک
باصحاب الفیل "سے کچھ تو سبق لینا چاہیے تھا۔"

بابا میر ریشی !

آپ حضرت بابا شمس الدین صاحب کے طالب ہیں۔ اپنے پیر طریقت نے آپ کو ایک بار بے وقت اذان دینے کی ہدایت دی۔ میر صاحب نے حکم کی تعمیل نہ کی پھر کچھ دیر بعد پیر نے پھر کہا : " اذان دو" میر صاحب اذان دینے کے لئے کھڑا ہوا مطلع زبردست ابر آلودہ تھا۔ میر صاحب نے کہا : " اب کیوں حکم مانا ، ؟ کچھ دیر پہلے کیوں خلاف ورزی کی تھی۔"

"جناب :" میر صاحب بولے ؛ " اس وقت طایرِ عرشِ اعلی پر ہی کھول رہا تھا، اب "حیّ علی الصّلوٰۃ "کا نعرہ دے رہا ہے۔ پیر نے شاباشی دیدی اور کہا کہ یہی انہیں آزمانا تھا۔"

بابا ہردلیشی ریشی !

بام الدین صاحب آپ کے بڑے پیر تھے۔ اوّلاً رجب الدین سے بیعت حاصل کی تھی۔ مجاہدہ، مراقبہ ان کا عمل تھا اور مشاہدہ حاصل۔ حضرت بابا بام الدین کے انتقال کے بعد جناب رجب الدین آپ کے خلیفہ اور سجادہ نشین درگاہِ بام الدّین مقرر ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد یہ مرتبہ بابا لوُرز ریشی کو ملا۔ ان کی وفات کے بعد اُن کے خلیفہ بابا شمس الدّین کی بجائے اُن کے پیر برادر ہردی ریشی کو عود ہوا۔ آپ نے رفاہِ عامہ کے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اپنی سرکردگی میں اس ریشی مرکز کے ریشیان سے کھیتی باڑی کراتے تھے خود بھی اُن کے ساتھ کام کرتے

Marfat.com

تھے، اور اس طرح ریشی مرکز کا پورا خرچہ لنگر خانہ وغیرہ کا محنت و مشقت سے پورا کرتے تھے۔ سات سال آپ نے جنوبی کشمیر میں تحریک کی قیادت کی اور اس دوران ہزاروں درختان راستوں پر پگڈنڈیوں پر۔ اور دیہات کے ارد گرد نصب کروائے۔ اپنے مرشد کے پہلو میں آسودہ ہیں۔

سوزن ریشی ! حنیف الدین حیدر کے خلیفہ تھے۔ پرگنہ لار میں اسی طرح رفاہ عامہ کے کارہائے نمایاں انجام دیئے جس طرح پرگنہ مارتنڈ میں بابا ہردی ریشی نے انجام دیئے، اپنے مرشد کی دن رات خدمت اور اطاعت کی! کہال گاؤں میں ان کا مرقد شریف ہے۔

بابا لدی ریشی ! آپ بھی بابا حنیف الدین حیدر کے مرید تھے۔ اندروَن کے گاؤں میں ریاضت کی، وہیں ایک پہاڑی کی ڈھلوان سطح پر آسودہ ہیں۔

بابا سمان ریشی ! آپ بابا لدی ریشی کے مرید تھے۔ آپ نے ریاضت کے علاوہ زیادہ وقت لوگوں کی خدمت میں صرف کیا اور چک دور میں سیاسی افراتفری اور باہمی تعصبات کی وجہ سے اکثر بے گناہ لوگ مصیبت کے شکار بنائے جاتے تھے۔ ایسے اکثر بے گناہوں کو آپ کے لنگر خانہ میں پناہ ملتی تھی۔

بابا دِلہ ریشی ! آپ بھی بابا حنیف کے مرید تھے۔ بہت بہادری اور

Marfat.com

جانبازی کے ساتھ سیاسی مظلوم لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ اکھال گاؤں میں ہی دفن ہیں۔

حضرت بابا بام الدّین صاحب ہماری تحقیق کے مطابق ۱۴۱۰ء۔ ۱۴۱۱ء میں مسلمان ہو کر حضرت شیخؒ کی مُریدی میں آئے، اپنے مخصوص ڈھنگ سے آپ نے بہت ہی تپسیا کی تھی۔ "لا" کے مقام کے سارے مراحل طے کر چکے تھے۔ "الّا اللّٰہ" کی حقیقت سے بھی واقف ہو چکے تھے۔ البتہ محمد رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کا اہم ترین مرحلہ طے کرنا تھا جو آپ نے شیخ العالمؒ کی دستگیری سے طے کیا، اس لئے مسلمان ہونے پر انہیں مقامات سلُوک و معرفت کے اسرار کھلنے میں کوئی دِقت نہ لگا نہ دِقت محسوس ہوئی، نتیجتاً آپ کو ساتھ ہی اپنے مُرشد سے سندِ ارشاد عطا ہوا تھا اور اسی سال سے آپ نے مُرید بنائے تھے۔ آپ کے واسطے سے ریشی سلسلہ ۱۴۱۱ء سے کوئی ۱۵۸۰ء تک چلتا رہا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ الگ عنوان کے تحت بحث ہو گی۔

صاحبِ مُقام زین الدّین ولیؒ

حصۂ اوّل[1] میں حضرت شیخ رحمتہ اللّٰہ علیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مختصر ذکر زین الدّین ولیؒ کا آیا ہے۔ جس میں ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ جے سنگھ (زے سنگھ کشمیری تلفظ) کو کس طرح حضرت شیخؒ نے زین الدّین ولی بنایا۔ مگر وہاں پر ہم نے پورے واقعات درج نہیں کئے جو تذکرات اور تاریخوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

---

[1] : ملاحظہ ہو "صحیفہ نور" ص ۶۲، ۶۳۔

Marfat.com

ان واقعات کا نچوڑ کچھ یوں ہے :

(بلماڑ) بندراکوٹ کشتواڑ کے ایک بڑے زمیندار (یا اس جاگیر کے راجہ) کا ایک نوجوان لڑکا جے سنگھ تھا۔ راجہ خود مر گیا تھا یا مارا گیا تھا۔ جے سنگھ اکثر بیمار رہتا تھا تو اچانک (طے مکان) کرکے حضرت شیخؒ زمیندار کے گھر پہونچے اور لڑکے کو اپنے اعجازِ نظر سے تنومند بنایا۔ یتیم لڑکے کی ماں سے وعدہ لیا کہ وہ بیٹے کو کشمیر ان کے حضور پہونچادے گی، مگر جے سنگھ کے صحت یاب ہونے پر ماں بیٹے دونوں وعدہ بھول گئے۔ ادھر حضرت شیخؒ نے بمہ زوہ میں اپنے خلیفۂ خاص بام الدین صاحب کو ہدایت کی تھی کہ کشتواڑ بلماڑ سے ایک عورت انکے پاس اپنا بیٹا لیکر آئے گی۔ وہاں بلماڑ میں بھی اس ٹھکرائن کو اپنا راجپوت زادہ بیٹا بمہ زوہ بابا بام الدین کے پاس پہونچانے کی ہدایت تھی۔

جب وہ وعدہ پورا کرنا بھول گئے تو جے سنگھ پر پھر وہ مرض طاری ہوا اور اس نے بھانپ لیا کہ وہ تو وعدہ خلافی ہے۔ والدہ جے سنگھ بیمار لڑکے کو اسی حالت میں اٹھا کر بام الدین صاحب کے مرکز پر لاتی ہے۔ یہاں پر ماں بیٹے قیام کرتے ہیں، کچھ دن بعد حضرت شیخ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ بمہ زوہ تشریف لاتے ہیں اور ٹھکرائن آپ کو پہچانتی ہے اور حسبِ وعدہ جے سنگھ کو ان کے حضور پیش کرتی ہے۔ جے سنگھ مسلمان بنتے ہیں ان کا نام حضرت شیخ نور الدین ولیؒ نے زین الدین رکھا۔ اور انہیں اپنے ساتھ تبلیغ و سیاحت پر مامور کرتے ہیں۔ زین الدین کی ماں اور ان کا ماموں جو ماں بیٹے کے ساتھ بطور راہبر آیا تھا، دونوں حضرت شیخؒ کے نظرِ کرم سے مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ بھائی بہن حضرت شیخؒ کے حکم سے علاقہ زینہ گیر (تحصیل سوپور) میں تبلیغِ دین پر مامور کئے

Marfat.com

گئے وہیں وہ جئے، خدا کو پیارے ہوئے اور وہیں اُن کے مقبرے ہیں۔
جیسا کہ بیان کر چکا ہوں کہ حضرت شیخؒ کے ہر فعل کو سولھویں صدی اور اس کے بعد محض کرامات اور خرقِ عادت کا کرتب جتلایا گیا، اس طرح آپ کے کشتواڑ (بلہار) پہونچنے کو بھی لوگ طے مکان کی کرامت بنا بیٹھے، جو شیخ العالمؒ کشمیر کی کئی بار سیاحت کرتے ہیں۔ اور خود فرماتے ہیں:
"کشیہ پھیورُس اندی اندی" (میں کشمیر کے ارد گرد گھومتا رہا ہوں)۔
وہ کشتواڑ تک پہونچنے میں کیوں گریز کرتے، جبکہ کشتواڑ کا خطہ کشمیری زبان کا گہوارہ اور حضرت شیخ العالمؒ کا وطنِ مالوف تھا اگر وہ پیر پنجال پار کر کے "مرزل" پہونچتے ہیں تو برنگ کو بہار علاقوں سے وہ بلہار کیوں نہیں پہونچ سکتے تھے، جب ایک عورت ذات زرے سنگھ کی ماں بیمار بیٹے کے ساتھ وہاں سے کشمیر بلا تکلیف پہونچتی ہے تو ہر وقت کمر باندھے ہوئے سیاحت کرنے والا مسافر حضرت شیخ نور الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں تک پہونچنے کے لئے خرقِ عادت افعال سرزد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حق تو یہ ہے کہ کشتواڑ اُن کے دائرۂ تبلیغ کا حصہ تھا، مگر شہر کشتواڑ آپؒ دانستہ طور نہیں گئے، کیونکہ وہاں پر انقلاب لانا حضرت سیّد فرید الدینؒ کا مقدر بن چکا تھا۔

جہاں تک راقم کو ان تذکرات اور ان میں اندرونی تضادات کا عرفان حاصل ہے اور جہاں تک راقم کو کلام شیخ العالمؒ کے روح کے ساتھ آشنائی کا تعلق ہے میرے ہاں آپ کے بارہ میں حقائق کو پرکھنے کا ایک اجتہادی حس جیسا پیدا ہوا ہے۔ مؤرخ حضرات حتیٰ کہ زمانہ حال کے مؤرخ پیر حسن صاحب اور محی الدین سکین سرائی بالائی (تاریخ کبیر) حضرت شیخ العالمؒ کے دورہ کشتواڑ کا تفصیل بس طے مکان

Marfat.com

کے ایک واقعہ میں محدود کرتے ہیں : آپ نے کیموہ میں ڈبکی ماری اور بلماڑ کے زمیندار گھرانے کے زنانہ خانہ میں موجود ہو جاتے ہیں ۔ حق تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے آبائی وطن کو اسی طرح اپنے دائرہ عمل میں شامل کیا تھا جس طرح مراز دکمراز کو شامل کیا تھا۔ ایسے ہی ایک دورہ کے دوران آپ کشتواڑ کے اس زمیندار گھر میں پہونچے ۔ حصۂ اوّل میں رُوپہ وَن اور ژراروَن کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس مختصر علاقہ کے ساتھ خاص کشش کا وجہ نُندریشی کے لئے یہی تھا کہ یہ علاقہ اس کو اپنی جاگیر کا حصّہ تھا جو راجہ سہدیو نے آپ کے پڑدادا کو الاٹ کیا تھا۔ اگر اس حقیقت کو جاننے کے لئے آپ اس علاقہ میں آجاتے ہیں اور اپنا حق حاصل کر کے اس کو وقف کرتے ہیں، وہ ذہنی اور جذباتی طور آبائی وطن کو دیکھنے کی تلاش میں رہے ہوں گے۔ اپنے یکجدیان کی بھی انہیں تلاش رہی ہوگی ۔ جے سنگھ بھی راجپوت گھرانے سے تھا۔ چندربنسی خاندان کا خون حضرت شیخ نورالدین ولیؒ کی رگوں میں بھی تھا اور جے سنگھ بھی اسی خون سے وابستہ تھے ۔ معقول یہی لگتاہے کہ کشتواڑ کے دورہ کے دوران انہوں نے بلماڑ کے اس خاندان میں اپنے خون کی بُو سُونگھی اور وہاں پہونچے ۔ وہاں ان کے جواں سال فرزند کو بیمار پایا، لیکن اس کے اندرون میں جھانک کر بھانپ لیا تھا کہ بیماری جسم کی نہیں بلکہ رُوح کی ہے ۔ جسمانی مرض ٹھیک کرتے ہی انہیں روحانی کلفت سے آزاد کرنے کی بھی ٹھان لی۔ آپ نے ان کے لوحِ جبین کی عبارت بھی پڑھ لی اور دیکھا کہ کلکِ ازل نے ان کے ماتھے پر سعادتِ دارین کی ضمانت نقش کی تھی ۔ اور آپ نے اس خاتون کو دادسی پہونچانے کی ہدایت فرمادی ــــ یہ واقعہ کوئی ۱۴۱۳ عیسوی کا ہے، ۱۴۱۶ تک زین الدین اپنے

Marfat.com

پیرومرشد کے ساتھ ہمرکاب رہے۔ البتہ مُختہ تکھری کے چھ ماہ کے قیام کے دوران پیر نے انہیں بابا بام الدینؒ صاحب کے ہاں ہی چھوڑا تھا۔ پھر ہونچی پورہ ساتھ لایا۔ اس سے قبل ہی کسی مقام پر شیخؒ مراقبہ میں تھے، اور زین الدینؒ ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ شیخؒ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور زین الدینؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"زین! پروردگار نے آپ کا رُتبہ بہت بڑھا دیا ہے، اب آپ ہمارے اشارہ کے مطابق کسی مخصوص جگہ پر عبادتِ خدا اور خدمتِ خلق میں لگ جاؤ"....

پھر انہیں ہونچی پورہ ساتھ لے گئے۔ وہاں پر آپ نے اپنے خدّام اور طالبانِ باخلوص کو مختلف پرگنہ جات میں ریشیت کے ذیلی مراکز کھولنے اور چلانے کی ہدایت کی۔ وہیں پر ہر ایک طالب کے خاص مقامات (ہیڈ کواٹرز) نشاندہ کئے گئے۔ ایسے مرکز کا دائرہ عمل (Jurisdiction) (تحت تابع علاقہ) تعین کیا گیا اور ہر مرکز کے لئے عامل ریشی نامزد کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ بصورتِ ضرورت نائب بھی تعینات کئے گئے ۔۔۔ اسی تنظیمی تعیناتی کے دوران علاقہ کھاوریارا میں واقع عیشں گاؤں کی پہاڑی پر ایک دہشت آفرین جگہ پر شیخ زین الدینؒ کے لئے ایک غار کا انتخاب کیا گیا جو چٹانوں کے بیچ پہاڑی پر واقع ہے اور جو اُس وقت سانپوں، اژدہاؤں اور دیگر موذی جانوروں کی آماجگاہ ہونے کی باعث انسانی سکونت کے لئے خطرناک جگہ تھی۔

عیشں مقام!

• آج یہاں کی اونچی پہاڑی پر حضرت زین الدینؒ

Marfat.com

دلیؒ کا آستانِ فیض پناہ (کشمیر میں لکڑی کی کاریگری کا ایک نادر نمونہ) نظروں کے لئے باعث کشش اور دلوں کے لئے اطمینان بخش ہے ۔ لفظ "عیشں" فارسی لغت کے ساتھ وابستہ نہیں تھا بلکہ کسی عیش سین نامی راجہ نے یہ گاؤں آباد کیا تھا۔ اسی لئے اس کو عیش کہا جاتا تھا۔ حضرت شیخؒ کے ہی خلّاق اور ترکیب آفرین ذہن نے اس کشمیری لفظ "ءایش" کو عین کے عرفان سے واصل کر کے دو زبانوں کے امتزاج کی نادر ترکیب وضع کی اور خود ہی ایک اشلوک میں "چاہِ بابل" اور "عیش مقام" کی تراکیب باندھ کر اس جگہ ۔ "ایش" کو عیش مقام بنا دیا ۔ چونکہ علاقہ مارتنڈ کے قریب یہ جگہ ہے، بلکہ ایک طرح سے اسی کا حصّہ ہے یا اس کے قریبی سرحد پر ہے۔ علاقہ مارتنڈ کے بارہ میں مشہور ہے کہ یہیں پر چاہ بابل واقعہ ہے۔ اسی لئے اپنے مُرید کی جائے رہائش کے ڈانڈے آپ نے ہاروت و ماروت کے واقعہ کے ساتھ وابستہ کئے [۱]۔

حضرت شیخؒ نے باباشمس الدّین (جو بعد میں حاجی شمس الدّین بنے) کو زین الدّینؒ کے ساتھ ان کی خدمت پر مامور کیا۔ بابا صاحب انہی دنوں حضرت شیخؒ کے ارادتمندوں میں شامل ہوئے تھے اور ان کی تربیت زین الدّین کو تفویض ہوئی، دونوں زین الدّین اور شمس الدّین جب عیش کی جگہ پر پہونچے تو غار کو سانپوں اور بچھوؤں سے بھرا ہوا پایا۔ باباشمس الدّین ڈرنے لگے تو زین الدّین نے ہدایت کی کہ وہ غار کے دہانے پر جاکر بلند آواز میں ان زمین دوز زہریلے سانپوں اور حشرات کو بتائیں "کہ یہ مقام اب درویشوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے تم کسی اور جگہ بنا دلو"۔ سانپوں نے ایک دن کی مہلت طلب

---

[۱] نظم اصل اور ترجمہ کے لئے جلد ۱ صفحہ ۳۳۱ و صفحہ ۳۳۲ پڑھیں

Marfat.com

کی اور دوسرے روز ملحق پہاڑی پر دوسرے گپھا کی اور چل دیئے۔ مگر یہ رعایت اس شرط پر دی گئی کہ کسی کو ڈسنے یا اذیت پہونچانے کے فعل سے ہمیشہ ہمیشہ اجتناب کریں گیں۔ حشرات الارض Reptiles نے بھی بدلے میں ضمانت چاہی کہ آدمی انہیں اذیت نہ پہونچادے گا۔۔ ان دو متضاد مخلوقات میں یہ عجیب معاہدہ (Treaty) اپنی نوعیت کا اگرچہ نادر واقع اور محیر العقول تصوّر ہوگا مگر کشمیر میں ناگ تہذیب کے اثرات کے پس منظر میں۔۔ جہاں "ہیمہ مال اور ناگرائے" کا قصہ مقبول ترین لوک داستان (Folk Tale) ہے، وہاں اس واقعہ کو اساطیری داستان تصوّر نہ کیا جائے۔ ہیمہ مال کی داستان کا ہیرو۔ ناگ ارجن یا ناگ راج سانپ کی صورت میں ہی آکر حسین وجمیل شہزادے کا روپ دھارن کرکے آریہ ذات کی حسین وجمیل شہزادی ہیمہ مال کو فریفتہ کرتا ہے۔ اور یہ معاشقہ کشمیری ادب کی جہتیں سنوارتا رہا۔

پہاڑی کے اُوپر ان چٹانوں میں پانی کہاں ہوسکتا تھا۔ خادمِ شمس الدّین کو گاؤں سے پانی لانا پڑتا تھا، جس سے اس کو تکلیف ہوئی، بلکہ گھڑا بھی پھسلن کی وجہ ٹوٹ گیا۔ پھر آپ نے غار کے نزدیک ہی ایک جنگلی درخت کے نیچے کھدائی کی جہاں سے پانی نکل آیا اور جس سمت بشیخ زین الدّین چل دیئے اسی سمت نہر بھی رواں ہوتی ہے، جہاں سے زین الدّین صاحب واپس آئے وہیں سے نہر رک گئی، پانی غائب ہوا۔۔ اور آج کل بھی پانی اسی جگہ تک چلتا ہے۔

ایک اور واقعہ بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اس پہاڑی کے ارد گرد ایک گڈریا اپنی بھیڑ بکریاں چراتا تھا اس کو وہاں پر فقیر کی موجودگی اپنے

Marfat.com

کاروبار میں خلل انداز محسوس ہوئی۔ اس نے ایک بکری کو مار کر اس کی کھال وغیرہ بابا صاحب کے مصلّٰی کے نیچے چھپا دیئے اور کوتوال کے پاس فقیر کے خلاف سرقہ کا مقدمہ درج کیا۔ کوتوال موقع پر آیا اور کھال، سری اور چار ٹانگیں ضبط کر گیا۔ فقیر سے استفسار کیا گیا، اور اس نے حکم دیا:

"ذرا یہ کھال وغیرہ میری اور دیں۔"

کوتوال نے پیش کیے۔ بابا صاحب نے اسی بکری کو زندہ کیا اور کوتوال سے کہا:

"ہاں! پوچھئے اسی مال مسروقہ سے۔"

بکری نے زبان حال سے گڈریے کی سازش بیان کی۔

بابا شمس الدین سے یا کسی اور خادم سے حضرت شیخ[۱] نے ہدایت کی کہ وہ روزہ کھولنے کے لیے اُن کو کوئی تلخ چیز لا کے دیں۔ خادم نے بازار سے کالی مرچ لا کر دی۔ روزہ کھولنے پر یہ تلخی بابا صاحب کے مغلوب و مجبور نفس کو اچھی لگی اور آپ نے یہی چیز لانے کی ہدایت کی مگر ساتھ ہی قیمت دریافت کی، جب معلوم ہوا کہ ایک وقت کے روزہ کھولنے میں ایک پیسہ خرچ کرنا ہوگا تو ہدایت کی یہ بھی نہ لایا جائے۔ پھر اچانک روزہ کھولنے کے وقت درخت اخروٹ کے نیچے پڑے اخروٹ کا سبز چھلکا "گولر" دیکھا، اٹھایا چبایا تو تلخ تر لگ گیا پھر اسی سے روزہ کھولتے تھے۔ اور اسی گولر کو سکھا کر پیس لیا کرتے تھے، اسی سفوف سے روزہ کھولتے تھے۔

---

[۱]: گولر: اخروٹ کے اوپر ایک چھلکا ایک Case (کیس) جیسا ہوتا ہے۔ اس کے نیچے ایک سخت تہہ ہوتی ہے جس سے "کنڈ" کہا جاتا ہے کنڈ دانتوں یا پتھر وغیرہ سے توڑ کر گری نکالی جاتی ہے گولر "کنڈ" پکنے پر خود بخود گرتا ہے۔

Marfat.com

آپ کا ایک ادنیٰ خادم ایک دن آپ کے کام پر مامور تھا اور گرندی امرگ کی جانب گیا تھا، وہاں پر سلطان زین العابدین کے حکم سے یا اس کی حاضری میں (جیسا کہ روضۃ الریاض میں درج ہے) شاہ کوٹل نہر کی کھدائی ہو رہی تھی، بادشاہ صاحب ہر دلعزیز اور رعیت پرور ہونے کے باوجود بے گار کی وبا سے کشمیر کو پاک نہ کر سکا بلکہ بے گار کا سسٹم اس نے سختی سے نافذ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پانڈو چک نے کامراج میں بغاوت کی تھی، اس نے سلطان کے خلاف کامراج کے دورہ کے دوران مظاہرہ بھی منظم کیا تھا[1]

خلاصۂ کلام یہی ہے کہ اس نہر کی کھدائی پر بھی بے گار پر لائے ہوئے لوگ لگائے گئے تھے، اور زین الدین ولیؒ کا خادم بھی بے گار کا مزدور بنایا گیا تھا۔ فقیر زین الدین جلال میں آگئے اور نہر کا کام رکا دیا۔ یہاں پر بھی یہ رکاوٹ ہمارے تذکرہ نویسوں نے کرامات سے تعبیر کیا گیا۔ حتیٰ کہ قہرِ فقیر لگ بھگ اسی عہد میں اسی انداز سے اور اسی قسم واقعہ میں مظہر جلال کی صورت میں بادشاہ دہلی کے خلاف گر جاتا تھا[2]۔ میری رائے میں بعد کے تذکرہ نویسوں نے

---

[1] : بحوالہ محب الحسن "Kashmir Under Sultans" صفحہ ۷۴۔

[2] : اسرارِ خودی میں علامہ اقبالؒ نے حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کے حوالہ سے واضح کیا کہ عاشق خدا کس طرح مطلق العنانیت پر بھی قہرِ جلالی کی طرح حاوی ہوتا ہے۔ قلندر صاحبؒ کا ایک خادم مرشد کے کسی کام پر اپنی مستی میں راستہ چلتا تھا کہ سلطان خلجی کی سواری آرہی تھی، پائلٹ آگے آگے راستہ صاف کرتا تھا۔ اسی شور شرابہ میں اس مست و سرشار خادم کو چوبک کا رٹ لگتا ہے، وہ زخمی حالت میں راہبر کے پاس آیا، ماجرا سنایا تو قلندر صاحبؒ غصہ میں آگ بگولہ ہو گئے اور اپنے دبیر خاص کو بلایا اور سلطان کے نام حکمنامہ تحریر کروایا اور وارننگ دیدی کہ اگر عامل کو سزا نہ دوگے تو آپ کا ملک دوسرے کو عطا کروں گا۔ یہ رمز اقبال صاحبؒ نے یوں ادا کیا :- ؎

باز گیر ایں عامل بدگوہرے ∴ ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے (ملاحظہ ہو اسرارِ خودی علامہ اقبالؒ)

Marfat.com

جس طرح "یادنِ مثری" کے واقعہ پر سلطان سکندر کو بری الذمہ کرنے کے لئے داستان تراشی تھی اور حضرت شیخ کی گرفتاری کا واقعہ جس طرح انہوں نے لبس وارنٹ کے اجرا تک محدود کیا تھا اور پھر سلطان سکندر کو حضرت شیخ کا معتقد بنایا تھا اسی طرح حضرت زین الدین ولی اور سلطان زین العابدین کے بیچ کچھ ایسے واقعات ہوئے جن سے بڈشاہ صاحب کی شخصیت پر اثرات پڑتے ہیں۔ لہٰذا ان واقعات کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ــ یہ واقعہ ان میں سے ایک ہے، لگتا ہے کہ زین صاحب حضرت شاہ بوعلی قلندر کی طرح ان کے خادم پر سختی برداشت نہ کر پائے۔ اور سلطان کو وارننگ دی گئی۔ مگر لگتا ہے کہ تصفیہ پر معاملہ بخوبی سلجھ گیا۔ طے پایا کہ حضرت کے مریدان کو مخصوص شناخت سے ممتاز کیا جائے اُسی تصفیہ پر خادمانِ سخی زین الدین کو ہدایت ہوئی کہ وہ سروں پر لکیردار اونی پگڑی باندھا کریں۔ اس کو بعد میں کاٹن نام پڑا اور زمانہ حال تک عیش مقام کے ریشی حضرات یہی مخصوص پگڑی باندھا کرتے تھے، جس کو کاٹن یا "تمبریز" کہتے ہیں ــ کاش! اگر ہمارے اسلاف نے زین الدین کے اس واقعہ کو خرافات کے ابہام کی نذر کئے بغیر اصلی رنگ میں تشہیر دی ہوتی، تو علامہ اقبال نے یقینی طور اپنے اسلاف کے اسی واقعہ کو اسرارِ خودی کی مثنوی میں بیان کیا ہوتا یا کم سے کم حضرت شاہ قلندر کے واقعہ کے ساتھ اس واقعہ کو بھی اپنی پوری خوبی کے ساتھ جوڑا ہوتا۔

حضرت زین الدین ولی کو سلطانِ وقت زین العابدین نے کشمیر بدر کیا تھا تو آپ لداخ کے بودھوں میں تبلیغِ اسلام کے لئے گئے وہیں سکونت اختیار کی۔

Marfat.com

بابا بام الدّین صاحب کے تذکرہ میں کہا گیا کہ آپ وہاں سے زبردست برفباری کے موسم میں سطے مکان کے کرتب سے بمہ زوہ پہونچے[1] یہاں پر تجہیز و تکفین کے بعد واپس چلے گئے اور ان کو بابا بام الدّین صاحب کا نائب، حضرت شیخ کا خلیفہ اور ریشی تحریک کا قاید منتخب کیا گیا۔ لہٰذا سلطانِ وقت انہیں واپس بُلانے پر مجبور ہوئے اور خود اُن کے استقبال میں سرگرم رہے۔ یہ عوامی اور شاہی استقبال جو بابا صاحب کو ۱۴۴۱ء کی آمد بہار پر یہاں پر دیا گیا کشمیری تاریخ میں فقید المثال واقعہ رہا ہے گو کہ اسکی تفاصیل کہیں درج نہیں ہے۔ مؤرخ حسن اس مختصر عبارت پر قناعت کرتا ہے :۔

"...... اپنے بیٹے حیدر خان کو اُن کی عُذر خواہی کرنے کے لئے تبت روانہ کیا۔ حیدر خان نے حضرت ریشی کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ کشمیر واپس لایا، بادشاہ نے بذاتِ خود استقبال میں سبقت لینے کی تیاری کی ...... (تاریخ حسن جلد سوم اردو ترجمہ صفحہ ۱۳۳)

"روضۃ الرّیاض" میں یوں اس واقعہ کا بیان درج ہے :۔

"...... الحال پسر خود حیدر شاہ بخدمت بابا فرستاد چوں بملازمت اشرف سعادت اندوز گشت زاری پدر در محفل آں محبوب بیان کرد التماس آمدن کشمیر نمود بابا قدس سرہٗ بدرجۂ قبول موصول ساخت ...... روزیکہ در کشمیر رسیدند بادشاہ

[1] :- یہ ایک نازک ترین مرحلہ تھا۔ بام الدین کی وصیت تھی کہ زین الدین ہی ان کے آخری رسومات ادا کرے گا۔ انکو اطلاع دینے میں مہینہ لگتا اور انکے آنے میں مہینے لگتے۔ ایسے مرحلہ پر کرامت کا استعمال معقول بھی لگتا ہے اور ضروری بھی۔

Marfat.com

از مرضِ پا بہ رست و خفیفِ صحت بہ بست چنانچہ باستقبال
با پا شاہی لشکر بر آمد ...."

مطلب مختصر وہی ہے جو حسنؔ صاحب کے اکتساب سے اخذ ہوتا ہے
اس واقعہ کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے کہ بڈشاہ زین الدین ولی کے پاس گئے
انہوں نے التفات نہ کیا اور جلالِ شاہی نے اُن کے کشمیر سے بدر کر کے علاقہ تبت
میں تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ یہ وجہ عذرِ لنگ ہے بلکہ بڈشاہ صاحب کی اس زیادتی
کا پس منظر بے کار کے سسٹم کو پردہ میں رکھنے کے لئے یہ عذرِ لنگ تراشا گیا ہے
کچھ باتیں اس امر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔

سلطان زین العابدین کشمیر کا اتنا عظیم محسن فرمانروا گذرا ہے جن
کی حکمرانی کے پچاس سال کشمیر کی تاریخ کا وہ عہد ہے جس کا ایک ایک واقعہ
آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ـــ مختصر کہ آپ نے اپنے وجود کو ہارون رشید
کے خصائل و خصائص کے قالب میں ڈال کر اسی عباسی خلیفہ کی پیروی
میں بلاد الکشمیر کو بغداد کی شہرت عطا کی تھی، وثوق سے کہا جاتا ہے کہ آپ
کی ہی حکمرانی کے آداب کو ماڈل بنا کر جلال الدین اکبر تاریخ ہندوستان میں
اکبرِ اعظم بن گیا۔ غلطیاں ہر انسان میں ہیں اور مطلق العنانیت سے ہم خلافت
کی سی فلاحی حکمرانی کی توقع نہیں رکھ سکتے ہیں، بلکہ آج جمہوری دور میں
بھی ہم نے دیکھا جو جمہوری لیڈر جتنا عوام میں محبوب بنتا ہے اسی قدر اس
سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں۔ اس لئے چھپنے حاکموں اور لیڈروں کی فاش
غلطیوں کا کوئی نہ کوئی جواز پیدا کیا گیا یا ایسی غلطیوں کو کسی نہ کسی
لبادے کے نیچے ڈھانپا گیا ہے۔ تو بس بڈشاہ جیسے عظیم محسن کی ایک یا

Marfat.com

"غلطیاں یا تو جوازیت سے احسن اقدامات کے زمرہ میں لائی گئیں ـــــ یا اگر جواز پیدا نہ ہوا تو غلطی کو ڈھانپ لیا گیا۔

سمجھی زین الدین کا کشمیر بدر ہونے کا واقعہ کوئی ۱۴۲۹ء کا ہوگا کیونکہ ۱۴۳۸ء میں دونوں "زین" ـــــ زین الدینؒ اور زین العابدین حضرت شیخؒ کے آخری سفر کے دوران کاندھے سے کاندھا ملائے ہوئے تھے۔ ۱۴۴۰ء میں جب آپ کے عظیم پیش رو بام الدین وصال پا گئے آپ لداخ میں تھے۔ لہذا یہ ۱۴۳۸ء دسمبر سے ۱۴۴۰ء دسمبر تک کا واقعہ ہے۔

حضرت زین الدینؒ کے نام کا شاہ کول کی کھدائی میں بیگار پر لگنے کا واقعہ اس سے بہت پہلے کا ہے۔ زین صاحب کو عیشِ کی مقام پر کوئی ۲۲-۱۴۲۰ء میں تعینات کیا گیا تھا۔ شیخ العالمؒ کا یہ حکم ہونجی پورہ کے مرکز سے اجراء ہوا تھا، جہاں کا قیام ۱۴۱۸ء سے ۱۴۲۵ء تک رہا ہے ـــــ ۱۴۲۰ء میں سلطان زین العابدین تخت نشین ہوئے۔

حضرت شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کو زین الدینؒ سے پیار بھی بہت زیادہ تھا، اور ان کے صاحبِ کمال ہونے کے معترف بھی تھے۔ جس کا ترجمان یہ ایک مصرعہ ہے اس کوزہ میں اعتراف کا سمندر چھپا ہوا ہے : "گُو گورس ترا تھاہ ژُرو"

(کتنا عظیم مُرید ثابت ہوا یہ تو اپنے پیر سے بھی آگے بڑھ گیا۔)

اس لئے میری رائے میں اسی سال میں زین الدین ولیؒ بھی علاقہ عیشمقام کے مرکز کیلئے نائب مقرر ہوئے تھے جس سال بڈشاہ صاحب تخت نشین ہوئے۔ لہذا اس نئے خادم کے ساتھ پیش آیا ہوا واقعہ لازماً ۱۴۲۰ء کے بعد کا ہے، اور حیات شیخ العالمؒ کے دوران

Marfat.com

ہی وقوع پذیر ہوا ہے۔ اس وقت جو معاہدہ ـــــ خادمان زین الدینؒ کو شناخت عطا کرنے کا طے ہوا۔ اس سے تو ریشی قاید کا ذاتی مسئلہ حل ہوا نہ کہ بیگار کا مسئلہ ـــ لگتا ہے کہ اس بیگار کے رسم کے خلاف زین الدین کا جذبہ جارحانہ شدّت اختیار کرتا گیا، مگر اپنے مرشد کی حیات میں کوئی قدم اُٹھانے سے گریز کیا۔ آپ نڈر، جری اور بیباک تھے۔ آپ اپنے پیر کے ساتھ بھی بہت بیباکی سے کلام کرتے تھے۔ لگتا ہے کہ آپ نے اپنے قاید کے پاس بیگار کے اس مسئلہ کو اُٹھایا ہوگا۔ مگر قاید نے اس پر زبردست ردِّ عمل کا اظہار اس وجہ سے نہیں کیا ہوگا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ بڈشاہ کا سنہری عہد ان کی قربانیوں کا ثمرہ ہے' اور اس لئے اس محسن فرمانروا کو امن کا ماحول فراہم رکھا جائے۔ تصادم کا نہیں تا اینکہ وہ خود اس مرض کی دوا کر پائے مگر لگتا ہے کہ کامراج میں پانڈوچک کے مُظاہرہ کے بعد بھی بڈشاہ نے اس ظلم کو ختم نہیں کیا اور حضرت زین الدینؒ حضرت شیخ العالمؒ کے وصال کے فوراً بعد اس وجہ پر حکمران اور حکومت کو ہدفِ ملامت بناتا رہا ہوگا تو نوبت اُن کو ملک بدر کرنے کی پہونچی۔

یہ عذر لنگ جو تذکرہ نویسوں نے تراشا ہے' صریحاً غلط اور غیر معقول ہے، بڈشاہ صاحب نے ۱۴۳۹ عیسوی میں زین الدین کی جلائے وطنی کا حکم دیا۔ اس سے کچھ مہینے یا زیادہ سے زیادہ ایک سال پہلے دونوں اپنے مشترکہ مرکزِ عقیدت حضرت شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں شامل تھے جہاں زین العابدین اور زین الدین دونوں نے تابوت کو کندھا دیا تھا۔ جہاں پادشاہ زین صفِ اوّل میں مقتدی تھا اور فقیر زین نمازِ جنازہ کا پیش

Marfat.com

امام تھا۔ پادشاہ زین کو فقیر زین کے رتبہ کا پورا عرفان تھا، اور فقیر زین کو کو معلوم تھا کہ اس کا معشوق ـــــ پیرِ طریقت ـــــ سلطان کا بھی محبوب تھا۔ اس رشتہ سے دونوں اگر بیعت سے نہیں مگر عقیدت سے پیر بھائی لگتے تھے تو کیا وجہ تھی کہ زین الدّین زین العابدین کو ملاقات نہ دیتا؟ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڈشاہ صاحب بہ نفسِ نفیس رسم بے گار کو قائم رکھنے کے بارہ میں فقیر زین الدّین کو اپنی مجبوریاں بیان کرنے آیا تھا۔ مگر فقیر نے اُن اعتراضات کو معقول تصوّر نہ کیا، اختلافات پیدا ہو گئے۔ چونکہ بڈشاہ کے دونوں بیٹے اندرونی امن کو درہم برہم کرنے پر تُلے ہوئے تھے انکی باغیانہ مہم اُس سنہری دَور کے خواب کو پریشان کرنے کا ایک چلینج تھا۔ اِس وقت زین الدّین صاحب کا اپنے اصول پر ڈٹے رہنا پادشاہ نے سیاسی چلینج مان لیا تو نوبت انتہا کو پہونچ گئی۔

فقیر زین الدّین کو واپس بلانے کے لئے بھی حیلہ پیدا کیا گیا کہ پادشاہ زین کے پیر میں کوئی غیبی مرض آ نکلا۔ ہوا تو اُس نے بھانپ لیا کہ " صاحبِ دل کا دِل بے درد " آیا ہے اور سزا پیر سے شروع ہوئی۔ یہ بھی ایک وجہ ہو گی مگر اصل وجہ کچھ اور ہے۔

۱۴۴۱ء کے ماہِ جنوری میں زین الدّین ولی ریشی تحریک کے قائد منتخب ہو گئے اُن کا مرکز پر ـــــ کشمیر وادی میں رہنا لابدی اور ناگزیر تھا، جس کے لئے ریشیوں کے ردِ عمل سے پیدا شدہ حالات کا فائدہ سلطان کے دشمن اٹھا سکتے تھے ـــــ لہٰذا اس دانا حکمران کو پیر کے درد نے موقع تو فراہم کیا اور اس نے ایک سیاسی فیصلہ کو رحم اور اعتقاد کا رنگ دیا۔ ریشی صاحبان بھی اپنے

Marfat.com

کو سیاسی رنگ میں رنگنے کے خلاف تھے اس لیے یہ عذر دونوں کی پالیسیز Policies کے عین مطابق ہوتا ہے۔[1]

آپ کا انتقال کشمیری کلنڈر کے مطابق وہکھ مہینہ میں ہوا اور آپ کی تجہیز و تکفین کا مرحلہ بھی کراماتی انداز میں طے ہوا۔ آپ جب واصل بحق ہوئے تو آپ کے خادموں نے ان کے بدنِ اطہر کو دھولیا، کفن میں ڈھانپ لیا، تھوڑی دور کی پر نماز جنازہ اسی غار کے نزدیک ادا ہوا۔ پاس ہی قبر کھودی گئی۔ اب میّت قبر میں اتارنے کے لئے تابوت کا ڈھکن اٹھایا گیا وہاں نعش ہی موجود نہیں تھی لوگ زار زار روتے رہے، کہرام مچ گیا۔ ناچار شام کو سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو آگئے۔ ایک خادم نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا:

"میری قبر وہیں کھودی جائے جہاں تابوت رکھا گیا تھا۔"

"مگر جناب! وہاں بس ایک ہی قبر کے لئے جگہ مکتفی ہے، ہم آپ کے رفیق کہاں جائیں گیں؟"

"ذرا اس جگہ سے اوپر میرے لئے ایک اور قبر بنا دیں، تا اینکہ ان دو قبروں کے بیچ اور قبروں کی گنجائش نکل آئے۔"

ایسا ہی ہوا۔ ان دو قبروں کے بیچ میں اُن کے اٹھارہ (۱۸) اُن کے اٹھارہ یاروں کی قبریں بن پائیں۔ آپ کی یہ دونوں قبریں عقیدت مندان کے لئے فاتحہ

---

[1] : یہاں پر اپنی انگریزی کتاب "Shekh - Noor-u-Din" مطبوعہ ساہتیہ اکادمی میں اخذ کئے گئے کچھ نتائج کی تردید کر کے تصحیح کرتا ہوں:

Marfat.com

کا نذرانہ ادا کرنے کے مرکز بنی ہیں۔ ہاں اس گپھا میں بھی آپ کے مصلّٰی کو بھی ایک تربت کی شکل دی گئی ہے۔ معتقدین اس طرح ان کے جائے عبادت بالفاظِ دیگر مسجد کا طواف کرتے ہیں۔ ان کا عرسِ مبارک ۱۲ ذیقعدہ کو منایا جاتا ہے۔ تیرھویں رات کو جنگل سے لائی ہوئی چیر کی لکڑی کے مشعل جلائے جاتے ہیں، اور سرینگر کے قرب و جوار میں بھی ان مشعلوں کی روشنی نظر آتی ہے بلکہ "زبروان" کے ارد گرد بھی ان کے عقیدت منداس "پھرُ وِہ" (جلوس مشعلِ فروزاں) میں شرکت کرتے ہیں اور ان کی روشنی سے جھیل ڈل کسی ماہ وش کے عارض لالہ گون کا آئینہ خانہ لگتا ہے۔

پھرُ وِہ!

حصّہ اوّل میں حضرت زین الدینؒ کا تذکرہ ہوتے ہوئے علاقہ عیشمقام کے قرب و جوار میں اس آدم خور دیو کا حوالہ دیا گیا۔ اس علاقہ میں دیو نے پوری آبادی کا قافیہ حیات تنگ کیا تھا تو لوگوں نے حضرت شیخ العالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنا مسئلہ پیش کیا انہوں نے اپنے مُرید خاص حضرت زین الدین ولیؒ کو اس آفت سے لوگوں کو نجات دینے کی ہدایت کی۔ زین الدین ولی صاحبؒ نے اس عفریت کو مغلوب کرکے ہلاک کیا اور علاقہ کے لوگوں نے اس فتح پر جشن منایا، جس کا اظہار یوں کیا گیا کہ چیڑ کی لکڑی کے ہزاروں مشعل ہر گاؤں سے فروزاں ہوکر ان پہاڑیوں پر مشعل بردار جلوس کی صورت میں چلتے رہے۔ سبز و شاداب دیوداروں کے بیچ یہ لال شعلے کچھ عجیب منظر پیدا کر گئے۔ تو یہ جشن ایک روایت بن گیا جس سے عرس کی تقریبات کا استقبال کیا جاتا ہے۔ علاقہ کھاوری پارہ،

Marfat.com

دھچن پارہ کو پار کرتے ہوئے یہ رسم نزآل کے جنگلوں اور رکھوں تک پہونچ گیا وہاں کھر ایہ۔ نتار کی رکھوں اور پہاڑیوں کا رونق بن گیا۔ اور وہاں سے یہ جلوس مشعل برداری جھیل ڈل کے اردگرد پہاڑیوں اور جنگلوں تک پہونچ گیا اس طرح یہ رسم لگ بھگ نصف کشمیر میں منایا جانے لگا، اور آج بھی منایا جاتا ہے۔ جونہی بارشوں کے موسم اور آمد بہار میں جنگلوں سے یہ مشعل فروزاں ہو جاتے ہیں تو عرس زین الدین ولیؒ کا بگل بجتا ہے اور زائرین اطراف و اکناف سے عزم سفر کرنا شروع کرتے ہیں۔

قیام لداخ کے بارہ میں

مورخین اور تذکرہ نویس حضرات نے یہی لکھا ہے: کہ حضرت زین الدینؒ کو کشمیر بدر کر کے علاقہ تبت لداخ میں روانہ کیا گیا۔ یہ صراحت ثابت نہیں ہے کہ آیا آپ دراس، کرگل، لیہہ، چشنول، اسکردو، گلگت یا کس خاص مقام پر تبلیغ فرماتے تھے۔ چونکہ یہ وقفہ بھی مختصر رہا ہے۔ اس وجہ سے لداخ میں راقم نے اپنی تعیناتی (۱۹۷۶، ۷۷ء) کے دوران آپ کا نہ تذکرہ سُنا نہ کوئی تذکرہ پڑھا۔ وہاں پر تذکرہ تو ہوتا ہے۔ مگر حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا جن کے ساتھ لیہہ کی شاندار خانقاہ اور "شیے" کی چھوٹی مسجد وابستہ ہیں۔

البتہ کشمیر کے تذکرات میں درج ہے کہ وہاں ان کے آمد پر ہی راجہ کا بیٹا مرگیا اور عقیدہ بناکہ قدوم فقیر (نعوذ باللہ) منحوس پڑے اور اسی وجہ سے راجہ زادہ اچانک مرگیا۔ درویش کو وارننگ ملی: کہ اگر بچہ زندہ نہ ہوا تو فقیر کو

مرحوم کے سمیت مارا جائے گا۔ فقیر نے رات بھر انتظار کرنے کی ہدایت کی تو صبح راجہ زادہ زندہ پایا گیا۔ اور اس طرح فقیر کو اپنے مشن میں آسانی پیدا ہوئی چونکہ وہاں پر چھوٹے چھوٹے راجوار موجود تھے اور یہ نہیں معلوم نہیں کہ ریشی صاحب خاص کس مقام پر ڈیرا جمائے تھے۔ اس لئے لداخ کی تاریخ کے تقابلی مطالعہ سے حضرت کی وہاں کی کارکردگی کے بارہ میں کوئی فائدہ نہیں ملتا ہے۔

شیخ زین الدین ولیؒ کا سالِ وصال ۸۵۳ ہجری (۱۴۴۹ عیسوی) ہے جو بابا محمد خلیل کی ایک نظم کے آخری شعر سے اخذ ہوتا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار پیش ہیں:۔

زین الدین سرگروہِ اہلِ صفا ∴ دستگیر و شفیعِ روزِ جزا

ٔ رہاند ز آفت دوران ∴ میرساند بجنت الماویٰ

فیض پاشی بہر کس و ناکس ∴ میکند در دو کون زجود و عطا

بر سر ہر سید بشرع و درت ∴ داد داد رشادت و تقویٰ

مست در ذکر و فکر سبحانی ∴ مستنیر از ذکاء نور خدا

سالِ تاریخ او بگوش خلیلؔ ∴ ہاتفی گفت: "شاہِ اہلِ تقیٰ"

حضرت زین الدین ولیؒ اپنے پیر و مرشد کے بعد ریشی تحریک کے دوسرے عظیم شاعر ہیں۔ مگر ان کی شاعری کلام شیخ العالمؒ کے ساتھ خلط ملط ہوئی ہے، اور آج تک آپ کو بحیثیت شاعر جانا ہی نہیں گیا۔ یہی حال آپ کے پیر بھائی نصر الدینؒ کے ساتھ ہوا جو تحریک کے تیسرے شاعر اور کشمیری زبان کے چوتھے یا پانچویں شاعر ہیں۔ ضمیمہ نور نامہ کے ساتھ منسلک ہے۔ ضمیمہ الف میں زینؔ صاحب کی شاعری پر بحث ہوگی۔

Marfat.com

آبِ حیات کی نہریں !

حضرت شیخ نور الدّین ولی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رُوحانی فرزند کو " امرت گرد " یعنی: آبِ حیات فروش کہا۔ آپ نے سینکڑوں طالبانِ حق کو حیاتِ جاوداں عطا کیا۔ ان میں بہت ایسے حق طلب گذرے ہیں جن کے نام تک ہمیں معلوم نہیں ــــ البتہ جنہیں شہرتِ دوام ہوا ان کے بارے میں مختصر واقعات ہدیۂ ناظرین ہیں :

حاجی شمس الدّین !

ہم نے حضرت زین الدّین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا: کہ بابا شمس الدّین، حضرت شیخؒ کی خدمت میں ہی انکے طالب بنے تھے ــــ انہوں نے تربیت کے لئے آپ کو زین الدّین کے سُپرد کر دیا۔ جب زین الدّین کو پیر و مُرشد نے " عیش " کے مقام پر خلوت گزین ہونے کا حکم دیا، بابا شمس الدّین کی رفاقت سے انہیں نوازا گیا۔ اسی یارِ غار کو ساتھ لیکر آپ نے سانپوں اور اژدھوں کے اس دیس میں ابدی سکونت اختیار کی، بلکہ جب حضرت زین الدّین کو علاقہ تبت روانہ کیا گیا بابا صاحب آپکے ساتھ تھے۔

آپ نے اپنے پیر کی شب و روز خدمت کی۔ اور اس دوران آپ حج کو چلے گئے، وہاں مکہ معظمہ میں ایک اہلِ دل سے ملاقات ہوئی ان سے بابا صاحب نے تربیت کی استدعا کی ــــ اہلِ دل نے پوچھا: کہ آیا اُن کا کون پیر ہے ؟ " بابا صاحب نے کہا: کہ کشمیر میں ہی " ایک ان پڑھ " سے تربیت حاصل کر چکا ہوں ــــ " اہلِ دل نے خانہ کعبہ میں عبادت کے دوران مراقبہ

Marfat.com

میں دھیان کیا کہ اس کشمیری ان پڑھ کے حالات سے واقف ہو پائیں ۔ تو اسی رات کو اہلِ دِل کی خانۂ کعبہ میں ایک کشمیری سے ملاقات ہوئی ، اہلِ دل نے اُن سے نام و پتہ پوچھا تو مکۂ معظمہ کے اہلِ دل کو تعارف دیتے ہوئے اس کشمیری زائر نے کہا : " میں کشمیر کا وہی ان پڑھ درویش ہوں جس کے مُرید نے آپ سے ارشاد کی گذارش کی ہے ۔ اَلحمدُ لِلّٰہ ! میں آج کی طرح ہر جمعہ کی نماز کعبۃ اللہ میں ہی ادا کرتا ہوں ۔" بابا محمد خلیل اللہ اس کرامت کا نچوڑ یوں ایک منقبت میں نظم کرتے ہیں :

ہر نمازِ جمعہ از طےِّ مکان در کعبہ کرد
در ریاضت گوئے بُرد آساں زجمعی واصلین

پیر کے لئے نیچے گاؤں سے پانی لاتے ہوئے آپ کا پاؤں پھسلا تو پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ۔ پیر سے شکایت کی ۔ دوسرے خادم سے اس کے پیر پر لوہے کے سیخ کے تین سٹ لگوائے اور چوٹ ٹھیک ہوا (حسن مؤرخ) ۔ مگر تذکرہ نویسان کا لکھنا ہے کہ حج پر واپسی کے بعد یہ واقعہ چوٹ لگنے کا حاجی بابا صاحب پر سزا کے طور پر عائد ہوا تو آپ نے بہت منت سماجت، عفو اور درگذر کے لئے پیر سے استدعا کی پیر قائل نہ ہوئے ۔ پھر آپ کے سبھی خادموں نے بابا شمس الدین کے حق میں عفو کی درخواست کی اور سفارش کی ، پھر سزا میں تخفیف کی گئی اور پیر پر تین سٹ مارنے کا حکم ہوا ۔ انہیں تین سٹوں سے ٹوٹی ہوئی ہڈی جُڑ گئی ۔ ورنہ اُس بڑھتی ہوئی عمر میں ہڈی کا جُڑ جانا ناممکن تھا اور بابا کو لنگڑا ضرور رہنا تھا ۔ اپنے پیر کو آخری غسل دیا کفن پہنایا اور نمازِ جنازہ کے پیش امام ہوئے ۔ عابد و متقی ہونے کے علاوہ قرآن و حدیث ، فقہ اور منطق

Marfat.com

پر زبردست دسترس حاصل تھی۔

۲۔ بابا پیام الدین عرف باپم ریشی: آپ موجودہ تحصیل گاندربل کے پرگنہ لار میں "رُھنڈن" گاؤں کے اعلیٰ خاندان کے فرد تھے۔ دربارِ بادشاہی تک رسائی حاصل تھی۔ خود بھی بڑے سرکاری منصب پر فائز تھے۔ بلکہ بقول بابا محمد خلیل: "از وزرائے پادشاہِ زمانہ بود" (وزارت بادشاہی کا ممبر تھا)۔ بہت دانا، زیرک اور فہیم تھا۔ یہی زینہ کے نام سے شہرت حاصل کی تھی۔ امورات مملکت میں شغف رکھنے کے ساتھ ساتھ شکار کھیلنے کا زبردست شوق تھا۔ ایک دن لار کے جنگلوں میں گھوڑے پر سوار شکار کو چلے گئے، چیونٹیوں کا ایک لمبا کاروان اپنی بل کی طرف جاتے دیکھا۔ اُس نظارہ کو دیکھتے دیکھتے محو حیرت رہے۔ خدا کے ان آیات کو چشم دل سے دیکھتا ہے۔ احساسات کی زبان سے پڑھتا اور ان سے سبق سیکھتا گیا۔ دیکھتا ہے کہ ہر ایک کے ہاں ایک ایک دانہ ہے اور دُوڑ ان میں یہی لگی ہے کہ یہ دانہ ذخیرہ کرنے کے بعد دوسرا لا پائیں تاکہ جاڑے کے دنوں یہی ذخیرہ کام آپائے ــــ اس گہرے مشاہدہ نے اس کو اُس جاڑے کے موسم کی طرف متوجہ کیا جو اس کائنات پر آنے کے سبھی راستے اور پگڈنڈیاں مسدود کرتا ہے۔

"وہاں میرا کیا ذخیرہ ہوگا؟ کیا سرمایہ ہوگا؟"

یہ سوچ اتنا غالب ہوا کہ بنا شکار کئے ہوئے واپس گھر آگیا۔ کہاں تو تھا شیر افگن بننے مگر شکار بنا موُربیے مایہ کا ــــ اور اب صرف سوچ میں مستغرق ہے ان دنوں ریشیت کے قائدِ اعظم بابا زین الدین ولیؒ کا کشمیر بھر میں روحانی

Marfat.com

مطلق العنان حکمران ہونے کا چرچا تھا جس کا اعتراف خود سلطان کر چکے تھے ۔
پھر پمی رشی کو ئی ۱۴۴۵ء میں اس مشاہدہ کے فوراً بعد حضرت بابا زین الدین
ولیؒ سے بیعت ہوتے ہیں ، سرکاری منصب سے مستعفی ہو گئے ۔ معاشرتی زندگی
کو خیر باد کہا ، گو کہ بیوی ان دنوں امید سے تھیں مگر اس کا بھی پرواہ کئے بغیر
راہبر کے حکم سے پرگنہ بانگل (موجودہ علاقہ گلمرگ) کے ایک دور افتاد جنگل
میں ریاضت و عبادت کے لئے پہونچتے ہیں ۔ یہ جگہ رنبوہ کے نام سے جانی جاتی
تھی ، اور دیو اور آسیب ہونے کے وجہ سے آدم زاد یہاں سے گذرنے کا جرأت
بھی نہیں کرتا تھا ۔ جنوں کے سردار نے یہاں پر ٹکنے نہیں دیا ۔ طے ہوا کہ اگر
خدا کی مرضی درویش کے یہاں رہنے پر ہو گی تو جن یہاں سے ہجرت کرینگیں
پمی رینہ نے بحضور کردگار دعا کی تو ایک پرچی موقعہ پر ہی ہوا کے شانوں
پر اڑتی یہیں پر گر گئی جس پر جنوں کی ہجرت کا حکم درج تھا اور اس
طرح یہ مسکن دائمی طور ایک عظیم ریشی سنٹر بن گیا جہاں پر اس مصنف کے
بچپن تک گھر بار چھوڑ کر بے زن و اولاد درویش لوگ بچپن سے ہی روحانی
تربیت حاصل کرکے یہیں کے لنگر خانہ میں پلتے تھے ـــــ میرے بچپن میں بھی
انہیں " بابم ریشن کٹی " (بابم ریشی کے لڑکے) کہا جاتا تھا ، وہ نذر و نیاز
بھی حاصل کرتے تھے ۔ اور انفرادی یا جتھوں کی صورت میں بابم ریشی کے
دادا پیر حضرت نور الدین ولیؒ کے آستان فیض پناہ پر چرار شریف حاضری
دینے آتے تھے ۔ شاید میں دس سال کا تھا کہ ایک ایسی ہی چھوٹی ٹولی کو راقم
کی والدہ مرحومہ نے احترام سے مہمان نوازی اور خاطر تواضع کی تھی ۔ انہیں
کچھ مختلف انداز میں ملبوس دیکھکر میں متحیر رہا اور اپنی والدہ سے ان کے

Marfat.com

متعلق استفسار کرتا رہا۔ والدہ مرحومہ نے تب یوں اس طبقہ کا تعارف دیا :

"...... ریشی صاحب کی زیارت ٹنگمرگ کے علاقہ میں ہے، جو یہاں سے بہت دُور ہے۔ جن عورتوں کو اولاد نہیں ہوتی ہے وہ وہاں جا کر منت مانگتی ہیں : کہ اگر اولاد ہوگی تو ایک لڑکا ریشی صاحب کے ہاں چھوڑیں گے کہ وہ بھی اسی راستہ پر چل پائے۔ یہی لڑکے " بابم ریشن کٹھ " کے نام سے مشہور ہیں، اور اُن کے ساتھ ایسے بھی بہت لڑکے رہتے ہیں جن کو دنیاداری میں دل نہیں لگتا ہے اور خدا کے پیارے بن کر ریشی صاحب کے لنگرخانہ میں پلتے ہیں، اور وہیں عبادت بھی کرتے ہیں ــ ہاں! جنہیں منت مانگنے پر بھی بیٹا نہیں ہوتا ہے وہ ریشی صاحب کے چولھے کی لپائی کرتے ہیں اور ضرور انہیں بیٹا حاصل ہوتا۔"

لیکن اپنی جوانی سے لے کر اب اپنے بڑھاپے میں میں نے ایسے کم عمر ــ بلکہ بڑے بوڑھے ریشی کبھی نہ دیکھے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں، راقم کو بحیثیت چیف جوڈیشل مجسٹریٹ لداخ کے اکثر بدھ خانقاہوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ جس طرح وہاں پر چھوٹے چھوٹے " لامے " خانقاہوں میں کام کرتے تھے ویسا ہی انداز ان نو عمر ریشی لڑکوں کا تھا جن کی ایک ٹولی کا اُوپر ذکر آیا ہے فرق اتنا تھا کہ " لامے " مخصوص لداخی ڈریس میں ہوتے ہیں مگر وہ نو عمر ریشی پٹو کے پھرن پہنتے تھے ــــ اس واقعہ کو یہاں پر بیان کرنے کی غرض یہی ہے کہ اس تاریخی مشاہدہ کا ریکارڈ رہے۔ اور اس کی روشنی میں بُدھ راہبوں کے ساتھ ریشی تحریک کے تقابلی مطالعہ کی تحریک بھی تحقیق کرنے والوں میں پیدا ہو پائے۔

Marfat.com

آمدم بر سرِ مطلب، کوئی اٹھائیس ۲۸ سال یہاں پر پیام الدین صاحب نے بہت پُر خطر اور نامساعد ماحول میں دن رات خداوند عز و جل کی عبادت کی۔ یہ پُر خطر جگہ انہی کے عہد سے لوگوں کو اپنے پاس کھینچنے کی کشش رکھتی ہے اور اسطرح سینکڑوں حاجتمند آپ کی حیات میں یہاں سے فیضِ دارین حاصل کر گئے ــــ ان کا وصال ۱۴۷۵ عیسوی میں ہوا۔ ایک بڑا آستان بھی تعمیر ہوا، دیگر زیارت گاہوں کی طرح یہاں پر مجاوروں کی کوئی وراثت قائم نہ ہو پائی، بلکہ جو ریشی یہاں عبادت کرتے تھے ان میں سے قرعہ اندازی کے اصول پر قائد چُنا جاتا تھا چونکہ بہت حد تک ڈوگرہ عہد میں، بلکہ سکھ عہد سے یہ ریشی جو یہاں پر خلوت میں رہتے تھے ریشیت کے عرفان سے محروم تھے۔ بلکہ وہ کاہلوں اور بھکاریوں کا لبادہ اوڑھ چکے تھے۔ اس طرح سے روح تو ختم ہوئی تھی البتہ ہڈیوں کے ڈھانچہ پر ریشیت کے الفاظ کی تختی لٹکائی گئی تھی، مگر پھر بھی استثنائی طور واحد زیارت ریشی صاحب کی ہے جو قبر فروشوں کی وراثت نہ بن پائی۔ البتہ اب کے مسلم اوقاف نے وہ کمی پوری کر دی ہے۔

جو ریشی نما کاہل طبقہ یہاں پر مفت کی روٹیاں کھاتا رہا، وہ اگر روحانیت سے عاری تھا پھر بھی عبادت گذاری کے ماحول میں وہ دن رات رہتے تھے۔

مرورِ ایام سے اب اس جگہ کا اصلی نام رنبوہ شاید لارنس ـ (غازی) "W. H. Lawrence" کے مرتب کردہ زرعی ریکارڈ تک ہی محدود ہوگا، اور یہ جگہ اب عرفِ عام میں بھی، اور سرکاری ریکارڈ میں بھی بطور "بابا ریشی صاحب" کے مشہور ہے۔ سال بھر زائروں کا تانتا بندھا رہتا ہے ـــــ جموں و کشمیر مسلم اوقاف ٹرسٹ کے ساتھ یہ زیارت گاہ وابستہ ہے اور اس وقت یہاں پر کئی

Marfat.com

لنگر خانے بنائے گئے ہیں ۔ زائر اکثر ان گیسٹ ہاؤسز میں نہ صرف معمولی کرایہ پر رہ کر خود کھانا وغیرہ بناتے ہیں ، گلمرگ آتے جاتے سیاح بھی سیاحت کے لئے اس جگہ پر رکتے ہیں ۔ عقیدت اتنی وابستہ ہے کہ اس لنگر خانہ کے چولھے پر بھی ایک آستان بنایا گیا جس پر زیر تربیت ریشیان ، خدامان یا بابا صاحبان یا سائلان کے لئے سادہ غذا پکایا جاتا تھا ۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جس عورت کو بیٹا ملنے میں ناکامی ہوتی ہے اور یہاں پر کبھی منت مانگنے سے بھی بیٹا حاصل نہیں ہوتا ہے وہ عورت اس چولھے کی لپائی کرے تو ضرور بیٹے کے وارث سے خداوند عزوجل اسکو سرفراز کرتا ہے ۔ اس بارہ میں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں جو ہزاروں مثالوں سے بھی معتبر ترین ہے ۔

۱۹۷۳ء میں کشمیر کلچرل آرگنائزیشن نے سال علمدار کی تقریبات کے دوران بابا ریشی صاحبؒ کی زیارت گاہ پر بھی ایک محفل مقالات و محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا میزبانی کے فرائض حاجی عبدالکریم لون واگب کریرین نے انجام دیئے ، جو علامہ حاجنی مرحوم کا خاص دوست تھا ۔ حاجنی مرحوم بمعہ مصنف ، مرحوم پیر غلام نبی جوہر اور لون صاحب موصوف ایک الگ کمرہ میں تھے ۔ لون صاحب نے واقعہ سنایا کہ جب علامہ محی الدین حاجنی کو بیٹا پیدا نہ ہوا تو لون صاحب نے اصرار کیا کہ بیگم حاجنی بھی ریشی صاحبؒ کے در فیض پر آکر اس چولھے کی لپائی کرے ۔ حاجنی صاحب عربی ، انگریزی ، اردو ، فارسی ، کشمیری زبانوں کے عالم ہونے کے علاوہ اسلامیات اور سائنس کے زبردست طالب علم تھے ، بلا کہ ایک سند تھے لہذا وہ تامل میں پڑے ۔ مگر لون صاحب نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیگم حاجنی کو بھی آستانِ عالیہ پر لایا جب نے اس چولھے

Marfat.com

کی لپائی کی۔ حاجنی صاحب نے لون صاحب کی بتائی کہانی کا لفظ بہ لفظ تائید کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ اس چوتھے کی لپائی کے کوئی نوّ ماہ بعد اُن کا اکلوتا بیٹا عزیزم محمد امین حاجنی جو ماشاء اللہ جونیئر لکچرار ہے، پیدا ہوا۔

سابقہ پانچ صدیوں میں جس بندۂ خدا کی طفیل سے ہزاروں بے اولاد عورتوں کی گودیں سہانی ہو گئیں جن کی طفیل اجابت الٰہی کے دروازے وا ہوئے، اس نے محض خدا کے لئے اپنی اکلوتی اولاد کی قربانی پیش کی تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ صاحبِ امارت یعنی ریشہ نے جب گھر بار اور امارت چھوڑ دیئے اس وقت آپ کی بیوی حاملہ تھیں، لڑکا تولد ہوا۔ وہ جب جوان ہو گیا تو ماں سے باپ کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس کا باپ ریشی ولی ہیں۔ وہ لڑکا باپ کے پاس پہونچا۔ باپ کو اطمینان ہوا کہ بچہ واقعی اس کا بیٹا تھا اور اُس کو گرمجوشی سے گلے لگا کر رخصت کر کے ایک مخصوص گاؤں میں عبادت گذاری کی ہدایت کی جو علاقہ بانگل میں ہی ہے۔ ایک دن اس گاؤں "راوت پورہ" کی دو جوان عورتیں آپس میں باتیں کرتی تھیں۔ اسی دوران یعنی ریشی وہاں سے گذرتا تھا۔ اس گفتگو کا موضوع کچھ یعنی ریشی کے بیٹے کے چال چلن کے بارہ میں تھا۔ ریشی صاحب نے دُعا کی: اگر یہ محض تہمت نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے تو اس کا بیٹا جوان مرگ ہو جائے۔" اس کے فوراً بعد اُن کا وہ اکلوتا بیٹا دم توڑ بیٹھا اور عنفوانِ شباب میں مر گیا۔

Marfat.com

۴۔ بابا دریا دین! حضرت زین الدّین ولیؒ کے اٹھارہ اہم ترین مُریدوں میں دریا دین حفظِ مراتب میں تیسرے نمبر پر تھے۔ کئی سال اپنے پیر کی خدمت کی اور اُن کے ساتھ ہی سیّاحت پر بھی رہتے تھے۔ زبردست متقی، نفس کش اور صاحبِ کرامت تھے۔ بارہ سال کے بعد خلعتِ ارشاد سے نوازا گیا۔ اور حضرت بابا بام الدّین کے مُرید بابا فخر الدّین کے ساتھ مشترکہ تبلیغ کے لئے سرینگر کے مضافات یعنی پرگنہ پھاکھی کے لئے مامور کئے گئے۔ چونکہ بلواسطہ کئی مُریدان نے جو آپ کے واسطہ سے تھے، حضرت بام الدّین کے مُریدان کے ساتھ اجنبیت کا سا ماحول پیدا کیا تھا، اور تاثر دینے لگے تھے کہ زین الدّین صاحب کے باکمال ہونے کا حضرت شیخؒ نے واضح اشارہ کیا ہے اور اس فوقیت پر وہ اپنی برتری جتلانے لگے تھے؛ شاید فنا فی الشیخ کے مقام پر ایسا بالواسطہ یا بلا واسطہ اظہار دریا دین سے بھی ہوا تھا اسی لئے تاثر کو ختم کرنے کے لئے اور حضرت بابا بام الدّین کے رُتبہ کو مقدم ٹھہرانے کے لئے آپ کو بابا فخر الدّین کا مصاحب بنایا گیا۔ دونوں نے مل کر اس علاقہ میں جہاں ایشبر کے مقام پر شیومت کے احیائے نو اور ہندو دھرم کے پرچار کا اہم مرکز سرگرم تھا۔ گاؤں گاؤں اور گھر گھر نورِ اسلام کی شمعیں فروزاں کرتے رہے۔ چونکہ ایشبر کے سادھو سنت مرتاض، عابد اور باکمال تھے۔ اس لئے ان دونوں نے یادِ حق میں نفس کُشی کی ایسی روایات قائم کیں، جن کی مثل مشکل سے دستیاب تھی۔ کرامات کا یہ حال رہا کہ جو بھی لاعلاج بیمار آتا تھا شفایاب ہوکر واپس جاتا ہے ــــ ایک دن چوروں نے مال مسروقہ ان کی کُٹیا میں تقسیم کرنے کے لئے لایا، وہ اس حرام مال کو ان کے سامنے بانٹتے ہوئے دھرانے تھے کہ کون چیز کتنے جبر و تشدّد یا فریب سے اور کہاں سے چرا کر لائے تھے

Marfat.com

ان کی اس بے حیائی پر بابا صاحب کا دل دکھا اور ضبط کے باوجود ہونٹوں سے آہ نکلی۔ اللہ جل شانہ کو اپنے نیک بندوں کی آہیں بھرنا کیسے برداشت تھا اس قہار نے ان چوروں پر اپنا قہر نازل کیا، وہی بے حیائی کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اب باراں کے باراں چور روتے روتے نڈھال ہو گئے۔ بابا صاحب کے پیروں پر پڑے انہوں نے رب جلیل کی بارگاہ میں ان کے عفو کی درخواست بخشش کی اپنے مرتاض اور پر خلوص بندے کو اللہ ناراض نہیں کرتا ہے اور رحمت کے دروازے کھل گئے بے نور آنکھیں روشنی پا چلی تھیں۔ پھر وہ سب ریشی صاحب کے مرید ہوئے۔

آپ کا کٹیا سائلوں کے لئے لنگر خانہ بھی تھا جہاں سے بے تکلف سادہ غذا ہر سائل اور راہ گیر کو ملتی تھی۔ کٹیا میں مریدوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ برابر چالیس دن صبح شام بلا ناغہ آنے جانے والوں کو کھانا پکا کر کھلاتے چلیں اور خود غار میں داخل ہوئے۔ ہدایت ہوئی کہ گپھا کا دروازہ چالیس دن نہ کھولا جائے اگر وہ بقید حیات ہوں گیں تو انہیں دیدار سے سرفراز کریں گیں۔ نہیں تو بس فاتحہ پڑھ کر انہیں وہاں سے نکلنا چاہیے ـــ مقررہ میعاد گذرنے پر انہوں نے دروازہ کھولا۔ دریا دین وہاں نہیں پائے گئے نہ ہی ان کی نعش وہاں تھی، بہت حیران ہو گئے پورے علاقہ میں صف ماتم بچھ گیا۔ زیادہ ماتم اس لئے کہ عمر ان کے ساتھ گذارنے پر اس علاقہ سے پیر برحق روٹھ کر چلے گئے تھے۔ اس تاثہ کو ختم کرنے کے لئے آپ ایک مرید کو خواب میں آئے اور ہدایت کی کہ گپھا کے اوپر اسی سمت میں جہاں وہ گپھا میں مصلیٰ پر عبادت کرتے تھے۔ ایک لوح تربت لگائیں اور جب چاہیں تو وہیں اپنے چہیتے پیر کو فاتحہ کا نذرانہ بھجدیں۔ اب اسی نشان پر اس وقت سے آج تک کئی روضے تعمیر کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

آپ ۹۰۰ ہجری (۱۵۱۲ عیسوی) ۔ اسی سال واصلِ بحق ہوئے جب کشمیر میں سہروردی سلسلہ کے قائدِ اعظم حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے ۔

۴۔ باباحنیف الدینؒ

آپ پرگنہ مانچھامر (موجودہ علاقہ ترال) میں دو پہاڑیوں کے بیچ ایک محدود، تنگ و تاریک غار نما درّہ میں سالہا سال اپنے پیر حضرت زین الدین ولیؒ کے ارشاد کے مطابق ریاضت میں منہمک رہے ۔ لوگوں کو بارہ سال اُن کی موجودگی کا کوئی علم نہ تھا ۔ ایک دن بارہ سال کے بعد غار سے باہر نکلے، دُور سے ایک چرواہا جو اپنا ریوڑ چرا رہا تھا انہیں دیکھ کر ڈر گیا ۔ اس کو لگا کوئی جنگلی آدمی ہے ۔ جراءت کرکے اس نے دُور سے آواز ماری کہ کون تھا ؟

اس نے کہا : "میں آدمی ہوں ۔"

"تم اس بے آب و گیاہ پہاڑی میں کیا کھاتے ہو ؟"

میرا اللہ تو رزاق ہے، مجھے کیوں رزق کا فکر دامنگیر رہے ؟"

گڈریے کو یہ کلام سن کر دل نے گواہی دی کہ یہ کوئی مردِ خدا ہے، وہ نزدیک آیا، دیدار کیا اور آبادی میں جاکر اس اپنے غیر معمولی مشاہدہ کی تشہیر کی ۔ دوسرے روز لوگ جوق در جوق آئے مگر آپ غار سے نہ نکلے، عوامی اصرار بھی بڑھتا گیا پھر وہ غصہ ہوئے ۔ غار سے ایک خونخوار اژدھا نکلا ۔ لوگ بھاگ چلے ۔ مگر لوگ آتے رہے منت سماجت کرتے رہے اور ان کا دل پسیج گیا، پھر باہر آئے اور بھرے اجتماع میں ایک خطبہ دیا ۔ درد بھرے الفاظ میں دُنیا کی بے ثباتی، آخرت کے محاسبہ دوسرے

Marfat.com

دُنیا تک بہ عافیت پہونچنے کے لئے زادِ راہ ۔ توحید ۔ حُبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ۔ خلقِ خدا کی محبت، ایسے ہی موضوعات پر درفشانی کی یہ سلسلہ جاری رہا جب تک اسی پہاڑی کی مٹی میں وہ ابدی نیند سو گئے ۔
اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

۵ ۔ بابا شکور الدّین

حضرت زین الدّین ریشی کے خاص مُریدوں میں صاحبِ دستگاہ ولی گذرے ہیں ۔ آپ کا روضہ کشمیر، بلکہ دُنیا کی بڑی جھیل ۔ جھیلِ وُلر کے کنارے ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے
اس آستانِ فیض پناہ کا عکس جھیلِ ولر میں نمایاں رہتا ہے ۔ دیکھنے والے ایسا لگتا ہے کہ اس چھوٹے مگر شفاف سمندر کے آغوش میں بادشاہ کی تعمیر کردہ زینہ لانک کا نقرئی کلس موجوں اور لہروں کی گدگدی سے مچل رہا ہے ۔
آپ خود علاقہ مانچھامہ کے متموّل اور مالدار بستی تھے یہ موضع آرت میں آپ کی بہت زرعی جائداد اور تعمیرات تھے ۔ بچپن سے تلاوتِ قرآن مجید آپ کا محبوب ترین عمل تھا ۔ ترجمہ اور تفسیر اُستاد سے پڑھے تھے ۔ مطالعہ قرآن سے خدا طلبی کا زبردست عشق دل میں جاگزین تھا اور حضرت علمدارِ کشمیر کی اس مختصر سی نظم کو اپنے اوپر حاوی کیا تھا :

قرآن پران کونو موُدُکھ ⁂ قرآن پران گوٹ ناشور

(نظم و ترجمہ ج ۱ ص ۔ ۳۴ پر دیکھئے

اور بابا شکور الدّین نے اپنے ماسوا اللہ کے وجود کو فنا کیا تھا ۔ عشق کی آگ سے جل کر راکھ ہو گئے تھے ۔ دیوانہ وار بابا زین الدّین کے ہاں آ گئے

Marfat.com

جو اُن دنوں اسی پرگنہ کی سیاحت پر آئے تھے۔ اُن سے آپ نے قرآن کے نادر رموزات و اسرار سے واقفیت حاصل کی اور اپنی ذات کو قرآن مجید کی تعلیمات کے لئے لیبارٹری بنانے کا فن سیکھا۔ گو کہ زین الدینؒ ظاہری طور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے الفاظ کو پڑھ نہیں پاتا تھا۔ مگر خود کو قرآن کے سانچے میں ڈھال چکا تھا۔

شمالی کشمیر کا مراج کے دو اہم مرکزی پرگنہ جات حُسنِ ظاہری سے مالامال ہیں، مردم خیز خطے بھی ہیں اقتصادی طور بھی اہم رہے ہیں اور عرفانی دولت سے بھی ممتاز ہیں۔ پرگنہ کھوئیہامہ (موجودہ بانڈی پورہ تحصیل) اور پرگنہ زینہ گیر (تحصیل سوپور) ان دونوں پرگنوں کے بیچ جھیل وُلر کی پہاڑی پر ارشادِ مُرشد کے مطابق یہ رئیس زادہ عبادت، ریاضت اور تبلیغ میں مگن ہوا، عاقبت کی محبت اور دُنیا سے نفرت متاعِ فقیر تھا، واصل بحق ہونے کے لئے ہر دم مضطرب رہے۔ اسی اضطراب میں اپنے لئے قبر کھدوا کے رکھی تھا۔ مگر ایک امیر آدمی خوفِ حاکم سے ڈر کر اس قبر میں چھُپ گیا۔ بابا صاحب کو معلوم ہوا۔ بعد میں مُریدوں سے وصیت ہوئی، کہ "مرنے پر مجھے اس قبر میں نہ دفنایا جائے، کیونکہ اس میں طالبِ دُنیا نے قدم رکھے ہیں۔"

مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ سے توُپ کی آواز نکلتی تھی، جس سے کوہ دمن لرز اُٹھتے تھے۔ اور یہ غیر معمولی واقع کشمیر میں کسی آفت کے نزول ہونے کا سِگنل ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ پٹھان عہد کے اختتام کے قریب اور سکھوں کا عہد شروع ہونے سے بالکل پہلے اس روضہ سے توُپ چلنے کی آواز آئی جس سے زمین لرز اُٹھی تھی حتیٰ کہ روضہ کے در و دریچے ٹوٹ کر اُڑ گئے

Marfat.com

اور جھیل وُلر کی سطح پر تیرتے نظر آئے تھے۔ پھر فوراً بعد کشمیر پر ظالم ترین حکومت مسلط ہوئی جو مصیبت آفرین عہد رہا ہے، اور تاریخ کشمیر کا سب سے کٹھن دور ہے۔

تاریخ حسن (تذکرہ اولیائے کشمیر) کے اردو مترجم پیر عبدالکبیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس نے خود سوپور میں رات کے دس بجے توپ داغنے کی آواز سُنی، تحقیقات کیا تو معلوم ہوا کہ درگاہ پر ہر شام کے بعد کوئی مجاور یا خادم نہیں رہتا ہے۔ دیگر واقعات سے بھی اس کو ثابت ہوا کہ یہ توپ داغنا کوئی دانستہ عمل نہیں ہے بلکہ غیبی وارننگ تھی۔ مگر پیر صاحب کو دھیان نہیں رہا ہے کہ اس توپ کی آواز کے بعد کون سا حادثہ کشمیر پر نازل ہوا، مگر پیر صاحب نے یہ بات نظر انداز کر دی ہے کہ سکھوں کے عہد سے آج تک کشمیر پر قہر کی توپ کا اثر ٹلا ہی نہیں ہے۔ نئی توپ داغنے کی کیا ضرورت تھی! سکھوں کا عہد شروع ہونے سے کچھ سال قبل ہی مولنا عبدالرسول خانقاہی (چرار شریف) نے ایک نعت میں کشمیر کو "ظلم آباد" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ نعت کے وہ شعر اس توپ کے اثر کا شہر آشوب ہیں، ملاحظہ ہوں:

من آں مظلوم دلگیرم کہ از سر رفتہ تشویرم
ز ظلم آباد کشمیرم بہ افغان یارسول اللہ ﷺ

آپ کا وصال ۱۵۰۰عیسوی سے ۱۵۰۲ء تک کے درمیان ہوا ہے۔

بابا محمد حنیف ریشی:

بابا محمد کمال اور بابا محمد خلیل اللہ دونوں نے بابا زین الدینؒ کے خلفاء میں سے دو خلیفوں کا تذکرہ کیا ہے جن

Marfat.com

میں ایک کا نام حنیف الدین محمد ہے۔ مورخ حسن نے ان کا ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ مانچھامہ کے حنیف الدین کا ذکر کیا ہے جو موضع داراش کی دو پہاڑیوں کے درہ میں عبادت کرتا تھا، اسی کا تذکرہ ہوا ہے۔ دوسرا حنیف الدین بچپن میں ہی زین الدینؒ کا مرید بنا تھا اور عمر بھر عیش کے مقام پر ہی عبادت کی وہیں پر وفات پا گئے اور وہیں آسودہ ہیں۔

بابا حنیف منیگامی!

آپ اپنے مرشد زین الدین ولیؒ کے ارشاد کے مطابق پرگنہ لار کے گاؤں مینگام میں ریشی مرکز کے انچارج تھے۔ بڑے عابد اور صاحب کرامت، مبلغ گزرے ہیں۔

وتر ٹھاکور!

خلجی ٹھاکور خاندان کا علم و ادب، سیاست و حکمرانی اور عرفان و عمل کے تمام شعبوں پر اثر حاوی رہا ہے۔ اسی خاندان کے ایک صاحب دولت، ذہین طالب علم اور جری سپاہی وتر ٹھاکور پر دیوانگی طاری ہوئی۔ اس خاندان کی بہت سی شاخیں کشمیر کے مختلف علاقوں میں آباد ہونے کے باوجود ایک مشترکہ عقیدہ سے آپس میں جڑی ہوئی تھیں حضرت زین الدین ولیؒ کے ساتھ زبردست عقیدت تھی۔ یہ معلوم نہ ہو سکا، کہ وتر ٹھاکور صاحب لاسی پورہ پرگنہ شاہورہ یا اسی پرگنہ کے ارحن گاؤں سے تھے یا ژتر اگام زینہ پورہ پرگنہ سے تھے یا پرگنہ دچھن پارہ کے گاؤں سری گو پھوارہ کے ٹھوکر خاندان سے منسلک تھے۔ اسی خاندان کے ملک نامر ٹھاکور پرگنہ شاہورہ کے دہی پورہ گاؤں میں آباد تھے اس خاندان سے بھی ان

Marfat.com

کا ڈرائکٹ تعلق شاید نہیں تھا نہ آپ کا تعلق نر ونی گاؤں پرگنہ آڈون میں آباد ٹھاکور شاخ سے لگتا ہے۔ ٹھاکور خاندان کا آبائی مسکن شاید کشتوار ہی تھا۔ اس لئے یہ سب ارادت مند باباز ین الدین ولیؒ تھے۔ جونہی دتر ٹھاکور پر دیوانگی طاری ہوئی تو بابا صاحب نے اپنے خادم خاص کے ذریعہ انہیں اپنے پاس بلایا۔ اس مصنف کی رائے میں آپ ژترا گام (پرگنہ زینہ پورہ) کی ٹھاکور شاخ سے شاید منسلک تھے، جونہی آپ حضورِ ولایت میں پہونچے بالکل باہوش ہو گئے۔ پھر آپ سے تربیت پائی، اور تربیت دینے کا ارشاد بھی ملا۔ عیش مقام میں مرشد کے مزار میں ہی آسودہ ہیں۔

مبارک ریشی! مورخ حسن کا قول ہے کہ آپ کی کرامات "تنے ہیں کہ لکھے نہیں جا سکتے ہیں"۔ آپ اپنے پیر کے مرقد ہی میں بمقام عیش مقام دفن ہیں۔ روضۃ الریاض اور ریشی نامہ عنبر شما میں آپ کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

بابا لستہ ریشی یا فستہ ریشی! اسرار الاخیار میں آپ کا نام لستہ ریشی درج ہے اور ریشی ناموں میں فستہ ریشی ہے۔ آپ کا جائے مدفن کچھومقام پرگنہ کروہین تحصیل و ضلع بارہمولہ ہے۔ آپ کو صرف ریشی صاحب کے نامِ نامی سے جانا جاتا ہے۔ امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے، مگر بچپن سے ہی اہلِ دل حضرات کا مسکن آپ کے لئے دامنِ دل کو پکڑ کر بلاتا رہا کہ: "جائے شما اینجاست"۔۔۔۔ شباب کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ حضرت

Marfat.com

زین الدّین ولیؒ کی خدمت میں پہونچے ۔ جب آپ علاقہ کامراج کے متصل پرگنہ جات کے دورہ پر تھے ـــــ اوّلاً انہوں نے خود اِن کی تربیت کی اور پھر بابا پیام الدّینؒ کے سپرد کیا ۔ اور اس طرح اسی رنبوہ جنگل میں بہت دیر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے ۔ پھر بابم ریشی صاحب کی وفات پر وہاں سے نیچے پائین کے گاؤں کچھوہ میں خلوت نشین ہوئے، وہیں ۹ ذی الحجّہ ۸۹۲ھ (۱۵۱۷ عیسوی) میں وفات پائی ۔ وصیت کی تھی کہ علاقہ میں آبی اراضی کو سیراب کرنے والی نہر کے نچلی طرف سے اس کو دفنایا جائے ۔ مگر لوگوں نے اس احتمال کے پیش نظر کہ طغیانی میں قبر شریف پانی کی زد میں آسکے اِن کی آخری قیام گاہ نہر کے اُوپر ایک ڈھلوان جگہ پر بنائی، مگر فوراً ہی نہر کا پانی کم ہوتا گیا اور علاقہ کی اراضی بنجر ہوتے گئی ۔ لوگوں کو بات سمجھ آئی ۔ تو پھر طے پایا کہ اُن کے جسدِ خاکی کو اُس قبر سے نکال کر اُسی جگہ دفنایا جائے جہاں ریشی صاحب کی وصیت کے مطابق انہیں دفنانا تھا ۔ مگر آپ کی درگاہ کا مجاور ۔ اور آپ کا جانشین خلیفہ صبور ریشی اس اصرار سے متفکر ہوا کہ کہیں جسد پاک کی بے حُرمتی نہ ہو پائے ۔ وہ بھی متفکر ہو کر سو گیا اور گاؤں والے بھی گھروں کو گئے ـــــ صبح آکر سب دیکھتے ہیں کہ وہ قطعہ اراضی جس پر آپ کی قبر، قبر پر تعمیر شدہ روضہ اور اسکے ارد گرد نصب شدہ درختوں کے سمیت جائے منتقل کر کے نہر کے اُوپر والی جگہ پر ایک ٹیلہ جیسا بنا تھا اور جہاں یہ روضہ تھا وہ جگہ خندق میں تبدیل ہوئی تھی ـــــ اس کرامت سے آپ کے جلال کا دُور دُور تک شہرہ پھیل گیا ۔ اور آج بھی یہ مزار شریف مرجع عقیدت ہے ۔

Marfat.com

بابا لدرہ مل !

آپ ہندو تھے اور کھتری قوم سے وابستہ تھے۔ لیکن بچپن سے ہی ساوک و معرفت کے ساتھ لگاؤ تھا تو حضرت زین الدین کی خدمت میں پہونچا۔ اُن کے فیض نظر نے اِن کی تقدیر ہی بدل ڈالی، مسلمان ہو گئے۔ پھر اس قدر ریاضت میں لگے کہ ہمعصر اولیاء میں کوئی بھی ان سے آگے نہ چلا۔ تین سو ساٹھ باکمال مُرید ان کے تھے۔ اپنے ریشی سنتر میں چار سو عابدوں کو کھیتی باڑی پر لگا دیا تھا۔ اس لئے جو ہزاروں من غلّہ پیدا وار ہوتا تھا اس سے غریبوں کے لئے لنگر خانے کھولے تھے۔ شہرت اس قدر ہوئی کہ ردِّ عمل کے طور پر آبادی سے بھاگ نکل آئے۔ ان دنوں اُوترمچھی پورہ موجودہ ضلع کپوارہ کے ایک گاؤں میں تھے، مگر کسی نے وہاں دیکھا تو آبادی میں خبر پھیل گئی لوگ وہاں گئے، واپس ساتھ لایا اُوترمچھی پورہ کے بڑے استھاپن (مندر) کے مٹھ دار بھی آپ کی نظر کرم سے مسلمان ہو گئے اور بڑے ولی ہیں۔ پھر شہرت سے بھاگ کر ایسا سکوت تلاش کیا جس پر تقریر بھی فدا ہوئی۔ آپ علاقہ حمل میں ڈنڈک ونا پہونچے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں رامائن کے مقامی روپ کے مطابق رام چندر جی نے چودان سال بن باس کے گذارے، اور جہاں پر حضرت زلکا ریشی نے عبادت کی تھی۔ اس دُور افتاد جنگل میں پانی کے لئے بابا صاحب بہت تنگ آ گئے اور اپنا عصا ایک جگہ ٹھونک دیا اپنے ساتھ وہی مٹھ دار مُرید تھا جو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ عصا اس جگہ سے اس طرح نکال دے کہ اپنے کو کوئی چھینٹ نہ لگنے پائے۔ مگر اس کو پیر پر پانی کا ایک قطرہ چپک گیا تو وہیں پر ناسور پیدا ہوا، وہ بھی بابا صاحب نے ٹھیک کیا۔ باقی عمر لوگوں سے دُور وہیں پر گذار دی اور مُریدوں کو وصیّت کی کہ اس کی قبر پر کوئی روضہ تعمیر نہ

Marfat.com

کریں کیونکہ وہاں پر قدرت خود سائبان لگائے گی۔ کچھ دن بعد قبر کے ایک طرف سے ایک پودا نکل آیا جو اتنا تناور ہو گیا کہ آپ کا روضہ اس درخت کے سایہ کے آغوش میں آج تک موجود ہے۔ اس جگہ کو آج کل ہندوان پورہ کہتے ہیں۔

بابا زین الدینؒ کے درجنوں ایسے خلیفے اور مرید ہیں جو شہرت سے بھاگ کر ویرانوں اور جنگلوں میں رہتے تھے ان میں اکثر مرتاض اولیاء کے نام تک معلوم نہیں ہے۔ کچھ نام اگر معلوم ہیں تو ان کے بارہ میں تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ اولیاء ہیں:

شیخ اکھدار ریشی، ہاکہ ریشی، داؤد ریشی، نوروز ریشی، رنگی ریشی، روپی ریشی اور بابا ریشی

حضرت بابا شمس الدینؒ جو اپنے پیر بابا زین الدینؒ کے پہلو میں دفن ہیں، خود بھی صاحب ارشاد گذرے ہیں۔ مگر آپ کے واسطہ سے جو ولایت کے مسند پر ریشی حضرات پہونچے ان کے بارہ میں ہمیں تفصیلات معلوم نہیں ہیں۔ ہاں لگتا ہے کہ زیادہ تر آپ یا تو اپنے مرشد کی خدمت کرتے تھے یا مرشد کے حکم سے ان کے ہی مریدوں کی مزید تربیت کرنے پر مامور تھے۔

ستر ریشی! آپ دریا دین کے مرید تھے، بڑے کامل بزرگ گذرے ہیں۔ رینگل ہی میں اپنے پیر کے پہلو میں دفن ہیں۔

Marfat.com

بابا سنگی ریشی ! آپ بھی دریا دین کے خلیفہ تھے۔ محنت کش، عابد، زاہد اور مرتاض تھے۔ بس جنگلی ساگ پر بسر اوقات کرتے تھے۔ علاقہ پھاگھی میں ایک کوہ پر آپ کا مقبرہ ہے۔

بابا لُست ریشی ! بابا حنیف الدین کے چیلوں میں تھے۔ صاحبِ کرامات تھے جو پیر کی صدق دلی کے ساتھ تب تک خدمت کی جب اس نے آخری سانس بھی لیا۔ مؤرخ حسن کا قول ہے، آپ چک خاندان کے اس مخصوص دور میں گذرے ہیں جب شیعہ مسلک کے پھیلاؤ میں سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی۔ شیعہ مشنریز کے ہاں ترکیب سوجھی تھی کہ عوام پر ریشی اولیاء کا زبردست اثر ہونے کی وجہ سے اس مُرتاض طبقہ کو ہمنوا بنایا جائے تاکہ ان کے تبلیغ کا کام آسان ہو جائے۔

اس غرض کے لئے ایک شیعہ مولوی کے ساتھ کچھ سرگرم شیعہ مبلّغ لُست ریشی کے پاس آئے، اور اس کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ اس نے شرط رکھی کہ اگر اُن کا مبلّغ اس کے ساتھ نفس کشی کے معاملہ میں ہم پلہ ثابت ہو، تو وہ اس کا مذہب قبول کرے گا۔ شرط رکھی کہ دونوں چالیس دن خلوت نشین ہو جائے گیں، اور شام کو صرف جنگلی درختوں کے تیل (چیڑ کے تیل) سے روزہ کھولا کریں گیں۔ اور یہ حال برابر چالیس (دن) چلا رہے گا۔ مگر مُلّا صاحب نہ ٹکے۔ البتہ آپ نے اپنے پر یہ شرط عاید کی اور ثابت کر دیا کہ مبلّغ بننا ہو تو نفس پر غلبہ ہونا چاہئے۔

Marfat.com

زین الدین ولی کے خلیفوں کے اہم ترین چیلے

باباشکورالدین کی تربیت میں بھی بہت سے اولیاءِ کرام نے خطۂ کشمیر کی روحانی فضا کو خاص طور پر علاقہ کامراج میں نمایاں طور پر حاوی کیا تھا۔ یہاں پر صرف چند اہم ترین شخصیات کا تذکرہ کرتا ہوں:

بابا دربار ریشی وٹرکھنی تحصیل کپوارہ میں درگہ مولہ کے نزدیک ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ یہاں کے مندر کے پجاری ایک وِدوان پنڈت درہ سادھو تھے، بہت تپسیا کرتے تھے۔ طے مکان اور طے زمان کے کمالات حاصل کئے تھے سلطان حسن شاہ کے زمانہ میں سال ۱۴۷۹ء میں جامع مسجد سرینگر میں آگ لگی تھی۔ ادھر وٹرکھنی کے گاؤں میں گاؤں والوں نے درہ سادھو کو چشمہ سے بہت سُرعت اور تندی سے بار بار پانی لاتے دیکھا جو وہ اس طرح پھینک رہا تھا کہ گویا آگ کے فروزاں شعلے بجھانے میں لگا ہو۔ اِدھر سرینگر میں لوگوں نے ایک پنڈت کو جلتے ہوئے جامع مسجد کے شعلوں پر مسجد شریف کے بام سے پانی پھینکتے دیکھا۔ سب حیران ہو گئے کہ یہ پنڈت کیسے مسجد کے بام پر پہونچا تھا۔ سادھو کے مسکن سے لگ بھگ ۹۰ کلومیٹر جامع مسجد دور تھی۔ یہی باکمال سادھو ایک دن باباشکورالدین کی ملاقات کے لئے آئے۔ باباصاحب نے اپنے عبادت خانہ میں اندر آنے سے روکا۔ سادھو بولے:

Marfat.com

" ہمارا مالک ایک ہے ! تو پھر اس مالک کے گھر میں آنے کے لئے مجھ پر قدغن کیوں ؟ "

" چلو آؤ ! اگر ایمان ہے کہ مالک وہی ایک ہے اور خدا واحد ہے۔ سادھو اندر آیا۔ بابا صاحب کو بھی ان کے کمال کا اندازہ ہو چکا تھا۔ بس بمہ سادھو کی طرح اس کو بھی رمز " اِلَّا اللّٰہ " کے عرفان کی ضرورت تھی جو بابا صاحب کے منظرِ کرم نے عطا کیا ـــــ بابا صاحب نے نظریں ملائیں اور مہمان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہیں پر اسلام لائے اور بابا صاحب کے مرید ہو گئے درّہ سادھو " دریا دین " بن گئے۔ اس کے بعد اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں لگ گئے، وہیں پر عبادت بھی کرتے رہے۔ اپنے مرشد کے بعد کئی سال اس ریشی مرکز کے انچارج رہے اور ایمان کے بہت سے دیئے جلاتے رہے ـــــ وفات پائی تو پیر کے پہلو میں اسی کوہ پر دفن کئے گئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

رنگی ریشی !

دریا دین کے بعد اپنے راہبر کے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس سے پہلے بابا شکور الدین کی حیات میں نیچے سے پانی کے گڑھے شیرہ کوٹ کی پہاڑی پر پہونچاتے تھے۔ جب سے آپ کے مرشد اور پیر بھائی حضرات پیاس بجھاتے تھے، لنگر میں بھی استعمال کرنے اور پیر صاحب کے وضو اور غسل کے لئے بھی رکھا جاتا تھا۔ یہ کٹھن کام اس دشوار گذار پہاڑی پر پانی پہونچانے کا آپ سالہا سال کرتے رہے دریا دین کی وفات پر شیرہ کوٹ پہاڑی پر بابا شکور الدین کے روضہ کے شمال کی جانب آپ کو دفن کیا گیا۔

Marfat.com

آپ سولھویں صدی عیسوی کی چند بہاریں بھی دیکھ چکے۔ ریگی ریشی سے بہت کرامات وابستہ ہیں اور روایت ہے کہ توپ داغنے کی ابتدا آپ نے ہی کی۔

آپ کے دو خلیفے رُوپی ریشی اور رتی ریشی کشمیر کے ریشی اولیاء میں منفرد مقامات کے مالک گذرے ہیں۔ اوّل الذکر کسی جاندار کو اذیت پہونچانے کے زبردست خلاف تھا۔ اس لئے گوشت یا مچھلی نہیں کھاتا تھا۔ آپ کے ایک مُرید نے آپ کے منع کرنے کے بعد ایک مچھلی کو جھیل وُلر سے پکڑ کر کھایا آپ نے اُس پر سزا عائد کی اور پیشین گوئی کی: "اب سے اس مسلک کی پیروی میں سکوت طاری ہونے لگا۔"
موخر الذکر رتی ریشی بانڈی پورہ کے گاؤں میں دفن ہے۔ آستانِ فیض پناہ علاقہ کے لوگوں کے لئے مرجع عقیدت ہے۔

بابا نیکی ریشی!

بابا شکورالدین صاحب کی ایک اہم مُرید ہ سنگہ بی بی کے نام سے مشہور ہے، اور کشمیر کی خواتین میں باکمال گذری ہے۔ آپ کا تذکرہ "مخدرات ریشی" کے عنوان کے تحت ہوگا۔ اس عظیم خاتون نے بھی عرفان و ایمان کے کئی چراغ فروزان کئے جن میں نیکی ریشی کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ خود بھی صاحبِ مال تھے اور اس کے ساتھ ساتھ سنگہ بی بی کے مالدار فرزند کے اہم ملازم تھے۔ اسی واسطہ سے سنگہ بی بی کی خدمت کرتے تھے، مگر پھر اسی کے ہوگئے۔ سب مال و دولت غریبوں میں تقسیم کر کے سنگہ بی بی کے مُرید ہو گئے، اُنہی کی خدمت گذاری میں زندگی صرف کی۔ اس سے پہلے ان سے ایک

Marfat.com

کرامت ہوئی جب آپ سنگہ بی بی کے بیٹے کے ہاں ملازم تھے، آپ کے چارج میں غلّہ کا ایک ذخیرہ تھا۔ ایک دن تبت سے فوجی جوان واپس آرہے تھے، اس کا ذخیرہ لوٹ لیا اور نیکی ریشی کو دیگر ملازمان کے ساتھ "بندی" بنا کر لیا گیا۔ آپ نے اپنے ربّ سے دُعا مانگی کہ وہ لٹیرے سب اندھے ہو گئے۔ ریشی کے پیروں پر پڑ گئے، ریشی کو معہ احباب اور امانت میں دیئے گئے غلّہ کے ساتھ واپس پہونچا دیا۔

آپ کا مشغلہ تھا کہ ہر روز آپ کم سے کم دو جنگلی خطرناک درندوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے تھے۔ شیر، ریچھ اور بھیڑیے سب اس کے دوست تھے۔ وفات کے دن اپنے خلیفہ نُور وز ریشی نے کہا: "آج آخرت کا رختِ سفر باندھنا ہے! آؤ میری قبر بنائیں گے" دونوں نے ایک قبر کو بنایا۔ تو نیکی ریشی قبر میں لیٹے اور لیٹتے ہی جان کو جان آفرین کے حوالہ کر دیا۔ نوروز بابا نے قبر پر مٹی ڈال دی۔ آپ کا مقبرہ بھی باندی پورہ کے جنگلوں کے بیچ "بوٹھو" میں ہے۔ (حاشیہ نوٹ صفحہ ۲۱۲ پر دیکھئے)

نوروز ریشی!

آپ کا ذکر نیکی ریشی کے تذکرہ میں مختصراً کیا گیا۔ آپ نیکی ریشی کے ہی خلیفہ تھے۔ ہدایت سے پہلے آپ بحیثیت ظالم اور سنگدل صاحبِ شروت اور سرکاری عہدہ دار تھے۔ علاقہ کھوہامہ (باندی پورہ) میں آپ کی زبردستی اور تشدد کاری سے لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ لوگوں نے آپ کے بارہ میں نیکی ریشی سے بھی شکایات کی تھیں۔ ایک دن آپ نیکی ریشی کے مسکن سے گذرے تھے، ریشی صاحب حسبِ دستور اس وقت جنگلی درندوں

Marfat.com

کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا رہے تھے، کہ شیر نے لومڑی کے حصّہ کا کھانا چھینا، اور نیکی ریشی شیر کو اس غاصبانہ فعل بد ٹوکتے ہوئے کہا:

"اے درندے! کیا تم بھی نوروز میر کی طرح غصب اور تشدّد پر اتر آتے ہوتے؟ قہرِ خدا سے ڈرتے رہو۔"

شیر، بابا صاحب کے قدموں پر گر گیا۔ بابا صاحب کے ان الفاظ نے نوروز میر کے ضمیر کو جنجھوڑ لیا، اور شیر کو جو قہرِ خدا کے خوف سے تاثر پیدا ہوا اس سے نوروز میر کا تن بدن کانپنے لگا۔ درندے جنگل کی اور چلتے گئے اور نوروز میر نیکی ریشی کے قدموں پر گر پڑا۔ تمام لہولعب اور ظالمانہ عمل چھوڑ دیا، بلکہ گھر کو بھی چھوڑ دیا اور عبادتِ خدا میں لگ گیا۔ اس وقت سے اپنی زندگی کے باقی لمحات ایک ایک کر کے خلقِ خدا کی خدمت میں صرف کیئے، لنگر خانہ قائم کیا۔

اُن ایام میں اسی علاقہ کے گاؤں "اہم" (اہم شریف) میں حضرت محبوب العالم سلطان العارفین شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے قیام فرمایا تھا۔ نوروز بابا نے بھی حضرت کے پاس آکر ان سے بھی فیوض و برکات حاصل کیں۔ حضرت کے وہاں سے جانے کے بعد وہاں پر آگ لگنے سے بہت سے مکانات اور غلّے کے ذخائر نذرِ آتش ہوئے جو نوروز بابا نے اپنی ذاتی پسماندہ جائیداد سے از سرِ نو تعمیر کیئے، تعمیر پر لگے ہوئے کاریگروں کے لئے لنگر میں ایک دن کھانا پکانے کے لئے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ تو خادم پریشان آپ کے پاس آئے۔ آپ نے کہا:

"تم تو چولھا جلا دو! رزاق خود اسباب مہیا کرے گا۔"

ابھی چولھے میں آگ بنی نہ تھی کہ سوپور والے چاول کے بیسوں من اور دیگر ضروریات

Marfat.com

لے کر پہونچ گئے۔ اور معمول کے مطابق مزدوروں، ترکھانوں وغیرہ اور لنگرخانہ کے دیگر مہمانوں میں کھانا وقت پر تقسیم ہوا۔ آپ کوئی ۱۴۶۰ عیسوی میں وفات پا گئے اور بوٹھو میں دفن ہوئے۔

حضرت بابا لطیف الدین خلیفہ سوئم

لدی رینہ ایک دور افتادہ راجوار کا راجہ سلطانِ کشمیر کا باجگزار تھا۔ اپنی ریاست مڈو وڈون سے ۱۴۲۰ء میں شاہی خان الملقب بہ زین العابدین کی رسم تاج پوشی پر سرینگر آیا تھا۔ ان ایام میں حضرت شیخؒ بھی اس اہم ترین سیاسی تبدیلی کا بہت قریب سے جائزہ لینے کے لئے نئے سلطان کے مجوزہ دارالخلافہ کے بالکل نزدیک موضع نکھری کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا تھا۔ حضرت شیخؒ نے کمراز و مراز میں لگ بھگ اکثر پرگنہ جات میں خاص وقت کے لئے توقف فرمایا لیکن شہر سرینگر میں کوئی بھی خاص جگہ آپ کے قیام کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ اس لئے کشمیری تاریخ کے اس اہم ترین موڑ پر آپ نے سرینگر میں چھ سات ماہ رہنے کو فوقیت دے دی، اور جگہ بھی سیاسی عمل درآمد کے خاص مرکز نوشہرہ کے بالکل نزدیک چن لی تھی۔ اس لئے ایک طرف تو آپ کا مقصد اس تبدیلی کا بغور جائزہ لینا تھا، بلکہ اس کو خوش آمدید کہنا تھا جس سے کشمیر میں سکون و اطمینان اور خوش حالی کا دورہ دورہ ہونے والا تھا۔ حضرت کو یہ پورا احساس تھا کہ آپ کی تعلیمات نے ہی ذہن کو اس سیاسی تبدیلی کے لئے ہموار کیا تھا ——— بھرپور سیاحت، مجوزہ تحریک کے

Marfat.com

پھیلانے کا کام اور ایک تمدّنی انقلاب بپا کرنے کے لئے ماحول موافق بن رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس اہم تاریخی تقریب پر شاہی مہمان خانوں کے مہمانوں کو یہ نزدیکی اپنی طرف کشش کر پائے۔ اسی کشش نے لدی رینہ کو حضرت کے ساتھ دوستی کرنے کے غرض نے یہاں پر کھینچ لایا۔ صفحات ۶۳، ۶۴ جلد اوّل میں یہ ذکر آیا ہے کہ کس طرح لدی رینہ مسلمان ہو کر حضرت شیخؒ کا ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے چلے جانے کے بعد مُوخنہ پکھری کا ذیلی مرکز خاتون ریشی دینر بی بی کے چارج میں دیا جاتا ہے۔ مگر لدی رینہ جو اب بابا لطیف الدین بنا تھا، اپنے پیر و مُرشد کے ساتھ سفر پر پیمن علاقہ کروہین سے بیروہ جاتے ہیں۔ یہاں ہونچی پورہ میں حضرت کی خدمت پر مامور رہتے ہیں اور خود بھی ریاضت و تبلیغ میں قابلِ رشک کام کرتے ہیں۔ صرف سات آٹھ سال میں آپ ایسا کمال کر دکھاتے ہیں، کہ حضرت شیخؒ شمالی کشمیر کی نیابت آپ کے سپرد کر کے خود مرکزی کشمیر میں درلیگام کی جگہ پر پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ حضرت شیخ ہونچی پورہ سے بابا لطیف الدین کو ساتھ لے کر پوشکر کے حسین مناظر کے وسط میں آپ کے لئے ایک ذیلی مرکز کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہاں پر بابا صاحب اپنے پیر و مُرشد کی ہدایت میں اپنی وفات سے پہلے متمکن ہو کر تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ جاری و ساری رکھتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے اسی علاقہ دہ دہ پوکھری میں مسجد شریف تعمیر کر کے وہیں عبادت کرتے ہیں۔ پھر وترہ ہیل گاؤں میں بابا تاج الدین کے مرکز کے نزدیک مسجد بنائی، آخر پر پوشکر آئے۔ آپ بابا بام الدین کی وفات کے صرف تین سال بعد واصلِ بحق ہوئے اور اس وقت حضرت زین الدین ولیؒ بقید حیات تھے۔ ذکر

Marfat.com

آیا کہ زین الدین ۸۵۲ ہجری (۱۴۴۹ عیسوی) میں وفات پا گئے ۔ اس طرح تذکرہ نویسان نے آپ کو تیسرا خلیفہ مان کر اور زین الدین کا جانشین قرار دیکر فاش غلطی کی ہے ۔ حتیٰ کہ خود ہی ان مصنفین نے دونوں حضرات کے سال وفات ۸۴۷ھ اور ۸۵۲ھ درج کئے ۔ یعنی زین الدین ولیؒ لطیف صاحب کی وفات کے بعد چھ سال سے زائد عرصہ کے لئے ریشی تحریک کی قیادت چلاتے رہے ۔ اس تضاد کو واضح کرنے کی ضرورت ہے ۔

میرے خیال میں بابا لطیف صاحب کا سالِ وصال درج کرنے میں تذکرہ نویسان بابا محمد کمال اور بابا محمد خلیل دونوں سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ۔ کمال صاحب نے ہی غلطی کی تھی اور خلیل اللہ صاحب نے کسی تفتیش کے بغیر وہی غلط اندراج آگے بڑھا دیا ۔ دونوں نے سالِ وصال "شمس ولایت" سے نکالا جو ۸۴۷ ہجری بنتا ہے ۔ نصیب صاحب نے صرف لکھا ہے :-

" چوں جان بجان آفرین سپرد مقبرہ اُو شمانجا ساختند "

بابا داؤد مشکواتی صاحب نے بھی اتنا ہی لکھا ہے کہ کافی عرصہ کے بعد آپ پوشکر چلے گئے ، وہیں باقی عمر گذار کر وفات پائی ۔ تاریخ حسن حصہ سوئم (یعنی اسرار الاخیار) میں درج ہے کہ ۵ پھاگن کو ان کا عرس منایا جاتا ہے ۔ حسن سے مترشح ہے کہ آپ کا تاریخ وصال ۵ پھاگن تھا ۔ مگر سمت کیا تھا درج نہیں ہے ۔ یہ واضح ہے کہ یہ کشمیری " پھگن " مہینہ تھا یا ہندی " پھاگن " تھا ۔

چونکہ اکثر روایات ہیں کہ حضرت زین الدین ولیؒ کے بعد آپ تحریک کے سربراہ مقرر ہوئے اور آپ کے بعد بابا نصر الدین صاحب ریشیت کے علمبردار بن گئے تو اس سے یہی اندازہ ہے کہ آپ سے ۸۵۲ ہجری (سال وفات زین الدینؒ)

Marfat.com

کے بعد اور ۸۵۴ھ (سال وفات بابا نصرؒ) سے پہلے وفات پا چکے ہیں میری رائے میں آپ کی خلافت کا عہد بہت قلیل رہا ہے بس چند ماہ کے لئے ۔

دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت شیخ العالمؒ کے بعد اگرچہ تحریک کا سربراہ بام الدین صاحب کو بنایا گیا، مگر مرکزی قیادت اسی دم سے ہی بابا نصرؒ صاحب کے ہاتھوں میں رہی اور بام الدینؒ صاحب ان دنوں "مراج" کے علاقہ (جنوبی کشمیر) میں ہی دیکھ بھال کر رہے تھے ۔ چونکہ زین الدین کو کشمیر بدر کیا گیا تھا، اس لئے بام الدین صاحب کو دونوں ذیلی مراکز علاقہ مار ہنڈ کے مرکز اور علاقہ دچھن کے مرکز — دونوں کا انتظام سنبھالنا پڑا اور شمالی کشمیر میں لطیف صاحب یہ انتظام چلاتے رہے ۔ بام الدین صاحب کی وفات کے بعد جب زین الدین ولی واپس آ گئے تو وہ سربراہ بنائے گئے، مگر تنظیم جنوبی کشمیر میں ہی چلاتے رہے ۔ لطیف صاحب اس عہد میں بھی شمالی کشمیر کے نگران ہی رہے ہیں، مگر مرکزی کنٹرول چرار شریف میں نصر بابا صاحب کے ہاتھوں میں ہی رہتا ہے ۔ اس طرح اگر آپ زین الدین صاحب سے پہلے یا انکے فوراً بعد وفات پا گئے تو فرق کوئی نہ پڑا ۔

تحریک کی عملی قیادت ۱۴۳۸ عیسوی سے ہی نصر صاحب کے ہاتھوں میں رہی ۔

اس ضمنی بحث کے بعد پھر ہم بابا صاحب کے بارہ میں بات کریں گے آپ اس درجہ مرتاض اور تزکیہ نفس میں کامل تھے کہ پیر باز نام کا جو جوان ریشی حضرت شیخؒ نے ان کی خدمت پر مامور کیا تھا ۔ انہوں نے ایک دن دنر ہیل کے لنگر میں ان کے لئے جنگلی سبزی "وشہ بل ہاکھ" کا سالن بنایا تھا

Marfat.com

چولہے پر ہانڈی سے بق بق کی آوازیں آ رہی تھیں، کیونکہ سبزی میں اُبال لگ رہا تھا۔ آپ نے کہا،

" یہ زبانِ حال میں فریاد کرتی ہے کہ ہم نے اس سبزی پر جان کنی کی حالت عائد کر کے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ آئندہ پیر باز ہرے پتّوں والی سبزی مت بناؤ۔"

" پھر کیا! کانجن (ایک قسم کا زہریلا گھاس) کھاؤ گے؟"۔ طیش میں آکر پیر باز نے کہا۔

" ذرا لا کے دو، کانجن کیا ہوتا ہے "؟

پیر باز نے بھی چڑانے کے لئے جنگل سے لا کے دیا۔ تو لطیف صاحب نے اس گھاس کو چکھا اور بہت کڑوا پایا، اسی کڑواہٹ میں تزکیۂ نفس کا لذّت اور سرور محسوس کیا:

" آج سے اب ہمیں یہی کھلاؤ! "

اس کے بعد عمر بھر روزہ کھولنے کے بعد جَو کی روٹی کانجن (کڑوے گھاس) کی سبزی کے ساتھ کھاتے رہے۔

آپ اس قولِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر دیوانہ وار فدا تھے۔ کہ "ہر ایک سبز پتّہ تسبیحِ ذاتِ باری تعالیٰ میں مگن رہتا ہے"۔ اس لئے سبز گھاس کو کاٹ لینا ایک جرم تصوّر کرتے تھے۔

بابا لطیف الدین صاحب نے بہت سارے طالب رشی تحریک میں داخل کئے اور ان کو ہدایت کی، جو بعد میں خود بھی صاحبِ دستگاہ اولیائے کرام میں شمار ہوئے ــــــ

Marfat.com

اب ان اولیاءاللہ کا تذکرہ ہوگا جنہوں نے اِن سے فیض حاصل کرکے لطفِ عرفان کے سلسبیل کو رواں رکھا۔

بابا لطیف الدینؒ کے اہم خلفا ریشی

بابا لطیف الدینؒ کے تذکرہ میں آیا ہے کہ آپ علاقہ مڑو دچھن کے حکمران تھے اور جب آپ حضرت شیخؒ کی نظر کرم سے مسلمان ہوکر ریشیّت کے حلقہ میں داخل ہو گئے تو اپنی ان تھک ریاضت، تپسیا، تزکیہ نفس اور خدمت خلق کی وجوہات پر اپنے رہبر کے محبوب ہو گئے۔ پُرخلوص طور اپنے پیر کی خدمت کی۔ پیر بھی ان پر اس حد تک مہربان ہو گئے کہ نہ صرف انہیں مرکزی کشمیر کے ریشی مرکز کے لئے اپنا نائب اور عامل بنایا، بلکہ اپنے دو چہیتے طالب پیر بازؒ اور شریف اشوارؒ بھی آپ کی مریدی میں آپ کو ہی سونپ دیئے۔

شیخ پیر بازؒ آپ بڈگام کے نزدیک ایک گاؤں "رازوین" کے ایک صاحبِ رسوخ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے نام سے لگتا ہے کہ آپ کشمیری النسل نہ تھے، بلکہ ایرانی نژاد تھے۔ کیونکہ اُس وقت کشمیر میں اس طرح کے نام جس کی ترکیب ہی فارسی زبان سے وابستہ تھی، نہیں رکھے جاتے تھے۔ ریشی ناموں میں آپ کا نام "پیر باز" درج ہے۔ جس سے لگتا ہے کہ آپ کسی پیر یا مولوی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مورخ حسن

Marfat.com

صاحب نے آپ کا نام "پیر باز" درج کیا۔ اس ترکیب کا معنی شاہین کا بچہ لکھا ہے اگر یہ نام اس کو والدین نے رکھا تھا تو اس گھر کے علمی اور ادبی ماحول کا اس سے اشارات واضح ہیں۔ اگر خود آپ نے یہ تخلص رکھا تھا تو بھی آپ کی ذہانت قابل داد ہے۔

پیر باز عین جوانی میں حضرت شیخ کے ہاں ان کی خدمت میں کوئی ۱۴۳۰ میں رُوپیرون میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اس نوجوان کی ذہانت، جذبہ اور خوش بختی کو درجہ قبولیت عطا کر کے انہیں اپنی خدمت پر مامور کیا۔ ایک دن آپ رُوپیرون کے لنگر خانے کے لئے پانی لانے پر مامور تھے کہ راستہ شیر نے روکا۔ آپ نے کوئی ڈر محسوس نہ کیا بلکہ شیر سے مخاطب ہو کر کہا: "میرا راستہ مت روکئے۔ میرے راہبر کو وضو بنانا ہے کہیں انہیں نماز میں تاخیر نہ ہو جائے۔" شیر اپنا راستہ بدل کر چلا گیا۔

جب حضرت شیخ نے بابا لطیف الدین کو خلعت ارشاد سے نوازا، تو پیر باز بھی آپ کے ساتھ دیئے گئے۔ شریف اشوار کو بھی بابا صاحب کے ساتھ تبلیغ پر مامور کیا۔ تینوں اسی پرگنہ "اِنچھ" کے دہ پوکھری میں اپنا مرکز عبادت و تبلیغ قائم کرتے ہیں۔ پھر جب بابا لطیف الدین نے پیر باز کو تذکیۂ نفس میں اپنے سے بھی آگے پایا تو اس کو ایک آزاد دینی مرکز کا چارج دیا گیا جو مقام وترہیل کے نزدیک قائم کیا گیا۔ مگر اس بڑے گاؤں نے لوگوں نے پیر باز صاحب کو گاؤں میں اپنا مرکز تبلیغ قائم کرنے پر آمادہ

Marfat.com

کیا پھر آپ وتر ہیل ہی چلے گئے مگر آپ کے دو ساتھی مرید آپ کے ہمراہ نہ آئے۔ لیکن صبح جب انھوں نے وضو کیا تو منہ دھوتے ان کی داڑھیوں کے بال ان کے ہاتھوں میں بکھر گئے وہ پشیمان ہو کر پیر باز کی خدمت میں آ گئے۔ آپ جس حجرہ میں وتر ہیل گاؤں میں ریاضت کرتے تھے وہیں پر دفن بھی ہیں۔

شیخ شریف اشوار آپ علم ظاہری میں دسترس کامل پا چکے تھے۔ حضرت شیخ کی علمی صلاحیت کو چلینج کرتے ہوئے رُو برو ان پہونچ گئے۔ دعویٰ کیا کہ ایک "اُمّی" کے ہاتھوں میں مِلّت کی قیادت رہنے سے مِلّت کو خطرہ تھا۔ حضرت شیخ سے فقہ کے بارہ میں سوالات کئے جن کا آپ نے نہ صرف مُکتفی جواب دیا بلکہ اس طرح رموزات کو عام کشمیری زبان میں سمجھایا کہ شیخ اشوار شرمندہ ہو گئے اپنی غلطی پر تائب ہوئے ان کے دامن میں پناہ لی۔ پھر حضرت شیخ نے اس بڑے عالم کو ایک نو مسلم مرید بابا لطیف الدّین کی سرپرستی میں دے دیا۔ لطیف صاحب نے منازل سلوک طے کرنے کے بعد آپ کو الگ ذیلی مرکز تحصیل چاڈورہ کے چھاتر گام "گاؤں" میں قائم کرنے کی اجازت دی۔ وہیں دفن ہیں۔ میرے خیال میں آپ مولانا مانک کے ہمرکاب ہو کر شیخ کے پاس آئے تھے۔ ❊

Marfat.com

بابا لدی گنائی

آپ چوترہ پال جگہ پر جو مرکزی کشمیر کے وتر ہیل گاؤں کے نزدیک ہے۔ بابا لطیف الدین کے مرید ہوئے۔ بابا صاحب تبلیغ پر جب علاقہ میں جاتے تھے تو گنائی صاحب آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ پھر بابا صاحب نے لوگوں کے اصرار پر زنڈو پال (پوشکر) میں بھی تبلیغی مشن کا ایک ذیلی مرکز قائم کیا اور وہاں پر لدی گنائی کو اپنا نائب امیر مقرر کیا۔ بابا صاحب خود اپنے قائم کردہ مرکز پوشکر میں اقامت پذیر تھے۔ ایک دن آپ زنڈہ پال سے اپنے راہبر کے مزار پر حاضری دینے آئے تھے اس دن شدت کی بارش تھی۔ پوشکر سے واپس زنڈو پال نہ جا پائے، پھر وہیں پر بیمار ہوئے اور صبح اپنے خالق سے جا ملے۔ دن میں ان کو وہیں پوشکر میں ہی دفن کیا گیا۔ رات گذر گئی صبح وہاں گاؤں والوں اور بابا لطیف کے مرکز پر مقیم ریشی صاحبان نے گنائی کی قبر پر مٹی کا ڈھیر دیکھا اور قبر خالی تھی۔ آپ کے پیر بھائی شیخ اشوار کو اس واقع کی اطلاع دی گئی جو شاید پوشکر میں ہی آئے تھے یا اُن کے مرکز پر چھاتر گام کسی قاصد سے پیغام روانہ کیا گیا کہ وہ اس راز کی حقیقت سے مضطرب لوگوں کو آگاہی دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ لدی گنائی کو اتنا اپنے مقام عبادت سے لگاؤ تھا کہ وہ رات کو ہی پوشکر کی قبر سے بھاگ کر اپنے حجرہ پہونچ چکے ہیں

Marfat.com

لوگ اور مُرید پوشکر سے زنڈ و بال گئے تو آپ کی کفن میں ملبوس نعش کو آپ کے حجرہ میں پایا، پھر وہیں تدفین ہوئی۔

لدّی کٹور :- آپ کا اصلی نام معلوم نہیں ہے، مگر مشہور اسی لقب سے ہوئے جس کا ایک پس منظر ہے۔ حضرت بابا لطیف الدّین کے مُریدوں میں سے ایک لدّی کھجو (یا لدّی خُوجہ) علاقہ زینہ گیر کے دولت مند لوہار تھے۔ آپ کے کارخانے سے بنے ہوئے لوہے کے اسباب اور ہتھیار کا مراج اور مرکزی کشمیر بلکہ سرینگر تک کے سبھی اہم بازاروں میں بکتے تھے۔ لدّی خُوجہ دولت مند تھے، مگر تھے بے اولاد۔ ایک دن بابا لطیف الدّین سے ملتمس ہوئے: "حضور! اب اس بڑھاپے میں میرا یہ امید رکھنا کہ میری اولاد ہو پائے جس کو میں ریشی بنا پاؤں کچھ موزون نہیں ہے۔ مگر استدعا ہے کہ کسی جوان ریشی کو میری وراثت کے لئے وارث بنائیں۔" باباصاحب سائل کی استدعا کو شاید بھول چکے تھے۔ ایک دن لدّی کٹور کو باباصاحب نے لدّی خُوجہ کے پاس زینہ گیر علاقہ کے پچر کوٹ گاؤں روانہ کیا تا اینکہ پوشکر کے ریشی مرکز کے ریشیوں کے لئے لوہے سے بنائے گئے بیلچے، کدال وغیرہ لائے۔ لدّی خُوجہ کو خیال ہوا کہ باباصاحب نے اس کے لئے وارث روانہ کیا اور اس کو آپ نے ایک کمرہ میں مہمان بنا کر باہر سے دروازہ پر کُنڈی لگادی، خود دوسرے کمرے میں

Marfat.com

سویا۔ تہجّد کے وقت لدّی کنٹور اُٹھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا رہا، دروازہ نہ کھلا۔ چلایا، مالکِ مکان نے باہر سے آواز دی:

" وعدہ کرو یہاں سے نہ جاؤ گے پھر دروازہ کھولتا ہوں۔" لدّی کنٹور مضطر تھا کہیں تہجّد کا وقت نکل نہ جائے، وعدہ کر بیٹھا۔ ضروری سامان خواجہ کے نوکروں سے روانہ کروا دیا اور ساتھ ہی اپنے ساتھ ہوئے واقعہ کی بھی اطلاع دی۔ بابا صاحب کو یاد آیا کہ سائل نے اس سے ایک ریشی بطور وارث مانگا تھا۔ پھر بابا صاحب نے لدّی کنٹور کو خلعت ارشاد بھی روانہ کیا اور وہیں پر قیام کرنے کی تلقین بھی کی گئی۔ لدّی خوجہ کے وارث کی حیثیت سے ہی انہیں لدّی کنٹور کا لقب پڑ گیا۔ پرگنہ زینہ گیر کے بچہ کوٹ گاؤں میں دفن ہیں۔

بابا نوری ریشی

آپ علاقہ بیروہ کے لولہ پور گاؤں کے زمیندار تھے۔ لیکن طلب اور تڑپ کچھ اور تھی۔ اسی تڑپ نے پوشکر حضرت بابا لطیف الدین کی خدمت میں پہونچا دیا، اور پھر ان کی ہی مریدی میں داخل ہوئے۔ پوشکر میں عبادات و ریاضت میں کمال حاصل کیا اور روحانی عظمت کے اعلیٰ منصب پر پہونچے تو بابا صاحب نے آپ کو اپنے ہی گاؤں میں ذیلی مرکز قائم کرنے

Marfat.com

کی اجازت دی۔ ایک دن لولہ پورہ میں آپ کی خانقاہ "پیر تُہر" (ایک قسم کا زردہ) لایا گیا۔ وہاں پر ساٹھ آدمی تھے۔ یہ زرد چاول چار پانچ آدمیوں کے لئے ہی کافی تھا۔ مگر بابا صاحب نے خود یہ ساٹھ آدمیوں کو کھلایا جو سب سیر شکم ہوئے، اس کے بعد اپنے ساتھیوں کے سمیت سرینگر کے تبلیغی دورہ پر گئے تو اچانک سرِ عام بلند آواز سے "خبردار! خبردار!! اور بھاگ جاؤ! بھاگ جاؤ!!" نعرے لگائے۔ لوگ حیران ہو گئے۔ ریشی صاحب سے پوچھا گیا: اس نے کہا کہ "لولہ پورہ میں چور ہمارے لنگر کی ملحق جاگیر سے پکی ہوئی شالی سرقہ کی نیت سے کاٹ رہے تھے۔ تو ہم نے اُن کو بھگا دیا۔"

آپ کے مصاحبین سے کچھ آزمانے کے لئے واپس لولہ پورہ چلے گئے اور دیکھا کہ کچھ حصّہ سے شالی کاٹ کر گٹھڑیاں بنائی گئی تھیں کہ چور سراسیمگی کی حالت میں بھاگ گئے تھے۔ اس صاحبِ کرامت ریشی کی شہرت سارے کمراج میں پھیلی تھی۔ سرینگر سے بھی لوگ آپ کے درِ فیض پر حاضری دینے کے لئے آتے تھے۔ اپنے ہی گاؤں میں دفن ہیں۔

لچھم ریشی

آپ بھی بابا لطیف الدین کے مرید تھے، وہیں پوشکر میں عبادت کرتے تھے۔ نوری ریشی کی وفات کے بعد مرکز کے انچارج اور مرقد بابا لطیف

Marfat.com

کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ سینکڑوں لوگ آپ کے لنگر میں پلتے تھے خود ٹوکرے میں بھرے روٹیاں تقسیم کرتا تھا، اور بھیڑ میں ٹوکرا رقص کرتے ہوئے ہر ایک مہمان کے پاس بچھے ہوئے دستر خوان پر روٹیاں ڈالتا تھا۔ پوشکر میں ہی دفن ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد حاجر ریشی سجادہ پر مسند نشین ہوئے۔ حاجر ریشی بھی ریاضات و عبادات کا ایک پیکر بنے ہوئے تھے۔ پوشکر میں ہی دفن ہیں۔

بابا لطیف الدین کے مریدان میں سے لدی گنائی اور نوری ریشی صاحبان ارشاد گذرے ہیں۔ انکے طالبوں میں سے جندہ بابا ریشی اور بہرام ریشی زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

بابا جندہ ریشی

آپ اپنے پیر و مرشد بابا نوری ریشی کی دن رات خدمت کرتے تھے، بابا صاحب تبلیغی سیاحت پر نکلے تھے کہ جندہ ریشی آپ کی اقامت گاہ پر قلیل عرصے کے لئے بیمار ہو کر واصل بحق ہوئے تجہیز و تکفین کا عمل شروع ہوا۔ بابا جندہ ریشی کے جسد پاک کو غسل کے لئے لیا گیا اور جونہی آپ کے پیر بھائیوں نے پانی کے گڑھے لائے اور ان کے ڈھکن اٹھائے تو ہر گڑھے میں صرف سانپ دیکھکر پریشان ہو گئے۔ غسل دینے سے گریز کیا۔ جب نوری ریشی آئے تو انہوں نے کہا: کہ " یہ میرا انتظار کرتا

Marfat.com

تھا، لاؤ اب پانی ۔" انہی گڑوں پر سے ڈھکن اُٹھائے گئے، تو پانی صاف تھا۔ پیر کو اپنی کُٹیا میں ہی دفن کیا۔

بہرام ریشی

آپ بھی نُوری ریشی کے چہیتے مرید تھے۔ ہر شب جمعہ کو ان کے لنگر خانہ واقع اسکندر پُورہ بیروہ میں سینکڑوں مسافر غربا اور درویش لوگ کھانے تھے۔ آپ کا مقبرہ بھی نُوری ریشی کی قبر کے قریب ہی ہے۔

آونت ریشی

آپ بابا لطیف الدین کے مُرید خاص لچھم ریشی کے خلیفہ تھے۔ عین طفولیت میں آپ لچھم ریشی کی خدمت میں آئے۔ علاقہ بیروہ کے ڈانگر پورہ گاؤں کے امیرزادہ تھے، مگر رُوحانی صحبتوں کا دلدادہ تھا۔ اسی تڑپ نے لچھم ریشی کے ہاں پانچ چھ سال کی عمر میں آئے۔

بابا صاحب کے ہاں سب ریشی جنکی تعداد درجنوں کی تھی، سال بھر روزے رکھتے تھے۔ مگر لنگر سے اس طفل کے لئے دوپہر کا کھانا رکھا جاتا تھا۔ شیخ نے حیرانی سے ان جوان، ادھیڑ عمر کے ریشیوں اور بوڑھے ریشیوں سے پوچھا: کہ وہ کیوں دن کا کھانا نہیں کھاتے نہ پانی پیتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ روزہ دار تھے۔ پھر روزوں کے بارے

Marfat.com

میں معلومات دریافت کیں اور دوسرے دن سے یعنی عمر کے چھٹے سال سے ہی روزے رکھنا شروع کیا۔ سال بھر سوائے عیدین کے روزے رکھتے تھے ۔ والدین لڑکے کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بابا الجھم ریشی کے دربار میں ہے۔ وہاں پہونچ کر بابا صاحب سے ان کے لڑکے کو گھر جانے کی ہدایت ملنے کی گذارش کی۔ بابا نے مراقبہ کیا اور دیکھا کہ طفل کم سن وادیٔ عشق کے کٹھن پڑاؤ طے کر چکا تھا۔ اور پھر اس کو گھر جانے کی ہدایت کی۔ اپنے ہی گاؤں ڈانگر پورہ میں ان کا مقبرہ ہے جس پر روضہ بھی تعمیر ہوا ہے اور مرجع خلائق ہے ۔

نوٹ : ص ۹۶ ذکر بابا نیکی ریشی : یعقوب شاہ چک کے عہد میں خانقاہ فیض پناہ چرار شریف آگ سے شہید ہو گئی تو سلطان یعقوب شاہ کے حکم سے نئی تعمیر کی گئی مگر عمارت مکمل ہونے پر پایا گیا کہ ذرا قبلہ سے ہٹ کر خانقاہ تعمیر ہوئی تھی مگر اس بڑی عمارت کو پھر گرا کر از سر نو بنانے پر ساری قوم متفکر ہو گئی اور کھوبہامہ سے نیکی ریشیؒ آئے اور مسجد کی سمت کو کرامت سے درست کیا۔

(گوہر)

Marfat.com

دائمی رفاقت

جو رفاقت حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کو شیخ حسام الدین چلیباؒ سے حاصل رہی، ویسی ہی رفاقت شیخ نورالدینؒ کو بابا نصرالدین سے نہ صرف عمر بھر ملتی رہی بلکہ تا ابد ملتے رہی گی۔ بدلہ میں نصر صاحب نے اپنے پیر و مرشد سے ویسا ہی محبت اور احترام پایا، جیسا ڈیڑھ سو سال پہلے شہر قونیہ میں حسام الدین چلیبا نے اپنے شفیق استاد سے پایا تھا۔ جلد اوّل کے ص۵۱ میں تذکرہ ہوا ہے کہ ایک راجپوت گھرانے کا چشم و چراغ پہلوان اُدّوتر نامی ۱۴۰۹ء میں حضرت شیخؒ کے ساتھ لیبوڈ کے غار میں ملاقی ہوا تو نصرالدین بن کر پھر تاقیامت حضرت شیخؒ کی رفاقت کا حقدار بن گیا۔ اُدّوتر پرگنہ کوٹھار کے گاؤں نرسر سے تھا۔ بچپن سے ہی معدہ کے مرض میں مبتلا تھا، ہاضمہ بہت خراب تھا۔ ایک دن بستر بیماری پر لیٹے ہوئے اپنے قسمت کو کوستا رہا، بہت ٹوٹ چکا تھا اور اسی شکست میں نیند پڑ گئی۔ تو خواب میں اس نے آسمان سے نورانی ستارے زمین پر آتے دیکھے جن میں ایک ماہ کامل تھا۔ ایک ستارے سے انہوں نے (جو شاید بشکل انسان ہی تھا) پوچھا کہ یہ ستارے کون ہیں؟ جواب ملا: کہ ریشی اولیاء کرام ہیں۔ وہ چاند سا

Marfat.com

مکھڑا لئے ہوئے ان کا قائد شیخ نورالدین ولیؒ ہے۔ جو اس وقت کیموہ غار میں عبادت کر رہا ہے۔ ہاں شفا چاہتے ہو تو ان کے پاس جاؤ۔۔"

نصر نے والدین کو ماجرا سنایا۔ وہ سرمایہ دار تھے اور تب تک اپنے بیٹے کی شفایابی کے لئے بہت سے علاج کئے تھے، بہت مال خرچ کیا تھا، نذرانے چڑھائے تھے، مگر ناکام ہوئے تھے۔ یہ بشارت سن کر بیٹے کو کیموہ حضرت کے غار پر پہونچایا۔ یہاں پر بابا نصیب الدین غازی اور بعد کے تذکرہ نویسوں اور مؤرخوں نے باتفاق درج کیا ہے کہ جب اوتر نے اپنی بپتا سنائی کہ جو کچھ وہ کھاتے تھے واپس قے کرتے تھے تو شیخ نے ان کے لئے کھانا منگایا اور پیٹ بھر کھلایا۔ اس کو الٹی نہ ہوئی۔ اس نے والدین کو خوشی خوشی رخصت کیا تو خود حضرت کی خدمت میں جٹ گئے۔ ہم نے سارے تذکرات سے یہی پڑھا ہے کہ شیخ کا گپھا کیموہ کے جنگل میں تھا جو گاؤں سے باہر بھیانک جگہ پر چٹانوں سے کھدوایا گیا۔ شکر ہے کہ یہاں تذکرہ نویسوں نے کرامت کا سہارا نہ لیا اور کھانا کسی جن کے ذریعہ عالم جنیات سے یا ملک کے ذریعہ کسی فردوس بریں سے منگوا کر نہ لایا۔ بلکہ یہی لکھا ہے: کہ "آپ نے ان کے لئے کھانا منگوایا۔" اس لئے معقول یہی تاثر ہے کہ غار میں ہی یا غار کے بالکل ساتھ ہی اس وقت حضرت شیخ نے ایک لنگر خانہ قائم کیا تھا جہاں سے بس آپ کے کہنے پر خدام کھانا لاتے تھے۔ اس لئے

Marfat.com

یہ بھی معقول طور اخذ ہے کہ وہاں پر کھانا پکانے اور نمار کے دیوان خانہ میں کھانا پیش کرنے کے لئے آدمی موجود تھے، جو ایک سے زیادہ تھے۔ میرے اس اخذ کردہ نتیجے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ بی بی دید (حضرت شیخ کی بیوی) شیخ کے پاس ہی اس کی مرید بن کر رہتی تھی کیونکہ بیوی نے اُسے کہا تھا کہ (ترے ریوش ذلو رشن بائے) تم تو ریشی ہو اور میں آپ کی مرید ریشی ہوں..... خیر ہم پھر بابا نصر صاحب کے واقعات لکھنے چاہتے ہیں۔

مشکوتی صاحب کے مطابق حضرت شیخؒ نے بابا صاحبؒ کو موقعہ پر فقیروں کا خادم مقرر کیا۔ اس سے بھی یہی عیاں ہے کہ کیموہ کا غار فقیروں کے مسکن کے طور ۱۴۱۰ء تک بن چکا تھا اور وہاں لنگر خانہ قائم ہوا تھا بلکہ اسرار الابرار سے یہی مترشح ہے کہ وہ واقعہ بھی کیموہ کا ہی جب ایک کم رتبہ کے ریشی نے شیخؒ کے پاس نصرؒ کے خلاف شکایت کی تھی کہ نصر صاحب بحیثیت منتظم مطبخ خود روزے دودھ سے کھولتا تھا مگر اوروں کو پانی روزہ کھولنے کے لئے فراہم کرتا تھا۔

کمال بابا نصر صاحب کو شفایاب ہونے کے بعد حضرت شیخؒ کے ساتھ منظوم مکالمہ کراتا ہے۔ ابتدائی تربیت کے بعد نصر کو معاشرتی زندگی نبھانے کے لئے رخصت دی جاتی ہے اور وہ ایک رشتہ نگار کے یہاں خانہ داماد بنتا ہے جہاں نصر کا ایک بچہ تولد ہوتا ہے۔

Marfat.com

خیر جو بھی ہو نصر صاحبؒ عین بچپن سے ہی دل سے حضرت شیخؒ کے ہو گئے اپنے مرشد کا دل ریاضت، خلوص، لگن، لگاؤ، ذہانت اور بے باکی سے جیت لیا۔ جو بھی عہدہ تحریک میں انہیں سونپا گیا اس سے وہ بطریق احسن عہدہ برآ ہوتے تھے، اور اخیر پر اس مقام پر پہونچے جو ایک طالب کے لئے، ایک عاشق کے لئے، ایک دوست کے لئے منزل مقصود ہوتا ہے۔ نصر نے اپنے مرشد کی دائمی رفاقت کا مطلوبہ منزل حاصل کیا۔

حضرت شیخؒ نے کشمیر کی سیاحت کی تو نصر صاحبؒ ہی آپ کے ہم رکاب تھے۔ جب گھومتے پھرتے شیخؒ کے مضمحل قویٰ جواب دے گئے تو نصر نے انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا کر جگہ جگہ پہونچا دیا۔ جو معرفت کا کلام حضرت شیخ نے کہا، جو دانائی اور حکمت کے موتی آپ نے بکھیر دیئے، جو رموز و اسرار آپ نے واشگاف کئے وہ اشعار، اقوال زرّین اور سریت کے جوہر آپ نے اپنے چہیتے نصرؒ کے حوالہ سے ادا کئے۔

بے ثباتیٔ دُنیا کو بیان کرتے ہیں، کمال و زوال کے مضمون کو چھیڑتے ہیں، نسل در نسل کیلئے نصائح کا اثاثہ چھوڑتا ہے۔ تو نصرؒ کو ہی مخاطب کر کے بیان کرتے ہیں۔ جس طرح حضرت مولانا رومیؒ نے مثنوی کے دفتر حسام الدینؒ چلپیا پر کھول دیئے اسی طرح حضرت شیخؒ نے نصر الدینؒ کو اپنے تجربات کا شریک بنایا ہے۔

Marfat.com

نصرہ مئے ڈوچھڑہ ڈِچھنہ گنڑھ

(نصر! میں دیکھ آیا ہوں۔ تم اب وہ حقیقت دیکھنے جا۔)

خود کیا جاتا ہے پہونچا تا تو راہبر ہی ہے۔ کلام شیخؒ میں نصر سے خطاب کی اس قدر شدّت ہے کہ تاویل کی گئی کہ " یارس دزم اندمزارس ڈنو" (تم اپنے دوست کو قبرستانوں میں ڈھونڈنا) والی نظم آپ نے بوقت نزع نصر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ گو کہ آپ نے اپنی دائمی نگاری کو کبھی " ہے مالہ" (اے میرے باپ) کبھی" اِھی ماجی" (اے میری ماں) کبھی" بایہ" (اے میرے بھائی) اور کبھی" نصرہ" (اے میرے نصر) کے واسطوں اور حوالوں سے خطاب کیا ہے۔ مگر اندازِ بیاں یہی تاثر قائم کرتا ہے کہ آپ ہر وقت اپنے رفیق، ہمدم ساتھی، طالب اور مُرید پر معرفت کے اسرار کسی تکلّف کے بغیر بلا واسطہ ظاہر کرتے رہے ہیں اور اپنا اکثر کلام نصر صاحب کے لئے ہی موزون کیا ہے۔ نصرالدینؒ صاحب کی اطاعت اور فرمانبرداری اور بارگاہِ ایزدی سے اس طرح قبولیت ہوئی کہ انہی کے حوالہ سے ہم رموزِ کلام شیخؒ کا معرفت حاصل ... ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تخاطب معنوی ہی ہے۔ ہاں کہیں کہیں یہ شدّت اس قدر غالب ہے کہ لگتا ہے شاید یہ اشعار آپ نے مخصوص طور نصر صاحبؒ کی شخصیت کو تعمیر کرنے کے لئے ہی موزون کئے ہوں مثلاً : ؎

Marfat.com

نصر نیسر ہ صوّر کر ÷ کس یار کر شاط داں سا بی
رہنہ مال، مراد برزر ÷ یہ بہا اُرزر رنگس آبی
کنشرن صاحبی دِ زاو کرزر ÷ لائی لبکھتس کیا کری
کنشرن چھونیر کنشرن برزر ÷ آسہ نے اُرزر گہنہ بیرِ آری

پہلے ہی مصرعہ میں شاعرانہ حسن نکھر آیا ہے۔ نصر کے ساتھ "نیسر" اور پھر "صوّر"۔ نصر تو نام ہے مخاطب کا۔ اس طرح ہر ایک قاری سے خطاب ہے "نیسر" گہری نیند اور "صوّر کرن" حرکت کرنا۔ یعنی اے نصر! اے میرے مخاطب، اے میرے ہمدم، میرے ساتھی، میرے طالب، میرے وجود، میرے اندروں، میرے شعور: اس گہری نیند سے جاگنے کی تھوڑی بہت حرکت پیدا کر، ذرا ہوش میں آؤ، ذرا بیدار ہو جاؤ۔

" اے میرے شعور خفتہ
جاگ، حرکت میں آ جا، متحرک ہو۔
دس ہزار (فوج) کی طاقت پہ ناز، کس لئے؟
دھن ایک چھایا۔ آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
ہاں! لازوال ہے مقصدیت، منزل مراد پانے کی لگن
اسی مقصدیت سے نکھر آتی ہے رنگوں کی تصویر

(ذرا دھیان کر اور چشم بینا سے دیکھ لے) کہ دینے والے نے کئی نیک بختوں کو جاہ و حشم دیا۔ مگر ازل کی غزل کا مقطع

Marfat.com

کیچھ اور ہی نوعیت کا ہے
(جاہ وحشم سے وہ تغزل کی کیفیت رائیگاں نہ کر)
کبھی تو اس لین دین کے معاملے میں بالکل خالی ہے۔

اور کبھی پورے خزانے سمٹتے رہے،
اس لین دین میں بے اعتبار کیا پا سکتا ہے؟"

حل مطلب :- حضرت شیخ کے عہد میں جو چھوٹے چھوٹے راجواڑے کشمیر میں تھے، ان میں کوئی جاگیردار یا قلعہ دار اپنی فوج بلا اجازت بھرتی نہیں کر سکتا تھا مگر کسی کو دو ہزار، چار ہزار یا پانچ ہزار فوجیوں تک دستہ رکھنے کا اختیار تھا۔ اور ان جاگیرداروں میں وہ زیادہ طاقتور اور مہاراجے کا معتمد ہوا کرتا تھا، جس کا ذاتی فوج دس ہزار تک رکھنے کا اختیار تھا جو کہ دس ہزاری لشکر کا کمانددار ہوتا تھا۔ ایسے راجے طاقت، عزت، دولت اور حشمت پر ناز کرتے تھے۔ بلکہ مہاراجہ کشمیر سے بھی وہ زیادہ خوشحال ہوتے تھے۔ مہاراجہ ہر وقت حملہ آوروں اور سازشوں کا شکار رہتا تھا، مگر یہ دس ہزاری، پانچ ہزاری، جاگیردار مرکزی اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ اپنے وفاداریاں بھی تبدیل کرتے تھے۔

شاعری پر تنقیدی جائزہ لیتے وقت ہم الگ ذیلی عنوان کے تحت اس پر پوری بحث کریں گے کہ شیخ نے اپنے قاری کو کسی

Marfat.com

ناموں سے پکارا ہے جس میں نصر کا بھی ایک نام ہے۔ اس کے اسباب کیا تھے اور اس تخاطب کا مقصد کیا تھا، کیا بہ خطیبانہ انداز اختیار کرنے سے شیخؒ کی شاعری خطابت اور بیانیہ شاعری کے حدود میں محدود ہوتی ہے یا کہ اس تخاطب کے اسلوب سے سریت، رمزیت، علامتیت اور شعریت نکھر آتی ہے۔

حضرت بابا نصر الدین صاحبؒ کا شاعرانہ مقام بھی کم نہیں ہے، مگر بدقسمتی سے اس مقام کو متعین نہ کیا گیا ہے بلکہ آپ کو ہم نے بحیثیت شاعر جانا ہی نہیں۔ آزاد صاحب اور مرحوم حاجنی صاحب سے لیکر کشمیر کے شعبہ یونیورسٹی کے "احوال نامہ" تک بابا نصر کو بحیثیت شاعر بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ یہ اکثر تذکرات میں آیا ہے کہ حضرت شیخؒ کے بعد دوسرے شاعر نصرؒ ہی ہیں جنہوں نے کشمیری زبان میں قطعہ تاریخ نظم کیا ہے جس روایت کا صدیوں بعد مہجور کشمیری نے بیسویں صدی میں احیا کیا ہے اس لئے ہم "نصرؒ بحیثیت شاعر" نور نامہ میں مناسب جگہ پر ایک ذیلی مضمون پیش کرنے والے ہیں۔ جو بطور ضمیمہ شامل ہوگا۔

یہ سعادت بابا نصر صاحبؒ کو ہی حاصل ہے کہ آپ شیخؒ کے سفر آخری کے وقت اپنے پیر بزرگوار کے سر بالین رہے۔ آپ نے ہی آپ کے سفر آخری کا قطعہ تاریخ نظم کیا ہے جو شاید ایک طویل نظم کے آخری شعر لگتے ہیں۔ ہے

Marfat.com

"دوپ تھرس تاریخ ورگھ ❖ مُنڈ زُوتھ گوُ بابہ سرگھ"

۸۴۲ھ

اس دُنیا سے جانے کے بعد حضرت شیخ" فوراً اپنے اس چہیتے طالب کو بشارت دیتے ہیں کہ " تو ہمیں کشمیر کا علمدار بنایا گیا اور روز محشر کشمیری قوم میری علم کے سایہ میں شفاعتِ رسولِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم سے فیض یاب ہوگی۔"

آپ کی ہی وساطت سے قوم کے لئے حضرت شیخ" کے آخری آرامگاہ کی نشاندہی ہوئی۔ آپ ہی مرقد شیخ" کے پہلے معمار، پہلے سجادہ نشین اور ریشی مرکز پر اپنے اپیر کے بعد سے دوسرے قائد کی حیثیت سے قیام کرتے ہیں۔ گو کہ آپ سے پہلے خلافت بام الدین، زین الدین اور لطیف الدین کی علی الترتیب رہی۔ مگر ریشی تحریک کی قیادت حضرت شیخ" کے پردہ کرنے پر ہی بابا نصر صاحب نے سنبھالی اور انہی کے واسطے سے مرکزی قیادت سولھویں صدی کے آخر تک چلتی رہی۔

بابا نصر صاحب کی ریاضت، نفس کشی، اطاعت، خوفِ خدا اور عشقِ رسولؐ کی باتیں کیا کریں۔ آپ نے اپنے کو اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈالا تھا اور نفس کو اس قدر مغلوب کیا تھا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ قوت کے ایندھن کا گرم مگر سفیدی نما راکھ پانی میں ملا کر اسی پانی سے روزہ کھولتے تھے۔ پھر جب پیر نے اپنے نفس کو اس طرح مارنے

Marfat.com

پر رُوک لگا دی اور حکم ہوا کہ چاول ہی کھانے چاہئیں۔ تو اطاعتِ پیر میں سر خم کیا، مگر روزانہ چاول کے اٹھارہ[۱۸] دانے کھا کر زندگی بسر کی جس طرح ابو عبداللہ حنیفؒ دن رات باقلا کا ایک دانہ کھاتا تھا۔ اسی طرح نصر صاحبؒ نے اپنی انگلی کے ساتھ ایک تھیلی باندھی جس میں کچھ چاول کے دانے رکھے اور افطار پر پانی کے ساتھ ۱۸ دانے چاول کے نگل جاتے تھے اور دربارِ ایزدی میں رات بھر نفل خوانی سے شکر بجا لاتے تھے جس نے اتنی رزق کھانے کو دی تھی۔

آپ کے عہدِ خلافت میں رشیی پیر بھیک مانگ کر کھانا مقدّم ہوا اور صرف تین درم کے وزن کا کھانا رشیی کو پانچ چھ گھروں سے بھیک مانگ کر لانا تھا اور اسی سے روزہ کھولتے تھے۔ یہ پابندی اس لئے عاید ہوئی تھی کہ عہد بڈشاہی میں رشیت کو عزّت و آبرو ملی تھی۔ عوامی قبولیت تحریک کو حاصل ہوا تھا، احتمال تھا کہ کہیں رشیی اس عزّت و تکریم میں افتخار کا شکار نہ ہو جائے تو کسرِ شان کے لئے یہ ڈسپلن عائد کیا گیا۔ جب مدار المہام جوگی رینہ بابا نصر صاحبؒ کی جگہ تحریک کا لیڈر بن گیا انہیں ڈسپلن کے تحت بھیک مانگتے اپنے اہل و عیال نے دیکھا، بیوی نے بچوں سے کہا۔

"لو ہمارے ملک صاحب اب گداگر بن گئے۔"

اس کے بعد ملک صاحب نے نصر صاحب کے اس عائد کردہ ہدایت نامہ

Marfat.com

میں ترمیم کی اور رشیوں پر پابندی ہوئی کہ وہ صرف اپنی کمائی سے ہی قلیل اناج کھا سکتا ہے۔ یہ پابندی رشیوں کا لائحہ عمل بن گیا۔ حتیٰ کہ جوگی زینہ کے لگ بھگ اسّی سال بعد ہردی رشیؒ اپنی کھیت میں شالی کی نلائی کرنا تھا کہ اُن کا چاچا بھی وہاں پہونچا اور اُن کا ہاتھ بٹاتے ہوئے کچھ پودوں کی نلائی کی۔ ہردی رشی نے اُن پودوں کو خاص طور نشاندہ کیا اور جو تھوڑی بہت شالی اُن پودوں سے پیدا ہوئی وہ خیرات کی۔

بابا نصر الدّین صاحبؒ ۸۵۴ھ (۱۴۵۰ء) میں وفات پاتے ہیں، اور آپ کو مرقدِ شیخ میں اپنے مُرشد کے قریب دفن کیا گیا۔ شیخؒ کے تربت کے ساتھ آپ کا تربت نمایاں ہے: "مشتاقِ احد" (۸۵۴ھ) سالِ وصال ہے۔

نصر الدّین مخمور جامِ قُل ھو اللہ احد
مُتکی در بارگاہِ قُربِ اللہ الصمد
دُردکش از خُمِ وحدت بیے تامل مے بداشت
روز و شب در لُجۂ عشق از ریاضت ہائے جدّ

——— (بابا محمد خلیل)

بابا نصر الدینؒ کے سلسلہ سے متاض ریشی اولیاء اللہ

حضرت بابا نصر الدینؒ اپنے مرشد کامل کے وصال کے بعد ہی چرارِ شریف میں روضۂ حضرت شیخ نور الدینؒ کی جگہ تعین کرنے ہی اولین آستانِ علمدار کے سجادہ نشین بنے ۔ لفظ "سجادہ نشین" فی زمانہ ایسے شخص کا تاثر ہمارے ذہن پر ڈالتا ہے جس کی ہئیت علامہ اقبالؒ کے اس ایک شعر سے مترشح ہے ۔

ع زاغوں کے تصرّف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

بابا نصر صاحبؒ کو ایسا سجادہ نشین تصور نہ کیا جائے ۔ مرقدِ حضرت شیخؒ اس وقت ریشی تحریک کا صدر مرکز تھا ۔ گو کہ خلافت کچھ دیر یمہ زوہ میں رہی ، کچھ سال عیشؒ مقام میں اور چند سال پوشکر میں ۔ مگر حق تو یہ ہے کہ خلیفہ کے ہدایات کا نفاذ تو صدر مرکز سے بواسطۂ بابا نصرؒ ہوتا تھا ، لیکن حضرت بابا لطیف الدینؒ کی وفات کے بعد ہدایات کا مرکز اجرا بھی یہی رہا اور عمل برآری (Follow up action) کی نگرانی بھی یہیں سے ہوتی تھی ۔ نصر صاحبؒ یہ سب کام مرقد شیخ کے قرب میں ہی کرتا تھا ، مگر پھر جب آستانِ عالیہ

Marfat.com

تعمیر ہوا تو اسی جگہ سے بابا نصر طالبین ہدایات کا عاقبت بھی سنوارتے تھے۔ روحانی، دینی اور جسمانی مریضوں کو بھی ہدایات اور نظر کرم سے شفایاب یہیں سے کرتے تھے۔

تحریک کے ذیلی مراکز کو بھی یہیں سے ہدایات جاری کئے جاتے تھے۔ ذیلی اور ماتحت مراکز کا باہمی رابطہ اور پیغام رسانی بھی اسی واسطے سے ہوتی تھی۔ زائرینِ درگاہ، زیرِ تربیت ریشی ممبران اور یہاں پر مقیم ریشیوں کی اقامت اور کفاف (Board & Lodge) کی نگہبانی اور انتظامات بھی نصر صاحبؒ کی ذاتی نگرانی میں ہوتے تھے۔ ان تمام اخراجات کے لئے ترار ومی (موجودہ موضع چرار ونی) کی جاگیر سے خود ریشی حضرات کاشتکاری کرکے پیداوار اُگاتے تھے۔ کسی قسم کا بھی نذر و نیاز قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ اُس باغ کی میوہ سے آمدنی بھی، لنگر خانہ کے اخراجات میں صرف کی جاتی تھی، جو عرفِ عام میں باغ ستگرام ڈار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس توضیح سے یہی میری عرضداشت ہے کہ بابا نصر کو آج کے مجاوروں کا پیشرو تصوّر نہ کیا جائے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

اس پسِ منظر میں یہ کہنا بے محل نہیں ہے کہ حضرت بابا نصر الدینؒ کے واسطے سے بھی تقریباً تین درجن ممتاز ریشی اولیاء گزرے

Marfat.com

ہیں جن میں چند ایک کا ہی تفصیلی تذکرہ، تذکرات اور تواریخی کتب میں موجود ہے۔ اسی حد میں رہ کر یہ مصنّف بھی دلائل سے گریز کرتے ہوئے اجمالی تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔

ملک زُوگی رینہ

زُوگی رینہ چندر ونشی خاندانوں کے راجوں کے اولادوں میں سے تھے۔ آپ کے اسلاف نگرکوٹ کانگڑہ کے راجہ تھے۔ اسی خاندان سے ہلمت رینہ پیدا ہوا جو سلطان بڈشاہ کا سپہ سالار تھا۔ اسی خاندان سے پندرھویں صدی ہجری کے اختتام پر حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہؒ پیدا ہوئے۔ ہلمت رینہ کا چچیرا بھائی زُوگی رینہ وقت کا مدارالمہام تھا۔ مگر حضرت شیخؒ کے دربار میں بھی کئی بار حاضری دی تھی اور اُن سے ہدایات بھی حاصل کی تھی۔ آپ کے بعد آپ بابا نصر صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ اپنے راہبر کے حکم سے آپ بدستور اپنے عہدہ پر فائز رہے۔ مگر حضرت بابا نصر صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کو ریشی تحریک کی قیادت چلانے کا حکم ہوا۔ ایک وزیر کا رُتبہ رکھنے والا ملک رینہ یہ حکم ملتے ہی لباسِ فاخرہ یعنی خرقۂ فقر زیبِ تن کرتا ہے۔ سلطان ادہم کا اتباع کرتے ہوئے

Marfat.com

مسند نشینِ کمخواب و زربفت بادیہ نشین ہو گیا۔ بابا نصر کے وقت میں سلطان زین العابدین کے عہد کے آخری سالوں میں ریشی اولیا معاشرہ کے سوچ پر حاوی ہوئے تھے۔ رفاہ عامہ کے اکثر کام ریشی حضرات منظم طور پر انجام دیتے تھے۔ اس طرح ان کی مقبولیت نے انہیں ایک آزمائش میں ڈالا تھا۔ بابا نصر کو محسوس ہوا تھا کہ اس شہرتِ عامہ کے پیشِ نظر ریشی کیڈرز (Caders) میں نفاست پیدا ہونے کا امکان تھا اور ایسے امکان کا سدّباب کرتے ہوئے ہدایت ہوئی تھی کہ مسافت اور تبلیغ پر ہر ریشی مبلّغ کسی کے ہاں کھانا نہ کھائے، بلکہ آدھ پاؤ چاول کی حد تک پکے ہوئے چاول بھیک مانگ کر کھائے۔ ملک زُوگی ریشہ مسافت پر تھا تو اپنی بیوی نے اس کو بھیک مانگتے دیکھا اور گھر آکر اپنے بیٹوں سے کہا:

"ہمارے ملک صاحب وزارت چھوڑ کر اب بھکاری بن گئے۔"

بات آپ تک پہونچی تو آپ نے پھر حکم نافذ کیا۔ کہ کوئی ریشی بھیک نہ مانگے، بلکہ زمینداری ان پر لازم کی گئی تا اینکہ غلّہ کی پیداوار سے ہی وہ اپنی ضروریات پورا کر پا سکیں۔ پھر ملک صاحب خود بھی کھیتی باڑی کرنے لگے۔ اس طرح سے ریشی تحریک نفاست کے اثرات سے بھی محفوظ رہی اور کسرِ نفس کی نفسیات سے بھی بچائی گئی۔ آپ کی وفات پر آپ کو روضہ شیخ العالمؒ میں ہی دفن

Marfat.com

کیا گیا۔ ان کا روضہ گیاراں تاروں (احد عشر کوکب) کے جھرمٹ میں تیسرا روضہ ہے۔

زُوگی ریشی

حضرت شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ دُوربین انسانی وجود کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جواہر کی قدر و قیمت دُور سے ہی بھانپ لیا کرتی تھیں۔ ایک روز آپ نے راستہ پر کھیلتے لڑکوں میں سے ایک خوش بخت بچے کے والدین کا اتہ پتہ دریافت کیا۔ لڑکے کا احوال معلوم ہوا تو انہیں اپنی تربیت سے نوازا۔ والدین کو ہدایت کی کہ اس بچے کا خاص خیال رکھا جائے۔ "کیونکہ اس کے واسطے سے میرے عرفان کا تسلسل رہے گا۔" بالغ ہوتے ہی اس لڑکے کو جس کا نام زُوگی تھا اپنی صحبت میں لاکر بابانصرالدینؒ کی تربیت خاص میں تفویض کیا گیا۔ سنگرام ڈار کے اسلاف حضرت شیخؒ کے باپ دادا کی جانب سے اُن کی جاگیر والی زمین کی تحویل داری کرتے تھے، اور خود سنگرام ڈار نے نہ صرف اس زمین پر لگا یا ہوا وسیع و عریض باغ حضرت شیخؒ کے قدموں میں بھینٹ چڑھایا بلکہ خود بھی اپنے کو حضرت شیخؒ کی اطاعت گزاری میں جھٹ گئے آپ کے تین اولاد، دو بیٹے اور ایک لڑکی تھی۔ اسماعیل ڈار اور یوسف

Marfat.com

ڈار ترال و نی میں ریشی مرکز کے کھیت کاشت کرانے کی نگرانی پر مامور تھے ۔ سنگرام ڈار کی بیٹی کا عقد زُودگی ریشی کے ساتھ ہوا ۔ ازدواجی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی آپ نے ریشی تحریک کی قیادت ملکی سطح پر کامیابی سے چلا دی ، ساتھ ساتھ ریاضت و عبادات میں بھی ہم عصر ریشی اولیاء کے آگے رہے اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی ان تھک کوششیں جاری رکھیں ۔

لنگر میں سینکڑوں من اناج خرچ ہوتے تھے ۔ آپ بر نفس نفیس مرکز کے ریشیوں کے ساتھ شالی لگانے ، نند کرنے اور فصل کاٹنے میں محو رہتے تھے ۔ آپ کے ہاں چار بیٹے اور دو لڑکیاں تھیں ۔ بیٹے : الیاس ، کریم ، ہاشم اور نظام تھے ۔ اور لڑکیاں : ہاجرہ اور رابعہ بی بی تھیں ۔ ہاجرہ کی شادی عیش مقام میں ہوئی ، اور رابعہ کی شادی مرکز کے ہی ایک منتظم ریشی عبدالرحیم کے ساتھ ہوئی جن کے دو لڑکے رستم اور قادر پیچھے رہے ۔

یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے ۔ اس عہد میں عیش مقام کے مرکز پر بھی ریشیوں کی آبادی بڑھ گئی تھی اور ترال کے ریشیوں اور مقام کے ریشیوں کے تعلقات گہرے تھے ۔

چونکہ زُودگی ریشی کے اولادان کے ذریعہ ہی تحریک کے روح کو پامال ہونا مقدر بن گیا تھا ۔ لہٰذا اس کا تذکرہ بعد میں کچھ تفصیل کے

Marfat.com

ساتھ کیا جائے گا۔ ہاں اس پس منظر کو واضح کرنا ضروری ہے کہ کیا موجودہ چرارشریف جو تین حصص پر مشتمل تھا، حضرت شیخؒ ہی کی آبائی ملکیت میں شامل تھا۔ ثانیاً: باغِ سنگرام کون سا حصہ تھا اور کیا وہ حصہ سنگرام ڈار کی ملکیت تھا، یا وہ بھی راجہ سہدیو کے وقت میں حضرت شیخ نورالدینؒ کے پڑدادا کو دیئے گئے جاگیر کا حصہ تھا اور کیا سنگرام ڈار صرف اس کا تحویلدار تھا، جس میں اس نے صرف ترقی حیثیت کرکے باغ بنایا تھا۔ یہ تفاصیل کچھ تو ہم ریشی تحریک کے زوال کے اسباب کے ذیلی عنوان میں درج کریں گے، اور کچھ تذکرہ تو کتاب کے تیسرے حصہ موسوم بہ "دشتِ لوزلنگ" میں چرارشریف کی تاریخ کی وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ یہاں پر اتنا کہنا ہی مناسب سمجھتا ہوں کہ چرارشریف کے لوگوں نے آستانِ عالیہ پر نذر ونیاز حاصل کرنے کا ایک جواز پیدا کرتے ہوئے باغ سنگرام ڈار کا ایک فرضی قصہ بنایا ہے، اور یہ کہانی بنائی ہے کہ یہ سب رقبہ سنگرام ڈار کی ملکیت تھا جس نے حضرت شیخؒ کے قدموں پر یہ سب زرعی اور غیر زرعی جائیداد نچھاور کی تھی۔ اس کہانی کو پس منظر بناتے ہوئے معقول اعتراض کو رد کرنے کی دلیل پیدا کی گئی لیکن اس شکستہ جواز کو بھی دلیل کے ساتھ رد کیا جانا ہے اور اعادہ کیا گیا کہ کسی ایک کو بھی اس درگاہ پر

Marfat.com

نذر و نیاز حاصل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسی مطالبہ کے دفاع میں سنگرام ڈار کی ملکیت "شیت واری" بہ ظاہر کی گئی۔ جہاں خانقاہ فیض پناہ، آستانِ عالیہ اور قصبہ کا بیشتر حصہ واقع ہے مگر یہاں معترض لوگوں کی دلیل ہے کہ چونکہ یہ رقبہ باغ کے سمیت سنگرام ڈار نے حضرت شیخؒ کو بخش دیا تھا، جائیدادِ غیر منقولہ کی بخشش کو فقہ میں ہبہ کہتے ہیں۔ اور ہبہ کی ہوئی چیز پر تمام حقوق واہب کے بحق موہوب الیہ منتقل ہوتے ہیں۔ اس طور بھی اگر یہ فرض محال مانا جاتا کہ سنگرام ڈار کا یہ خطۂ اراضی ملکیت تھا اس نے خود اس کی ملکیت ریشی سنٹر کو منتقل کی تھی اور تحریک کے سربراہ نور الدینؒ نے اس کو وقف کیا تھا۔ وقف کی مجاورت صرف اسی ریشی کو حاصل ہو سکتی تھی۔ جو نام کا نہیں، نسل کا نہیں، عرف کا نہیں بلکہ اس روایت کا پابند ہوتا جو ریشیت نے پیدا کی تھی اور جس کا واحد ٹسٹ یہی ہے کہ یہ شخص ریشی مسلک کا روح رواں ہو۔

حاجی لولی ریشی

کشمیر کی تاریخ کو مبہم بنانے میں فارسی زبان کے جارحانہ رواج کا بہت عمل دخل ہے۔ اس زبان نے ہمیں بہت کچھ دیا مگر ہم سے بہت کچھ چھینا بھی۔ چھینا ہوا سرمایہ ہماری مخصوص شناخت ہے۔ یہاں آئے ہوئے فارسی

Marfat.com

علماء اور ادباء اور یہاں کے مقامی فارسی دان طبقہ نے ایرانی تلفظ کو حاوی کرتے ہوئے ہمارے اسلاف کے ناموں، مختلف قصبوں اور دیہاتوں کے ناموں کا حلیہ بھی بگاڑ دیا۔ اس ضمن میں یہ کہنا کافی ہے: کہ "ژارن" کی جگہ پر حضرت شیخ جلوہ افروز ہوئے۔ لوگ کہا کہ اس "ژارن" کی جگہ پر ہی میں اس کی تلاش میں جٹ جاؤں گا اور ژارن ـــ ژرار شریف بن گیا۔ لیکن فارسی تذکرہ نویسوں نے اس کو چرار شریف بنایا۔ جس تحریف سے وجہ تسمیہ کا پس منظر ہی دستبرد ہوا۔ اسی طرح "وُرہ مل" شمالی کشمیر کے صدر مقام کا نام ہے اس کو بارہ مولہ بنایا گیا۔ اسی ضلع میں ایک گاؤں "ژُکُل" ہے اس کا معنی مستطیل قطعہ اراضی ہے مگر ریکارڈ مرتب کرنے والوں نے اس کو "چکلہ" بنایا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس فارسی تذکرہ نویسوں اور مؤرخوں نے ہمارے بزرگوں کے اسمائے گرامی بھی بگاڑ دیئے ہیں جن

حاشیہ ۱ء۔

میں سب جج بارہمولہ تھا تو ایک اغوا مقدمہ بحث کے مرحلہ پر راقم کے روبرو پیش ہوا۔ میرے پیشرو افسر نے مغویہ کا بیان قلمبند کیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ "تین دن مجھے چکلے میں رکھا گیا۔" میں حیران ہوا کہ آیا مرحوم خادمِ وطن حاجی محمد سبحان حجام کی ان تھک کوششوں سے جب مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں ہی کشمیر میں قحبہ خانے اکھاڑے گئے تھے۔ اور کیا اس کے باوجود اس ضلع میں چکلے موجود تھے۔ پھر دریافت کیا کہ یہ "ژُکُل" گاؤں کی ریکارڈ میں مسخ شدہ صورت تھی۔

Marfat.com

کے نام یا عرف خالص کشمیری لغت سے ہی جڑے تھے۔ ان میں سے ایک عظیم شخصیت حاجی لولی ریشی رح کی بھی ہے۔ ان کا اصلی نام معلوم نہیں ہے۔ لولہ ریشی ان کے لئے ایک قسم کا لقب تھا یا کنیت تھی۔ آپ گو کہ خود شکل و صورت سے مجبوروں میں شامل تھے، مگر دلِ مختار پایا تھا جو عشق پر بیٹھا وہ بھی حسین و جمیل عورت کے ساتھ، اور عشق ناکام ہوا تو نام کے ساتھ "لول" جڑ گیا۔ لول کشمیری میں عشق کو کہتے ہیں۔ اسی حادثہ نے " ژوہ لند ژک" کے اسی متمول مگر معذور زمیندار کے دل پر زبردست اثر ڈالا اور آپ ریشی بن گئے ـــــ یہاں پر بھی دہراتا ہوں کہ محکمہ مال کے ریکارڈ میں ژوہ لندژک کا حلیہ بگڑ گیا۔ ژک، جو مخفف ژکل (قطعہ اراضی کا ہے) "چک" بن گیا۔ کافِ فارسی (ک) کو کسرۂ اضافت لگا کر "ژوہ لند" کے ساتھ وابستہ کر کے چکِ چولند بن گیا۔ آج کل "ژک" مٹی کے سمیت سبزہ کے ٹکڑے کو بھی کہتے ہیں۔ مگر "ژک" کا معنی "زرعی جاگیر ہے"۔

ابھم لولہ ریشی ـــــــــــــ لولی ریشی کے احوال عشق کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بابا نصیب صاحب غازی رقمطراز ہے: کہ حاجی صاحب شکل سے کریہہ المنظر تھے، صاحب روضۃ الریاض آپ کے حلیہ کو عربی الفاظ کے ایک ٹکڑوں میں محدود کر کے ناکارہ بناتے ہیں ـــ اعرج، احول

Marfat.com

اور لقمشہ ــــ آپ لنگڑے، لولے اور کانے تھے ــــ اس معذور شخصیت نے بقول غازی صاحب ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ نکاح کیا اور اپنے کو نکاح کی مجلس میں دلہن کے پیش کیا تو اس نے اس "بدصورت" زمیندار کو بھری محفل میں مسترد (Reject) کیا۔ مورخ حسن لکھتے ہیں : " کہ دلہن کو اس نے گھر لایا، میاں بیوی کی خلوتِ زفاف کے دوران ملاقات ہوئی تو دلہن نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر کے دلہا کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس حادثہ سے متاثر ہو کر دلہا میاں گھر سے بھاگ چلے، وہیں سے پا پیادہ سفر محمود پر چل نکلے بارہ سال حرمین شریفین کے خاکِ پاک سے اپنے روح کی تطہیر کی۔ واپس وطن آئے تو بابا نصر صاحب[7] کی خدمت میں گئے۔ پھر ان کے بنے رہے۔ غازی صاحب اور حسن صاحب دونوں انہیں مجرد مانتے ہیں۔

جہاں تک بابا نصیب کا نوشتہ ہے وہ نہ معقول لگتا ہے نہ ممکن۔ کشمیری مسلمانوں میں کبھی بھی سوئمبر رچانے کی رسم موجود نہ تھی کہ سرِ عام مرد اور عورت کا نکاح ہوتا۔ یا امامِ مجلس دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے، اور پھر ایک دوسرے سے ملنے کے بعد پسند ناپسند کے بارہ میں رائے پوچھتے ــــ یہ سراسر غیر معقول لگتا ہے۔ ایسا تو مرحلہ نکاح طے ہونے سے پہلے ہی کیا جا سکتا تھا۔ اگر لولی حاجی کو اپنی بدصورتی کا احساس تھا، تو اس غرض کے لئے

Marfat.com

کہ آیا وہ حسینہ اس کو پسند کرتی تھی یا نہیں، وہ نکاح کے مراحل سے پہلے بلکہ منگنی سے پہلے ہی اپنے کو اُس کے پاس اُس کی مرضی کے لئے پیش کرتا۔ اس صورت میں مؤرخ حسن کا یہ لکھنا کہ: سہاگ کی رات میں اظہار ناپسندیدگی کا مرحلہ آیا تھا بالکل ممکن اور معقول لگتا ہے۔ حسن کے نوشتہ سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسی وقت وہ خوابگاہ چھوڑ کر چلا گیا تھا[1] یا رسمی طور سات دن گذارنے کے بعد وہ راہِ فرار لیتا ہے یا سال، دو سال بعد۔ یہ بھی کہیں ثابت نہیں ہے کہ حاجی لولی رشی کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کیا آپ نومسلم تھے یا آپ کے آبا نومسلم تھے یا آپ

حاشیہ[1]: ماضی قریب میں علامہ اقبال رح کی شخصیت کے سہارے کئی ہستیاں اردو ادب میں اپنا مقام حاصل کرنے کے تگ و دو میں رہیں۔ اس استحصال کا تسلسل جاری ہے۔ استحصال کے سکّہ کا دوسرا پہلو اوّل الذکر طبقہ کے دلائل کو ردّ کرنے سے اپنا مقام بنانا ہے۔ ہمیں اس اغراض کی تجارت سے غرض نہیں ہے میں علامہ اقبال رح کا ایک اوسط درجے کا عام طالب علم ہوں اور متاثر بھی ہوں علامہ کے اسلاف وغیرہ کے بارہ میں کسی تحقیق و تفتیش کا دعویٰ ہمیں نہیں ہے۔ ایک طبقہ نے علامہ اقبال رح کو تحصیل کلگام کشمیر کے موجودہ گاؤں چک چلبند کے اسی حاجی لولی رشی کے اولادوں میں جتلایا ہے جنکی ذات اقدس اس وقت راقم کا موضوع بحث ہے۔ اس مفروضہ کو رد کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ حضرت لولی رشی رح مُجرد تھے۔ اولاد انکے ہاں پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ یہ لوگ نورنامہ کے مصنّف بابا نصیب الدّین غازی رح کے اس تذکرہ کو سند کے طور پر پیش (اگلا صفحہ دیکھئے)

Marfat.com

غیر کشمیری اسلاف کی اولاد تھے، اس بارہ میں تاریخی تذکرات بالکل خاموش ہیں۔ لہٰذا اس کو کشمیری پنڈت قوم کے ساتھ وابستہ کرنا اور وہاں بھی کسی مخصوص گوترہ (سپرو خاندان) کے ساتھ بند کرنا بھی محض افسانہ طرازی ہے۔

آپ حضرت زُدگی ریشیؒ کی وفات کے بعد ۱۴۹۰ء میں خلافت کے مسند پر متمکن ہوئے۔ انیس سال آپ نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی اور ۱۵۰۹ء میں چرارِ شریف میں ہی وفات پائی۔ وہیں آپ کو مرقد علمدارِ کشمیر میں دفن کیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرتے ہیں جسکا نچوڑ ہم نے اوپر دیا ہے۔ مگر اُنکا بیان استدلال اور عقلِ سلیم کے تقاضات سے بعید ہے۔ اسی لئے ہم نے اُنکے بیان پر مؤرخ حسن کے بیان کو ہی فوقیت دی ہے۔ نصیب صاحب کے نورنامہ میں تاریخی اعتبار نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ کا نورنامہ نہ تاریخ ہے نہ تذکرہ، بلکہ آپ نے حضرت شیخؒ اور ریشی اولیاءِ کرام کے حوالہ سے اپنے متصوفانہ نقطۂ نظر کی ہی تشہیر کی ہے۔ اس طرح سے اس کتاب پر تصوف کے ایک رسالہ کا ہی رنگ جھلکتا ہے یہ ایک Mystic Treatise ہے۔ حتّٰی کہ بابا صاحب کی حاجی لولی کے سب سے چھوٹے مرید یوسف ریشی کے ساتھ برادرانہ مراسم رہے ہیں پھر بھی لگتا ہے کہ بابا صاحب نے تفتیشِ حالات کئے بغیر ہی لولی ریشی کے نکاح کا واقعہ لکھا ہے۔ مؤرخ حسن نے بھی حالات میں ابہام پیدا کیا ہے۔ وہ خلوتِ زفاف میں حاجی لولی کو لیتے ہیں مگر پھر بھی انہیں تشنہ کام ہی واپس کھینچتے ہیں۔ لگتا ہے کہ مؤرخ حسن حاجی صاحب کے براتیوں میں شامل تھے اور دُلہا پر نگاہ رکھتے تھے کہ اُس نے خلوت (حاشیہ مسلسل)

Marfat.com

منتشر واقعات کو استدلال کے رشتہ میں پرو کر لگتا ہے کہ آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی تھی، جس کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پچیس[۲۵] سال کی عمر تک آپ دنیا داری میں لگے تھے۔ گو کہ جسمانی طور معذور تھے مگر دولت مند گھرانے کے چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے خود کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسی نفاست طبع نے حسین ترین دوشیزہ کے انتخاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے واپس آکر غسل کیا تھا یا نہیں! اب ہم انسانی فطرت کے تقاضات کو مدنظر رکھکر فیصلہ لیں کہ سہاگ رات کو دلہا اور دلہن کو خلوت مہیا ہے۔ لولی صاحب جسم سے ضرور بہت حد تک معذور تھے، مگر مرد تھے۔ یہ ان کے اندر کا مرد ہی تھا جس نے جسمانی عذر کو نظر انداز کرکے عشق کیا تھا اور محبوب کے ساتھ شادی کی تھی۔ اس پس منظر میں محترم ڈاکٹر حیدری کا (ملاحظہ ہو شیرازہ، جلد ۷ شمارہ ۷ ۱۹۹۶ء) یہ کہنا کہ لولی حاجی کے ہاں اولاد نہیں تھی، معقول استدلال نہیں ہے۔ اگر ایک ہی رات ازدواجی تعلق قائم رہا تو نو ماہ کے بعد بچہ تولد ہو سکتا ہے ایسے بچے کی ولادت اس ایک رات کے شوہر کے ساتھ ہی وابستہ ہو پاتی حاجی صاحب کو جسمانی عذر تھا، مگر آپ ناکارہ بدن نہیں تھے۔ جیسا کہ نصیب صاحب نے بیان کیا ہے۔ یہ مسلّم امر ہے کہ آپ نے پاپیادہ سفر محمود طے کیا۔ ریو رشی آپکا مرید خاص آپکے گھوڑے کی رکھوالی کرتے ہوئے شہید ہوئے کیونکہ اسپ تازی پر فوجی کی نظر پڑ گئی، اس سے بھی مترشح ہے کہ آپ شہسوار تھے یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ ائمہ اسلام نے خلوت صحیح کو ہمبستری کا ثبوت تسلیم کیا۔

(The Consumation of marriage is presemed from Khilwat Privacy)

Marfat.com

پر دل نے مجبور کیا، مگر اس صدمہ سے دل برداشتہ ہوئے اور سامان سفر جو گھر میں ہر طرح مہیا تھا جمع کیا اور چلے حج کو۔ بارہ سال وہاں رہے، وہاں سے آنے کے بعد سات سال بابا الم صاحبؒ کی خدمت کی۔ اور پھر انیس سال خود جسمانی طور کمزور ہونے کے باوصف تحریک کو متحرک بنا دیا۔ زین العابدین کے عہد کے بعد کشمیر کے سیاسی حالات عوام کے لئے پریشان کُن تھے، عہد بڈشاہی ختم ہونے کے قریب کو ریشی تحریک کی منظم خدمتِ خلق کے عمل نے بہت بلا کا کیا تھا۔ یہ آپ کی ہی تجربہ کارانہ قیادت کا کرشمہ تھا کہ ریشی تحریک نے رفاہ عامہ کیلئے قابل انعام اہتمام کیا تھا۔

ریشی ہیروں

بدقسمتی سے ہمارے مورخوں نے ذاتی پسند اور ناپسند کو تاریخ نویسی کا معیار بنایا ہے۔ اسی طرح ہمارے تذکرہ نویسوں نے تاریخی واقعات کو بہت حد تک مسخ کیا ہے۔ انہی تعصبات کا نچوڑ ہے کہ اکثر تذکروں اور تاریخوں میں مرزا حیدر کاشغری کو کشمیری سُنّی مسلمانوں کے ہیرو کے طور پیش کیا گیا ہے۔ حتّٰی کہ وہ شخص ایک حملہ آور تھا جو اس قوم اور خطہ کو چغتائی حکمرانی میں لانے کی غرض سے حملہ آور ہوا تھا، اس نے یہاں یہ دیکھا کہ مقامی مسلمانوں کے دو فرقوں میں سیاسی کشمکش کا ماحول قتل و غارت کی حد کو پہنچا تھا تو اس نے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" (Divide & Rule) کی پالیسی کی علمداری میں اپنے کو سُنّی فرقہ کا نجات دہندہ پیش کیا۔ حضرت شیخ کے تذکرہ نویسوں نے اس حملہ آور کو عوامی مذمت

Marfat.com

کے خندق سے نکال کر مقبولیت کے درجہ کو پہونچا دیا۔ انہوں نے خود ایک خواب تراش کر اس پروپگنڈا کو عام کیا کہ کاشغری کو حضرت شیخ نور الدین خواب میں آئے تھے اور بشارت دی تھی کہ وہ کشمیر کو شیعہ تعصب سے آزاد کرے۔ اسی پروپگنڈا کا اثر ہے کہ چرار شریف کے کئی ان پڑھ شاعروں نے اپنے مناقب میں کاشغری کے اس خواب کو تلمیح بھی بنایا ہے۔ اگر حضرت شیخ نے اس کو خواب میں جلوہ دیا ہوتا تو وہ اپنی رقم کردہ تاریخ ——— "تاریخ رشیدی" میں اس کا تذکرہ کرتا مگر جس قلمی نسخہ کا میں نے مطالعہ کیا اس میں ایسا اشارتاً بھی نہیں ہے۔ حضرت رہپورشیی کو اسی نام نہاد "محسنِ کشمیر" کے فوج نے دن دھاڑے شہید کیا۔

حاشیہ میں ذکر آیا ہے کہ لولی صاحب شہسوار تھے۔ ان کی سواری کے گھوڑے کی تحویلدار رہپورشیی کر رہا تھا کہ کاشغری فوجیوں کی اس اسپِ تازی پر نظر پڑی اور اس کو جبراً لینے لگے۔ رہپورشیی صاحب نے لینے نہ دیا بلکہ بہادری سے مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں وہ مارا گیا جس طرح آج بھی قابض فوجی ہمارے شہیدوں کی نعشوں کی توہین کرتے ہیں۔ اسی طرح کاشغری فوجوں نے رہپورشیی کی لاش کو کتوں کے پاس چھوڑا مگر کتوں نے ہی اس کی رکھوالی کی اور گاؤں جاکر دیہہ باشوں کو اشارات سے موقع پر لایا۔ بدنِ اطہر کو گاؤں والوں نے پردہ کیا اور پھر حسکورہ گاؤں تحصیل پلوامہ میں اس کو دفن کیا گیا، آپ اسی علاقہ کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ مگر ریشی تحریک کے سربرآوردہ

Marfat.com

مجاہد گزرے ہیں۔۔۔ جہادِ دین۔۔۔ جہادِ اکبر اور جہاد اصغر میں تا ابد نام پایا۔

بابا رکن الدین عرف رِیپہ ریشی

آپ رنبپو ریشی کے بھائی تھے۔ آپ بھی بلوآمہ تحصیل کے موضع لاجورہ کے صاحب رسوخ گھرانے سے تھے۔ قرآن و حدیث کے مسلّمہ طالب علم تھے۔ فارسی ادب کا بھی خاص کر اخلاقیات کی کتابوں کا بھرپور مطالعہ تھا۔ عشقِ الٰہی سے سرشار رہتے تھے، اسی لگن نے حضرت لولی حاجی کی خدمت میں پہونچا دیا۔ جہاں سے خلعتِ ارشاد ملا۔ حضرت کی ذاتی زندگی کے دو واقعات سے ریشی تحریک کے دانا دشمنوں اور نادان دوستوں کے اس پروپگنڈا کا طلسم چکنا چور ہوتا ہے کہ ریشی تحریک بدھ بھکشوؤں اور ہندو مت کے سادھوں کی رہبانیت کا تسلسل ہے۔۔۔ یہ دو واقعات یوں ہیں:

ا۔ آپ ۱۵۰۹ء میں منصب خلافت پر متمکن ہوئے جب کشمیر اندرونی اور بیرونی خلفشار کی آماجگاہ بنا تھا۔ حکمران طبقہ تصادمات اور سازشوں میں لگا تھا۔ اس دوران صرف ریشی تحریک کے ارکان ہی گاؤں گاؤں، قریہ قریہ اور شہر کے ہر ایک محلے میں رفاہِ عامہ کے کام میں مصروف تھے۔ فوج کشمیر کے حسن کو ختم کرنے کے لئے شاہراؤں اور عام راستوں پر

Marfat.com

لگے ہوئے درختان کو اپنی ضرورت کے لئے بے دردی سے کاٹ رہے تھے تو یہ لوگ کشمیر کے ماحول کا حُسن قائم رکھتے ہوئے ان راستوں، پگڈنڈیوں پر پودے نصب کرتے تھے۔ تصادم، جنگ و جدل اور پریشان حالی میں مجبور لوگوں، یتیموں، بیواؤں اور مظلوموں کی امداد کرتے تھے۔ اس متوازی مگر عوامی حکومت کو چرار شریف سے ایک مردِ آہن ضابطہ کے ساتھ چلاتا رہا۔ مگر خود عبادت، ریاضت، تذکیۂ نفس میں سرِ مُو اوروں سے پیچھے نہیں ہے۔ اِن حالات کے باوجود بذاتِ خود ریشی سنٹر کی کھیتوں پر اپنی نگرانی میں کاشت کراتا ہے کہ کہیں کوئی بھی ریشی بھیک مانگ کر کھانے پر مجبور نہ ہو پائے یا ریشیت نذر و نیاز کی بدعت سے آلودہ نہ ہو پائے۔

خزان کے آخری ایّام تھے سردی شدّت کی ہے آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ رکن الدّین صاحب کا تجربہ کہتا ہے کہ بارش شدّت کی ہوگی، درجہ حرارت بھی گر سکتا ہے۔ بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رُکے گا نہیں۔ مگر زراری پورہ اور زراؤنی ریشی جاگیر کے دونوں گاؤں میں سب کھیت شالی کی کھڑا فصل سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ زراری پورہ آنے کو کہا، وہاں شالی کاٹکر اس کے انبار محفوظ جگہ پر جمع کرائیں۔ اتنے میں بارش بھی شروع ہوئی۔ آپ گھوڑے پر خود

Marfat.com

چل گئے، مگر نامساعد راستہ کی وجہ سے اس کے ساتھی ریشی نہ پہونچ پائے۔ شدت کی بارش میں اس نے رات بھر خود ہی تنہا متعدد کھیتوں سے کاٹا ہوا فصل اُٹھا کر خرمن میں پہونچا دیا۔ ایک کھیت کا فصل گھاس کے سمیت پہونچاتے تھے تو نفل کی دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔ اور اسی طرح جو بھی کاٹا ہوا فصل کئی کھیتوں کا وہاں پر تھا (بکھرا ہوا رکھا جاتا جس کو کشمیری ژیہ پھوٗن کہتے ہیں) اس سب کا بارش میں سڑنے کا امکان تھا۔ اس لئے رات بھر خود وہ ڈھوتے رہے اور محفوظ جگہ پر خرمن کیا۔

۲۔ دوسرا واقعہ ـــ جلد اوّل میں کہا گیا کہ نمک (ملاحظہ ہو جلد اوّل ص ۱۵۱) ضروریات زندگی میں ان دنوں کی درآمدی شئے تھی، جو کشمیر میں پنجاب سے لایا جاتا تھا اور دشوار گذار پہاڑی راستوں سے لانا پڑتا تھا۔ جب نمک کا سٹاک کشمیر میں کم پڑتا تھا تو زبردست ہاہاکار کا ماحول بنتا تھا۔ سرکار کو اس بارہ میں ان ایام میں کوئی پریشانی نہیں تھی کہ ضروریات زندگی کی بہم رسانی کے لئے کوئی قدم اُٹھاتی، ایسے مراحل پر بھی ارشی تحریک ہی عوام کی مدد کو آتی تھی۔ اور چرار شریف سے ہی اس کام پر زیر تربیت ریشی کو مامور کیا جاتا تھا۔ ایک سال ایسے ہی ایک جوان کو تھنہ (راجوری) نمک لانے کے لئے روانہ کیا جو ابھی اس تحریک میں نوآموز ہی تھا، پہاڑ کی چوٹی سر کرتے ہوئے پاؤں پھسل گیا اور گر پڑا۔ اس کا

Marfat.com

بچنا بھی ممکن نہ تھا مگر اچانک کسی نقاب پوش شخصیت نے
اس کی دستگیری کی اور پہاڑی کے دوسری طرف کو پہونچایا
گرنے وقت اس کو باباصاحبؒ کے لئے بد دعا منہ سے نکلی۔
جب نمک لے کر واپس آیا تو باباصاحب نے پوچھا: "کیوں بھئی بُرا
بھلا ہمیں کیوں کہا؟ میں تو آپ کے ساتھ تھا، تھوڑا ہی تمہیں
گرنے دیتا۔" نوجوان رشی شرمندہ ہوا اور ان کے مصاحب
سے تذکرہ کیا۔ مگر انہوں نے کہا کہ پیر اس دوران بالکل اپنی جگہ
سے ہٹے ہی نہیں تھے۔"

اس ایک واقعہ کا تذکرہ اسی لئے تذکرہ نویسوں نے کیا ہے
کیونکہ اس میں پیر صاحب کے طے مکان کا کرتب مضمر تھا۔ مگر افسوس
کہ رشی ناموں کے ان مصنفوں کو یہ شعور ہی نہ تھا کہ ان لوگوں کی
سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ وہ تذکیۂ نفس اور دن کی عبادت کے ساتھ
ساتھ ایک عوامی تحریک چلاتے تھے جو مفلوج گورنمنٹ کی جگہ لے چکی
تھی اور جو ملک کی خدمت میں منظم طور لگی ہوئی تھی۔ مگر افسوس ہے
کہ مؤرخین نے بھی اسی مواد شکستہ کو ماخذ بنا کر تاریخوں کو بھی کرامتوں
کا طومار بنایا ہے۔ لیکن انہی بکھرے ہوئے واقعات کو استدلال کے رشتہ
میں پرونے کی ضرورت ہے تاکہ ہم اس قوم کی ایک جامع تاریخ مرتب کریائیں
جو نہ صرف بادشاہوں کے کارناموں کا عمرانی تذکرہ ہو بلکہ کشمیر کا سوشل پولیٹکل
اور اقتصادی تاریخ بن سکے۔

بابا رکن الدین صاحب ۱۵۳۱ء میں وفات پا چکے ہیں۔ آپ کے مریدوں

میں سے اکثر بڑے صاحبِ شہرت اولیاء گزرے ہیں جن میں گنگی ریشی، بابا میہ تی ریشی، سگی ریشی، شہر ریشی، شیخہ ریشی عرف بالہ ریشی اور فستہ ریشی بہت مشہور ہوئے ۔ فستہ ریشی کا مریدِ خاص جُنید ریشی گزرے ہیں، جو آستانِ علمدار ؒ میں دفن ہے، اور جس کے اولاد ان سے بھی ایک طبقہ آستانِ عالیہ کا نذر و نیاز حاصل کرتا ہے اور بقولِ مورخ حسن یہ وُرثا "مذت کی آمدنیوں کے مالک" بن پائے ۔

یوسف ریشی

آپ بھی حاجی تولی ریشی کے مُرید خاص تھے اور جب ابوالفقراء بابا نصیب الدین غازی ؒ چرار شریف کی درگاہ پر حاضری دینے کو آیا کرتے تھے ۔ تو بابا یوسف ؒ کے حجرے کے مہمان ہوتے تھے، آپ بھی بابا صاحب کے ساتھ اکثر سیاحت پر جاتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ رفاہِ عامہ کا کام انجام دیتے تھے ۔ آپ کی وفات ۱۶۴۰ء میں ہوئی اور احاطہ آستانِ عالیہ چرار شریف میں آسودہ ہیں ۔

حضرت شیخؒ کے دیگر مصائب

گو کہ روایات سے پایا جاتا ہے کہ اپنی ہی عمر میں حضرت شیخؒ نے کشمیر کے اطراف واکناف میں ریشی کیڈرز (Caders) کا ایک وسیع جال بچھایا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں ان ریشی مراکز پر ریشیانِ کرام تربیت حاصل کرتے رہے۔ ان زیرِ تربیت ریشیوں کو اسلامی ڈسپلن کے سانچے میں ڈال کر انہیں ضبطِ نفس کی زبردست ٹریننگ دی جاتی تھی، اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں خدمتِ خلق کا جذبہ رگ وپے میں سرایت کیا جاتا تھا۔ پھر ان تربیت یافتہ ریشیوں میں باضابطہ درجہ بندی ہوتی تھی۔ ایسے تربیت یافتہ ریشی جنہیں دنیا کے ساتھ ایک قسم کی نفرت سی اُبھر آتی تھی، انہیں یا تو پیر اپنی خدمت اور مراکز کے لنگر خانوں کی خدمت پر مامور کرتے یا انہیں ذیلی مراکز کی نگرانی دی جاتی تھی یا انہیں سیاحت پر مفلوج، بیمار، معذور اور بڑے بوڑھوں کی خدمت یعنی خدمتِ خلق پر کشمیر کے مختلف پرگنوں کو روانہ کیا جاتا تھا۔ اس سب کا مقصد تبلیغِ اسلام تھا۔ اور ریشیت کا دائرہ بھی وسیع تر کرتے جائیں۔ لیکن اکثریت ایسے تربیت یافتہ ریشیوں کی بھی جنہیں جماعتی نظم ونسق کا پابند کیا جاکر سماجی اور معاشرتی زندگی کی جانب پھر سے عود کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنا گھر وبار بسانے کے پابند ہوئے جاتے تھے۔ اور انہیں اپنے کاروبار میں دل لگا کر جٹ جانے

Marfat.com

کے لئے رخصت کیا جاتا تھا۔ یہی مقصد تھا کہ ایک وسیع تر معاشرہ قائم ہو پائے جس کی بنیاد ہی خوفِ خدا، حبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، جذبۂ خدمتِ خلق، عذابِ قبر اور جہنّم کے خوف پر ہو۔ تا اینکہ ایسے صالح معاشرہ سے ایسے تمدن و تہذیب کا ارتقاء ہو پائے جو عظیم قدروں کا آئینہ دار بنے۔ اس طرح آپ سے آپ کے خلفاء اور دیگر مُریدوں سے، آپ کے خاص مراکز کیموہ، ترتمر، مختہ پوچھری، توہّن، ہوپخی پورہ، دریگام، رُوہ پہ دان اور چرار شریف سے، اور آپ کے قائم کردہ ذیلی مراکز سے یا آپ کے خلفاء کے قائم کردہ ذیلی مراکز سے تربیت یافتہ ہزاروں صالح شہری، معاشرتی اور تمدنی ارتقا پر حاوی ہو گئے۔ یہ تربیت یافتہ "شہری ریشی" مبلّغوں کا وہ گروہ تھا جو زبان سے نہیں بلکہ اپنی عمل سے اسلام اور ریشی مسلک کا تبلیغ کرتے تھے۔ یہ لوگ نہ محراب و منبر سجاتے تھے نہ ہی خطبے اور تقریر دیتے تھے، بلکہ اپنی عمل سے اس خاموش انقلاب کو رواں رکھے تھے جس کی وجہ سے دُور افتاد دیہات میں بھی (جہاں اکثر طور مبلّغ نہ پہونچے تھے) اکثریت کو مسلمان بنایا گیا اور اس نو مسلم معاشرہ کو اس راستہ پر گامزن ہونے کے لئے کاربند کیا گیا جو راستہ برحق تھا، وہ برحق راستہ بقول شیخؒ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے عمل نے متعین کرکے واضح طور نمایاں کیا ہے ؎

محمدؐ نہ ژور یارؓ برحق گنہ رکھ
تمن نش اندی دوُنیہک نیائے

Marfat.com

یعنے: (اس بات پر اٹل عقیدہ قائم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین (چار یار) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم برحق ہیں (اور باقی باطل) انہیں کے (دکھائے ہوئے راستہ سے) تم دنیا کے تمام عقدے حل کرو گے۔)

اصحاب صفہؓ کے اتباع میں ان تربیت یافتہ ریشیوں کی اقلیت معاشرتی زندگی کی جانب نہ چلی، ان میں سے اکثر لوگوں نے اپنے آپ کو خدمت خلق اور اشاعت دین حق کے لئے وقف کیا۔ ایسے گروہ سے تذکرات کے مطابق ۳۶۰ (تین سو ساٹھ) ایسے ریشیان کرام ہیں جو اس عہد کے (پندرھویں صدی ہجری) ممتاز اولیائے کرام میں شامل تھے۔ ان تین سو ساٹھ ریشی اولیائ میں سے صرف چار خلفائ کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خلعت ارشاد سے سرفراز کیا تھا، اور انہی چار واسطوں سے مسلک ریشیت کا اجرا ہوا۔ ہم عرفان کے ان چار سیلِ رواں کا تفصیلی تذکرہ کر چکے ہیں۔ دیگر ۳۵۶ ریشی اولیائ کا تذکرہ ممکن نہیں ہے اور نہ ان سبھوں کے بارہ میں حالات معلوم ہیں حتیٰ کہ اسمائے گرامی بھی معلوم نہیں ہے۔ البتہ اُن خاص مصاحبان حضرت شیخؒ کا تذکرہ لابدی بنتا ہے جو داستان علمدار کے معاون کردار ہیں۔

یہاں پر تذکرہ لازم بنتا ہے کہ یہ تعداد چونکہ خاص الخاص کیڈر (Cader) کی تھی۔ اس لئے تاریخوں میں تعداد کا تذکرہ آیا مگر عام ریشیوں کی تعداد ہم تک نہ پہونچ پائی۔ اور ان ریشیوں کا اشارہ بھی

Marfat.com

نہیں ملتا ہے جو تربیت حاصل کرکے سماجی زندگی کی طرف پھر رجوع کرتے تھے ۔ ؎

سِدہ شرکنٹھ :- یہ مہا پنڈت پدم پور (پامپور) کے پروہت اور مٹھ دار تھے ۔ للہ عارفہؒ ان کی شش تھی اور آپ للہ کے گرو تھے ۔ للہ نے اس سے روحانی تربیت حاصل نہ کی تھی، بلکہ للّٰہ نے ظاہری طور کسی پنڈت یا پیر کے پاس زانوئے ادب تہہ نہ کیا تھا بلکہ سدہ شرکنٹھ للہ کے میکے والوں اور سسرال والوں ۔ دونوں گھرانوں کے گرو تھے ۔ اس واسطے سے پنڈت جی للّٰہ کو اس کے بچپن سے ہی جانتے تھے اور اس ذات میں چھپی ہوئی روحانی صلاحیتوں کا کما حقہٗ عرفان رکھتا تھا ۔ للّٰہ عارفہ جب دُنیا چھوڑ کر دیوانہ وار برہنہ ملک میں گھومتے پھرتے دانائی کے موتی بکھیر پھرتی تھی تو ابتدائی دور سے ہی آپ سدہ شرکنٹھ کے مٹھ پر بھی نازل ہوتی رہی ۔ (تذکرہ ص' ن - جلد ۱ ص ۱۶۷)

جو پہلی شخصیت غار کیموہ میں شیخؒ کے حلقہ میں شامل ہوئی وہ تازی بیادکی ہے جو بعد میں بابا تاج الدین کے نام نامی سے مشہور ہوئے ۔ مگر راقم کی رائے میں غار جانے سے پہلے بھی حضرت شیخؒ کے قدر دان، مدّاح اور معتقد موجود تھے جن میں حضرت سید سمنانیؒ اور سید حیدر سمنانیؒ بھی مانے جاتے ہیں ۔ خی جوگی پورہ کا مُقدم محسن علائیؒ بھی تھے ، اور بھی ایسے لوگ

Marfat.com

تھے جنہوں نے بس آپ کا اشارہ پاتے ہی پتھروں اور چٹانوں کا فرہاد وار جگر چیر کر حضرت شیخؒ کے خلوت کے لئے مہیب جنگل میں ایک غار کھودا تھا۔ البتہ جو عظیم شخصیّت حضرت شیخؒ کے ہاتھوں مسلمان ہو کر پہلا مُرید بنتا ہے۔ وہ سدہ شرکنٹ ہی ہے۔

میرے خیال میں للہ عارفہ نے سدہ شرکنٹ کو حضرت شیخؒ کی صحبت میں ان کے خلوت غار کے مرحلہ سے قبل ہی لایا تھا اور شرکنٹھ صاحب حضرت شیخؒ کے مُرید ہوئے تھے۔ (تفصیل..... جلد اوّل میں پڑھیں۔)

باباتاج الدّین

حضرت شیخ کے تذکرۂ اقامتِ غارِ کیموہ میں بابا صاحبؒ کا تفصیلی تذکرہ آیا ہے ــــ آپ اُس وقت یعنی ١٤٠٢ء میں جنوبی کشمیر کے اہم اور بارعب پولیس آفیسر تھے آپ کو ڈبل مرڈر ــــ (Double Murder) الزام میں حضرت شیخؒ کو گرفتار کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا ـــ اور پھر آپ وہاں پر کن حالات میں حضرت شیخؒ کے قدموں پر گر گئے۔ وہ تفصیل آچکی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپکے دریفِ پر تکمیل عرفان پاکر آپ کو وترہ ہیل کے سنٹر پر تعینات کیا گیا تھا۔ پہلے آپ بابا لطیف الدّینؒ کے ساتھ رہے پھر جب بابا صاحب کو " پوشکر" جانے کا حکم ملا تو یہ تبلیغی مرکز بابا تاج الدّینؒ

Marfat.com

کی نگرانی میں دیا گیا۔ وتروہیل میں آپ کا روضہ مرجع عقیدت بنا یا ہے جہاں مرکزی کشمیر کے معتقد آئینۂ ضمیر کو صیقل کرنے کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ میری رائے میں آپ ۱۴۵۰-۵۲ء کے دوران وفات پا چکے ہیں۔

بابا قیام الدین ریشی

آپ پرگنہ دیوسر کلگام تحصیل کے منزگام کے رہنے والے تھے۔ وقت کے مشائخ اور اولیائے کرام کے ساتھ تعلق بڑھایا تھا، جو بھی بہت مرتاض اور خدا رسیدہ تھے۔ مگر راہبر کامل کی تلاش کی لگن نے مضطرب رکھا تھا۔ حضرت شیخ ؒ "زنمر" میں اقامت کے دوران تحصیل کلگام کے مختلف پرگنہ جات کے علاوہ برنگ، کوٹہار، شاہ آباد وغیرہ پرگنہ جات میں بھی (جو آج تحصیل ڈورو یا اسلام آباد تحصیل کے وابستہ ہیں) تبلیغی سیاحت پر رہتے تھے اور اسی دوران علاقہ دیوسر میں ہی قیام الدین صاحبؒ حضرت شیخ ؒ کے صحبت میں آگئے، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ یہ ۱۴۱۲ء کے بعد واقعہ ہے۔ پھر ریشی مسلک کے مطابق عبادت گزاری میں مصروف رہے۔ اور اس پرگنہ میں ریشی تحریک کے "پرگنہ دار" یعنی پرگنہ کے امیر رہے۔ حضرت شیخ ؒ کے وصال کے بعد صرف چھ ماہ بقید حیات رہے۔

Marfat.com

بابا بدر الدّین ریشی

آپ موجودہ ٹنگمرگ علاقہ کے ایک گاؤں کے پیش امام تھے — حضرت شیخؒ کے مرید ہوئے اور پرگنہ بانگل میں دفن ہیں۔

بابا صدرالدّین

آپ بدرالدّین صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، اپنے بھائی کے اثر سے آپ بھی حضرت شیخؒ کے حلقہ ارشاد میں آگئے۔ بانگل علاقہ کے موضع صابلی کی مسجد شریف میں تبلیغ کرتے رہے، اور وہیں اپنے بھائی کی قبر کے پہلو میں ان کی قبر ہے۔

دتی ریشی

آپ بدرالدّین ریشیؒ کے سامع اور اُس مسجد شریف کے مؤذن تھے جہاں بدرالدّین صاحب نماز پڑھاتے تھے۔ بدرالدّین صاحب کی صحبت میں دربارِ علمدارؒ میں آئے "ہونچی پورہ" بیروہ پہونچے تو وہیں انکے مرید ہوگئے۔ بانگل کے صابلی گاؤں میں وفات پائی، وہیں بدرالدّین صاحب کے پہلو میں دفن ہیں۔

سوزن ریشی

جلد اوّل میں تذکرہ آیا ہے کہ جب حضرت شیخ نورالدّین رحمۃ اللہ علیہ جنوبی

Marfat.com

کشمیر کے دورہ کے دوران شاد آباد گاؤں پہونچے وہاں ایک گاؤں "ہلر" میں ایک جولاہے کو دن و رات کی عبادت میں مشغول پایا، مگر اس میں خلوص اور خشوع نہ ہونے کے برابر تھا، بلکہ سارا دکھاوا تھا۔ کیونکہ اس نے ایک بوڑھے درخت کے کھوکھلے تنے میں کھڑی نصب کی تھی، اسی پر جولاہے کا کام بھی کرتا تھا اور وہیں پر عبادت گزارتی بھی۔ مرتاض ریشیوں کی طرح ہی سادہ غذا کھاتے تھے، صرف سوکھی سبزیاں۔ جب حضرت شیخؒ نے اس کو زہد و تقویٰ میں یوں منہمک دیکھا تو ذرا دھیان دیا اور حقیقت کھل گئی کہ جس طرح کھوکھلے تنے کا اندرون خالی تھا، اسی طرح اس تنے میں بیٹھے ہوئے سوزن جولاہے کا اندرون خالی پایا۔ حضرت شیخؒ نے اس کو متنبہ کیا۔ وہ اپنی ریاکاری پر شرمندہ ہوا اور شیخ صاحب کا طالب بن گیا۔ پھر حضرت شیخؒ کے ارشاد کے مطابق "ہلر" سے اس کو ہجرت کا حکم ہوا۔ اور "پران جھون" گاؤں میں ریشی مرکز قائم کرنے کا ارشاد ملا۔ باقی عمر وہیں پر عبادت اور تبلیغ دین میں گزار دی۔ علاقہ کے تبلیغی سیاحت پر تھے کہ "ہنگرواری" گاؤں میں بیمار ہوئے، وہیں انتقال کیا اور وہیں اُن کو دفن کیا گیا۔ قبر پر علاقہ کے لوگوں نے روضہ تعمیر کیا جو اب بھی اس علاقہ میں عقیدت کا مرکز بنا ہے۔

مولانا مانک ریشی

کئی تذکروں میں آپ کا نام نیک ریشی درج ہے۔ مگر معتبر طور آپ کو

Marfat.com

مولانا مانک کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ آپ قرآن و حدیث، فقہ اور اصول کے زبردست عالم تھے۔ سرینگر میں درسِ قرآن کا ایک مدرسہ بھی چلاتے تھے۔ آپ کے مدرسہ سے فارغ التحصیل طلباء بھی عالموں کے صفوں میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت شیخؒ اور ان کی ریشی تحریک کی جتنی مقبولیت بڑھتی گئی، اسی تناسب سے دشمن بھی بڑھتے گئے۔ ان دشمنوں کے پاس اُچھالنے کے لئے کوئی مواد نہیں تھا، لے دے کے اٹک گئے۔ ایک الزام پر کہ دین کی قیادت ایک "اُمی" (اَن پڑھ) کے ہاتھوں میں دین کے لئے ایک خطرہ پیدا کرتی ہے۔ یہ حق ہے کہ حضرت شیخؒ نے کسی مکتب یا مدرسہ سے علمی سندات حاصل نہ کیں تھیں۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے باضابطہ طور فارسی یا عربی زبانیں پڑھی ہی نہ تھیں، لیکن علم ایک یا دوسری زبان جاننے پر موقوف نہیں ہے۔ حضرت شیخؒ کے اشعار سکۂ مروجہ کی طرح کشمیر کے علمی اور ادبی بازاروں پر حاوی ہو جاتے تھے۔ آپ کے دہانِ مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک شعر روزمرہ میں داخل ہو کر مروجہ زبان کا حصہ بن رہا ہے۔ اسی حالت نے مدرسوں اور پاٹھشالوں پر بھی ریشی مراکز اور ذیلی مراکز حاوی کئے تھے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو شیخؒ صاحبؒ نے عوام فہم مروجہ دلنشین پیرائے میں مختصر نظموں، قطعات و رباعیات میں نظم کیا تھا، اور منظوم دینیات کا چلتا پھرتا مدرسہ ہر ایک ریشی کا سینہ تھا، ہر زبان پر کوئی نہ کوئی شعر حضرت کا آ چڑھا تھا۔ ادھر ان مدرسوں سے فارغ التحصیل طلباء اکثر طور نو مسلم آبادیوں میں نو تعمیر مسجدوں کے پیش امام یا واعظ بنتے تھے۔ بد قسمتی سے شیر دیت نوازی کا برہمنانہ رواج نو مسلم معاشرہ میں بھی داخل ہوا تھا اور اسی طرز پر

Marfat.com

مُلّا (عالم) کا منصب بھی ایک طرح کا منفرد ادارہ بنا۔ یعنی یہ منصب بھی institutionalise ہوا اور مولوی صاحب بھی نذرونیاز کی عادت میں پڑ گیا تھا۔ اس معاملہ میں ہماری تاریخیں کوئی مواد فراہم نہیں کرتی ہیں، کیونکہ وہ محض بادشاہ نامے (Kings Chronicles) ہیں، مگر کلام شیخؒ سے اس بارہ میں مُکتفی شہادت موجود ہے ان مولویوں جن میں نذرانوں کی لت پڑی تھی، عام لوگوں میں خطاب "ملّہ" پڑ گیا۔ اور "ملّہ" کو حضرت شیخؒ نے طعن وتشنیع کا ہدف بنایا، یہ طنز بھرے اشعار آپ کے تیر و تفنگ کا کام کر گئے اور ملاؤں کا یہ نو آموز طبقہ حضرت شیخؒ کی "بے علمی" کو بے نقاب کرنے پر تلے ہوئے تھے تو مختلف علاقوں سے مُلّا مانک کے شاگرد استادؔ کے پاس سرینگر آئے اور ان کی قیادت میں "رُوپہ ون" حضرت شیخؒ کے آبائی جاگیر پر چلے گئے جہاں وہ ان دنوں اقامت پذیر تھے۔ یہ واقعہ ۱۴۲۰ء کے قریب یا اس کے بعد کا ہے۔ یہاں پر مباحثہ اور مناظرہ ہوا، جس میں حضرت شیخ نورالدّین ولیؒ نے فقہ کے ایک سو تیس (۱۳۰) مسائل کو نظم کیا۔ جن میں نماز، وضو وغیرہ کے نسبت فرائض و سنن کی تفصیلات ہیں۔

اس واقعہ کے بعد خود مانک بابا اور اس کے شاگرد جن کی تعداد تین سو بتائی جاتی ہے حضرت سے ارشاد و بیعت حاصل کر کے ریشی تحریک کے سرگرم ارکان بن گئے۔ ان میں شریف اشوار بھی تھا۔

یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ تذکرہ نویسوں نے شیخؒ کے

Marfat.com

ہر کارنامہ کو کرامتوں کا ایک سلسلہ بنا دیا ہے۔ کرامت تو حقیقتاً یہ ہے کہ اپنے خلوص اور صداقت سے حضرت شیخ ؒ نے تین سو طالب علموں کو خلوص اور عمل کا آئینہ دار بنا دیا۔ مگر ہمارے تذکرہ نویسوں اور مؤرخوں نے زور اس پر دیا کہ جس پتھر پر حضرت شیخ ؒ نماز ادا کرتے تھے اور صرف ایک آدمی کے نماز پڑھنے کے لئے مکتفی تھا اسی پر تین سو لوگوں نے نماز ادا کی' یہ افسانہ طرازی انحطاط کی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ کچھ نیم خواندہ شاعر اپنے مناقب میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ حضرت شیخ ؒ واقعی ایک جندہ پوش بے کار شخص ہڈیوں کا ڈھانچہ خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی کانگڑی میں آگ کے انگارے بجھ چکے تھے کہ مانک شاہ کا یلغار ہوا تو حضرت شیخ ؒ نے کانگڑی سے ایک بجھا ہوا کوئلہ نکال دیا اس سے پھونک دیا اور اسی کوئلہ نے کٹیا (خانقاہ) کی دیواروں پر کئی سو اشعار رقم کئے۔ پتہ نہیں کہ ہمارے تذکرہ نویسوں پر کرامات کا بھوت کیوں چڑھا تھا۔

حضرت شیخ ؒ نے ان مسائل پر مبنی اشعار لکھ کر نہ صرف اپنے عالم ہونے کا سکہ بٹھایا بلکہ ایک عظیم شاعر ہونے کا برمحل ثبوت دیا تھا آپ نے جغرافیہ کی واقفیت سے حاضرین کو دھنگ کیا تھا۔

مُلّا مانک سنگیہ واپس آئے تو کلامِ شیخ ؒ سے اپنے موعظ کو مرصع اور سحر آفرین بنایا۔ شاید آپ نے ہی موعظ میں کلام اللہ اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ کلامِ شیخ ؒ پڑھنے کی روایت پیدا کی۔ جو زاں بعد کشمیری وعظ خوانی کا حصہ بن گیا اور حضرت شیخ ؒ کا

Marfat.com

ایک خطاب "واعظِ کشمیر" بھی پڑا۔

لچھم ریشی اوّل ، لچھم ریشی دوم

یہ دونوں حضرات چرار شریف میں حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے لنگرخانہ کے ساتھ وابستہ تھے۔ اوّل الذکر کے چارج میں وہ اناج رہتا تھا جو لنگر میں کھانا تقسیم ہونے کی غرض سے پکایا جاتا تھا اور دوسرے کو ایندھن وغیرہ کی فراہمی کا کام سونپا گیا تھا۔ لچھم ریشی اوّل حضرت شیخ ؒ کی وفات کے بعد اس دُنیا سے گزر گئے۔ مرقدِ شیخ میں ہی جنوب کی جانب ان کی قبر ہے۔

لچھم ریشی دوم بابا نصر کے عہدِ خلافت تک لنگرخانہ کے انتظام کے ساتھ وابستہ تھے پھر اپنے پرگنہ کی جانب چلدیئے، وہیں کھجوارہ گاؤں کے نشیبی جگہ پر ان کا مقبرہ ہے۔

بابا قطب الدّین

تذکرہ حصّہ اوّل میں آیا ہے کہ ایک ہندو ودوان کسی پنڈت راہبر کی تلاش میں حضرت شیخ ؒ کے پاس پہونچے۔ شاید ان کی ملاقات دریگام میں ہوئی ہے۔ علاقہ راتھن کے ایک گاؤں میں گھر تھا۔ یہ فلسفہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ حضرت ؒ کے پاس پہونچ کر وہ اطمینان

Marfat.com

آپ کی دہلیز پر پایا جس کو حاصل کرنے کے لئے اس کو پورے کشمیر کو چھاننا پڑا تھا سادھوں اور سنتوں کے دامن پکڑے تھے اور نادر و نایاب مخطوطات کو ٹٹولا تھا، بلا کسی تامل کے مسلمان ہوئے اور ریشی تحریک کے دبیر عمومی اور سربراہ تحریک حضرت شیخ العالم رحمتہ اللہ علیہ کے دبیر خصوصی بھی بن گئے۔ کلام شیخؒ کا شمار دار رسم خط میں پہلا نور نامہ مرتب کیا، بلکہ آپ نے ریشی تحریک کے روزمرہ واقعات پر مبنی ملفوظات شیخ بھی مرتب کئے۔ دونوں اہم دستاویزات دست برد زمانہ سے ہم تک نہ پہنچے۔ بابا قطب الدین کا روضہ ان ہی گیارہ قبروں سے متصل تھا۔ جو آستانِ عالمدار میں اس وقت نمایاں ہیں

حضرت سنگرم ڈار

عام تاثر یہ دیا گیا ہے کہ آپ موجودہ چرار شریف میں روضۂ شیخؒ اور خانقاہِ عالیہ کے تحت و لوابع اراضی کے مالک تھے، اور آپ حضرت شیخؒ کے مرید بنے۔ پھر تذکرہ نویسوں کی متفقہ روایات سے آپ رُوپہ وَن حضرت شیخؒ کے پاس جاتے ہیں اور ان کی منت سماجت کرکے چرار شریف لاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ رُوپہ وَن گئے وہاں حضرت کے پاؤں پڑے، اُن کی منت سماجت کی اور انہیں چرار شریف آنے پر آمادہ کیا۔ اس منت سماجت کی ایک وجہ تھی۔ رُوپہ وَن کی جاگیر راجہ سہدیو کے حکم سے "خمنی دالو" نے حضرت

Marfat.com

شیخ ؒ کے پڑدادا کو دی تھی۔ پھر کچھ عرصہ بعد "خمنی والو" کی چھوٹی ریاست تیاسر کو دشمن پاؤں تلے رُوندتا ہے اور حضرت شیخ ؒ کا پڑدادا "ہنر سنر" جو خمنی والو کے قلعہ دار تھا، یہاں سے بھاگ کر گدھ ستھو تحصیل چاڈورہ پہونچ جاتا ہے۔ یہاں بھی اس کی قسمت اس کو اور اس کے بیٹے کو پریشان رکھتی ہے۔ اس پریشان حالی میں سنگرم ڈار کے اسلاف حضرت شیخ ؒ کے اسلاف کی جانب جاگیر کے جزوی حصّہ کے کاشتکار مقرر ہوئے۔ پھر ہنر سنر کا پوتا سلر سنر (شیخ صاحبؒ کے قبلہ گاہ) بالکل پریشان حالی میں گدھ ستھو کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور تلاشِ اطمینانِ قلب میں سارے کشمیر میں بھٹکتے رہے اور لازماً سنگرم ڈار کا والد صاحب اس اراضی کے لئے کسی کے پاس جواب دہ نہ رہے اور اپنی زیر تصرّف اراضی پر اپنے کو مالک تصوّر کر گیا۔ اور باپ کے بعد سنگرم ڈار کو اس خطہ اراضی کا مالک کامل ہونے کا یقین تھا۔ شیخ اس سارے ملک میں کسی فرد یا ادارہ یا سرکار کا احسان لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ دریگام سے آیا اور اپنے اسلاف کی جاگیر رُوپہ وَن کو حاصل کیا۔ اب مواضعات شیٹ واری، وُوگجر منڈو، ڈوفی کلی نار (یہ تین محال اب پُرانا چرار شریف قصبہ ہے) ژراری پورہ، ژرائونی اور ارزن گرزن حاصل کرتا تھا۔ ان سارے مواضعات میں "شیٹ واری" کا قطعہ اراضی آپ نے اپنے مرکز کا صدر مقام اور ابدی راحت کا مبارک مقام تعین کیا تھا۔ مگر یہاں تو باغ سنگرم ڈار اُس کے مکانات وغیرہ تھے۔ حضرت شیخ ؒ نے اپنے حق کا مطالبہ کیا، مگر سنگرم ڈار نے اوّلاً ان کا مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ حضرت شیخ ؒ اپنے

Marfat.com

ہیڈکوارٹر رُوپہ وَن گئے، یہاں سنگرم ڈار کا ضمیر اضطراب میں رہتا ہے اور شیخ کو منوانے کا مرحلہ آیا۔ اس کی منت سماجت کام آئی دُنیاوی طور سنگرم ڈار نے قربانی دیدی۔ شہرت داری سے اپنا قبضہ برداشت کیا۔ جس کے عوض حضرت شیخؒ نے اس کے بیٹوں کو "ترزادُنی" کی زرعی زمین کی کاشتکاری عطا کی۔ یہ دُو بیٹے اسماعیل اور یوسف "ترزادُنی" گئے۔ یہاں سنگرم ڈار، اس کی بیٹی اور بیوی حضرت شیخؒ کی خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ اسی دوران حضرت شیخؒ نے اس جگہ پر ایک خانقاہ، لنگر خانہ، تربیت گاہ قائم کئے۔ سنگرم ڈار کی بیٹی کا نکاح رُوگی ریشی سے کرتے ہیں، سنگرم ڈار اپنے داماد رُوگی ریشی کے دورانِ خلافت میں ہی لمبی عمر پاکر وفات پاتے ہیں اور ان کا الگ چھوٹا سا روضہ آستان عالمدار سے کچھ دوری پر شمال کی جانب بنایا گیا اور آج تک کئی بار اس روضہ کی تجدید ہوئی ہے مئی ۱۹۹۵ء میں یہ روضہ بھی نذرِ آتش ہوا ہے۔ اور از سرِ نو تعمیر کے لئے تڑپتا ہے۔

رُوپہ ریوش (رُوپی ریشی)

تذکرات میں "رُوپی ریشی" نام درج ہے جو ایک اور مثال اس

Marfat.com

بارہ میں ہے کہ غیر زبانوں نے ہمارے اسلاف اور ہمارے قصبہ جات اور دیہات کے نام مسخ کیئے، اور ہم بھی اپنے اسلاف کی شناخت نہیں کرپاتے ہیں۔ رہ بچھ "کشمیری میں چاندی کو کہتے ہیں یا تو رہ بچھ (چاندی) آپ کا نام ہی تھا یا کسی وجہ سے اُن کی کُنیت بنا تھا۔ اگر آپ کا نام "رہ بچھ" تھا تو یہ عندیہ ملتا ہے، چودھویں، پندرھویں صدی میں ہمارے اسلاف کے نام اکثر طور مختلف چیزوں سے وابستہ تھے جن میں دھات بھی قابل ذکر ہیں۔ "سُنہ ریوش" (طلاً، سونا) بھی ایک ریشی کا نام ہے۔ رُوبچھ ریشی کے حالاتِ زندگی اتنے ہی معلوم ہیں کہ آپ حضرت شیخؒ کے چہیتے مُرید تھے۔ بلکہ ان کے ذاتی خادم تھے۔ پرگنہ ونتر میں ان کا مزار ہے۔

سِدہ ریشی

"سِدہ" ـ سادہ یا سادھو سے مشتق ہے۔ اِس زمانہ میں "محمد صدیق" نام کا مخفف "صِدہ" ہے۔ آپ علاقہ ناروَو (موجودہ نور آباد تحصیل کاگام) کے کھلؔ گاؤں کے تھے۔ وہیں حلقۂ ارشاد میں شامل ہوئے، وہیں عبادت گزاری اور تبلیغ میں مصروف ہوئے، وہی واصلِ بحق ہو کر دفن ہیں۔ آپ سے تربت

Marfat.com

یافتہ بہت ہی ریشی صاحبان خود ولایت کا مرتبہ حاصل کر گئے۔ ان میں بھی دین، زینی ریشی اور فیروز مشہور ہیں۔ اس طرح جو فیض آپ نے حضرت شیخؒ سے پایا وہ آپ نے اوروں تک بھی پہونچایا۔

بابا فیروز ریشی

آپ دریگام میں حضرت شیخؒ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت میں صاحبِ کشف و کرامات بن گئے۔ پھر مرشد نے آپ کو الگ ذیلی سنٹر کا انچارج موضع بارودہ میں مقرر کیا۔ بارودہ تحصیل چاڈورہ میں واقع ہے۔ بابا صاحب کا مقبرہ یہیں پر مرجعٔ عقیدت بنا ہوا ہے۔

بابا گلاب ریشی

آپ بھی کھل پرگنہ ناروا ڈسے تھے، اور زمرہ میں حضرت شیخؒ کی صحبت میں آئے۔ پھر جنوبی کشمیر کی سیاحت کے دوران حضرت شیخؒ کے ساتھ رہے، وہیں موضع کھل میں دفن ہیں۔

بابا سیّد غلام الدّین

آپ کے بارہ میں تاریخی واقعات بہت مبہم ہیں اور متنازعہ بھی۔ بابا نصیب الدّین غازیؒ کے قول کے مطابق حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کے مؤذن تھے۔ مگر بعد میں لکھے گئے تذکراتِ

Marfat.com

شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کشمیر آئے تھے اور انہی کے موذن تھے۔ ان تذکرات میں درج ہے کہ آپ اس وفد میں شامل تھے جن کی قیادت حضرت میر ہمدانیؒ کرتے تھے اور جو حضرت شیخؒ کے وفد کے ساتھ بمقام کوتھر کرالہ پورہ یا زالسو چرار شریف ملاقی ہوا۔ زیادہ زور موخر الذکر جگہ پر ہی دیا گیا ہے۔ یہ بھی تذکرات میں پایا جاتا ہے: کہ جب آپ اس ملن میں مغرب کی اذان دینے کے لئے کھڑا ہوئے تھے، حضرت شیخؒ نے انہیں اذان دینے سے منع کیا۔ سید صاحب کے دل میں خیال آیا: کہ " ان پڑھ" وقت کی شناخت کیا جانے۔" شیخ نے اس کو بلا کر اپنے پاس لایا، ہاتھ سر پر رکھا تو سید صاحب کی نظر کھل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ عرش معلیٰ پر اذان دینے پر مقرر فرشتہ ابھی اپنے پنکھ ہی پھیلا رہا تھا۔ ان تذکرات کے مطابق یہ کمال دیکھ کر آپ نے اپنے آقا حضرت ہمدانیؒ سے استدعا کی کہ انہیں نور الدین کشمیریؒ کی تربیت میں دیا جائے۔ تو ہمدانی ہمؒ نے استدعا قبول فرما کر آپ کو حضرت شیخؒ کے سپرد کیا۔ پھر آپ نے حضرت شیخؒ سے رشد و ہدایات حاصل کر کے ریشی مسلک کے ذریعہ ہی ولایت میں کمال حاصل کیا۔

حصہ اول میں " میر محمد ہمدانیؒ اور شیخ نور الدینؒ " کے ذیلی عنوان کے تحت قصہ سید علاء الدین صاحب بھی (ص ۱۹۸ تا ۱۲۲) زیر بحث آیا ہے۔ اسی بحث کی روشنی میں میری یہ رائے ہے کہ سید صاحب

Marfat.com

نہ ہی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے موذن تھے، نہ آپ میر محمد ہمدانیؒ کے کسی وفد میں شامل حضرت شیخؒ سے ملے تھے۔ میری رائے میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ ۱۴۰۶ء میں کشمیر میں بارہ سال قیام کر کے واپس گئے۔ ان کے قیام میں اٹھارھویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے دس سال کا اضافہ کیا ہے وہ قابل پذیرائی تصور نہیں کیا گیا کیونکہ ایسا ابتدائی تاریخی حوالوں سے غلط ثابت ہے۔ یہ غلط بیانی کسی حوالہ کے بغیر کی گئی ہے اور خاص مقصد کے تحت کی گئی۔ ایسی غلط بیانی تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ خیر پھر آپ کے یہاں سے جانے کے بعد ریشی اولیا کرام اور سادات میں ایک مخاصمت کی فضا قائم کی گئی اور سلطان سکندر کے دربار پر چھائے ہوئے خارجی افسر شاہی اور برہمن بروکریٹ حضرت شیخؒ کے خلاف سازش میں لگتے ہیں تو حضرت شیخؒ کے قید و بند کا بھی مرحلہ آیا تو تبلیغ اسلام کو اپنا واحد مقصد جاننے والوں نے (جو دونوں صفوں میں موجود تھے) کسی نہ کسی ذریعہ میر محمد ہمدانیؒ کو اطلاع بھیج دی۔ انہوں نے اپنے وطنِ مالوف سے ہرن کی کھال پر ایک خط (جس سے بعد میں خطِ ارشاد کہا گیا۔) بذریعہ سید غلام الدین روانہ کیا۔ میری رائے میں اس خط کے ساتھ الگ ایک خط یا مشمولہ خط Covering-Letter سلطان سکندر کے نام پر تھا۔ سلطان نے فوراً حضرت شیخؒ کے ساتھ درباری زیادتیاں ختم کرنے کے ہدایات صادر کیں ہوں گیں اور حضرت شیخؒ کے نام حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے خط پر اپنی مہر بھی ثبت کی، مگر سازشی عناصر جس میں شاید ہمدانی صاحب

Marfat.com

کا سسر سیف الدین ملک بھی شامل تھے۔ سید غلام الدین کے ذہن میں حضرت شیخؒ کے بارے میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اسی کشمکش کی نفسیات میں کچھ غیر معقول تاخیر کے بعد سید غلام الدینؒ حضرت شیخؒ کے پاس پہنچتا ہے، ذہن پہلے مسموم کیا گیا تھا۔ غلام الدین صاحب اسی شک و ریب کی نفسیات میں مغلوب اوّلاً تو کچھ سوالات حضرت شیخؒ سے پوچھتے ہیں جن کا جواب شیخؒ بہت منکسر المزاجی سے دیتا ہے، مگر ان کا کسرِ نفسی ان کے طالب برداشت نہیں کرتے ہیں اور ان کی دو طالبات "دیبت" اور "بہت" ایسے جوابات دیتی ہیں کہ سید صاحب دنگ رہتا ہے اور مباحثہ کا اختتام اذانِ مغرب والی کرامت پر ہوا پھر سید صاحبؒ حضرت شیخؒ کے معتقد بن گئے۔ پایا جاتا ہے کہ آپ نے بعد میں خط دینا مناسب نہ سمجھا اور جانا کہ میر اور پیر باہم ایک وجود کے دو روپ ہیں یا شیخؒ نے خط پڑھ کر انکسار سے کہا ہوگا کہ "میں ژندہ پوش فقیر اس امانت کو کہاں رکھوں" اوّل الذکر اندازہ یہ درست لگتا ہے کیونکہ خط شیخؒ کے لئے نہیں بلکہ ان اعتراض کرنے والوں کے لئے تھا، جو شیخ کے طریقِ عبادت (ریشیت) پر معترض تھے۔ ان حالات میں اس خط کے لئے شیخؒ کی کُٹیا نہیں بلکہ خانقاہِ معلی ہی موزوں مقام تھا جہاں سے اس کے مضمون کی تشہیر ہونے کا مقصد پورا ہوتا اور معترضوں کے منہ بند ہو جاتے۔

بعد میں حضرت شیخؒ کے ارشادات کے مطابق سید غلام الدین نے زیبروَن کے ایک مقام پر اپنا مرکزِ عبادت قائم کیا ان دنوں یہ

Marfat.com

پھاکی میں تبلیغ بھی انجام دیتے تھے۔ ان کا آستانِ عالیہ مغل باغات کے نزدیک "بررین" گاؤں میں ہے، جو اب شہر سرینگر کا حصہ ہے۔

سیّد عالی بلخی پکھپوری

حضرت سیّد محمد عالی بلخیؒ کا آستانہ عالیہ پکھر پورہ میں ہے۔ حضرت سید عالیؒ، حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے معروف خلفاء میں سے ہیں۔ جس طرح حضرت شیخ نور الدین کے دیگر خلفاء مثلاً: حضرت بام الدینؒ، حضرت زین الدینؒ، حضرت لطیف الدین وغیرہ کے حالاتِ زندگی ان کے مُرشد کے واقعاتِ حیات کے ساتھ خلط ملط ہو چکے ہیں اسی طرح حضرت سیّد عالیؒ کے بارے میں بھی جو تذکرہ ریشی ناموں میں ہوا ہے۔ وہ "کراماتِ شیخ" کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ الگ سے سیّدِ موصوف کا کوئی مفصّل یا اجمالی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ یہ بتانا مناسب رہے گا کہ حضرت شیخ العالمؒ کے بارے میں جو بھی تذکرے قلمبند کئے گئے ہیں ان کی پوری ضخامت "کراماتِ شیخؒ کے بیان" پر ہی صرف ہوئی ہے۔ اور ان کرامات میں بھی ایسے واقعات دہرائے گئے ہیں جو پورے کے پورے خرقِ عادت لگتے ہیں۔

ان نگارشات کی روشنی میں حضرت سیّد موصوف کے بارے میں ہمیں چند معلومات حاصل ہوتی ہیں جیسے کہ حضرت سیّد بلخؒ کے شہزادے تھے۔ آپ کے والدِ ماجد جب تخت و تاج چھوڑ کر واصلِ بحق ہوئے تو بقول بابا خلیل آپ کی عمر سو سال تھی، اور بقول بابا کمال آپ عالمِ شباب میں تھے۔ درباریوں اور امراء نے

Marfat.com

آپ سے تخت و تاج سنبھالنے کی استدعا کی۔ آپ نے حکم دیا کہ تمام خزائن پیش کئے جائیں تاکہ سارے دریا برد کرنے کے بعد خدا طلبی کے لئے سفر اختیار کر سکیں، مگر ایک وزیر با تدبیر کی رائے حاوی رہی اور دولت دریا بُرد کرنے کے بجائے غربا میں تقسیم کی گئی۔ خود آپ معہ اہل و عیال ملک چھوڑ کر نکل پڑے۔ کوئی اثاثہ ساتھ نہ تھا۔ دورانِ سفر آپ کی رفیقۂ حیات انتقال کر گئیں۔ حضرت سیّد کو زبردست صدمہ ہوا، اور ان کے دونوں بچوں کو بھی والدہ کی شفقت کی محرومی کا بے انتہا دکھ ہوا۔ اس حالت میں حضرت سیّدؒ کے دل میں رہبرِ کامل کی طلب اور شدت اختیار کر گئی۔ ایک شب خواب میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ایک نو عمر عجمی آپؐ کے قریب بیٹھے ہیں۔ حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ سے ان کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نور الدین رحؒ کشمیری ہیں۔ پھر دسترخوان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر آپؒ کو ضیافت کھلائی گئی اور ضیافت کے آخر پر لذیذ کھجور پیش کئے گئے۔ یہ بشارت پا کر آپ اپنے ایک فرزند کو سُرخ لباس پہنا کر واپس بلخ لے آئے اور اُسے تخت پر بٹھایا۔ اور دوسرے کو سبز لباس میں ملبوس کر کے اپنے ہمراہ کشمیر لے آئے۔

اُن دنوں حضرت شیخؒ رُوپوش میں گوشہ نشین تھے۔ آپ کو کشف ہوا کہ ایک خاص مہمان بلخ سے آرہے ہیں، تو آپؒ بابا نصرؒ کو ساتھ لے کر ان کے استقبال کے لئے چل دیئے۔ پکھر پورہ کے مقام پر حضرت شیخؒ اور حضرت سیّد موصوف کی ملاقات ہوئی۔ تو حضرت سیّدؒ نے خواب کا تذکرہ کیا اور پھر

Marfat.com

کھجوروں کی لذت ۔۔۔ کیا۔ اس پر حضرت شیخؒ نے پیراہن کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ۔۔۔ بہیں کیں جو ان کھجوروں کی نھیں جو دستر خوان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے آپ نے چن لی تھیں، جب وہ حضرت شیخ کو پیش کئے گئے۔ رات کو میزبان اور مہمان یہاں ایک گڈریئے کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت سیدؒ کے دل میں آیا، کہ آیا ان کا ہونے والا پیر عالم ہے یا اُمی تو انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے حضرت شیخؒ سے کہا کہ حضور مجھے چند ۔۔۔ کچھ احادیث یاد ہیں۔ مگر پتہ نہیں کہ صحیح ہیں یا موضوع ...... حضرت شیخؒ نے کہا: "چلئے صاحب حدیث صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں۔ پھر دونوں دربار نبویؐ میں پہنچتے ہیں اور آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ان احادیث کی صحت کے بارے میں استفسار کی جاتی ہے۔

اب آپ دیکھئے کہ مورخین نے حضرت سیدؒ کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اکثر مورخین نے ان کے بارے میں خاموش ہیں یا یہی کچھ لکھنے پر انہوں نے اکتفا کیا ہے کہ آپؒ کو خواب میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دربار سے نورالدین کشمیریؒ سے راہبری حاصل کرنے کی بشارت ملی تھی۔ البتہ مورخ پیر حسن شاہ کھویہامی نے ذرا تفصیل سے اس بارے میں لکھا ہے، وہ بھی چند سطروں میں جو من وعن پیش خدمت ہیں۔

"بلند رتبہ سیدوں میں تھے، ظاہری و باطنی کمالات سے بھرپور ریاضت و عبادات میں یکمدار ہوتی۔ سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آئے، یکھر پورہ میں سکونت اختیار کی۔ شیخ نورالدینؒ سے طریقت

Marfat.com

کی تعلیم پائی ہیں۔ سلطان زین العابدین نے پرگنہ ناگام میں جاگیریں مقرر کیں۔ آل واولاد کے ساتھ وہیں دفنائے گئے۔"

ان تذکروں میں کرامات شیخ کے ضمن میں ایک اور واقعہ یوں درج ہے کہ ایک بار پیر کامل نے اپنے مرید (سید) کو رنجیدہ خاطر پایا۔ استفسار کیا تو معلوم ہوا رنجیدہ اس لئے ہیں کہ والدین کی قبور کی زیارت سے محروم ہیں۔ طے مکان سے مرشد نے طالب کو بلخ پہنچا دیا اور ہدایت فرمائی کہ اپنے آبا کے قبرستان کی نشاندہی کریں۔ انہوں نے مقبرۂ مذکورہ پر پہنچ کر ایسا ہی کیا اور نشان شدہ قطعۂ ارض کو حضرت شیخ نے (قبو سمیت) بکھرپورہ پہنچا دیا جو اب بھی الگ سے مخصوص ہے۔

اس حد تک اتفاق پایا جاتا ہے کہ حضرت سید اپنے مرشد کے واصل بحق ہونے کے بعد اٹھارہ سال تک بقید حیات رہے اور انہوں نے محرم الحرام ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ ان کا روضہ بکھرپورہ[۱] میں مرجع عقیدت عام و خاص

۱: بکھرپورہ کا دورافتادہ گاؤں صحت افزا مقام یوسمرگ کے دامن میں اور نالہ دودھ گنگا کے قریب جوار میں واقع ہے اور حضرت سید علی کی ذات بابرکت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اور آپ کے آستانہ عالیہ (قدیم) کی طرز تعمیر دوسرے ریشی آستانوں سے مختلف نہیں جس پر پنجرہ کاری کے اعلیٰ نمونے دیکھنے کو ملتے تھے۔ تعمیر جدید میں بھی قدیم طرز تعمیر کو ہر رنگ سے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس متبرک مقام کی مدح میں شاعر کشمیر مہجور مرحوم نے ایک پُرمغز غزل کہی ہے جسے انہوں نے ہزاروں سامعین کی موجودگی میں پڑھا اور داد حاصل کی۔ غزل پڑھ چلنے کے بعد صدر محفل نے مہجور مرحوم کی تعریف کرتے ہوئے انہیں "اقبال کشمیر" اور "ٹیگور کشمیر" ...
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہے۔ یہاں ہر سال اسوج[۱] کے مہینے میں عرس چاند کی چودھویں کو منایا جاتا ہے اور میلہ پکھر پورہ برابر ایک ماہ تک جاری رہتا ہے جس میں بڑی گہما گہمی رہتی ہے۔ اطراف و اکناف سے زائرین آتے ہیں۔ میلے کا تفریحی پہلو بھی ہے۔ پہلوان اپنے کرتبوں کا مظاہرہ کرنے کے لئے موسیقار اپنی فنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے تاجر اور سوداگر اپنی اشیاء بیچنے کے لئے یہاں مہینہ بھر رہتے ہیں جن میں آلاتِ کشاورزی فروخت کرنے والوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے خطابات سے نوازا۔ اس پس منظر میں اس وقت کے دو اہم شاعروں مہجور اور آزاد کی باہمی چشمک بھی منظر عام پر آگئی، اور یہ واقعہ پکھر پورہ کو ہماری ادبی تاریخ میں جگہ دیتا ہے اور اسی بناء پر یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب مہجور مرحوم کی مذکورہ غزل کا تذکرہ آزاد مرحوم سے چرار شریف میں ہوا اور انہیں یہ بتایا گیا کہ مہجور کو شمیر کا اقبال اور ٹیگور کہا گیا تو آزاد مرحوم نے ایک تضمین لکھی جس کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ تعلقاتِ مہجور اور آزاد پر قلم اٹھانے والوں کو کچھ اشارات بہم ہوں۔

۱ اقبال صابن واتنوو انسان عرشس پیٹھ
مہجور صابن ووے ٹھمکہ ژآیہ پکھر پور

۲ ٹیگور صابن وِژ وسعت انسانی خیالن
مہجور صابن بوز مگر نٹہ وارِ پکھر پور

[۱] شمسی کیلنڈر کے لحاظ سے یہ عرس اگست کے مہینے میں منایا جاتا ہے (انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۲)

Marfat.com

آج تو ذرائع رسل و رسائل عام ہیں۔ اس سے پہلے بھی ایسا ہوتا تھا[۱]۔ اس بازارِ مصر میں حُسنِ یوسف کی خریداری کے لئے زلیخا بھی سرگردان رہتی ہے اور غریب و نحیف معمر خواتین بھی متاعِ حیات کو داؤ پر لگانے کے لئے آتی ہیں۔ شاید اسی لئے مہجور مرحوم نے کہا ہے۔

ئبتہ آس بُجہ یئند یاڈھی لاراں ئتہ کو نا ہیتھ
یوسف چھہ یوان کَنِنہ در بازارِ پکھر پور[۲]

مذکورہ بالا "مبہم مواد" کے پیش منظر میں کچھ اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب کے لئے راقم اور راقم کے ہمعصر قلمکاروں کو مکتفی جواب ڈھونڈنے کے لئے تحقیق و تجسس سے کام لینا لابدی بنتا ہے۔

● ـــــ کیا حضرت سیّد عالی بلخ کے بادشاہ یا شہزادے تھے ؟

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ بلخ وسطِ ایشیاء میں واقع ہے اور چودھویں صدی کے آخر پر اور پندرھویں صدی کی ابتداء میں تیمور نے چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کو ختم کرکے وسطِ ایشیاء میں ایک عظیم چغتائی سلطنت قائم کی تھی۔ اس کے دُور دُور تک فتوحات کا سلسلہ جاری رکھتے

---

[۱]:۔ راقم نے بچپن میں بھی پلوامہ اور بڈگام سے لوگ راتوں کو جلوس کی صورت میں آتے رہتے تھے۔ ہر جلوس کے ساتھ مخصوص لَے میں "پد" گانے والے فنکار آگے آگے ہوتے اور "پد" گاتے تھے جلوس میں شامل لوگ مصرعۂ اوّل کو خوش لحانی سے دہراتے رہتے تھے۔ مرحوم عبدالغفار خان نوجرہ کا فن یہیں ابھرا اور نکھرا۔

[۲]:۔ کلیاتِ مہجور میں مہجور صاحب کی یہ غزل نہ معلوم کیوں شامل نہیں ہے۔

Marfat.com

ہوئے اپنی سلطنت کو وسیع سے وسیع نہ کیا۔ اس طرح اس مملکت میں بلخ کا جداگانہ اور مطلق العنان وجود تسلیم کرنا قرین قیاس نہیں۔ میرے خیال میں حضرت سیدؒ کے والد ماجد کو سیادت، ریاضت اور علم و دانش کے علاوہ قدرت نے وافر مال و زر بھی عطا کیا تھا اور اسی کو تذکرہ نویسوں نے بادشاہی کی حدود تک پہنچا دیا۔

● ——— حضرت سیدؒ سلطان سکندر کے عہد میں وارد کشمیر ہوئے تھے۔ یا سلطان زین العابدینؒ بڈشاہ کے دورِ حکومت میں؟

مؤرخ حسن کا قول ہے کہ آپؒ عہدِ سکندری میں یہاں تشریف لائے جبکہ تذکرہ نویسان حضرت شیخؒ خصوصًا بابا کمالؒ اور بابا خلیل اللہؒ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ جب حضرت سیدؒ موصوف کے وارد کشمیر ہونے کا حال حضرت شیخ نور الدینؒ کو بکشف معلوم ہوا، جو اُن ایام میں رُوپہ وَن میں تھے، وہیں سے آپ بابا نصر صاحبؒ کی ہمراہی میں اُن کے استقبال کے لئے بکھر لو پر گئے۔ شیخ کشمیرؒ زندگی کے آخری سات سال ۱۴۳۱ء سے ۱۴۳۸ء تک رُوپہ ون میں قیام رہے اور وہیں سے آپ "ترا وَن" میں قائم کردہ ریشی صدر مرکز کے انتظام کی نگرانی کرتے رہے۔

سلطان سکندر کا عہدِ حکومت ۱۴۱۸ء میں ختم ہوا پھر دو سال سلطان علی شاہ نے حکومت کی۔ اور بعد ازاں ۱۴۲۰ء میں سلطان زین العابدینؒ تخت نشین ہوئے اس طرح سے حضرت سیدؒ موصوف کا عہدِ سکندری میں وارد کشمیر ہونا اس لئے ناقابل اعتبار لگتا ہے کہ اولاً تو اس عہد میں حضرت شیخؒ کیموہ ہی میں اقامت پذیر تھے۔ اور ثانیاً ان دنوں حضرت شیخؒ کی شہرت ابھی حدودِ کشمیر سے باہر نہیں پہنچی تھی۔

Marfat.com

● ــــــ کیا محض ایک خواب کی بناء پر حضرت سیّد موصوف حضرت شیخؒ کی ملاقات کے لئے بلخ سے کشمیر آئے تھے یا کچھ اور امور بھی اس کا موجب تھے۔

ڈاکٹر محمد ریاض صاحب "حضرت امیر کبیرؒ" نامی کتاب کے صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں کہ تیمور کے انسانیت سوز مظالم کے خلاف حضرت شاہ ہمدانؒ نے آواز بلند کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس ظالمانہ دور میں سادات کو خاص طور پر ہدف تشدّد بنایا جاتا تھا جو ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس بارے میں ان سادات کیلئے کشمیر باعث کشش رہا اور یہاں کے پُر سکون اور روحانی ماحول نے اہل دل سادات کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ علاوہ ازیں یہاں کی حکومت نے جس فراغ دلی سے ان علماء کی قدر دانی کی اس سے ایران اور وسطِ ایشیائ سے علماء اور سادات کا کشمیر آنے کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس آمد و رفت سے حضرت شیخؒ اور ان کی ریشی تحریک کو شہرت ان ممالک کے روحانی اور علمی حلقوں تک جا پہنچی۔

حضرت سیّدؒ کا اپنے ملک سے دل برداشتہ ہونا معقول نظر آتا ہے۔ کشمیر میں آپ کے خاندان اور آپ کے ملک سے مہاجر آئے تھے، لگتا ہے کہ ان ذرائع سے حضرت سیّد موصوف تک بھی حضرت شیخؒ کے روحانی کمالات کی باتیں پہنچی ہوں گی چونکہ ان کے دل میں رہبرِ کامل سے فیض یاب ہونے کی تمنّا گھر کر چکی تھی اور اسی لگن سے اُن کو دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت ملی تو کشمیر آنے کا جذبہ شدّت اختیار کر گیا۔ آپ نے اپنی دولت اور امارت کو لات ماری اور رختِ سفر باندھا اور ناساعد موسمی حالات اور دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کر کے چلّہ کلاں (دسمبر ــ جنوری) میں پکھر پورہ پہنچے۔

ایک اور نقطہ بھی بحث طلب ہے۔ تذکرہ نویسانِ حضرت شیخؒ اور

Marfat.com

مرحوم آزادؔ سبھی نقل کرتے ہیں : کہ جب حضرت سیّدؒ پکھڑ پورہ پہنچے تو انہوں نے اُن کھجوروں کی لذّت کا تذکرہ کیا جو انہوں نے دسترخوانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خواب میں کھائے تھے، اور حضرت شیخؒ نے ان کھجوروں کی گٹھلیاں انہیں پیش کیں ـــــ اس سے دو دورس نتائج اخذ ہوتے ہیں :

۱ ـ کہ حضرت شیخؒ کسی احساس کے شکار تھے جو انہیں ایک سیّد زادے کو باور کرانے کے لئے ریاضی قسم کا ثبوت فراہم کرنا پڑا۔

۲ ـ حضرت سیّد موصوف دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت ملنے کے باوجود تذبذب میں تھے۔ حضرت شیخؒ "الفقر فخری" کے اُسوہ حسنہ پر عمر بھر عمل پیرا رہے، مگر لگتا ہے کہ بعض تذکرہ نویساں فقر کے مفہوم کے اصل جوہر کو نہ پا سکے۔ ان کے ہاں فقر و انکسار احساسِ کمتری کا دوسرا نام ہے۔ فقر کے بارے میں حضرت شیخؒ کا فرمان ہے : کہ "فقر جہنم کے شعلوں کے خلاف سپر ہے"۔

یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ کیا ایک طالبِ حقیقی جسے اپنے مرشد کے بارے میں دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بشارت ملی ہو، اپنے پیرِ کامل کے بارے میں دل میں انہیں کسی طرح آزمانے کے لئے جگہ دے سکتا ہے۔ طالب و مرشد پکھڑ پورہ میں ایک گڈریئے کے گھر رات بسر کرتے ہیں تو حضرت سیّدؒ موصوف کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ آیا اُن کے مرشد عالم ہے یا اُمّی! اس طرح کا بیان حضرت سیّدؒ موصوف کی شان میں گستاخی سے کم نہیں کہ اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے خواب پر بھروسہ نہ تھا اور مرشد کی طلب یا مرشد کے حضور آنے کا جذبہ ان کے دل میں موجزن نہ تھا۔ ہاں! یہ درست ہے

Marfat.com

کہ پیاس کی شدت سے پیاسا سراب سے کبھی دھوکا کھاتا ہے۔

زِ نقصِ تشنہ لبی داں و بہ عقلِ خویش مناز
دلت فریب اگر بہ جلوۂ سراب نہ خورد

مگر طلبِ مرشد میں جتنی بھی بہ خلوص شدت ہو اسی تناسب سے منزل نزدیک اور آسان ہو جاتی ہے۔ یہ حضرت سیدؒ کی اسی شدت کا جنون تھا کہ خود دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کو اس منزل کی راہبری ملی، اور خود مرشد کامل برف و باراں کو نظر انداز کر کے ان کے استقبال کو گئے۔ ایسے طالبِ صادق پر ہیچو قسم کی تہمت عاید کرنا سراسر زیادتی اور ناانصافی ہے۔

یہ تو اخذ کیا جا چکا ہے کہ حضرت سیدؒ موصوف ۸۶۰ھ میں داصل بحق ہوئے۔ راقم کی رائے میں آپ کی عمر کشمیر آنے کے وقت ۳۵ سے ۳۸ سال تک رہی ہو گی اور آپ پیر کامل کی صحبت میں کم از کم پانچ چھ برس رہے ہیں حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد آپ تقریباً ستر اٹھارہ سال بقیدِ حیات تھے۔ اور اس طرح جب آپ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ تا تریسٹھ سال رہی ہو گی۔

Marfat.com

مُخدّراتِ ریشی

ریشی تحریک کی نسوانی ونگ

تاریخ کشمیر متعدد خواتین کے تذکرات سے مالا مال ہے جنہوں نے کشمیری زندگی کے مختلف شعبوں میں جنسِ لطیف کی ذہانت، خداداد صلاحیت، عالمانہ خطابت، رُوحانی جودتِ قائدانہ رفاقت اور منتظمانہ جوہر بکھیر دیئے ہیں۔ مگر کشمیر کی تاریخ میں ریشی تحریک کے بغیر کسی اور تحریک نے زمانہ قدیم سے آج تک عورتوں کی منظم ونگ بنا کر اسکو مردوں کے شانہ بشانہ تمدن سازی کا رول ادا کرنے کی جرأت عطا نہ کی۔ حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ کی دوربین نظر نے اپنے محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے درس حاصل کیا تھا کہ معاشرہ کو صالح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے عورت کا کردار زیادہ اہم ہے۔ اسی انقلاب کا ایک معجزہ تھا کہ ایک عورت ذات نے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکت دگرگون کر دیا۔ کشمیری عورت صدیوں سے شرک و کفر اور بدعات و ضلالت کا آغوش وا کئے ہوئے تھے۔ یہی خواتین دودھ اپنی چھاتیوں سے ہر نئی پود کو پلاتی رہی تھی۔ اس لئے نئی پود کے ذہن کو بدلانے کے لئے اُسی آغوش کو توحیدی تعلیمات کا مکتب اولین بنانا شیخ کا شعوری مقصد تھا۔ اس طور آپ نے اپنی قائم کردہ ریشی تحریک میں ایک منظم زنانہ ونگ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس کے لئے پچھا اور عوامل

Marfat.com

بھی تھے۔

رشی سماج سے دُور بھاگ کر۔ ماں، بہن، بیٹی، بیوی سے دُور خلوت گزین تھا۔ اُدھر عورتوں کی نفسیات انہیں عالمی سطح پر عموی طور اور کشمیر کی سطح پر علی الخصوص دُنیائی اُلجھنوں کا حل ڈھونڈنے کے لئے پیروں، فقیروں، درویشوں حتیٰ کہ درویش نما مکّار ٹھگوں کے مسکنوں پر لایا کرتی ہے۔ جونہی سُنا کہ فلاں جگہ کوئی خدا دوست ہے تو کوئی اپنے دُلہا کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے، کوئی اپنی ساس اور نند کے منہ بند کرنے کے لئے، کوئی اپنی گود بھرنے کے لئے، کوئی اپنی اولاد کو بھوت پریت کے سایہ سے محفوظ رکھنے کے لئے۔ کوئی ایک غرض کے لئے اور کوئی دوسری حاجت پورا کرنے کے لئے اس خدا دوست کی کٹیا پر جوق در جوق عورتیں آتی ہیں۔ ریشی کے خلوت خانوں میں یہ دخل اندازی ناقابل برداشت تھی، بلکہ اکثر خدا دوست ریشی جارح بنکر ایسی عورتوں اور نامعقول مردوں پر برس پڑتے تھے۔ شیخ صاحب کو یہ احساس تھا کہ نومسلم عورت جب ایک ریشی کے درِ فیض پر دستک دیکر نامراد واپس چلی آتی تو متبادل منظامات اس کا دامن کھینچ لیتی تھیں۔ مندروں میں مٹھ دار، سادھو سنت اور براہمن بھی اپنی پرم پرا کے مطابق مرتاض بھی تھے۔ منتروں کے فنوں میں بھی باکمال تھے۔ ان متبادل چشموں پر سے جب پیاسا پیاس مٹا کر واپس جائے تو اس چشمے کے پانی کی لذّت اُن کو کشش پیدا کرتی ہے۔ اور یہ لذّت آشنائی اس نومسلم عورت کو براۓ دھرم

Marfat.com

کی جانب واپس بھی اگر نہ لا پائے مگر اس کا ذہن منافقانہ ردِ عمل کی آماجگاہ لا ابدی طور بن جاتا۔ اس خطرہ سے انقلاب کو بچاتا تو عورت مبلغوں کا ایک منظم گروہ قائم کرنا تھا جو کشمیری عورت کو سہ آتشہ عرفان کا لذت آشنا بنا پائے۔ جو عورتوں میں خود غرضی، نفس پرستی، لالچ، غرور، گھمنڈ اور دیگر بدعات کو ختم کر پاتے اور جو اُن کو توحید کا سبق سمجھائے اور عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ اُن کی رگ و پے میں سرایت کر پائیں۔ ان خدا دوست عورتوں کے پاس عورت کا آنا فطری امر تھا اور اس لین دین میں عورتوں کے صفوں میں ایک خاموش انقلاب آگیا ــ کاش ہمارے مؤرخوں نے صرف عہد بدشاہی بارہ میں سماجی تاریخ کے اشارات دیئے ہوتے تو یہ اثر نمایاں طور واضح ہوا ہوتا۔ مگر سماجی تاریخ کے ساتھ مؤرخانہ انصاف ہوا ہی نہیں ہے۔ تذکرہ نویس حضرات صرف کرامات کے حدود میں ہی محبوس ہوئے تھے۔ اس طرح میرے اخذ کردہ نتائج بکھرے اور منتشر واقعات کی باہم مربوط ترتیب کا نچوڑ ہیں، جو ان واقعات کے انتشار میں الگ الگ منتشر پڑے تھے۔ میری دلائل کو عام طالب علم خوش اعتقادی خوش فہمی یا خود فریبی سے تعبیر کریں گے۔ مگر جو طالب علم گہرائیوں میں جا کر محققانہ تجسس، ناقدانہ تجزیہ اور مؤرخانہ استدلال سے غور کریں گیں وہ ضرور اتفاق کریں گے کہ شکست و ریخت کے لئے جو تصادم ہر انی رشی تحریک نے اپنے اوپر ٹھونسا تھا وہ ایک ہمہ گیر تحریک کا ہی خاصہ ہے کون تصادم ؟ مُلّا کے ساتھ تصادم، ذات پات کے اصولوں کے ساتھ

Marfat.com

مخاصمت، استحصالی عناصر کے ساتھ دشمنی۔ مفاد پرست برہمن اور مفاد پرست خارجی علماء کے ساتھ لڑائی۔ اس فتویٰ کے ساتھ جنگ جس کے تحت اس تحریک کو رہبانیت کا تسلسل قرار دیا گیا تھا۔ اس تمام ماحول میں عورتوں کو ریشی تحریک میں شامل کرنا محض ایک اور تصادم کا جواز پیدا کرنا تھا، بلکہ اس انقلاب کو سماج میں ہمہ گیر بنانے کا اہم مقصد تھا جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اب ہم ان عظیم عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اس تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ جس طرح اکثر مرد ریشی اولیائے کرام کے نام (جو حضرت شیخؒ کے ساتھ کشمیر پر اس کے عہد میں چھائے تھے) ہم تک سارے نہ پہونچے ہیں بلکہ ۳۶۰ ایسے اولیائے کرام میں صرف ایک دو درجن کے نام تاریخوں اور تذکروں میں آئے اسی طرح شاید ایک سو سے زائد "ریشی مخدرات" میں ہم تک صرف کئی نام ہی پہونچے ہیں وہ بھی صرف انہی واقعات کے حوالہ سے جن میں حضرت شیخؒ کی کرامات بیان کرنا مقصود تھا۔ مگر ان معاون کرداروں کا نام لینا ناگزیر بنا تھا۔

"ریشی ناموں" میں للہ دید کے لئے الگ باب کھولا گیا ہے اس لئے کہ وہ حضرت شیخؒ کی روحانی والدہ تصور کی جاتی ہے مگر وہ ایک مجذوبہ تھی اور ریشی طریق عبادت مجذوبیت سے بالکل جدا تھا۔ بابا نصیب غازیؒ صاحب اور صاحب اسرار الابرار بابا مشکوتیؒ نے للہ عارفہ کو بطور مجذوبہ ہی الگ پیش کیا ہے اور اسی التزام کو پیش نظر رکھنا

Marfat.com

ہوئے مؤرخ حسن کھویہامی نے للہ عارفہ کا تذکرہ "مجذوبانِ کشمیر" عنوان کے تحت کیا ہے۔ اس لئے آپ کا تذکرہ ریشی اولیاء میں نہیں کیا جاتا ہے۔ البتہ راقم نے جلد اوّل میں حضرت شیخ پر اثر آفرین شخصیات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

صدرہ ماجی

گو کہ میں نے حصہ اوّل میں کہا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ "صدرہ" بھی بعد میں اپنے بیٹے سے بیعت ہوئی تھی مگر میرے پاس کوئی شہادت نہیں ہے کہ آیا انہوں نے اپنی آخری عمر میں بیٹے کے مسلک کو اپنا یا تھا یا نہیں ۔۔۔ ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس مصنف نے کس بنیاد پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ والدہ شیخ، حضرت شیخ کے غار کیموہ سے نکلنے پر ہی، بلکہ اسی خلوت کے دوران اپنے بیٹے کی مرید بنی ہے۔ اس بارہ میں راقم بس یہ دلیل پیش کرتا ہوں کہ آپ کی قبر پر کیموہ پر روضہ تعمیر ہوتا اور آپ کا روضہ مرجع عقیدت بن پاتا محض "شیخ پرستی" کی نفسیات پر مبنی نہ تھا نہ یہ بقول علامہ اقبال "بتے بے تراشد ز سنگے مزارے" والی نفسیات کی دلیل تھی۔ کہ شیخ پرستی کی نفسیات میں دو فرضی کردار ازل "شش" اور "گندرو" کی حرام روٹی کھانے والی عورت کے مقبرہ کو مرجع عقیدت

راہ ۔ ص ۲ ان جلد اوّل ۔ ص۹۱-۹۲ دیکھئے۔

Marfat.com

بنایا جاتا۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کشمیر میں قبروں پر روضے تعمیر کرنے کی بدعت عام ہے اگر اس پر ہمیں طعن و تشنیع کا ہدف بھی بنایا جائے تو درست ہے۔ مگر دیکھا جائے تو ہمارے ان آستانوں پر صرف نمازیں، درود و اذکار اور ختمات کا ورد رہتا ہے۔ ان ختمات میں ماسوائے شیئاً للہ کے ورد کے باقی سارا قرآنی آیات پر مشتمل ہیں ان آستانوں پر قوالیاں نہیں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ تھی علامہ نے خاص طور کشمیریوں کو ہدف طنز بنایا ہے۔ وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے آبائی وطن کو تمام ایسے افعال سے پاک کرنا چاہتا تھا جو اس قوم میں غلامانہ ذہن پیدا کرنے کے وجوہات بن پائے تھے۔ اس سارے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ روضوں کی تعمیر اگر بدعت ہے مگر اس میں مشرکانہ عوامل کارفرما نہیں رہے، نہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے "قوال" کا روضہ درگاہ بن پا سکا۔ صرف ایسے خدا دوست حضرات کی قبروں پر روضے تعمیر ہوئے جن کے کردار منفرد تھے اور جن کا قوم پر احسان تھا۔

حضرت ماجی کے بارے میں کتنا بھی مسموم پروپگنڈا کیا گیا مگر پھر تذکرہ نویس یہ نہ چھپا سکے کہ نومسلم معاشرہ کی وہ خاتون پابندیٔ وقت کے ساتھ روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتی تھی۔ لہٰذا وہ ایسی خاتون تھی جس کا ذہن مومنانہ تھا، جس کو نماز نے فحشا اور منکر سے الگ ([illegible]) کیا تھا۔ جس نے نماز سے معراج کا مقام حاصل کیا تھا۔
اس صاحبِ مقام عورت نے جب اپنی ہی گود میں مشعلِ ہدایت کو فروزاں دیکھا تو کیا وہ اپنے نہاں خانوں کا اندھیرا اس روشنی سے روشن کرتی

Marfat.com

ہاں اس نے اپنے اندرون کے دئے کو جلایا اور وہ بھی خدارسیدہ ہوئی تو وفات کے بعد اس کے اعتراف میں اس کی قبر پر بھی روضہ تعمیر ہوا۔ صدرہ آپجی کا سالِ وصال معلوم نہیں ہے۔ شاید حضرت شیخ کی ابتدائی سیاحت کے دوران وفات پا گئیں۔ ۱۴۱۴ء کے بعد واصل بہ حق ہوئی ہے۔

زے دید

اس خاتون کے زاد و بوم کے بارہ حصہ اول (ص ۱۷۳) میں تفصیل آ گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے بطن سے حضرت شیخ کو تین اولاد ہوئے تھے۔ ایک یا توام جنا تھا یا پیدا ہوتے ہی مر گیا تھا البتہ ایک لڑکی زونی اور بیٹا حیدر ایام طفولیت میں تھے، جب شیخ غار نشین ہوئے یہ بھی آیا ہے کہ کن حالات میں ان معصوموں کی موت واقع ہوئی تھی اور ردِّ عمل کیا پیدا ہوا تھا۔ اس کے بعد لازماً اس خاتون کے دل میں اپنے شوہر کے روحانی جلال کا رعب بھی حاوی ہوا ہوگا اور روحانی عظمت کے جمال نے بھی ذہن و قلب کی صیقل کی ہوگی۔ جب آئینہ پر سے زنگ مٹ گئی تو اپنی خلوتوں کے رفیق کی پنہاں عظمتوں کا عرفان پا گئی۔ اسی عرفان نے اس کو غار نشین کے خلوت میں پھر پہونچا دیا اور اپنے رفیقِ حیات سے حق مانگنے لگی۔ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہا "بی بی! میرے ساتھ رہنا ہے تو کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ کانٹوں کا اوڑھنا

Marfat.com

اور کانٹوں کا ہی بچھونا ہے ....'' اس رمزِ حقیقت کو ستر ھویں صدی کے رمز آشنا حضرت بابا نصیب الدین غازی ؒ نے اپنے روحانی کرب کے ابلاغ کا حوالہ بنایا اور معاملہ کی ڈرامائی توضیح کی یا بالفاظ دیگر واقعہ کو Dramatise کر کے پیش کیا اس ڈرامائی کیفیت کی توضیح کو یوں ابھارا گیا کہ شیخ ؒ فی الواقعی کانٹے جنگل سے لاتا ہے ، غار میں بچھا دیتا ہے ۔ خود اُس بچھونے پر لیٹ جاتا ہے ۔ اور بابا صاحب اور اُس کا فاضل شاگرد مشکواتی صاحب کلائمکس کو واقع یوں پہونچاتے ہیں کہ زرے دید بھاگ جاتی ہے ۔ یہ کانٹوں کا حوالہ صرف ایک استعارہ تھا ۔ یہاں پر لوک کہانیوں کی روایت زیادہ قابلِ قبول بن پاتی ہے ۔ جو اسلوب کلام شیخ ؒ میں ایک منظوم مکالمہ کی صورت میں عام ہے اور جس کے مطابق زرے دید آخر پر اپنے شوہر شیخ سے کہتی ہے :

ژٕہ رِیشِن ہٕنز رٕیشٕژ بایہ

("تم ریشی میں تیری ریشن" — ریشی سے میں نے ہی ریشن تانیث بنایا ۔ خیر یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام تر شرائط کے باوصف زرے دید حضرت شیخ ؒ کی عظمت کا تصدیق کر کے اس کی پہلی خلیفہ بن جاتی ہے ۔ اور تاج الدین بھی اس مرحلہ کے بعد وارنٹ لیکر آتا ہے ۔ یہاں پر مرحوم مغلو صاحب سے متفق ہوں کہ حضرت شیخ ؒ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہی قلیل عرصہ کے لئے غار میں خلوت گزین ہوئے تھے اور اتباعِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں زرے دید یہاں پر اپنے شوہر کی خدمت گزاری کے لئے کھانا وغیرہ لیکر آتی رہتی تھی ۔ مگر بعد میں واقعات

Marfat.com

دانستہ طور پر مخدوش بنائے گئے ہیں ۔

بابا نصیب صاحب نے واقعات کو مبہم بنایا تھا کیوں کہ انہیں اپنے مخفی روحانی خیالات کی ترسیل چاہیے تھے جس کے لئے انہوں نے حضرت شیخ کو ایک حوالہ بنایا اور اس حوالہ کے ذریعہ سے واقعات اپنے مخصوص خیالات کی توضیح کیلئے پیش کرنے پڑے اور اس ترسیل میں واقعات کی قطع و برید اس طرح ہوئی کہ اصلیت دھندلی پڑ گئی ۔ مشکواتی صاحب نے اسرار الابرار کا پیکر سریت کے رموز سے تراشا میں اپنے فاضل دوست ڈاکٹر رشید نازکی صاحب کے ساتھ سے اس حد تک اختلاف کرتا ہوں کہ مشکواتی صاحب کو مؤرخانہ بصیرت حاصل تھی[۵] مشکواتی صاحب نے سریت کے رموز کو تاریخ بنایا ۔ اس لئے ضروری

حاشیہ [۵]: نازکی صاحب نے اسرار الابرار کے اردو ترجمہ شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت لقعہ عالیہ حضرت محبوب العالم قدس اللہ سرہٗ سرنگر کے دیباچہ میں لکھا ہے:
"حضرت مشکواتی ..... تاریخی تقاضوں اور تاریخ نویسی کے اندیشوں سے بڑے باجر ہیں اور بسا اوقات عام تذکروں سے اختلاف کر کے اپنا راستہ الگ نکالتے ہیں۔" اس ضمن میں آپ نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مشکواتی صاحب نے اپنے مرشد سے اختلاف کر کے حضرت شیخ کا سال ولادت ۵۷ھ لکھا ہے۔ اگر آپکو تاریخی اندیشوں کا عرفان ہوتا تو آپ لابدی طور اس اختلاف کا ماخذ بیان کرتے، اور وضاحت سے کہتا کہ اگر تمام تفاصیلات میں آپنے اپنے مرشد کے بتائے گئے واقعات کو من و عن پیش کیا تھا تو یہاں پر کسی معتبر روایت کو صحیح مانکر آپنے اپنے فاضل پیشرو سے اختلاف کیا آخر پر پھر ۸۴۲ھ سال وصال مانکر اور سن شریف ۶۳ سال تسلیم کر کے ۷۷۹ھ کو بلواسط سال ولادت مانا ہے اور پھر اپنے اختلاف کو رد کیا ۔ (مزید بحث جلد ۱ صفحہ ۷۹)

Marfat.com

ہے کہ ہم حضرت زنّے دیدؔ کے بارے میں پوری تحقیق کریں ۔

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہے کہ تذکرات میں واقعات شیخؒ کو اس قدر ابہام کا شکار کیا ہے کہ لگتا ہے شاید غار سے نکلنے کے بعد مرنے تک اگرچہ آپ نے خلوص اور محبت کے ساتھ سارے کشمیر کا پرگنہ وار اور گاؤں گاؤں سیاحت کی مگر اپنے مولد کیموہ کی جانب مڑ کر دیکھا بھی نہیں اور اپنی ماں ، بیوی ، گھر کو بھلا ہی بھول ہی گئے ۔ گویا نہ کسی سے پیدا ہوئے تھے نہ کسی نے اپنا کنوارا پن اس کو سونپا تھا ۔ یہ صرف اسی سازش کا شاخسانہ ہے جس کے تحت آج بھی خارجی ذہنیت کے مغلوب پیر صاحبان انہیں راہب کہنے کے لئے مواد ٹٹولتے ہیں اور بدعت ساز مقامی منافقین انہیں بدھ اور شیو فلسفوں کے تسلسل ساز بلکہ احیاء نو کرنے والی شخصیت کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔

حضرت شیخؒ کی بیوی نے مابقیہ زندگی شیخؒ کی رفاقت میں اس کی خادمہ اور طالبہ کی حیثیت میں گزاری ہے ۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کی وفات کب ہوئی ۔ مگر روضہ سسرال والے گاؤں کیموہ میں ہی ہے انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ۔ ۔

حضرت شام ماجی

جلد اوّل کے صفحات ۸۵ تا ۸۹ پر آپ کا وہ مرثیہ درج ہے جو آپ نے حضرت شیخؒ کے ہجر میں تخلیق کیا ہے ۔ اس مرثیہ سے نہ صرف

Marfat.com

اس عظیم خاتون کی عقیدت اس کے مرشد کے ساتھ واضح ہے بلکہ اس
اوّلین ترین مرثیہ کی فنی عظمت بھی واضح ہے اور اس نظم کے حوالہ سے
ہمیں حضرت شیخؒ کے کمالات کا بھی عرفان ہوتا ہے ہاں اس فقید
المثال جلوسِ جنازہ کے بارے میں بھی اشارات موجود ہیں۔

بابا عماری اور بابا مشکواتی کی روایات کے مطابق شام بی بی کو اپنے
دلہا میکے گھر سے دلہن کے طور اس کے گاؤں سے اپنے گاؤں لا رہا تھا۔
دلہن پالکی میں سوار تھی۔ اور اسی پالکی سے اس کو راہ چلتے حضرت شیخؒ پر
نظریں جم گئیں زار و قطار رو رہی ہے کہاروں کو رکوایا گیا اور دلہن ڈولی
سے بیباکانہ طور باہر آکر مرد قلندر کے پیروں پڑتی ہے۔ اس کے بعد
یہ دلہن نہ میکے جاتی ہے اور نہ ہی سسرال کو جاتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے حضرت
شیخؒ کو اپنا ماں باپ اور مرشد مانکر اسی کی خدمت میں لگتی ہے۔

شام بی بی میری تحقیقات کے مطابق علاقہ بیرود سے تھی اور برہمن
زادی تھی، اپنے ودوان پتا جی سے شریمد بھگدت گیتا اور ترکہ شاستر
کے سبق بھی پڑھتے تھے۔ آپ کی علمی قابلیت آپ کے شعروں سے واضح ہے۔
لوزنامہ میں مناسب جگہ پر خلفاءِ شیخؒ کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے شام
بی بی صاحبہ کی شاعری پر تجزیہ ہوگا اور دستیاب کلام مع ترجمہ پیش ہوگا۔

حضرت شیخؒ کے حلقۂ ارشاد میں آنے کے وقت آپ چودہ سال
سے اٹھارہ سال تک کی عمر میں تھی۔ ہندو اپنی بچیوں کی شادی ان کی کم
عمری میں ہی کرتے تھے، اور اس وقت کے رواج کے مطابق ۱۶؍ اور ۱۸؍
سال کی عمر پکی عمر مانی جاتی تھی۔ آپ حضرت شیخؒ کے قدموں پر ۱۸ ۶۱۳

Marfat.com

میں پڑتی ہے اور برابر بارہ سال آپ نے اپنے راہبر کی خدمت کی ، ۱۴۲۰ء میں آپ کو دترہ میل بابا تاج الدین کی رفاقت میں تبلیغ پر مامور کیا پھر یہاں چند سال رہنے کے بعد آپ کو پوشکر تبدیل کیا گیا جہاں آپ حضرت بابا لطیف الدین کے ساتھ تبلیغ اسلام کرتی ہے۔

ریاضت اس حد تک کی کہ آج کے زمانہ میں تزکیۂ نفس کا اتنا کمال مبالغہ لگے گا۔ جب سے ریشی مسلک میں شامل ہوئی کبھی روزہ روٹی سے نہ کھولتی تھی، مگر کڑوی جنگلی کے رس سے روزہ کھولتی تھی۔ فرماتی تھی کہ اناج سے روزہ کھولوں تو مرشد کی اتباع میں خلل کا احتمال ہے۔ بلکہ کہتی تھی جو پیر کے عمل کے خلاف کام کریگا کفر کا مرتکب ہوگا راہبر کے لباس میں خدا ہی راہبری کرتا ہے۔ نصیب غازی اور داؤد مشکواتی نے فارسی میں آپ کے زرین اقوال درج کئے ہیں وہ سب اُن کے کشمیری اشعار کا ترجمہ ہونگیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اصل شعر ہم تک نہ پہنچے ہیں آپ پوشکر میں آستانِ بابا لطیف الدین میں دفن ہیں۔

بُہت دُید

"بُہت" وتستا (دریائے جہلم) کا کشمیری نام ہے۔ جو اب مرور زمانہ سے "ویتھ" بن گیا ہے۔ دُید، ماں کو کہتے ہیں، اور عرف عام میں عظیم خاتون کے لئے یہ لقب کے طور استعمال کیا جاتا ہے۔ بابا محمد خلیل اللہ "بُہت" اور "دُہت" کے زاد و بُوم کے بارہ میں ذوق کے

Marfat.com

ساتھ کوئی رائے صادر نہیں کرتا ہے۔ البتہ ان دونوں کو بہنیں ہی مانتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے کہ دونوں دریگام کے ہندو پٹواری کی بیٹیاں تھیں البتہ حسن صاحب اس بارہ میں وثوق سے کہتا ہے کہ دونوں بہنیں ہیں اور دونوں اسی پٹواری کی لڑکیاں تھیں۔ جس حفظ مراتب سے تذکرات میں ان کا ذکر آیا ہے، اس سے لگتا ہے کہ بہت ہی بڑی تھی۔ مگر جو واقعات ان دو کے بارہ میں بیان ہوئے ہیں، ان سے اندازہ یہی ہے کہ ہم عمر تھیں یا تو جڑواں بہنیں تھیں یا صرف سال ڈیڑھ سال بہت، دہت بی بی سے بڑی تھی۔ کئی تذکرات میں آیا ہے کہ یہ بہنیں نہیں تھیں، البتہ روحانی تعلیم و تربیت نے انہیں دو بہنوں سے بھی قریب تر لایا تھا۔ ان دونوں کے ساتھ ایسے اقوال حکیمانہ منسوب ہیں کہ جن سے ان کے روحانی عظمت واضح ہوتی ہے۔

حصہ اوّل میں تذکرہ آیا ہے کہ تاریخوں اور تذکرات کے مطابق یہ دونوں بہنیں اس عظیم روحانی ملن (Spiritual Summit) میں شیخؒ صاحب کے وفد میں شامل تھیں جو حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے ساتھ زانسو کے مقام پر طے پایا ہے۔ راقم نے رائے ظاہر کی ہے کہ یہ ملن دراصل میر صاحبؒ اور شیخؒ صاحب کے مابین نہیں ہوا تھا بلکہ ہمدانی صاحبؒ نے سید غلام الدین صاحب کو ایک وفد کے سربراہ کے طور پر حضرت شیخؒ کے پاس ختلان سے روانہ کیا تھا۔ اسی مجلس میں جو سید صاحب کی مہمان نوازی میں مرتب کی گئی تھی۔ یہ دو بہنیں شامل ہوئی ہیں۔ معاملہ بہت ہی تحقیق طلب ہے۔
آپ باضابطہ محنت کر کے اپنے لئے جو کی روٹی کما کر کھاتی تھی، جو

Marfat.com

وہ جنس ہے جو کشمیر میں بہت ہی غریب طبقہ کھاتا تھا، بلکہ سب سے کم قیمت پر حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے بالاتر طبقہ کا غذا موٹے چاول کا فالودہ .. (وگیرہ) تھا اُسکو بھی غریب ہی مانا جاتا تھا جو گیہوں کی روٹی کھاتا تھا بلکہ اب بھی ایسا ہی حال میں۔ روٹی یہاں پر غریبوں کا غذا ہے وہ گیہوں ہی کی کیوں نہ ہو۔ گاؤں میں عام کسان طبقہ یا تو سرخ چاول کھاتے تھے، یا موٹے سفید چاول۔ مگر عام غذا سفید چاول ہی تھا۔ غذائی عادات (Food habits) کی اس تناظر میں سب سے ادنی اور سستا جنس یہ خاتون کھانے کو استعمال کرتی تھی وہ بھی دن اور رات میں ایک بار کھاتی تھی، وہ جنگلی سبزیوں کے رس کے ساتھ جو اکثر بے ذائقہ یا کڑوا ہوتا ہے۔ یہ حقیر نفیسے حاصل کرنے کے لئے بھی اپنے ہی ہاتھوں سے محنت کرتی تھی۔ شاید "زراونی" کے ریتی جاگیر پر خود زمینداری کرتی تھی۔

آپ کے اقوال ہیں کہ :

- بندہ کا وجود، خدا اور بندے کے درمیان سب سے بڑا پردہ حائل ہے۔
- اپنے کو فاعلِ افعال تصوّر کرنا ہی شرک ہے۔
- تخریبِ ذات میں ہی تکمیلِ ذات کا عرفان ہے۔

اور فرمایا کرتی تھی : کہ اگر حضرت شیخ ؒ میری راہبری نہ کرتے۔ تو خود خدائے برتر میری راہبری کرتے۔ آپ کا مرقد زانسومیں ہی ہے جو اب چرار شریف کی جدید بستی علمدار کالونی کا مرکز بنا ہے۔ حضرت شیخ ؒ کی وفات کے بعد ان کے رنج ہجر میں روتے روتے نڈھال ہوگئی تھی اور اپنے راہبر کی وفات کے صرف کچھ مہینے بعد ہی واصل بہ حق ہوئی۔ :

Marfat.com

دُہت بی بی

"بُہت بی بی" کے تذکرہ میں آپکا ذِکر خیر بخوبی چلا۔ جس رُوحانی مِلَن کا میں نے تذکرہ کیا، اس میں آپ بھی شامل تھیں۔ کہتے ہیں کہ جب آپ کے راہبرِ کامل حضرت شیخ ؒ نے اپنے مزاج کے مطابق بہت ہی عاجزانہ، انکسارانہ اور فقیرانہ جوابات حضرت ھمدانی ؒ (میری رائے میں سیّد غلام الدین) کے سوالات میں دیئے ان سے بہت احتیاط اور ادب کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے آپ نے اپنے مُرشد کے عادات کی ایسی توجیہات کیں جن سے مہمان وفد پر اس تحریک کی عظمت کا سکّہ بیٹھا اور غلام الدین صاحب بہ نفس نفیس اس تحریک میں شامل ہو کر حضرت شیخ ؒ کے مُرید ہوئے۔ اس مکالمہ کا حِصّہ اوّل ریشی نامہ میں تفصیل سے آیا ہے (ملاحظہ ہو جلد اوّل صہ۱۰۴، ۱۰۵)

آپ بھی زالسو میں ہی بُہت کے پہلو میں دفن ہیں۔

بابا محمد خلیل اللہ ان دو عظیم خواتین کی تئیں یوں اپنا منظوم خراجِ عقیدت ادا کرتا ہے :

زِ فضلِ نور الدّین شاہِ معظم ؛ بُہت دِدٌ باد دُہت دِ دُشد مکرم

حاشیہ لہ:

دِدِ کشمیری میں ماں کو کہتے ہیں اور اس مُناسبت سے لقب دِد عظیم خاتون کے لقب کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے بھی حضرت شیخ ؒ نے اُنکے نام کے ساتھ بھی "کور دید" ۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی رضی وہ عظیم خاتون جنت پیدا ہوئی۔ نور نامہ میں ترتیب کار نے "کور دو" لکھا ہے جو غلط ہے۔

Marfat.com

بہ عرفاں درخیاباں مخمور و سرمست ﴿ ز ساقی خواستہ توقف دمادم

زاہدہ بی بی

آپ کے بارہ میں روضۃ الرّیاض میں بہت مختصر سا تذکرہ ہے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی طالبہ تھیں، ہمیشہ اپنے راہبر کی خدمت کی۔ تزکیہ نفس میں یکتائے روزگار گذری ہیں۔ آپ بھی زالشو میں ہی دفن ہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کا مُولد کہاں پر تھا، اور کس سال آپ حضرت شیخؒ کے حلقہ ارشاد میں شامل ہوئیں۔ ﴿

شنگہ بی بی عرف "یاون مُثری"

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں صفحات ۶۵ تا ۶۷ اور صفحہ ۱۵۷ "صحیفہ نور" جلد اوّل۔ آپ نے تائب ہونے کے بعد اپنی مابقیہ زندگی حضرت شیخؒ کی خدمت میں گزاری۔ اپنے راہبر کامل کی وفات کے بعد بابا نصر صاحبؒ کے اہتمام میں رواں ریشی مرکز کے لنگر خانہ کا چارج سنبھالا۔ لیکن بعد میں اس قدر اپنے مرشد کے ہجر میں زار و قطار روتی تھیں کہ مرقد پیر کے دروازہ پر ہی بیٹھی رہتی تھی۔ وہیں پر عبادت کرتی تھی اور وہیں پر دفن کی گئی۔ آرزو تھی کہ جو بھی زائر فیض حاصل کرنے کے لئے آستانِ عالیہ کے اندر جائے اور وہاں سے فیضیاب ہو کر نکلے

Marfat.com

وہ اس کی قبر پر سے چل کر گذرے ۔ پیر کی وساطت سے قدرت نے آرزو پوری کی ۔ اب بھی زائر اس کے مرقد کے اوپر سے چل کر اندر داخل ہوتے ہیں ۔

دتہ بی بی

حضرت شیخؒ نے جنوبی کشمیر سے آنے کے بعد سرینگر کے متصل موختہ لوہ کھری نزدیک صورہ قیام کیا ۔ یہ قیام اگرچہ بہت مختصر رہا یعنی صرف چھ ماہ کا رہا ہے مگر اس کے دوران ہی آپ نے اپنا دیرپا اثر حلقہ اقتدار اور ارباب رسوخ میں سرایت کیا ۔ اسی قیام کے دوران لدّی رینہ حکومت وقت کا باجگذار راجہ آپ کے فیض نظر سے دائرہ اسلام میں داخل ہوکر خود صاحب نظر بن گئے ۔ یہیں پر سنگہ بی بی اپنے فانی شباب کو کھو دیتی ہے مگر لطف علمدارؒ سے دائمی جوانی حاصل کرتی ہے اسی جگہ پر دتہ بی بی جو شاید نوشہرہ کے اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی چشم چراغ تھی اسکو خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور قلیل عرصہ میں ولایت کے مقام کو پاتی ہے ۔ پھر دتہ بی بی ہی نے موختہ لوہ کھری کے اس ذیلی مرکز کیلئے نگران اعلٰی مقرر ہوئی ، شیخ کاملؒ کے یہاں سے چلے جانے کے بعد شہر طبقہ خاصکر اعلٰی اور ادنٰی گھرانوں کی عورتیں آپ سے ہی استفادہ حاصل کرتی رہیں ۔ سیاحت کے دوران جب بھی علمدار ہستی زون سے گزرتے تھے تو یہیں قیام کرتے تھے اور دتہ بی بی ہی انکی خدمت کیا کرتی تھی ۔ سال وفات معلوم نہیں ہے البتہ

Marfat.com

موختہ اپنے گھر ہی میں ہی دفن ہے ۔

سِلا بی بی اوّل

مستورات رشی کاروان میں ایسی مرتاض خواتین گزری ہیں جن کا ہمیں زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے ۔ البتہ چند کے صرف اسمائے گرامی ہم تک پہونچے ہیں جن میں دو خواتین سِلا بی بی کے نام سے مشہور ہیں۔ سِلا بی بی اوّل تو حضرت شیخ رح کے حلقہ ارشاد میں مرکزی کشمیر کے دورے کے دوران آئیں ہیں۔ آپ ان خواتین میں معرفت تقسیم کرتی تھیں جو حضرت شیخ رح کے پاس یا دیگر مراکز پر فیض طلبی کے لئے آتی تھیں۔ چرار شریف کے آستانِ عالیہ کے موجودہ غلام گردش کے نزدیک دفن ہے ۔

سِلا بی بی دوئم

آپ جنوبی کشمیر سے تھی، اور سِلا بی بی اوّل کے ساتھ ہی مستورات کے تبلیغ کے لئے معمور تھی۔ سلا بی بی اوّل کے پہلو ہی میں آستان فیض پناہ میں دفن ہے ۔

سنگہ بی بی

حضرت شیخ رح کے بعد ان کے حلقوں میں بھی بہت سی خواتین شامل

Marfat.com

ہوتی رہیں۔ مگر ان سینکڑوں میں سے سنگہ بی بی ایسی باکمال کشمیری خاتون گزری ہے جس نے مرد طالبوں کو بھی خلعتِ ارشاد سے نوازا ہے اور جس نے باضابطہ اس مسلک طریقت کے فیض کو رواں رکھا۔ یہ فخر لل دِید، شام دِید، بہت دِید اور دہت دِید جیسی عظیم خواتین کو بھی حاصل نہ ہوا کہ وہ یا ان میں سے ایک بھی کسی طالب کو خود حلقہ ارشاد میں لایا ہو۔ اس کے برعکس سنگہ بی بی نے مردوں اور عورتوں کی تربیت کی اور انہیں ولایت کے خلعت عطا کیے۔

آپ پرگنہ حمل (موجودہ رفیع آباد) کے گاؤں کنز ھل وان کے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تھی۔ پرگنہ کھوییہامہ میں حضرت بابا شکور الدینؒ کی خدمت میں آئی اور ان سے تربیت پاکر زبردست ریاضت کی۔ سال بھر روزے رکھتی تھی، راتوں میں نوافل ادا کرتی تھی تزکیہ نفس کا یہ عالم تھا کہ جنگلی ترکاری بھی شام سیر ہو کر نہ کھاتی، اپنا گھر بار چھوڑ کر دور افتادہ مقام بوٹھو پرگنہ کھوییہامہ (موجودہ بانڈی پورہ) آئی۔ یہیں ایک بلند پہاڑی پر قیام کیا جو آج بھی جنگل ہے۔ اور تب کا حال کیا ہوتا۔ بوٹھو میں ہی ایک نمایاں قبر کے بارے میں کئی محققین کی رائے ہے کہ یہاں پر حضرت موسیٰؑ دفن ہیں اور عام لوگ اس مقام کو مقبرہ موسیٰؑ کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ سنگہ بی بی کے خادم پر شیر حملہ آور ہوا تو اپنی کٹیا سے ہی شیر پر گرجتی ہے۔ شیر نے تنبیہہ کا پیغام سنا اور آپ کے خادم کو بنا کسی گزند پہونچانے کے آگے تک راہبری کی۔

Marfat.com

جو فیض بابا شکور الدینؒ سے حاصل کیا تھا وہ آپ نے اپنے مرید خاص حضرت بابا نبکی ریشی کی وساطت سے آگے تک پہونچا دیا۔ آپ ۱۵۰۰ء میں وفات پا چکے ہیں۔

گنگہ بی بی

یہ وہ نام جن کے بعد آج تک ہم نے کسی اور کشمیری ریشی خاتون کا نام پڑھا نہ سنا ہے۔ اس طرح آپ آخری ریشی خاتون ہیں۔ آپ کی ہم عصر مرتاض خاتون ریشی سنگلہ بی بی تھی جس کا ذکر ہو چکا۔ آپ کے شوہر بابا لنگرمل کا تذکرہ آ چکا ہے جو علاقہ رفیع آباد کے متمول ترین بیوپاری تھے۔ دولت اکثر استحصال سے ہی جمع ہوتی ہے، اور استحصال ظلم و تشدد کا دوسرا نام ہے۔ اس طرح لنگرمل صاحب اپنے علاقہ میں بدنام ظالم تھے مگر اس نیک خاتون کے اثر سے آپ بابا لدہ مل کے حضور میں گئے جنہوں نے آپ کو ہدایت کر کے راہِ مستقیم پر لایا۔ گنگہ بی بی نے بھی اسی کامل لدہ مل کے دست مبارک پر بیعت کی اور بلا ناغہ برابر تین سو دن سال میں روزے سے رہتی تھی۔ مال و دولت رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کیا۔ کئی مسجدیں، پل، شاہراہیں اور پگڈنڈیاں بنوائیں۔

جب بابا لدہ مل ڈنڈک وزا میں خلوت نشین ہوئے تو اس خاتون کے ذمہ ایک ہی اہم کام تھا، وہ اس خوفناک جنگل میں جہاں خطرناک

Marfat.com

جنگلی جانور دن رات گھوما کرتے تھے یہ خاتون اپنے پیر کے لئے چشمہ
سے پانی لایا کرتی تھی جو جگہ بابا صاحب کی کٹیا سے بہت دور تھی
جنگلی جانور اس کے راہ میں آکر گردن جھکا کر راستہ تبدیل کرکے
چلا کرتے تھے۔ آپ نے پیش گوئی کی کہ شب جمعہ کو وفات پائے گی اور
اپنے طالبین سے ہدایت کی تھی کہ نماز جمعہ سے قبل اس کی تجہیز و تکفین
ہو پائے۔ آپ ۱۵۳۰ء میں جمعہ کی رات میں واصل بہ حق ہوئی اور
صبح اس کے جسد خاکی کو ہندون پورہ۔ رفیع آباد میں سپرد خاک کیا گیا
اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ۔

حاصلِ بحث

گو کہ ریشی مسلک اور تحریک کے ارتقاء کا تاریخ بیان کرنے میں ہمارا مقصد خصوصی طور یہی تھا کہ ہمارے قارئینِ کرام اندازہ کر پائیں کہ چودھویں صدی سے لیکر سولھویں صدی تک دو صدیوں کے دوران کس طرح ریشیت کشمیر کے اطراف و اکناف پر چھا گئی تھی۔ اور اس ہمہ گیر اثر کا ہی یہ منطقی نتیجہ تھا کہ لوگ ـــ مرد و زن ـــ اس تحریک میں ہر خطہ سے ہر طبقۂ حیات سے اور ہر فرقہ سے شامل ہوئے تھے۔ اور اس طرح چھا گئے ریشیانِ پاکیزہ نفس کہ کشمیر کا دوسرا نام "رِیشِ وار" ـــ "خطۂ ریشیاں" پڑ گیا، کشمیر کی شناخت ریشی بن گیا اور ریشی۔ لفظی طور بھی اور اصطلاحی طور بھی دیگر تمام شناختیں کھو کر اسی طرح محض کشمیریت کا آئینہ دار بن گیا، جس طرح "صوفی" بھی روحانی عظمت کا نمائندہ تشخص پا چکا ہے۔ حِصّہ اوّل میں بیان کیا گیا کہ اس مسلک پر کسی بھی ریشی نے کوئی رسالہ تحریر نہ کیا۔ نہ کوئی لٹریچر اس کا مرتب ہوا جس سے اس مسلک کی تعریف، توضیح، تشریح وغیرہ کے بارہ میں ہمیں مکتفی اشارات ملتے۔ البتہ اس تحریک پر سترھویں یا اٹھارھویں صدی میں عالموں، فاضلوں اور مرتاض شخصیات نے خامہ فرسائی کی مگر ان کے لئے ریشیت کے بارے میں اطلاعات اکتسابی ہی رہے، ۵۵

Marfat.com

خود اس مسلک سے وابسطہ نہیں تھے۔ گو کہ بابا نصیب الدّین غازیؒ خود بھی بہت حد تک ریشی طرزِ عبادت سے متاثر لگتے ہیں، بلکہ یہ اثر اس کی عمل سے بھی واضح ہے مگر وہ ایک ریشی ولی نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ریشیت پر جو عالمانہ بحثیں ہوئیں ان سے اس مسلک کا صحیح تجزیہ نہ ہو سکا بلکہ وہ تبصرہ زوال پذیر ریشی تحریک کے شکستہ موّاد پر ہی مُرتّب ہے۔ بلکہ آج بھی ہمارے بزرگ علماء جب اس تحریک کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں تو اس مسلک کو شرعی لوازمات سے بعید پاتے ہیں۔ ایسا محض انکی محدود علمیت کا نتیجہ ہی ہے۔ انکے ہاں ریشیت میں گوشت خوری اور ازدواجی زندگی پر قدغن لگی ہوئی ہے۔ لہذا یہ مسلک ان کی رائے کے مطابق ہندو رہبانیت کا محض تسلسل ہے۔ لیکن ہم ان دوستوں اور بزرگوں سے یہی استدعا کرینگے کہ وہ اس سارے مواد سے (جو ہم نے تذکرات اور تاریخوں سے جمع کر کے پیش کیا ہے۔) کچھ اہم بکھرے ہوئے واقعات اکٹھا کر کے تسلسل کے رشتہ میں پرو لیں، پھر خود اندازہ کریں کہ اس تحریک کا فلسفہ کیا ہے، اس کے اغراض و مقاصد کیا تھے، اس کے آئین کا خاکہ کس طرح بلا تکلیف و دِقت کے مُرتب ہوتا ہے۔ ہم ان کی سہولیت کے لئے ان بکھرے ہوئے اشارات کو دیگر مواد سے الگ کر کے ترتیب میں پیش کرینگے ـــ تکرار کے لئے معافی چاہتا ہوں، مگر ایک بار پھر ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ ہم عصر تاریخی مواد عدم دستیاب ہے۔ تذکرات لکھنے کا اہم ترین مقصد تذکرہ نویسوں کو صرف حضرت شیخ

Marfat.com

کے کرامات کو اور اُن کی ریاضت کے کارناموں کو پیش کرنے کا تھا اسی عظمتِ شیخ کے بیان کے لئے علمی تبحر، زبان دانی، فصاحت و بلاغت اور دیگر تخلیقی و ادبی جوہر داؤ پر لگائے گئے اور صرف عظمتِ شیخ کے بیان کرنے کے ضمن میں اُن کے خلفاء اور ان کے مُرید رشتیوں کا تذکرہ کیا گیا۔

گو کہ عبادت و ریاضت صرف خوشنودیِ خداوند عزّ وجل کے لئے تھی، مگر خدمتِ خلق، فقر، انکساری، عاجزی، سیاحت اور جا بجا خرقِ عادت کرامات کا اظہار کسی فوری مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ تھے ۔ یعنی اس تحریک کے مخصوص اغراض و مقاصد تھے جن کو عمل میں لانے کے لئے ایک لائحہ عمل کا وجود ہونا بھی منطقی امر بنتا ہے مگر ہمارے تذکرہ نویس نہ اس مقصد کی جانب کوئی اشارہ کرتے ہیں اور نہ ہی وہ مقصد بروئے کار لانے کے لائحہ عمل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چھوٹا منہ ہے مگر بات بڑی کرتا ہوں کہ شاید ان تذکرہ نویس حضرات کو نہ اس "مقصد" کا اور نہ وہ مقصد حاصل کرنے کے لائحہ عمل کا کوئی عرفان تھا۔ ممکن ہے کہ کئی اصحاب ہم پر بھی اسی طرح کے لیبل چسپاں کر سکتے ہیں اور برملا کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریک میں خاص کوئی مقصدیت نہ تھی اور نہ ہی وہ مقصد پورا کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل بنا تھا ـــــــ بلکہ مقصدیت اور لائحہ عمل ٹھونسنے کا الزام ہم پر ہی عاید کر سکتے ہیں ۔ مگر کچھ واقعات اس مواد میں موجود ہیں جو ہمارے دفاع کے لئے مکتفی ہیں ۔

Marfat.com

حضرت شیخ نے اپنی اس تحریک کو اپنے ماضی کے ساتھ وابستہ کیا ہے یہاں یہ تاکید رہے کہ اگر آپ نے کئی اشعار میں اشارتاً مہاتما بدھ اور کئی دیگر مقامی ہندو یا بدھ راہبوں کا تعریفی تذکرہ کیا ہے مگر آپ نے بالتخصیص اپنی تحریک کا منبع و مصدر آقائے نامدار سرور دو عالم حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی تسلیم کیا ہے انہیں ریشی اوّل کہکر آپ نے وضاحتاً اس مسلک کو عرفانِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہی ذریعہ مان لیا ہے۔ اس منبعِ عرفان کے ساتھ آپ نے حضرت اویسی قرنیؓ کے ذریعہ سے ہی رشتہ باندھا ہے آپ اپنے ہی ماضی کو کھنگال کر عرفان کے اس پوشیدہ "دستا" کی نشاندھی کی جو ہمارے درخوں کی نظروں سے اوجھل تھی ۔ اور اس کے "ویری ناگ (مقامی مخزن) حضرت زلکا ریشی کی عظمت کو اُجاگر کیا۔ پھر ملا یش ریشی، رُمنہ ریشی اور میران ریشی کو اپنا پیشرو جتلا یا۔ مگر ان چاروں کی تعریفیں جو آپ نے کیں ان سے یہی اخذ ہوا کہ آپ چاروں اور ان کے جانشین ریشی خلوت نشین تھے۔ تزکیۂ نفس میں باکمال تھے بلکہ اسقدر اپنے نفسِ امارہ کو مغلوب کرکے لذائذ سے کنارہ کش ہوئے تھے کہ محض جنگلی جڑی بوٹیوں پر بسر اوقات کرتے تھے بلکہ درخت کا چھلکا اُٹھا کر اسی رطوبت کی کڑواہٹ کو چاٹ کر روزہ کھولتے تھے۔ واضح رہے کہ جب یہ اولین ریشی اولیا کشمیر میں توحید کے گیت گاتے تھے تب اسلام کی ضیا باری سے کشمیر کا ماحول منور نہیں ہوا تھا۔ یہ متقدمین بھی پہلے تو ہندو مت یا بدھ مت کے پیروکار تھے تو اپنے

Marfat.com

مخصوص دھرم کے دائروں میں رہ کر ہی روحانی مقامات کو چھو چکے تھے تو بعد میں اس اثر سے جو اسلام کا وادی کے سرحدوں تک پہونچا تھا، یہ مرتاض شخصیات بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اصحاب صفہؓ کی اتباع کرتے ہوئے ایک طرف تزکیہ نفس میں تکمیل حاصل کر کے جہادِ اکبر میں غازی ثابت ہوئے تو دوسری طرف وہ نور توحید کو پھیلاتے رہے اور یہاں کی سرزمین کو ایک روحانی انقلاب کے لئے ہموار کرتے رہے۔

اس پس منظر میں شیخ العالمؒ نے اپنے آپ کو ایک مختلف سچویشن میں پایا جس انقلاب کے لئے زمین ہموار کی گئی تھی اس میں سیّد عبدالرحمن بلبلؒ صاحب نے انقلاب کے بیج بو دیئے تھے۔ مسلم حکومت قائم ہونے سے اس نرسری کا تحفظ فراہم ہوا، پھر حضرت امیر کبیرؒ نے اس پنیری کو سرزمین کشمیر کے چپّہ چپّہ پر نصب کیا۔ انقلاب کے سرسبز و شاداب کھیت لہلہاتے تھے۔ شیخ العالمؒ یہاں کے موسمی حالات، زمین کی نمی، خشکی اور رطوبت وغیرہ کے بارے میں ماہرانہ دسترس رکھتے تھے خود کہتے ہیں:

" نُندہ ریشہ چھُ واقف کسنکارس "

(نُندہ ریشی کاشتکاری کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔)

حضرت شیخؒ نے دیکھا اور محسوس کیا تھا کہ انقلاب کے اس لہلہاتے کھیت میں اگر یہاں کے موسمی حالات کو نظر انداز کر کے آبیاری کی گئی یا کیمیائی ادویات کے استعمال میں کمی و بیشی ہو گئی تو حاصل میں نقصان ایک لابدی امر بن جائے گا۔ اس لئے آپ نے اسی روایت کو اپنا آلہ بنایا

Marfat.com

ریت موجود تھی جس میں سادگی، خلوص، فقیرانہ عجز، تذکیہ نفس ریاضت کا جذبہ سب کچھ موجود تھا تو اسی رواج کو اپنے لا اللّٰہ سے سرشار کرکے انقلاب کے نتائج کو ابدیت عطا کی۔ یہاں پر میں اتنا کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کو انقلاب آشنا کرتے ہوئے وہاں پر مروجہ رواجات کو تنسیخ و ترمیم فرمایا۔ ہاں سانچہ تو خدائی تعلیمات کا ہی رہا۔ اکثر و بیشتر مقامی رواجات کو ضروری تصحیح و ترمیم کے ساتھ توحید کے سانچے میں ڈھال کر انکو اسلامی شناخت عطا کی جو اس سانچے میں ڈھل نہ سکے۔ ایسے رواج کو کالعدم قرار دیا گیا۔ یہاں پر میں جناب عبدالرحیم صاحب کی کتاب سے اقتباس پیش کرتا ہوں:۔

"It would not be correct to suppose that Islam professed to repeal the entire customary law of Arabia and replaced it altogether with new laws. The fact is that the ground world of Mohammadan legal system ..... is to be found in the customs and usage of the people among whom it grew and developed." (1)

(1):- Principles of Mohammadan Jurisprudence (Lahore) S.15 Edn. 1958

Marfat.com

(یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ عرب میں سارے رواج جو وہاں کا قانون بنے تھے ـــــــ یکسر منسوخ کرکے بالکل نئے قوانین اُن کی جگہ نافذ کئے تھے۔ واقع تو یوں ہے کہ قانون اسلام کے لئے وہاں کے مروجہ رسم و رواج نے زمین ہموار کر رکھی تھی جو رواج اُن لوگوں کے پیدا کردہ تھے، جن پر اسلامی قانون کا نشو نما ہوا .....)

اسی طرح ایک مخصوص روحانی طرز عبادت نے، ایک خاص روحانی مزاج بنا یا تھا اسی مزاج (من و عن نہیں) بلکہ اسلامی سانچے میں ڈھال کر حضرت شیخ رح نے اس روحانی انقلاب کو یہاں کے ذہنوں میں سرایت کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

یہاں پر عام اعتراض لحم خوری اور تجرّد کے بارے میں کئے جاتے ہیں لیکن دونوں اعتراضات صرف اعتراض برائے اعتراض ہیں۔ لحم خوری کے بارے میں حضرت شیخ رح سے منسوب ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا[1]: "کہ آپ گوشت کیوں نہیں کھاتے ہو۔" تو آپ نے جواب دیا: "ہم ذبح کرنا نہیں جانتے ہیں اور دوسروں سے ذبح کیا ہوا نہیں کھاتے ہیں۔" پس یہ محض اجتناب ہے یا پرہیز ہے۔ اسی طرح اجتناب ہے جس طرح کہ حضرت بایزید بسطامی رح

حاشیہ [1]: پوچھنے والا تذکرہ نویسوں کی رائے میں حضرت میر محمد ہمدانی رح تھے، اور میری رائے میں سید غلام الدین صاحب نے ایسی توضیح طلب کی ہوگی۔

Marfat.com

نے تربوزہ کھانے سے کیا تھا کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ تربوزہ کو کس سمت سے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چھری سے کاٹا تھا کہ کہیں خلافِ سنّت نہ ہوئے۔

حضرت بسطامیؒ در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

اب یہاں پر معترضین اس آیت کریمہ کا حوالہ دیکر اس "اجتناب" کو ہدف تنقید بتاتے ہیں۔ آیت شریفہ یہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ ....

"اے نبی! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے (کیا اس لئے کہ تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو ..."

نقطہ اوّل یوں ہے کہ جس طرح حضرت شیخؒ نے گوشت نہ کھانے کی توضیح پیش کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ انہوں نے گوشت کھانا اپنے اوپر حرام نہ کیا تھا بلکہ اس لذت سے کسی معقول وجہ پر اجتناب کیا تھا۔ اس کے علاوہ راقم کوئی اور بحث نہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ معاملہ بہت نازک ہے۔ البتہ ایک عارفانہ مجلس میں اس بارے میں ہو گئی بحث کا نچوڑ پیش کرونگا جس مجلس میں ایک صوفی بزرگ سے اس بارہ میں سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے سوال کرنے والے سے پوچھا:

صوفی بزرگ :- کیا ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے

Marfat.com

مبارک پاؤں شب و روز کی عبادات سے متورم بھی ہوتے اور کیا آپ ص کے مازاغ البصر ہمیشہ خوفِ خدا میں اشک فشاں رہا کرتے تھے ؟

معترض :۔ بے شک

صوفی بزرگ :۔ کیا کبھی اللہ تعالیٰ نے آنحضور ص اس طرح اپنے اعضاءِ مقدسہ کو تکلیف پہنچانے پر روک لگا دی تھی ؟ ـــــ نہیں !ـــ کیونکہ یہ سب کچھ برائے رضائے اللہ تعالیٰ آپ ص کرتے رہے جبکہ اس آیت : "تبتغی مرضات ازواجک ط" سے صاف واضح ہے کہ یہ "ماسواللہ" کی خوشی کے لئے کیا گیا تھا اور شانِ جلالی برجوش آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس فقیرانہ توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ قارئین کرام کا توجہ حضرت ابوالاعلیٰ مودودی رح کے تفہیم القرآن جلد ۶ (ایڈیشن مئی ۸۶ء) صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۱۷ تک مندرج حاشیہ نوٹ (۲) کی جانب بھی مبذول کروں گا۔

حضرت شیخ رح نے میرپی میں گوشت کھانے پر قدغن نہیں لگایا تھا، بلکہ جو ریشی خود ذبح کرنا جانتا تھا اس کو گوشت کا استعمال روا رکھا گیا تھا۔ اور یہ شرط بھی محض برائے رضائے حضرت اللہ جل شانہٗ عائد کی گئی تھی۔

یہاں پر ایک اور نقطہ کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے کئی بزرگ اور خود حضرت شیخ رح یا ریشی تحریک پر اس اعتراض کے دفاع میں فرماتے ہیں : کہ ' ایسا شیخ رح نے اس لئے کیا تھا کہ مقامی آبادی کے جذبات کا احترام کیا جائے۔ یہ تاویل سراسر غلط ہے۔ یہاں پر ہندو لوگ

Marfat.com

بھی گوشت اور مچھلی خوب کھاتے تھے، بلکہ بُدھ بھی یہاں پر گوشت کھاتے تھے۔ اور راقم کو لداخ میں بھی عظیم گمپاؤں میں دعوتوں پر گوشت بکثرت کھلایا گیا ہے۔

روایت ہے کہ للہ عارفہ ایک دن دریا پر پانی لانے گئی، وہاں پر اس کی سہیلیاں جنہیں معلوم تھا کہ اُن کی ساس اُس کو چاول پیٹ بھر نہیں دیتی تھی۔ مگر چڑانے کی خاطر اُس سے کہتی ہیں:

سہیلیاں:۔ کیوں! للّی کل تمہارے گھر میں ہوَن تھا خوب گوشت اور کلیجی کھا کر آئی ہو۔"

جواباً للہ عارفہ کہتی ہے:۔ ہُنڈ مارِن یا کٹھ!
للّہ نِلہ وٹھ ٹزلہ نہ زاہ،

(ہاں! ہمارے سسرال والے دُنبہ ذبح کریں یا بھیڑ، لیکن للّی کی قسمت میں وہ پتھر لکھا ہوا ہے جس پر پکّے ہوئے چاولوں کے چند دانے میری ساس رکھتی ہے اور میں کہ وہ دانے چُن کر پتھر کو پھر اپنی جگہ پر رکھتی ہوں۔)

اس روایتی واقعہ سے انکار کریں تو داستانِ للہ عارفہ کی ہر کڑی خود بخود بگڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اس واقعہ سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کے زمانہ سے قبل بھی برہمن گوشت کھاتے تھے اور مذہبی تہواروں پر بھی گوشت کی ضیافتیں دی جاتی تھیں۔

دوسرے واقعہ کا بھی ذکر کرنا موزوں رہے گا کہ جب اشوک اعظم نے عالمگیر بُدھ کانفرنس کے لئے پدماپور (پانپور) کے ایک بدھ بھکشو کو بھی

Marfat.com

مدعو کیا تو سفیر کو بکھشو نے جب کھانے کی دعوت دیدی اس میں مچھلی کا شکار بھی پیش کیا گیا تھا۔

لہٰذا یہ بات غلط ہے کہ حضرت شیخ نے اس لئے گوشت سے اجتناب کیا تھا کہ مقامی آبادی کا دل رکھے گا نعوذ باللہ۔ (Policy of appeasment) اُن کے ہاں تھی ہی نہیں یہاں، ایسا تو بعد میں یہاں کے پیروں اور رصفا باطن طبیب نے کیا۔ پیر صاحبان مرید کو بڑا گوشت کھانے سے پرہیز عائد کرتے تھے اور اسی طرح طبیب بھی اپنے مریضوں سے بڑے گوشت سے پرہیز کی تاکید کرتے ہیں۔ وجہ خاص طور جذباتی ہی ہے۔

دوسرا اعتراض نکاح کے بارہ میں ہے۔ گو کہ نکاح زرا سنّت ہے اور حضرت شیخ خود بھی شادی شدہ تھے، تین اولاد کے باپ تھے۔ خود ہی آپ نے اپنے ایک مرید خاص کو دوسرے خاص مرید سنگرم ڈار کی بیٹی کے ساتھ نکاح انجام دیا تھا۔ حضرت زوگی رشی مسلک کے پیرو ہونے کے باوجود عہد بڈشاہی کے مدار المہام تھے اور صاحب اولاد تھے۔ ہاں جب آپ بابا النصر صاحب کی جگہ تحریک کے لیڈر بنے تو ہمہ وقت تحریک کے ساتھ منہمک رہنے کی وجہ سے گھر بہت کم جایا کرتے تھے، ہمہ وقت اپنے مشن میں لگن کے ساتھ وابستہ رہنے کی وجہ سے خانگی زندگی میں مشغول نہ رہے۔ یہ ہمارے عہد میں بھی دیکھنے میں آیا ہے قائد اعظم محمد علی جناح اپنے مشن میں یوں مگن رہے کہ آپکی ازدواجی زندگی اتنی قلیل ہے کہ نہ ہونے کے برابر تصور ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مولنا ابو الکلام آزاد کی ازدواجی زندگی بہت مختصر رہی ہے۔ گو کہ

Marfat.com

معترض اُن پر بھی اعتراض کر سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی زندگیوں کا بیشتر حصّہ ایک طرح کے تجرّد میں گزارا تھا ــــ معترض کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے بھی اُن کے قول کے مطابق اُسوۂ حسنہ کے عمل سے اجتناب کیا تھا، مگر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نکاح کرنے پر ریشیان کو کوئی امتناع نہیں تھا بلکہ یہ ہر ریشی فرد کو اس معاملہ میں آزادی تھی کہ وہ نکاح کرے یا نہ کرے۔ اس بارہ میں حضرت شیخؒ کے اُن اشلوکوں کی غلط تاویل نے بھی ایک غلط تاثر قائم کیا تھا کہ آپ نکاح کے خلاف تھے۔ ہم نے ایسی تاویلات کی تردید کی ہے (ملاحظہ ہو جلد اوّل، صـ۱۴۷)

اب واضح ہے کہ اسی بنیاد پر شیخؒ العالم نے اس تحریک کی عمارت قائم کی جو بنیاد میں ان سے قبل زلکار ریشی، پلاس ریشی وغیرہ نے قائم کی تھی۔ البتہ اس حرم سے لات و عزّیٰ کو نکال کر آپ نے اس کو توحید کی بے باکی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسک کا آشنا بنا دیا۔ یہ محض ایک صوفی مسلک نہیں تھا نہ بھگتی تحریک کا کشمیری روپ تھا، نہ صرف تزکیہ نفس اور شب و روز عبادت گزاری ہی اس کا لائحہ عمل تھا۔ اگر صرف ایسا ہی ہوتا تو غارِ کیموہ، شہماٹینگ یا فکرہ ٹینگ کے مقامات اس غرض کو پورا کرنے کے لئے کافی تھے۔ آپ کیوں پرگنہ وار اور قریہ قریہ کشمیر کی مسافت کرتے، کیوں مصاحبوں کی تلاش میں کبھی پلماڑ کشتوار جانے اور کبھی چلہ کلان کے سخت جاڑے کے ایام میں سید علیؒ کے استقبال میں جانے کے لئے خطرات مول لیتے۔ آپ لنگر خانے کیوں قائم کرتے، حتیٰ کہ ریشیوں کی غذا بہت مختصر تھی۔ ریشی

Marfat.com

مراکز کے مابین مواصلاتی انتظام سے رابطہ قائم رکھنا بھی تو ایک مخصوص مقصد کی نشاندہی کرتا ہے۔ آپ اپنے سادہ اور پُرخلوص رشتیوں کے فوج میں عورتوں کا ایک دستہ کیوں قائم کرتے؟ یہ سب واقعات مصحفِ انقلاب کے باہمی مربوط ابواب ہیں۔

جیسا کہ کہا گیا اس انقلاب کا کیا لائحہ عمل تھا، ہمارے پاس واضح طور منضبط نہیں ہے۔ ہاں جو اشارات ہمیں اس طویل بحث سے حاصل ہوئے ہیں جو ان دو اجزا میں کئے گئے انہیں کچھ اس تسلسل میں پیش کیا جاتا ہے۔

- ۱ = رشیدیت محض ایک صوفی مسلک نہیں تھا بلکہ ایک منظّم تحریک تھی، جس کے قائد نے خود اپنے آپ کو اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں بہت محنت کے ساتھ ڈھالا تھا۔ اس خلوصِ عمل سے آپ عوام کے لئے باعث کشش بنے تھے۔
- ۲ = آپ اپنے مُریدوں کو نہ صرف تزکیہ نفس، ریاضت، مجاہدہ اور عبادات کی تلقین کرتے تھے بلکہ انہیں اس طرح خدمت خلق پر مامور کیا جاتا تھا کہ ہر ایک رشیی انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور بھی منظم انقلاب کا نقیب بن جاتا تھا۔
- ۳ = اس منظم انقلاب کا مقصد یہی تھا کہ انسان کا شعور، آگہی، وجدان، سوچ، اٹھ بیٹھ سب کچھ صرف اللہ کے لئے رہے اور غیر اللہ کا کہیں اس میں کوئی دخل نہ ہو پائے۔
- ۴ = خوف خدا سے اپنے وجود کو آراستہ کرنے کا غرض خاص

Marfat.com

طور یہی رہا ہے کہ بندگانِ خدا اور مخلوقِ حق کی خدمت کی جائے اس خدمت گذاری میں خلوص کار فرما رہے۔ غرضمندی کا شائبہ تک موجود نہ رہے۔

● ۵ = جب خدمتِ خلق مقصد ہو تو خلقِ خدا پر ظلم استحصال جبر اور تشدّد کی کوئی کاروائی بھی ناقابل برداشت بن جاتی ہے۔ اسی لئے ریشی کے دل میں یہ جذبہ سرایت کیا گیا کہ وہ امتیازِ مَن و تُو کو مٹا دے۔ ہر امتیازات مٹانے کے لئے عجز و انکساری ضروری ہے، اس لئے یہ دو خصائص ریشیت کے اہم دو ستون بن گئے۔

● ۶ = امتیازِ مَن و تُو سے وہی بے نیاز ہو سکتا ہے جو اپنے کو اوروں کے مقابلہ حقیر تصوّر کرے، ایسا تصوّر ہی ذات پات کے عقائد کے لئے سمِ قاتل ہے۔ ذات پات کی نفسیات ہی سماجی ظلم کو بڑھاوا دیتی ہے۔

● ۷ = ریشی مراکز میں ریشیوں (Reshi Caders) کو اسی طرح اس خاص ڈسپلن کا مزاج بنایا جاتا ہے جس طرح چینی تمدنی انقلاب کے دوران کمیونز (Comunes) میں ایک مخصوص تمدنی سوچ کے لئے ہمارے ہی عہد میں آراستہ کیا گیا تھا۔

● ۸ = ان تربیت یافتہ ریشیوں کو ہر قسم کی تربیت دی جاتی تھی۔ شیخ صاحبؒ کی ذاتی سیاحت سے اخذ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی گھوڑ سوار تھے، اور انہوں نے ریشیوں کے لئے گھوڑ سواری کی تربیت

Marfat.com

لازمی بنائی تھی۔ اس کا اندازہ ہم اس واقعہ سے کر سکتے ہیں[1] جو لولی حاجی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ ہم کلام شیخ میں اسی جلد میں تذکرہ کر رہے ہیں کہ حضرت شیخ نے کس طرح گھوڑا بطورِ علامت استعمال کیا ہے، جس سے صاف واضح ہے کہ آپ کو اسپِ تازی کے ساتھ ایک قسم کا خاص لگاؤ تھا۔

● ۹ = اس تحریک کے ارکان نہ صرف بوڑھوں، معذوروں اپاہجوں کی خدمت کرتے ہیں اور رفاہ عامہ کے کام کرتے ہیں، یا مسافروں کے لئے چشموں سے پانی کے مٹکے لاکر شاہراہوں پر رکھتے ہیں، یا شاہراہوں اور پگڈنڈیوں پر سایہ دار اور میوہ دار درخت نصب کرتے ہیں۔ بلکہ ضروریات زندگی کی بہم رسانی میں عوام کی مدد کرتے تھے ۔ جیسا کہ حصہ اوّل میں کہا گیا ہے۔ (ص ۱۳۸)، کہ ضروریات زندگی میں واحد ایک شے نمک کی تھی جو کشمیر میں پنجاب سے درآمد کیا جاتا تھا۔ اس بارہ میں صرف دو واقعات کی طرف صرف اشارہ ہے۔ اسی جزء کے صفحہ ۱۳۸ پر ذکرِ بابا رکن الدین عرف "ریشی" کا ملاحظہ ہو۔ چونکہ اس واقعہ سے موصوف کے صاحب حال ہونے کا تذکرہ مقصود تھا، اسی وجہ سے یہ داستانِ نمک یہاں پر آئی ہے۔ اسی طرح بابا گنگی ریشی جب اندرونی انقلاب سے آشنا ہوئے تو سوال پیدا ہوا کہ وہ کس طرح اپنی دولت کو مفادِ

Marfat.com

عام کے لئے خرچ کریں۔ یہ سوال ان کے ذہن پر حاوی رہا۔ انہوں نے دیکھا کہ نمک وہ شئے ہے جس کی ضرورت غریب، محتاج، گائے گھوڑے، رئیس اور امیر ـــــ سبوں کو یکساں طور تھی۔ ان ایام میں یعنی آج سے چار سو سال قبل پنجاب کے کوہستانوں سے نمک کھنڈر اجوری تک لایا جاتا تھا، جہاں سے وادی میں مزدوروں کے ذریعہ لایا جاتا تھا۔ گنگی ریشی اس وقت کے ایک روپیہ کے بدلے ۳۲ سیر نمک اپنے کندھوں پر لاکر چوپایوں کو پکڑ کر کھلاتے تھے اور غریبوں میں مفت تقسیم کرتے تھے۔ اسی طرح اس نے اپنی ساری دولت ختم کی اور یہی اس کا محبوب ترین مشغلہ رہا۔ یہاں پر نندی ریشی کا بھی حوالہ ضروری ہے جن کے بارہ میں مشہور ہے کہ اس نے قبل شیخ عہد کے ریشی سوزن ریشی کی تپسیا بھنگ کر کے اس کو آمادۂ گناہ کیا ـــ وہ اس حادثہ پر پچھتایا اور زار زار روتے ہوئے مر گیا۔ نندی نے اپنی اس غلطی پر بہت پچھتایا، کفارہ کے طور اپنی دولت ساری عوامی کاموں میں خرچ کی، اور کچھ دولت نمک کی خریداری پر صرف کر کے باہر سے لایا ہوا وہ نمک غریبوں، محتاجوں اور چوپائیوں کو کھلانے کے لئے سالوں میں تقسیم کرتی تھی۔

چونکہ یہ دونوں واقعات دو ریشی شخصیات کے کارناموں سے وابستہ ہیں لہٰذا ہم تک ان کا تذکرہ پہنچا ـــــ کاش اگر اسی وقت نقطۂ نظر سے اجتماعی طور ریشی تحریک کا تاریخ مرتب ہوا ہوتا

Marfat.com

تو ہم تک اتنے واقعات اس ضمن میں پہونچے ہوئے ہوتے کہ یہ خود بخود ثابت ہوتا کہ رفاہ عامہ کے کاموں میں ضروریات زندگی کی سپلائی قائم رکھنے میں بھی ریشی تحریک کا زبردست عمل دخل تھا۔ مگر؟

● ۱۰ = نورُوز ریشی کے تذکرہ میں دیکھا گیا کہ نیکی ریشی کے محض ایک جملہ سے اُس کی تقدیر بدل گئی۔ اور اسی تذکرہ سے واضح ہے۔ نیکی ریشی صاحب باضابطہ جنگلی درندوں کو پالتے تھے اور اپنے اولادوں کی طرح انہیں کھلاتے تھے۔ جو ریشی خود گوشت کھانے سے اجتناب کرتے تھے، وہی شیر، گیدڑ، ریچھ وغیرہ کو خود اپنے ہاتھوں سے بوٹیاں کھلاتا ہے۔

حضرت شیخ رح اور ان کے اکثر خلفاء جنگل سے استادہ سبز درخت کاٹنے پر ناراضگی کا ردِ عمل فوراً ظاہر کرتے تھے......

"کنہ گامن بگہ زُھویہ" نظم میں آپ نے کنڈی علاقوں میں رہنے والے لوگوں پر طنز کرتے ہوئے ان کی گوشمالی کی کہ وہ چراگاہوں میں اپنے چوپایوں کو نمک کھلانے جاتے ہیں تو واپسی پر بلا ضرورت کوئی نہ کوئی سبز جنگلی درخت کاٹ کر ماحول کو نقصان کرتے ہیں۔

اس منفی عمل پر ان کا ردِ عمل سنگین تھا، مگر عملاً گاؤں کے ارد گرد راستوں پر اور خالی کھیتوں میں سایہ دار درخت نصب خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ ان درختوں کی خاصکر چناروں کی گدائی اور رکھوالی تب تک کرتے رہتے تھے، جب تک وہ مضبوط

Marfat.com

سے جڑیں اکھڑتی تھیں۔ اس عمل اور ردِّ عمل سے یہی واضح ہے کہ رشی تحریک کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد کشمیر کے ماحول کا نہ صرف تحفظ کرنا شامل تھا بلکہ شدّت کے ساتھ اس بات میں تاکید رہی تھی کہ جنگلات کو بڑھاوا دیا جائے اور جنگلی جانوروں کی نسل کو بھی بڑھایا جائے۔ تاکید کی یہی شدّت لئے ہوتے ہوئے فی زمانہ ختم ہو گئی اور کشمیر جنّت نظیر کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔

۱۱ - تزکیۂ نفس اور ریاضت کی کٹھن اور دشوار مراحل ایک رشی کو طے کرنا پڑتے تھے۔ اس میں لے دے کا کوئی اثر شامل نہیں تھا۔ تزکیہ نفس اور ریاضت اسلامی تعلیمات کا رُوح ہیں، اور اسی خمیر سے کشمیری ضمیر مُرکّب تھا۔ لہذا مقامی روایات اور اسلامی تعلیمات کا اس طرح امتزاج کیا گیا کہ مقامی عینک سے دیکھنے والوں کو یہ رُوحانی فلسفہ اپنے ہی شعور کی پیداوار نظر آیا اور حضرت میر محمد ہمدانی رح جیسے شریعت کے باشعور عالم نے اس سارے عمل کو شرع اسلام کے دائرہ میں پایا۔ شدّت کے اس ڈسپلن۔ تزکیہ نفس اور ریاضت کے عمل سے یہی مقصد تھا، کہ ایک (Full Timer) ہمہ وقتی رشی کا عزم و قوّت، مصائب و آلام اور سختی کی بھٹی سے پک کر ناقابل شکست نکل آئے۔ "ہمہ وقت رشی" کی ترکیب سے یہ ثابت ہے کہ حضرت شیخ کے تربیت یافتہ یا اُن کے خلفائ سے تربیت یافتہ لوگ سب تحریک

Marfat.com

کے سرگرم کارکن نہیں بنتے تھے، بلکہ اکثر اپنے اپنے مشاغل کے ساتھ ہی وابستہ رہتے تھے۔ ہم تک ان ہزارہا لوگوں کا ذکر آتا تو کیسے، مگر مُلّا احمد کاشمیری، ملک زُوگی رینہ اور خود سلطان زین العابدینؒ پر نہ صرف حضرت شیخؒ کی تعلیمات کا اثر تھا بلکہ اُن سے انہیں استفادہ بھی تھا، ایسے بھی لاتعداد افراد ہوں گے جن کا تذکرہ مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے بالکل نظرانداز کیا۔

۱۲۔ = پرگنہ وار ریشی مراکز قائم کرنا، ان میں باہمی تال میل قائم رکھنا، مرکز کے ساتھ ان ذیلی مراکز کا جڑے رہنا، تحریک کے قائدِ اعظم کا ہر دم پابہ رکاب رہنا، رفاہِ عامہ کے کام میں مگن رہنا، خدمتِ خلق کے لئے متبادل رسد رسانی تک کا انتظام کرنا۔ یہ سب ایک منظم انقلاب کے ہی خد و خال ہیں۔ اور اس انقلاب نے ایک متوازی انتظامیہ قائم کیا تھا جس کا نہ تو دعویٰ سیاسیات کا تھا، نہ سیاسی غرض تھی۔ اگر ایسے کارڈر پر نظم پابندیاں عائد نہ ہوں تو پھر ضرورت ان کے قدم ڈگمگاتی۔

ہم اپنی داستان کو جو ہمارے یادداشت کی تختی پر کندہ ہے اور اس وقت بھی رقم ہو رہی ہے ذرا ایک بار پڑھیں۔

۱۹۳۱ء سے لیکر تا دمِ تحریر ہم نے تحریکِ حُریت کو جوان خون سے سینچا ہے، مگر یہ بھی ایک ٹکے کے بازار میں بولی کا مال بن گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے قائدین کو تحریک کے کاڈر (cader) کو حتیاج (ضرورت) نے رُوباہ مزاج بنا۔ اس وقت ہم نے اس "رشوت ذدگی"

Marfat.com

بیرہ واری اور سید واری کو منقب میں "شہید واری" بنایا ہے۔ اس خطۂ جنت نظیر کا چپہ چپہ شہیدوں کے خون سے رنگین ہے۔ پہر گاؤں میں جہاں کبھی صرف ایک ریشی یا ایک سید صاحب یا ایک پیر صاحب کا روضہ تھا وہاں پر اب درجنوں شہداء کے روضے ہیں، مگر پھر بھی ہم میں سے کوئی اُدھر بکا کوئی اِدھر بکا ــــ کیوں؟ احتیاج، ضرورت، بنگلوں میں رہنے کی ضرورت، مرغن غذا کھانے کی ضرورت، کشمیری یا شاہ طوس کے شال لیڈران کرام کے زینتِ دوش بنانے کی ضرورت، مارُوتی، سومُو اور امبیسڈر کاروں میں سیاحت کی ضرورت، سپوتوں کو عیش و آرام کی نوکریاں، لعل و جواہر کی کانیں بہم رکھنے کی ضرورتیں۔ انہی ضرورتوں نے ہم کو بولی کا سامان بنا دیا ہے۔ ادیب، عالم، واعظ، مبلغ قوم کے ضمیر کے محافظ ہیں، مگر یہ سب، جن میں راقم بھی شامل ہے ــــ ایک صاحب کے دیوان خانے میں بک آئے کبھی دوسرے صاحب کے ڈرائنگ روم میں اپنے ضمیر کو پوٹلی میں رکھکر بیچنے کو گئے مگر قیمت نہ مل پائی اور بے آبرو واپس آئے کوئی ریڈیو کے بازار میں بک گیا، کوئی دُور درشن کے جلوۂ سراب کے عوض بک گیا۔ کیوں؟ ضرورتوں کا لامتناہی سلسلہ۔

کشمیریوں کا ضمیر ہی کچھ جنس ارزاں بنا ہے اور خاصکر زیجی کے تشدد نے اس قوم کے ضمیر کو بالکل بے حس بنا یا تھا۔ لہذا ایک ایسی تحریک کی ضرورت پڑی جو علم و عرفان کے گھی اور تیل سے ضمیر کے چراغ کو ان آندھیوں میں بھی فروزاں رکھ سکے۔ وہ صرف خون جگر سے وضو کرنے

Marfat.com

والا شخص یا لیڈر ہی ہو سکتا تھا، مگر اس لیڈر کو سختی جھیلنے کی بھٹی میں پختہ کرنا تھا۔ اسی لئے اس کو ضرورت سے بالاتر بنایا گیا۔
کشمیر کے گھاس میں بھی وہ غذائی جوہر موجود ہیں جس سے اگر شکم پوری تو نہ ہو سکے مگر قویٰ مضمحل نہ ہو پائیں لہٰذا یہاں پیٹ پر پتھر باندھنے کی جگہ ہند اور وُوپل ہاکھ نے لے لی جو ہمارے قرب و جوار میں بنا قیمت کے مہیا ہے۔ صرف آدمی کو یہ جنگلی غذائیں جمع کرنے کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔
ریشی تحریک کے دفاع میں خامہ فرسائی کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ میں اُن لوگوں کے اعتراضات کے لئے جواب تراشنے کی سعیٔ فضول میں وقت صرف کروں۔ جنہوں نے گوشت خوری کی ضروریات پر قومی مفادات فروخت کئے۔ وہ لوگ ہمارے اسلاف ریشیوں کو تارک الدنیا ہونے کا الزام کیا لگائینگے، جنہوں نے دین و دُنیا کو اولادوں کی شخصیات؛ وہ بھی جاہ پرست شخصیات تعمیر کرنے میں اصولوں کی تخریب کاری کی۔ ہاں! اتنا تو ضرور عرض کرتا ہوں کہ اپنے ہم عصر تاریخ کا بغور مطالعہ کرکے اقبال کریں کہ کیا ہم نے اس خطہ کو ایک عملی لیبارٹری نہیں بنایا، جس میں اس شعر کی تشریح ہمارے قائدین نے عملاً کی ہے۔

آنچہ شیراں را کند رُوباہ مزاج
احتیاج و احتیاج و احتیاج!

۱۳ = اس مخصوص ریشی تحریک نے کشمیر کی سیاسی آزادی کو کوئی کبھی گزند پہنچانے کے عمل کے خلاف کارروائی مناسب وقت پر

Marfat.com

مناسب طور کی ہے ۔ میں یہاں پھر یہ نہ دُھراؤں گا کہ مُغل فوجوں کے حملہ کو دفاع دینے والا جرنیل ابو معلّے "زرار" کے ریشی مرکز پر ہی پناہ لینا ہے ۔ ہاں یہ برملا طور کہوں گا کہ ریچی ریشی کی شہادت بھی اسی زنجیر کی کڑی تھی، مگر ہمارے تشخص کے سب خدّ و خال مٹانے والوں نے تذکرہ نویسوں کا ذہن بھی خرید ا تھا اور مؤرخوں کا مزاج بھی ۔ انہوں نے حیدر کاشغری کو جس کے فوج نے ریچیؒ ریشی کو شہید کیا کشمیریوں کا محسن بنایا اور شیخ العالمؒ کا مدّعو کیا ہوا حملہ آور بنا کر اس کو محبوب قوم بنایا ۔ اس کے ساتھ غلط خواب وابستہ کئے ۔ اسی طرح اکبر جیسے بادشاہ کو بھی جو دینِ الٰہی کا دعویدار تھا حضرت شیخؒ کے ساتھ رُدیائے صادقہ سے مستفیض کرایا گیا ۔

مگر ان بکھرے ہوئے اور چھپے ہوئے واقعات سے اگر ہم تفتیش و تحقیق کا عمل جاری رکھیں گے تو ریشی تحریک کا سیاسی کیریکٹر بھی مُرتب کر پائینگیں ۔ اسی کیریکٹر کو محسوس کرتے ہوئے اکبر اعظم نے اس تحریک کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی سازش منظم کی ۔

● ۔ ۱۴ = کشمیر میں اسلام صوفیائے کرام کی آمد سے پھیل گیا ۔ ان صوفیائے کرام نے اشاعتِ اسلام کے ساتھ ساتھ کشمیر میں مختلف روحانی سلسلوں کی تعلیمات بھی عام کر دیں ۔ اگرچہ ان سب سلسلوں کا مخزن و منبع سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہیں اور واسطہ اکثر شاہِ ولایت کرم اللہ وجہہ کی وساطت کا ہے یا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذریعہ ہے ۔ مگر ان سلاسل پر ایرانی، وسط ایشیائی اور ہندوستانی اثرات

Marfat.com

موجود تھے۔ حتّیٰ کہ وسط ایشیا میں تصوّف نے کشمیر سے برآمد شدہ بدھسٹ فلسفہ کے اثرات بھی اپنے اندر سمو دیئے تھے۔ مگر پھر بھی ایک ایسے روحانی سلسلہ کی ضرورت محسوس کی گئی جو یہاں کے مزاج کے ساتھ توحید باری تعالیٰ اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشعلیں فروزاں کر پا سکے۔

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت شیخؒ نے حضرت اویس قرنیؓ کو اپنا راہبر مانا اور اُن کے واسطہ سے اس جنّت ارضی کی تقدیر کو دامنِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وابستہ کرکے روحانی عمل کو سیاسی اور جسمانی عمل دخل کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص شناخت کا حامل بنایا۔ جس طرح حرم میں ملبوس کشمیری حاجی کی چھتری کا سرخ وسفید رنگ اس کو بارگاہ ایزدی میں بھی مخصوص شناخت سے نمایاں کرتا ہے۔ اسی طرح ریشی مسلک نے اس کو روحانی ولایت میں بھی ایک تشخص دیا ہے۔ یہ شناخت ہمارے تہذیب و تمدن سے بھی منعکس ہے۔

● ۱۵ ۔ ریشی تحریک نے جھگڑوں، تنازعات اور جنگی کارروائیوں کی بجائے نقطہ نظر، موقف اور نظریات کی تبلیغ و تشہیر کا ذریعہ مناظرہ، مباحثہ اور مباہلہ کو بنا کر تبلیغ کا وہ ہمہ گیر کلچر قائم کیا، جس میں مجادلہ ابھارنے کے خدّو خال ہی مٹ گئے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے فوراً پہلے سادات اور صوفیائے کرام (جو پہلے سے آئے تھے) نے کوئی مجادلہ یا تصادم کیا تھا، ایسا کہنا سراسر غلط ہے۔ مگر چودھویں

Marfat.com

صدی میں جو یہاں پر حالات کا ہنگامی آثار چڑھاؤ رہا، اس کا پورا جائزہ لیا جائے پر یہ واضح ہے کہ زلجو کے حملہ نے کشمیری ذہن کو سراسیمگی کی حالت میں بکھیر دیا تھا، برہمنیت کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ مگر کچھ دیر بعد شاہمیری عہد میں اس ادارہ نے اپنے منتشر وجود کو پھر ایک منظم رشتہ میں پرونے کی صلاحیت پیدا کی تھی، اور اب برہمن بھی اپنی روحانی روایات میں مگن ہونے لگا تھا۔ تصادم کا ایک ماحول ابھر آیا تھا، مگر ریشیت نے روحانی مناظروں اور کرامات کے کرتبوں سے تصادم کا سمت (Direction) تنازعات کی جانب سے ہٹا کر مفاہمت پر مذکور کر دیا اور "لکم دینکم ولی الدین" کے زریں اصول کی اساس پر تبلیغ کا کلچر قائم ہو گیا۔

۱۶ = ریشی تحریک نے جماعت کے اندر تنقیص و تنقید کا ماحول پیدا کر کے اس جماعت کی قیادت میں نہ صرف تعمیری تنقید سننے کا مادہ پیدا کیا بلکہ تخریبی تنقیص کا خندہ پیشانی سے تحقیق و تفتیش کے لئے جرءت پیدا کیا۔ اس بارہ میں ملاحظہ ہو جلد اوّل میں زین الدین صاحب کے حوالہ سے جو تذکرہ صفحہ ۱۲ پر کیا گیا ہے۔ اس جلد میں بابا نصر صاحب کے واقعات میں بھی ایسا تذکرہ آیا کہ سکندان کمانڈ (نائب امیر) ہونے کے باوصف بھی اس کے خلاف عائد کردہ الزام کا حضرت شیخؒ نے بلا کسی اطلاع یا اشارہ کے موقعہ پر جا کر بر وقت تفتیش کی۔ دیگر واقعات بھی بتائے گئے ہیں۔

اب دیکھئے ہمارے عہد میں ترقی یافتہ سیاسی جماعتی نظام :-

Marfat.com

(Progressive Party Based Political System) میں اندرونی تنقید کا جذبہ ہی مفقود ہے۔ ۱۹ جون ۱۹۴۶ء کو نیشنل کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں بالاتفاق رائے طے پایا کہ "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ غیر ضروری ہے۔ مگر دوسرے روز ۲۰ جون کو متفقہ فیصلہ نظر انداز کرکے پارٹی کا لیڈر ریاستی حکمران کو کشمیر چھوڑ دینے کا چلینج دیتا ہے۔ فائدہ؟ اسی طرح رواں عسکری جہاد میں خود احتسابی کا یہ جذبہ اس قدر مفقود ہو گیا کہ ہر ایک مجاہد بذات خود لشکر کے سربراہ کی انانیت اپنے میں سرایت کر گیا۔ اور فائدہ؟؟ ـــــ کاش! ہم نے ریشی تحریک کے اس تحمل و برداشت کو اپنے سیاسی کلچر کا ماڈل بنایا ہوتا۔

● ۱۷ = ریشی تحریک کو تزکیہ نفس کی زبردست اور کٹھن آزمائشوں میں ڈالنے کا پس منظر موجود تھا۔ درباری سازشوں، برہمنیت کی جاہ پرستی اور اخلاقی قدروں کے مکمل فقدان نے کشمیریوں کو نفس امّارہ کا زبردست مغلوب بنایا تھا۔ زُلچو نے اپنے ظلم و تشدّد سے نہ صرف یہاں کی دولت لوٹ لی، عصمت لوٹ لی، عزّت لوٹ لی بلکہ حمیّت اور رہے سہے اخلاقی ورثہ کو بھی ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس زبردست شکست سے ساری قوم خود غرضی کے بازار میں جنس ارزاں کی طرح بک چکی تھی، انحطاط کے اس ملبہ سے ضمیر اور ذہن آزاد کرنے کے لئے یہ ضروری بنا تھا کہ نفس امّارہ کو مغلوب کرکے نیکی بھٹی میں ساری قوم کو پختہ کیا جائے۔ اس لئے یہ کٹھن سلسلہ اس قدر مقبول ہو گیا کہ درباروں سے وابستہ عمائدین بھی اس سے متاثر ہوئے۔ مُلّا احمد ایک عالم مؤرخ دربار دار ـــــ

Marfat.com

جاہ و حشمت کا رسیا بھی اس قدر اس کا مدّاح بن کر اس کا طالب بنتا اور زندگی
بھر اپنا مدار المہامی کا اہم عہدہ چھوڑ کر " بدل کر فقیروں کا بھیس "
اپنے ہی گھر کے اہل کرم کا تماشا دیکھتے رہتے۔"

ان اشارات سے بھی واضح طور پر اس تحریک کے غیر قلمبند شدہ تاریخ
(Unwritten History) کے اوراق منتشر شیرازہ بندی نہ
ایسا ہونا ممکن ہے اگر ہمیں وہ ملفوظات ہم آ سکیں جو بابا قطب الدین
نے شاردھا رسم خط میں لکھے تھے، یا ان کا مرتب کردہ لوز نامہ یا
مُلّا احمد کشمیری کا مراۃ الاولیاء یا حاجی ادھمی کا مقامات
اولیائے کشمیر جیسے ہم عصر مواد دستیاب ہو پائے۔ تو بات کچھ اعتماد اور
سند سے کی جا سکتی ہے۔ مگر جو بحث اُوپر کی گئی وہ بکھرے ہوئے
واقعات کی شیرازہ بندی ہی ہے اور انہی واقعات کے اخذ شدہ نتائج ہیں۔

اوپر درج بحث کو حصہ اوّل میں ریشیت کے عنوان کے تحت
کئے گئے تخیص کے ساتھ منسلک کر کے پڑھا جائے۔ وہ سطور اس بحث کا
ابتدایہ اور اُوپر والے پیراگراف اختتامیہ تصوّر ہوں۔

Marfat.com

ریشی مسلک کا سقوط

ابوالفضل نے اپنے وقت میں کچھ دو ہزار (۲۰۰۰) سے زائد ریشیوں کو کشمیر میں خدمتِ خلق میں سرشار پایا تھا۔ راقم آئین اکبری کا یہ حوالہ بواسطہ لارنس صاحب درج کرتا ہوں :

" اس خطہ کا معزز ترین طبقہ کشمیری ریشیان کا ہے جو روایات کے بندشوں سے بالاتر ہو کر اپنے معبود کی عبادت میں مگن رہتے ہیں۔ وہ کسی فرقہ کو بہ نظرِ حقارت نہیں دیکھتے ہیں اور کسی سے کوئی اعانت مانگے بغیر ہی یہ لوگ راستوں اور رہگذرں پر پودے لگاتے ہیں تاکہ مسافر سایہ اور میوہ دونوں سے مستفید ہو پائے۔ یہ لوگ گوشت کھانے سے اجتناب کرتے ہیں اور جنسِ لطیف کے ساتھ ملاپ ہی نہیں رکھتے ہیں۔ اس طبقہ کے تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) لوگ کشمیر میں ہیں[۱]۔"

یہاں پر کشمیر سے مراد سرینگر اور اس کے قرب و جوار سے ہے، جہاں تک کہ اکبر اعظم کے اس درباری مورخ کی پہونچ ممکن تھی۔ اکثر ریشی مراکز جنگلوں کے نزدیک تھے۔ اُس وقت بڑے بڑے ریشی مراکز زرار شریف، دری گام، ہو کھچی پورہ، عیش مقام، بومہ زوہ، ترمر، وتاب، زینہ گیر، بوبھتو کنو یہامہ ڈنڈ کرل

حاشیہ ۱: بحوالہ سر والٹر لارنس "The Valley of Kashmir" کیسر پبلشرز ۱۹۶۷ء، ص ۲۸۷ (ن ی گ)

Marfat.com

علاقہ تحل وغیرہ میں تھے۔ دیگر ذیلی مراکز اور ریشی تربیت گاہوں تک نہ اس نفاست پسند وزیر کی رسائی ممکن تھی، نہ ہی آپ نے کشمیر کے اطراف و اکناف میں بھرپور سیاحت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس طور شہر اور اس کے متصل یا شہر کو جانے والے راستوں کا جائزہ لیتے ہوئے ابوالفضل نے ان کی تعداد کا اندازہ دو ہزار لگایا۔ تب یہ کہنا معقول ہو گا کہ اگر آپ نے ریشیوں کے مراکز، ذیلی مراکز وغیرہ کا دورہ کیا ہوتا تو وہ پوری تعداد بہت حد تک اندازہ لگانے میں کامیاب ہوتے اور جو تعداد دس بارہ ہزار سے کم نہ رہا ہو گا۔ اس وقت یعنی سولھویں صدی کے اختتام کے قریب ابوالفضل نے اس روحانی گروہ میں یہ چند خصائل نوٹ کیے ہیں۔

(الف) = کہ سب طبقوں کے مقابلہ میں انہیں عوام میں عزت کی جاتی تھی یوں اس طبقہ کی مقبولیت کی غمازی ہوتی ہے۔

(ب) = وہ روایت پسند نہیں تھے۔

(ج) = وہ عبادت معبود برحق میں مگن رہتے تھے۔

(د) = کسی بھی سماجی یا مذہبی فرقہ کو نیچی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے، یعنی ریشی وہی سلوک اچھوت کے ساتھ کرتا تھا جو ایک برہمن کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ وہ خدمت خلق میں کوئی مذہبی امتیاز روا نہیں رکھتا تھا۔

(ہ) = یہ لوگ راستوں، سڑکوں، پگڈنڈیوں پر پودے نصب کر کے رفاہ عامہ کے ساتھ ساتھ کشمیر کے فطری حسن میں اضافہ کرتے تھے۔

Marfat.com

(۱۱) = یہ لوگ گوشت سے اجتناب کرتے تھے، یعنی گوشت کھانے سے پرہیز کرتے تھے، مگر حرام تصوّر نہ کیا تھا۔

(۱۲) = اپنے کو شرم و حیا کے بندلوں میں بند رکھتے تھے۔ عام عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے میں گریز کرتے تھے۔ مگر اس عبارت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ نکاح نہیں کرتے تھے۔

حضرت بابا نصیب الدین غازی؁ حضرت بابا داؤد خاکی؁ کے مُرید تھے جن سے آپ کو سہروردی سلسلہ کا خلعت ارشاد عطا ہوا تھا، مگر آپ نے خود اپنے مُریدوں کو سہروردی سلسلہ کی تربیت بھی دیدی اور ریشی سلسلہ میں بھی کئی خلیفوں کو تربیت دی، جن کی طبیعت میں اس حدتک تزکیۂ نفس اور ریاضت کا قوت برداشت موجود تھا۔ اسطرح بابا نصیب نے بھی ریشیت کے مشعل کو فروزاں رکھا۔ آپ کے ریشی مُریدوں میں سے ہاکہ بابا صاحب (جو صرف ساگ پر گزارہ کرتے تھے) مشہور صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ اسی طرح خواجہ مسعود پانپوری بھی ریشی سلسلہ کی تربیت کرتے رہے ــــ ان واقعات کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ سلسلہ اپنی سادگی کے ساتھ مگر نمایاں طور اٹھارھویں صدی کے درمیان تک کشمیری رُوحانی زندگی پر حاوی رہا۔ اٹھارھویں صدی کے پچھلی چار دہائیوں اور انیسویں صدی میں اگرچہ یہ سلسلہ نمایاں نہیں رہا تھا، مگر اس مسلک میں طالبوں کی رہنمائی کی جاتی تھی۔ ہاں جو لوگ یہ تصوّر کرتے ہیں کہ اس مسلک کی خصوصیات میں تجرّد اور گوشت کھانے سے پرہیز لازمی تھا وہ ہم سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ مگر میں اس بات پر مصر ہوں کہ نکاح

Marfat.com

کرنے پر ریشیوں کو کوئی قدغن نہیں لگتی تھی، نہ ہی گوشت کھانے پر کوئی پابندی تھی۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ یہ دونوں لوازمات ریشی طالب کی مرضی پر منحصر تھے، جو ہمہ وقت تحریک کے ساتھ وابستہ تھے وہ مسلک ریشیت کے لوازمات انجام دیتے ہوئے اپنے کو سوشل زندگی سے دُور بھی رکھتے تھے اور نہ صرف گوشت کھانا چھوڑ دیتے تھے، بلکہ ازاں ترین جنس جو کی رُوٹی کھاتے یا محض سوکھی سبزیوں پر بسر اوقات کرتے تھے مگر جو ہمہ وقت تحریک کے ساتھ وابستہ نہ تھے بلکہ صرف مسلک رُوحانی کے پیروکار تھے۔ وہ خانگی زندگی بھی بسر کرتے تھے اور گوشت کھانے سے بھی اجتناب نہیں کرتے تھے۔

حضرت نولی ریشی کے عہد خلافت میں ہی اطراف واکناف سے ہجوم کی صورت میں زائرین سال میں کئی بار زیارت کے لئے چرارشریف آتے تھے اور اپنے ساتھ بھیڑ، بکری، مُرغے وغیرہ لایا کرتے تھے جو روایت اب بھی رواں ہے۔ اُن دنوں وہاں پر خدّام کا طبقہ حادی نہ ہوا تھا بلکہ لنگرخانے ہی تھے۔ " دشتِ نور " میں انشاءاللہ چرارشریف کے ابتدائی انتظامات کا تذکرہ ہوگا۔ مگر یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ جلال اکبری نے جب چرارشریف کے ریشی سنٹر کو جاگیر عطا کی، اور اس کے فرزند جہانگیر نے جب اس جاگیر کو دائمی بنا کر ریشیانِ ترار کی زندگی میں نفاست پسندی کی خصوصیات سرایت کیں، تب بھی بدستور زائر لوگ لنگرخانوں میں ہی بھیڑوں، بکریوں اور مرغوں کا منوں گوشت پکاتے تھے۔ اس طرح ریشیوں کا خود عائد کردہ اجتنابِ لحم خوری بھی کھسک گیا۔ ریشی

Marfat.com

مسلک میں تربیت یافتہ طالب نئے ریشی بھی گوشت کھانے سے اجتناب نہیں کرتے تھے کیونکہ مہیا تھا۔ اسی طرح بابا پیام الدین ریشیؒ کے روضہ پر بھی ــــ جس نے زندگی بھر گوشت کو شاید چکھا بھی نہ تھا، وہاں بھی نذرانے کے بھیڑ، بکریاں، مرغے ذبح ہوتے رہے اور چھوٹے سے لنگر خانہ میں پکتے رہے، وہاں پر بعد میں اسی صدی کے نصف تک ایسے نو وارد ریشی لنگر خانے میں ہی پلتے تھے، جنہیں کہ والدین منت پوری ہونے پر وہاں چھوڑ دیتے تھے، یا جو خود اپنی افتادِ طبع سے ہی اس احوال کے ہو جاتے تھے۔ ان کو " بابم صابئن کٹھی ،، (پیام الدین کے چھوکرے) کہا جاتا تھا اور راقم نے بھی اپنی کمسنی میں جب کہ میں اپنے والدین کے ساتھ گلمرگ سے واپسی پر ریشی صاحب کے مقام پر پہونچا تو وہاں درجن بھر ان مجرّد جوان ریشیوں کو بھی دیکھا ہے مگر آج میرا اندازہ ہے ان میں اکثر عرفان سے عاری تھے۔ ہاں لنگر خانے سے مفت کی روٹیاں کھاتے تھے اور زائرین کی خدمت کیا کرتے تھے۔

راقم کو اپنی زندگی میں کسی ایسے اہلِ دل کا تعارف نہ ہوا جو اس مسلک سے وابستہ ہوتا۔ میرے مرحوم والد صاحب کا بھی یہی قول تھا اس طور اس صدی میں ریشی مسلک کے پیرو کار نہیں دیکھے گئے اگر کوئی ہوتا تو ان کا واسطہ ریشیت کے مصدر و منبع چرارشریف کے ساتھ ضرور رہتا اس بحث کی روشنی میں یہی عرض کرنی ہے کہ ریشی مسلک میں رشد و ہدایت کا سلسلہ اس صدی میں سقوط میں پڑا ــ جس کے تین سبب ہیں:

اولاً ــ امیر مسلک کی کمزوریاں، دشواریاں اور مخالف عناصر

عہد کے لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔ اس لئے نہ کسی طالب میں ان مشکلات کو گلے لگانے کی طلب رہی اور نہ ہی بعد میں خونِ جگر سے وضو کرنے والے وہ سالک رہے جو اس مشعل نور سے چراغ جلاتے جلاتے۔

ثانیاً ۔ حضرت بابا داؤد خاکیؒ ، بابا نصیب الدین غازیؒ ، بتہ مالو صاحبؒ ، خواجہ مسعود نروریؒ ، شوکہ بابا صاحبؒ وغیرہ اولیاء کرام نے حضرت سلطان شیخ حمزہ مخدومؒ کی تعلیمات اور ریشی عملیات کا ایک حسین امتزاج قائم کر کے کشمیر کے دو عظیم شیخوں کے رشد و ہدایت کے مشترکہ مشن کو آگے بڑھا دیا۔ بتہ مالو صاحبؒ اور ریشہ مالو صاحبؒ جیسے ریشیانِ کرام اس امتزاجی عمل کو بروئے کار لانے کے لئے خود ہی حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے، دونوں عظیم ریشی اولیاء کرام کو باطنی طور ایسی بشارت ملی تھی۔ اس طرح سے اس سلسلہ کو حضرت مخدومؒ کے عہد کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ ساقط کرنا اس مشن کے علمبردار حضرت شیخؒ کے ارشادات کے مطابق ہی ہوتا رہا۔

ثالثاً ۔ چونکہ ریشیت بحیثیت ایک منظم تحریک کے مغل دور میں ہی زوال پذیر ہوئی۔ اسکا اثر بھی مسلک کی ترویج اور اشاعت پر پڑ گیا۔ چونکہ ریشیوں میں بھی وہ خلوص، فقر، عجز اور جذبہ نہ رہا۔ لہٰذا اس مسلک میں وہ کشش نہ رہی۔ اور رفتہ رفتہ مسلک ہی عنقا بن گیا۔ توضیح کے لئے تحریک کے زوال کے اسباب پر بحث بھی لازم بنتا ہے۔ ٭

Marfat.com

ریشی تحریک ــ زوال و اسباب

ہم نے آئینِ اکبری کے حوالہ سے سولھویں[16] صدی میں ریشی تحریک کی عوامی مقبولیت کا اندازہ لگایا ــ اس پر بھی بات ہوئی کہ جو دو ہزار ریشیوں کی تعداد ابوالفضل دیتا ہے وہ صرف شہر یا شہر کے ساتھ ملحقہ علاقہ جات کی تعداد تک ہی محدود تھا ۔ کیونکہ اصلی ریشی مراکز اور ریشیت کے عمل آوری کے مقامات دُور دراز علاقوں میں تھے ، جہاں تک اُس شاہی مہمان کی رسائی ممکن نہ تھی اور وہ بھی ایسے حالات میں جب کشمیر میں اس سامراجی حکومت کے خلاف جذبات مشتعل تھے جس کا نمائندہ یہ مؤرخ تھا ۔ مقصد یہ ہے کہ اکبر کے اس قابل مشیر نے اپنے مُربّی کو حالات سے آگاہ کیا ہوگا کہ یہ سادہ لوح ریشی اپنے خلوص پر مبنی عمل اور ردِّ عمل سے انقلاب آفرینی کی صلاحیّت رکھتا تھا ؛ اکبر بھی اس معاملہ میں حسّاس تھا اور اس کو یہ پورا شعور تھا کہ مقامی چک حاکموں کی ہزار خامیوں کے باوجود کشمیری قوم نے اپنی خود مختاری اپنا تشخص اور اپنی انفرادیّت بنائے رکھنے کے لئے اپنی سرحدوں پر مغل فوجوں کو کئی بار پسپا کرکے واپس ہند میں دھکیل دیا تھا ۔

اکبر کو یہ بھی علم تھا کہ رشتہ میں اس کا دادا میرزا حیدر کاشغری نے طویل جنگوں کے بعد کشمیر میں قدم جمائے تھے ، مگر پھر قتل ہوگیا اور اس کا مختصر عہدِ حکمرانی صرف تاریخ کشمیر کا ایک ورق ہی بن پایا ــ اکبر کو

Marfat.com

یہ بھی کہا گیا ہوگا کہ یعقوب شاہ کا شکست خوردہ کمانڈر انچیف "ژرار" کے ریشی مرکز پر ہی چھپ گیا تھا اور وہیں سے مخبرانہ رپورٹ پر گرفتار ہوا تھا۔ اس سے مغل حکومت کی جڑیں یہاں پر مستحکم کرنے والے مشیروں کو یہ عندیہ بھی یہیں سے ملا ہوگا کہ اس مرکز کی تیز دھار کو محض مخبروں کی مدد سے کند نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس فولادی شمشیر کو انہوں نے شدت سے محسوس کیا اور اس بارہ میں اکبر اعظم کے دورۂ کشمیر کے دوران شاہنشاہِ ہند نے ژرار شریف کے اس ریشی مرکز کو اتنی بڑی جاگیر عطا کی جس سے ہزاروں من شالی سالانہ پیداوار ہوتی تھی۔ سند کے مطابق جاگیر کی یہ پیداوار تین حصص میں تقسیم کرنے کی ہدایت اس وقت کے خلیفہ رسول ریشی صاحب کو دی گئی۔ ایک حصہ مرکز کے لنگر کے اخراجات پورا کرنے کے لئے مختص ہوا۔ دوسرے حصہ سے آستان عالیہ، خانقاہ فیض پناہ، مدرسہ ریشی تربیت گاہ وغیرہ کے اخراجات پورے کرنے کی ہدایت ہوئی تھی۔ اور تیسرا حصہ ریشی صاحب کے اہل وعیال کنبہ وغیرہ کے اخراجات کے لئے تعین ہوا۔ ریشی صاحب اگرچہ زبردست متقی، صاحب کرامت اور پُر خلوص تھے، مگر تھے سادہ لوح ۔ وہ اس فیاضی میں چھپے ہوئے زہر کو نہ بھانپ سکا یہ جاگیر جو پہلے صرف فصلِ پیداوار تک محدود تھا شہنشاہ جہانگیر کے وقت میں ریشی خاندان کی ملکیت ہی قرار دیا گیا۔ ژرار و ننی کے اس حصہ جاگیر پر سنگرم ڈار صاحب کے اولادان قابض ہوکر مالک ہو چکے تھے جو بابا جوگی ریشی کے عہد جرار شریف کے لنگر خانہ کے ساتھ منسلک تھا

اور جو حضرت شیخؒ کے آبائے اسی جاگیر کا حصہ تھا جو راجہ سہدیو کے وقت میں دیا گیا تھا۔ اس طرح سنگرم ڈار کی بیٹی کے اولادان نے ژرار میں اور بیٹوں کے اولادان نے ژرار ونی میں جاگیرداری حاصل کی۔ دونوں جگھوں پر فقر کی جگہ امیرانہ جلال نے لے لی مشکل پسند ریشی نفاست پسند بن گیا۔ خلوت نشین مجلس آرائی ہو گیا اور رسول ریشی کے بیٹے کو ایک چغتائی رئیس کی بیٹی سے عقد کیا گیا۔ اب ژرار کے ریشیان کا یہ حال بن گیا کہ وہ آستانِ عالیہ پر حاضری دینے کے لئے پالکیوں میں آیا کرتے تھے، بلکہ خانقاہِ فیض بناد میں نماز پنجگانہ کی ادائیگی میں یہ ٹھاٹھ باٹھ شامل ہوا۔ زیرِ تربیت ریشیان اور بیشتر خادص ریشیوں کو بالا نشین ریشیوں نے اپنا نوکر جیسا بنایا، وہ بھی ان بزرگوں کی نوکری۔ پالکی برداری، پیر دبانے، ان کے گھوڑے پالنے، اُن کے گھروں میں کام کرنے میں اپنا فخر حاصل کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ لنگر خانہ، نذر و نیاز سے چلنے لگا۔ سینکڑوں کی تعداد میں بھیڑ بکرے اور مرغے ذبح ہوتے گئے اور ریشی کیڈرز میں غذائی عادات بھی تبدیل ہوتے گئے۔ اس طرح سے تحریک میں زبردست خامیاں سرایت کی گئیں۔ لیڈرشپ کو رعایات کا پروردہ بنایا گیا اور معاملہ کچھ ویسا ہی بن پایا جیسا اس ہندو سادھو کے ساتھ ہوا تھا، جس نے بس گوشت کی ایک بوٹی کے ساتھ خدمت کی تھی پھر بوتل کا چسکہ پڑ گیا، نشے کی دھت میں کوٹھی پر پہونچا اور یہ اخراجات پورے کرنے کے لئے کسی کے جیب تک ہاتھ پہونچا دیئے۔

Marfat.com

مرکز پر ریشیت کا یہ حال ہونے سے ذیلی مراکز کمزور پڑ گئے اور ریشی تحریک ٹوٹ گئی۔ صرف مسلک ایک صدی تک چلتا رہا۔ اب یہ حال ہے کہ مسلک ریشیت کہیں نہیں ہے۔ مگر "ریشی" لفظ اب محض کئی قبیلوں کی کنیت تک محدود ہو چکا ہے، یا درگاہوں کے خادموں کے لقب تک حتّیٰ کہ اب خواجہ اجمیری رح اور خواجہ نظام الدّین ولی رح کی درگاہوں کے خدّام بھی کشمیری زائیروں کے ساتھ اپنا رشتہ اسی لفظ "ریشی" کے حوالہ سے ہی ادا کرتے ہیں۔

اویسی سلسلہ و ریشی مسلک

ہم نے جلد اوّل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت شیخ رح کو باطنی تربیت خود بہ نفسِ نفیس سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے اور مزید تربیت کے لئے آپ کو خواجہ اویسی قرنی رض کے حوالہ کیا گیا جس کا آپ بھی یوں اعتراف کرتے ہیں کہ آپ روز محشر میں حضرت اویسی رض کی رہبری میں ہی شفاعت طلب ہونگیں۔ اسی حقیقت کی ترجمانی اس چھوٹی نظم میں ہے جس میں آپ حضرت اویس رض کو دُنیا کا دوسرا ریشی ولی مانتے ہیں، اور اپنے کو ساتواں ریشی قرار دیتے ہیں۔ اس طرح سے ریشیت اور اویسیت سکّہ کے دو پہلو نہیں بلکہ ایک ہی پہلو ہیں۔ البتہ کشمیر میں اس کا نام ریشی پڑ گیا اور یہ مسلک منظم سماجی، مذہبی بلکہ نیم سیاسی تحریک کے طور بھی اُبھر آیا۔ اس طرح سے اویسی سلسلہ کے سارے خدّ و خال ریشی

Marfat.com

مسلک میں نمایاں رہے۔ ہاں ایزادی کچھ خصائص وخصائل رہے جن میں ایک ہی ممتاز فرق ہے کہ اویسی گوشت کھانے سے پرہیز نہیں کرتا ہے جبکہ ریشی لوگ تارک اللحم نہیں تھے مگر گوشت کھانے سے اس وجہ سے اجتناب کرتے تھے کہ خود ذبح کرنے سے قاصر تھے۔ کیونکہ جاندار کو اذیت پہونچانا ریشی اخلاقیات کے خلاف تھا اور دوسرے سے ذبح کیا ہوا نہیں کھاتے تھے۔ بعد میں گوشت نہ کھانا ریشیت کے کلچر میں شامل ہوا۔ ریشی مسلک کے بنیادی اصولوں میں گوشت نہ کھانا شامل نہ تھا۔

ریشی مسلک کے سقوط کے بعد بھی اویسی مسلک یہاں پر چلتا رہا ہے اور اب بھی چالو ہے گو کہ اویسی سلسلہ کے ان ہم عصر طالبین کا سلسلہ رشد وہدایت کسی واسطے سے بھی حضرت شیخؒ تک نہیں پہونچتا ہے۔ مگر دربار شیخ العالمؒ کے ساتھ اویسی مسلک کے پیروکاروں کو زبردست لگاؤ ہے ویسی ہی وابستگی ہے جیسے کہ چشتی سلسلہ کے سالک کو دربارِ خواجہ غریب نوازؒ کے ساتھ ہے یا ایک مجددی کو دربار مجدد الف ثانیؒ سرہند شریف کے ساتھ ہے۔ بلکہ ان سالکوں کے لئے شب قدر کی شب خوانی میں دربار حضرت شیخ نور الدین ولی رحمتہ اللہ علیہ میں حاضری دینا ہدایات میں شامل ہے۔

ہمارے عہد میں حضرت محمد امین اویسیؒ کشیرادِ لیوارہ بھی اویسی مسلک کے اہم قائد گزرے ہیں۔ ان کی معتقدین اور طالبوں کو مخصوص طور پر وردات شیخ نور الدینؒ ورد کرنے کی ہدایت رہتی ہے جن میں

Marfat.com

خاص کر وِردِ بِسْمِ اللّٰہ ـــــ اسی سال اس مسلک کے متواضع راہبر ڈاکٹر محمد رمضان صاحب باغ گھر مل سرینگر اپنے مالک سے ملے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ـــــ اور راقم کی اطلاع کے مطابق اس وقت بھی اس سلسلہ سے وابستہ عامل ہمارے صفوں میں موجود ہیں جن میں مسٹر محمد لطیف قریشی ایڈووکیٹ مسٹر محمد رمضان مالک نشاط ہوٹل بانڈے پورہ وغیرہ اصحاب موجود ہیں۔ لطیف صاحب کی وساطت سے ہی راقم کو یہ عرفان ہوا ہے کہ اس مسلک کے پیروکاروں کے لئے درگاہِ علمدارؒ کے ساتھ خصوصی لگاؤ رکھنے کی مخصوص ہدایات ہیں ـــ ٭

---

۱ "راہِ عرفان" ـــــ مصنّفہ ڈاکٹر محمد رمضان ہیں حضرت محمد امین قریشیؒ کا بھرپور تذکرہ ـــ ٭

Marfat.com

صنف یا صفت؟

جلد ایک کے دوسرے جُز میں ہم نے مختلف عنوانات کے تحت کلامِ شیخ پر بحث کی اور صفحات ۵۳۹ سے ۵۶۶ تک دانائی کے اقوال زرّین پیش کئے۔ کلامِ شیخ کا بیشتر حصہ اُن واکھوں (چار بیتی یا شش بیتی) پر مشتمل ہے جو پند و نصائح کے مُرقّع ہیں، جنمیں دانائی کے رموزات ہیں جن کے ذریعہ حضرت شیخ نے اپنے تجربہ کو سمیٹ کر فنی چابکدستی کے ساتھ بقائے دوام عطا کیا ہے۔ یہی وہ مختصر نظمیں ہیں جنہیں "شرُوک" کا صفت حاصل ہے۔ ہم نے انگریزی کتاب اور صحیفۂ نوُر کے جلد اوّل میں بہ صراحت کلامِ شیخ کی روشنی میں اس بات کی تردید کی ہے کہ اشلوک کوئی صنفِ شعر ہے بلکہ یہ کلامِ شیخ کی صفت ہے۔ حق تو یہ ہے کہ صنفی طور آپ کے کلام کا اکثر حصہ بھی واکھوں پر مشتمل ہے۔ مگر جس طرح مذہبی یا سیاسی عہدوں پر براجمان لوگ اپنی جہالت کو دانائی کے فیصلے کے طور پر نافذ کرتے ہیں اسی طرح "علمی" عہدوں پر فائز ادیب حضرات مان نہ مان میں تیرا مہمان کے مصداق ہمارے معروضات کا جواب دئے بغیر کلامِ شیخ پر بحث کرتے ہوئے شبجۂ شرُوک کی ترکیب کا اِستحصال کرتے ہیں۔ ایسا عنوان

Marfat.com

دیکھ کر ہی قاری پر وہی تاثر عائد ہوتا ہے جو بابا محمد کمال اور خلیل بابا نے عائد کیا ہے کہ شترُوک، اشلوک یا 'شوق' سے اخذ ہو کر ایک الگ صنف کے طور اُبھرا ہے۔ یہاں پر ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے ہیں، مگر پھر ایک بار اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ شیخہ شترُوک کا مطلب قولِ شیخ (حدیثِ شیخ) ہے اور یہ سارا کلام جسمیں نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں 'شیخہ شترُوک صفت سے متصف ہیں۔ اس طرح سے آپ کا ایک ایک شعر دانائی و حکمت کا آئینہ دار ہے۔ ہم حضرت شیخ کی شاعرانہ عظمت پر مدلّل بحث کرتے وقت اس امر پر بھی دعویٰ دلیل کی روشنی میں بحث کرینگے کہ ان اقوال زرّین پر مبنی اشعار میں فنکارانہ صلاحیت کو کس حد تک نکھارا گیا ہے یا بروئے کار لایا گیا ہے۔ فی الحال ہم اپنے قارئین کو ذہن نشین کرتے ہیں کہ گو کہ حضرتؒ کے سارے کلام پر " اقوال زرّین" کا لیبل بجا طور پر چسپاں ہو سکتا ہے مگر پھر بھی ہم دیگر ذیلی عنوانات کے تحت ہی بحث کرینگے۔

ہم نے جلد اوّل کے ریشی نامہ جُز میں حیاتِ شیخ پر بحث کرتے ہوئے اُن اشعار کا حوالہ دیا ہے جن سے اُن کی حیات کے مختلف گوشوں کے بارہ میں ہمیں رہبری ہوتی ہے یا اشارات ملتے ہیں۔ یہ بھی ہم نے کہا ہے کہ حضرت شیخ کی حیات کے بارہ میں کوئی مستند سوانح حیات تا دمِ تحریر منضبط نہیں ہوا ہے اس لئے

Marfat.com

کلامِ شیخ ہی اُن کی حیات کے بارہ میں مختلف حوالہ جات کو پرکھنے کے لئے کسوٹی فراہم کرتا ہے۔ اس طرح ہم کلامِ شیخ کے آئینے میں ہی اُن کا عکسِ جمیل دیکھنے کی کوشش کرینگے۔ یہ موضوع زیادہ تر تحقیقی اور سوانحی نوعیت کا ہے مگر ہمیں واضح کرنا ہے کہ شیخ کی شاعری اُنکی منظوم آپ بیتی سے ہے اور اس میں آٹو بیاگرافیکل صفت غالب ہے۔ مناسب اور معقول وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے ذاتی تجربہ سے اپنے قاری کو متاثر کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ آپ نے اکثر چھوٹی نظموں میں اپنے ہم نفس اور ہمدم بابا نصر کی وساطت سے اپنے سامع کو سمجھایا کہ ایک منفرد تجربہ کا بیان اُن کے قاری کو بھی اُس تجربہ کے تاثر سے متاثر کرتا رہے۔ ایسا تاثر IMPACT وہ سب کچھ بیان کرتا ہے جو ترسیل کے پیمانے برداشت کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ہم نے حیاتِ شیخ میں آپ کی شاعرانہ شخصیت پر مختصر جائزہ لیا ہے، وہاں پر اختصار سے ہی کام لینا تھا تاکہ سوانح کا طالبِ علم ادبی موشگافیوں میں نہ پھنس پائے پھر بھی ہم نے ص 238 (جلد ۱) پر آپ کی ایک مختصر نظم پر بحث کی ہے۔ شاعر نے زوال و اسباب کے پورے ایک سائکل کا تجربہ (یعنی صدہا سال کا تجربہ) پانچ مصرعوں میں بیان کر کے قاری سے کہا :- سئے وُچھ ژرے وۄ چھنہِ گرژھ

Marfat.com

(میں نے دیکھا تو بھی دیکھنے جا)

"تو بھی دیکھنے جا" کے مقصد کو ہی مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ نے اپنے ذاتی واقعات نظم کئے ہیں اور انہی نظموں سے ہم آپ کے بارہ میں دھندلا سا ہی مگر متناسب تصور قائم کرسکتے ہیں۔

شیخ العالم اپنے کلام کے آئینے میں

اکثر اولیاء کرام کی طرح آپ نے اپنے وجود کو ہر ایک بدی کیلئے معتوب کیا ہے، اِس انکسار کے جذبہ کو یوں ایک جگہ پر ادا کیا:۔

"ساری رِ تی تہٕ بہٕ یوت بد"

(سب نیک ہیں مگر صرف ایک میں ہی ہوں جو سارے عالم میں بدکردار ہے) اگر ایسے اشعار کی ہم عامیانہ توضیح اور تاویل کرینگے تو ہم بھی اُن ناہنجار تذکرہ نویسوں کی صفوں میں شامل ہو جائینگے جنہوں نے ایسے ہی انکساری اشعار کو ماخذ بنا کر من گھڑت کہانیاں بنائی ہیں۔ اس طرح سے ہم بھی اس فقر و انکسار کے مرقع پر عائد شدہ تہمتیں چسپاں کرنے کے لئے جواز پیدا کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی بلواسطہ INDIRECT اقوالِ منظوم کو سترھویں اور اٹھارویں صدی میں بلاواسطہ DIRECT اقبال تصور کر کے حضرت شیخ کو "سارقانہ ماحول" میں گھسیٹا گیا، جس کی ہم تردید کر چکے ہیں۔

Marfat.com

اس بحث سے یہی مقصد ہے کہ ایسے اشعار کو اُن کی نجی زندگی کے لئے ڈرائکٹ ماخذ نہیں بنایا جاسکتا ہے، ہاں بلواسطہ طور یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ انکساری اور عاجزی کا مجسمہ تھے۔

لیکن ایسی نظمیں بھی بہت موجود ہیں جن سے آپ کی حیات کے مختلف گوشے ہم پر واضح ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم پہلے اس نظم کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی روشنی میں ہم نے کتاب کی پہلی جلد میں بحث کی ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۶۷ وہاں پر ہم نے نظم کا اردو ترجمہ ہی پیش کیا ہے۔ لیجئے اصل نظم کا بھی بہ غور ملاحظہ کریں:-

زاس تہٕ ہیری ہم مَشرِلی ؛ تریہ کرٕ ہم ہَشرٕن رٕز
بہہٕ ۱۲ اُچھن ژٕلم پھوٗلی ؛ نصرٕ وُچھم تہٕ وُچھنہٕ گژھ
پنداہہٕ ۱۵ بیا اُنہم موٗلی ؛ تُشراہہٕ ۱۶ کولیہ کرٕنم بژھ
ارداہہٕ پیٗوس مژرٕ لوٗلی ؛ نصرٕ وُچھم تہٕ وُچھنہٕ گژھ
وُہہٕ ۲۰ نارہٕ ٹاکی زٕہ رٕٹیے لی ؛ پنژہہٕ ۲۵ وُہری کرٕ ہم ہَش
ترٕہہٕ ۳۰ تُشری پانَس گلی لوٗلی ؛ نصرٕ وُچھم تہٕ وُچھنہٕ گژھ
پانژاہہٕ گواہ آیم ژُلی ؛ دُنیاس دیوٗنس بگ تہٕ بژ
شیٹھ ۶۰ شرِتھ ننہٕ گلی ؛ نصرٕ وُچھم تہٕ وُچھنہٕ گژھ

اس نظم میں اِس شعر پر توجہ دیں:-

(پچیس سال کی عمر میں مجھ پر الزامات عائد ہوئے)

Marfat.com

راقم کو خیال تھا کہ حصہ اول بازار میں آنے کے بعد تنقید و تحقیق کے طالب علم مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر کم سے کم دو ٹوک الفاظ میں راقم کو 'دور از کار نتائج' اخذ کرنے پر آڑے ہاتھوں لینگے اور اس بحث و تمحیص سے کچھ پوشیدہ گوشے واضح ہو جائینگے مگر یا تو ہماری کاوش کو درخورِ اعتنا ڈالا گیا یا محققین کو اب تک بھی کلامِ شیخ اور حیات شیخ کا پورا عرفان نہیں ہے۔ اب ہم خود اس نظم کو شاعر کا سوانحی خاکہ قرار دینے پر اعتراضات پیش کر کے اُن پر بحث کرینگے۔

اس نظم میں دئے گئے اشارات کو شاعر کی ذات کے ساتھ وابستہ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ اکثر شعراء نے اپنی زندگیوں کے مختلف ادوار کے بارہ میں وہی تاثرات پیش کئے ہیں جو اُس مخصوص عمر میں ہر فردِ بشر کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے عہد کے ایک گمنام شاعر رجب حامد کی غزلِ مسلسل کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے جسکو ہمارے اہم گلوکار غلام حسن صوفی نے اپنی مسحور کُن آواز سے قبولِ عام عطا کیا ہے[۱]۔ اُس میں بھی شاعر زندگی کے ایسے تجربے بیان کرتا ہے جو اُس کے ماحول میں ہر فردِ بشر کا ذاتی تجربہ کہلایا جاسکتا ہے۔ اس طرح سے حضرت شیخ کی یہ نظم بھی عام تجربہ کی ترجمان کہلائی جاسکتی ہے۔ اس اعتراض کو محولہ بالا ایک ہی مصرعہ رد کرتا ہے کیونکہ ہر فرد کو ۲۵ سال کی عمر میں تہمت یا کسی مخصوص بدنامی کا ہدف نہیں بننا پڑتا ہے بلکہ یہ واقعہ شیخ صاحب کا

۱۔ گوکہ غزل میں فن نہ ہونے کے برابر ہے۔

Marfat.com

ذاتی واقعہ ہے کہ جب ۱۷۰۵ء میں آپ پر اپنے دو بچوں کے قتل کا الزام عائد کیا گیا اور تازی پیادہ آپ کو گرفتار کرنے آتا ہے۔ اس طرح یہ نظم خاص طور پر حضرت شیخ کی زندگی کے مختلف ذاتی تجربات کی آئینہ دار ہے۔

اس نظم کا ترجمہ جلد اوّل صفحہ 84 پر ملاحظہ ہووے۔ کچھ متروک الفاظ کا معنٰی بتانا بھی ضروری ہے:۔

رَژ : موتیوں کا ہار جیسا۔ "رژہ ہٹلی":۔ موتیوں کیلئے ترکیب تھی جو اب محض تشبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر دانتوں کی مشابہت کے لئے موزون تشبیہ ہے۔ "ہژہ بن رژ کرنی":۔ چھوٹے بچّوں کو آسیب اور چشم بد سے بچانے کے لئے کلائیوں میں کڑے ڈالے جاتے تھے۔ عام گھرانوں میں لوہے کے کڑے پہنائے جاتے تھے مگر جاگیردارانہ اور امیرانہ ماحول میں لوہے کے کڑے پہنانا موزوں نہیں مانا جاتا تھا، اسلئے ایک خاص قسم کے موتی کسی دھات پر خاص کر چاندی کے کڑوں پر جُڑائے جاکر لاڈلے امیرزادوں کی کلائیوں میں پہنائے جاتے تھے جو ایک خاص رسم میں گھر کا بُزرگ یا ہندؤں میں خاندان کا پروہت اور مسلمانوں کے گھروں میں پیر صاحب بچوں کو پہناتے تھے اور اس رسم کو بھی "رژکرن" کے رسم سے جانا جاتا تھا۔

پھوٗلی :۔ آجکل محاورہ ہے "پھوٗلی پیٹنی" یعنی آنکھوں میں موتیا لگ جانا۔ یہاں پر لفظ ہے "پھوٗلی ژہنی" لفظی معنی تو

Marfat.com

آشوب چشم دور ہونا ہے مگر اس کا مقصد یہاں پر بچپن کا وہ عہد جب نظریں بالغ ہوتی ہیں اور صاحب نظر غلط اور صحیح میں امتیاز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

ہیا :۔ دُلہن ۔ کوہ ے :۔ بیوی (یہاں پر واضح ہے کہ اُن کا رسم نکاح پندرہویں سال میں انجام پذیر اور شادی سولہویں سال میں ہوئی تھی۔ لفظی معنی یوں ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں میرے لئے ایک دلہن خرید کر لائی گئی۔ یعنی پندرہویں سال میں بعوضِ مہرین نکاح خوانی ہوئی تھی اور زفاف سولہویں سال میں ہوا ہے۔

" ہُژ کرّن" ۔ شاید گرفت میں پھنے کے لئے ترکیب تھی جو اب متروک ہے۔

" ہیوس مژرہِ لوّلی" :۔ جنوں کی گود میں گرنا۔ دیوانہ پن کی حالت حاوی ہونا۔

" نارہ ٹاگی زِہ زن رُلی" :۔ یا تو مقصد یہ ہے کہ اس عمر میں آپ دو اولادوں کے باپ بنے تھے۔ یا مقصد یہ ہے کہ آپ کے اضطراب و اضطرار کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کو لگتا تھا کہ آپ انگاروں کے دو طبقوں میں پڑے تھے۔ ایک ننگے پاؤں کے نیچے دوسرا سر پر، جو دونوں اب مل گئے تھے۔ اور انگاروں میں پڑا وجود زبردست اضطراب میں تھا۔

ہژ :۔ ہا نثر۔ تہمت ۔ یعنی ۲۵ سال کی عمر میں مجھ پر تہمتیں عائد ہوئیں۔

Marfat.com

شُری پانس ٹلی لی :- اُٹھتی فربہہ جوانی ۔

گواہ آم ڈُلی :- اس ترکیب کا معنی سمجھ میں نہ آیا نہ تذکرہ نویسوں نے کوئی توضیح کی ۔ یہاں پر آپ نے " دُنیاس دِیوی نس" بگ بڑ " مجھے پوری دُنیا کے اردگرد گھمایا ۔ یہاں دُنیا سے مُراد اپنی دُنیا یعنی کشمیر سے ہے ۔

" بگ تہ بڑ" :- بگ ۔ دورہ ۔ بڑ :- مشاہدہ

یعنی ملک کا دورہ کرا کے مشاہدہ کا وسیع موقعہ بہم ہوا ۔

اس نظم میں شاعر نے پانچ دہائیوں تک یعنی " ۵۹" سالہ زندگی کے بارہ وہ اہم واقعات بیان کئے جن سے اُن کی زندگی متاثر ہوئی اس نظم میں بچپن کے احوال آپ نے بیان کئے ہیں : تین سال کی عمر تک خاص لکڑی کے پالنوں میں اُس کا پلنا اور پھر موتیوں سے جُڑے ہوئے کپڑے پہنائے جانے کے واقعات اُسکے لئے شنیدہ اور باقی ذاتی مُشاہدہ ہیں ۔

اب آپ نے نظم پڑھکر خود بخود اندازہ لگایا ہوگا کہ اِس نظم میں ایسے تجربات کا اظہار نہیں ہے جو ہر انسان یا دوسرے کسی شخص کے ساتھ بھی یکساں طور اسی مخصوص عمر میں انجام پذیر ہوتے ہیں تاکہ اس نظم کا اطلاق شاعر کی ذات کے علاوہ اور کسی شخص پر بھی ہو پائے ۔ اسلئے یہ نظم محض ایک آپ بیتی AUTOBIOGRAPHEY

Marfat.com

ہے۔ حضرت شیخ کی شاعری میں نہ مبالغہ ہے نہ کذب بیانی۔ آپ عجز و انکسار کے مرکب تھے کبھی فخراً وہ بیان نہ کرتے جو وہ نہ تھے ہاں عجز سے ایسا بیان کر چکے ہیں مگر فخر کرنے کے لئے یا اپنا دنیاوی اعتبار بڑھانے کے لئے ہرگز نہیں کر سکتے۔

اس رنگ سے مماثل کچھ اور نظمیں ہیں مگر اُن میں شاعر اپنے تجربات کو زبان دیتا ہے یا کہیں پر عالمگیر (UNIVERSAL) اور ہمہ وقتی حقائق کو اپنائیت دیکر اُس کو ذاتی تجربہ کی حیثیت سے ادا کرتا ہے۔ ایسی نظموں میں شاعر متکلم ہے۔ ان میں سے بھی چند ایک کو یہاں پر پیش کیا جاتا ہے گو کہ نفسِ مضمون کی رُو سے اُنکا تذکرہ دیگر ذیلی عنوانات کے تحت بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر یہ نقطہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ اس رنگ کی ہر نظم شاعر شیخ کی داستانِ حیات کے بلاواسطہ اجزا بھی بن سکتے ہیں۔ ہر فنکار کا ہر فن پارہ اُسکی کیفیت تو بیان کرتا ہے مگر ہر فن پارہ مخصوص فنکار کی داستانِ حیات کا واضح باب نہیں بن سکتا ہے۔ لیجیئے یہ نظم ملاحظہ ہووے:۔

یاوِنہٕ تیلیٹوس رنگن تہٕ سنگن
سنگن بَبر شیرت تہٕ کسنھہٕ؟
کھورن کوٗنتہِ تہٕ یاٗ جمہٕ زنگن
انگن جامہٕ بیٚرتھ کسنھہٕ؟

Marfat.com

بوٚ جرہ ہاپُت ون کھوٚت ژُنگن
وُوٚتھ لنگن کرٕٮ۪ مُر کرٕ ہتھ کیٚتھہ؟

حلِ مطالب: رنگ = ظاہری دکھاوا۔ چھلبلا پن۔
سنگ: ساتھی۔ دوست، کونشہ:۔ جوتیاں۔
انگ:۔ اعضائے بدن۔ ژُنگن:۔ جھومتے ہوئے۔
کرٕتے مُر = چکنا چور۔ کیٚتھ = کیاہ۔

ترجمہ:۔ شباب میں تڑپاتے رہے
چُھلبلاپن اور ہمدم کی رنگین
کیا دن تھے وہ بھی؟
جب سیاہ گھنی قلمیں۔ گل ریحان کی طرح عنبرین
اعلیٰ چمڑے کی جوتیاں اور اچھے کپڑے کے شلوار
بدن کے اعضاء کے لئے ملبوسات
لیکن اب کیا حال ہے۔ بُوڑھاپا ایک درندہ کی طرح چھاگیا
اس نے میرے وجود کو چکنا چور کیا ۔

اس نظم میں جُوتیوں، شلوار اور دیگر ملبوسات کا تذکرہ عام انداز کا ہے یہاں پر اگرچہ شاعر جوانی سے بڑھاپے تک کے ذاتی تجربہ کو بیان کرتا ہے مگر یہ حسبِ حال ہے ایک کیفیت ہے جو ہر وقت ہر زمانہ میں ہر کسی کے ساتھ یا اکثر لوگوں کے ساتھ

Marfat.com

ہوتا ہے۔ یہ آپ بیتی ہے مگر بلواسطہ۔ ممکن ہے کہ خود شاعر نے بھی خاص قسم قسم کے چمڑے سے بنائے ہوئے۔ ملائم جوتے پہنے ہوں، جو اُن ایام میں صرف مخصوص امیر طبقہ کے ہی لوگ پہن سکتے تھے، عام لوگ گھاس کے جوتوں (پلہ ہور) پر ہی اکتفا کرتے تھے یا ننگے پیر ہی چلتے تھے۔ مگر ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظم ذاتی تجربہ ہے مگر آپ بیتی نہیں ہے، داستانِ حیاتِ شاعر کا حصہ نہیں ہے۔
اسی طرح حضرت شیخ نے جوانی کے ایام میں وضعدار فیشن ایبل شلوار پہنے ہوں جو عام کشمیری کی حد سے باہر تھا مگر اس نظم سے لابدی طور ایسا اخذ نہیں ہے۔

اب اس نظم کا بھی مطالعہ ہووے:۔

ذاس تہٕ امبہ چوم دٕہ دارِہ۔ دارُو گوڑ ہم مَنزلُو
بڈیوس تہٕ تڑوہُس آدار۔ دارو لوڈہم واسرو
بڈیوس تہٕ تھووہُس وا دارِہ۔ دارُو تھوڑ ہم گرُو
مُرِتھ منگَن کیاہ کیاہ دارِہ۔ دارُت چھُم سرُنو

حلِ مطالب:۔ امبہ:۔ امّی کو۔ ماں کو دِہ:۔ دودھ۔ شیر مادر
آدارِہ:۔ آزاد چھوڑنا۔ وادارِہ تھووُہس:۔ بند رکھنا
معذور بنانا۔ دارُت:۔ اُدھار۔

Marfat.com

ترجمہ:- میں نے تولد پایا شیرِ مادر پیتا ہی رہا کہ میرے لئے دیودار لکڑی کا خاص پالنا بنوایا گیا۔ جوانی میں مجھے آزاد چھوڑا اور میں نے اسی آزادی میں لکڑی کے محل بنائے۔ بڑھاپے کی معذوری میں چھڑی (لکڑی کا گھوڑا) میرے لئے قوت رفتار بن گئی یہ تینوں چیزیں۔ فطرت سے یعنی جنگل سے میں نے ادھار لئے یہ تینوں قرضے آخرت میں ادا کرنے ہونگے۔ تشریح ہم 'ماحولیات' کے ذیلی عنوان کے تحت کرینگے مگر یہاں پر اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ نظم بھی شاعر کی مخصوص اپنی آپ بیتی نہیں ہے بلکہ آپ نے مُتکلم بن کر ایک دائمی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

اِس نظم میں آپ نے اپنا روحانی مرتبہ واضح کیا جس کا ہر ایک صاحبِ خُدا پر اطلاق نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں بھی جو اشارے ہیں وہ مخصوص آپ کی ذات گرامی سے ہی وابستہ ہیں :-

نِلِس ہیئیم بہٖ ہالُو ہیئِس ہیُوم بہٖ ڈُوشِٹھ
راوِہ لُوُبُم بہٖ رِہٖند لَبِہٖ لوٗ جُمِسِہٖ لُوٹھ
کاٗنِسہٖ یوٗکُس بہٖ ہیتہٖ کو نِشرِ یوٗکُم بہٖ بِرُونِٹھ

یہٖ کینِہٖ آم بِرُونِٹھ تِتھ دِزٕ بہٖ ٹھُونِٹھ
شِیٖن آس ہیتہٖ سِتن گوس بِرُونِٹھ
انبیہن آس ہیتہٖ اولیاہن گوس بِرُونِٹھ

Marfat.com

ترجمہ: ٹڈی دل میرے کچے خوشۂ گندم کو تباہ نہ کر پا سکے
نہ ہی میرے پختہ فصل کے کھیت پر اولے گرے
گنوانے سے میں ناپسند کو گنوا نہ پا سکا
نہ میں نے اپنے محبوب کو پاکر پایا
کسی کا مقلد بنا نہ کوئی مجھ پر سبقت حاصل کر سکا
میں انبیأ کے بعد آیا ہوں اور اولیأ سے آگے چلا گیا ہوں
میں چھ کے بعد آیا اور سات کے آگے چلا

اس میں جو دعاوی ہیں وہ ہر ایک ولی اکمل کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔
حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں:۔

انا البازی اشہب کلِّ شیخ

اسی طرح حضرت شیخ کا یہ دعویٰ بھی صاحبِ کمال اہل اللہ کا دعویٰ ہو سکتا ہے مگر اس میں مخصوص طور جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ میں" چھ کے بعد آیا ہوں اور سات کے آگے چلا ہوں۔ یہ دعویٰ ذاتی عظمت کا اعلان نامہ ہے کیونکہ آپ نے اپنے کو سانواں ریشی قرار دیا ہے۔ اور اس طرح آپ چھ کے بعد اس گیتی میں رونق افروز ہوئے ہیں۔

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سات ہیں جن کے آگے آپ نکل آئے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آپ چار مقامی ریشی

Marfat.com

اولیائے کرام زلکا، پلاس، رمہ اور میراں کے واسطہ سے ہی حضرت اویس قرنیؒ تک اپنا رُوحانی رشتہ استوار کرتے ہیں اور پھر اُس وساطت سے ربشی اوّل سرورِ کائناتؐ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ چاروں مقامی اولیاء آپ کے آگے ہیں نہ صرف زمانی طور پیشرو ہیں بلکہ رُوحانی عظمت میں بھی کہ اِن چاروں اولیاءکرام کو اپنے سے ارفع تر مقام پر پایا مگر یہ کون سات اولیاءکرام ہیں۔ جو حضرت شیخ سے رُتبہ میں کم ہیں۔ لازماً یہ بھی مقامی اولیاءکرام ہونگے۔ کسی بھی تذکرہ نویس نے بابا نصیب غازی سے بابا خلیل تک اِس بات کی وضاحت نہیں کی ہے۔ راقم کی رائے میں اِن اولیاء کرام کے اسمائے گرامی یوں ہیں :-

۱۔ گنج بخش حضرت بہاؤالدینؒ (۲) حضرت حاجی بابا ادہمیؒ (۳) حضرت سید ابین منطقی اویسیؒ (۴) حضرت سید سمنانیؒ (۵) حضرت سید حیدر کلگامیؒ (۶) حضرت شیخ سلطان بکھلی (۷) بابا زین الدین ولیؒ۔

یہاں پر اس واکھ کا بھی مطالعہ ہووے :-

دۄ ہے سۄن تہٕ رۄ پھے زیوٗ نُم
دۄ ہے گُلہ رۄُدم بَنٛدٕ ہ گیٖیۍ
دۄ ہے سُوم کیٖمُہ تہٕ میوٗ نُم
بیٚتٕو ژیوٗ نُم شَرمنٛدٕ ہ گیٖیۍ

Marfat.com

ساری عمر میں نے سونا چاندی کے ڈھیر کمائے
ساری عمر لوگ میری تابعداری پر مامور رہے
روز میں نت نئے لباس سِلاتا اور پہنتا رہا
آخر کار حاصل : تاسف اور شرمندگی

یہ کسی مخصوص شخصیت کا دعویٰ نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے ایسے اشعار حضرت شیخ کی حیات کے بارہ میں خاص کوئی اطلاع فراہم نہیں کرتے ہیں۔

نسب نامہ

ہم نے آپ کے رُوحانی نسب نامہ کے بارہ میں آپ کا مشہور واکھ صفحہ 136 پر جلد اول میں درج کیا ہے۔ آپ کی حیات کے بارہ میں تذکرہ کرتے ہوئے اُس نسب نامہ کا حوالہ بھی دیا، جسمیں آپ کی سات پشتوں کا حال درج ہے۔ اب اس نظم کو پڑھیں جو اُس وقت کی عام سنسکرت زدہ زبان میں ہے۔

پُت خسنہٖ لُون نِب دِشا دُرِ اوسو
بُو تُشتِر کھنہٖ اکھ نِپہ زمِن ووز

زمِن ووی تلہ سرہٖ اوسو
بھنڈا بہ اولگاہُہ جدیبُون

Marfat.com

ترجمہ :۔ دورافتادہ، وسیع وعریض پرگنہ کا زمیندار (لُون ٹھکروں کا ایک خاص طبقہ تھا جو جاگیردار ہوا کرتا تھا۔ اُسی پرگنہ میں ایک بہادر جاگیردار خمنی وونی تھا اور اس کی راجدھانی تیلسرہ میں تھی وہیں پر میرا جدِ بزرگوار ملازم ہوا تھا۔

جدس ناو اُوگرا تیز اوسو
اوگرا تیز رنہِ اندر مرو

ترجمہ :۔ میرے جد کا نام اُوگرا تیغ تھا جو ایک جنگ میں مارا گیا۔

نین واہس گرزاشیر
گرزاشیرس کم سُت ڈُپو

اشارات: (سُت بہ معنی بیٹا نین واہس :۔ اعزازی نام یعنی لقب۔ ڈُپوُ :۔ موجود رہا۔ پسماندہ)

ترجمہ :۔ اوگرا تیغ کا لقب خمنی واآنی نے گرزاشیر دیا تھا اور اسکا ایک اولاد پیچھے رہا۔

اک سُت ڈُپو دُر پتا شیر
دُر پتا شیرس سُت سلو تہ صُلوُ

ترجمہ :۔ اس کے ایک بیٹے کا نام دُر پتا سنز تھا جس کے دو بیٹے سُل اور صُوُل تھے۔

Marfat.com

اہواجٹ کو نٹا چھٹی ؛ شیر سِندہ میلِتھ رنہِ مُنز
تَس تُورُک نٹا نز کو نز رٹی ؛ صامو اُوڈے زلکا سَنز
بگیس سو کیتھا پھرن شرٹی ؛ صول خمنی وائس دُو لگا شنز

ترجمہ :- گھتم گتھا ہوا وہ شیر کے ساتھ بنا شیر افگن اُس کی بہادری سے میدانِ جنگ کانپ اُٹھا تو لقب پایا زلکا سنز اور صُول اُس کا چھوٹا بھائی تھا، خمنی وانی کا محبوب رہا۔

زلکا سنزس ستہ ترٹو اُو پُو تو
ژُتس ناماہ بینبر سنز
سُو دہ میلِتھ ژینہِ او پُو تُو
جِرگہ شلن کر پا ٹھن منز
دُچھو شل تہِ اُودِت کو تو
زُو پک سہت ہمدن ہت
بینبر سنزس کیاہ کیاہ زُو تُو
دہتا ترتہ شندن ست
اک سُت سلت سنز بر میا نُو
اُوڈے مسلمان کت ہُن
گور تَس حسین سمنا نو
یس حیدر کُلکام اُمی سُند متندن

Marfat.com

ترجمہ:۔ زلکا سنز بہادر کا بیٹا بھی بہادر تھا جس کا نام ہنبر سنز تھا۔ وہ ہردم برسرِ پیکار رہا۔ اُس کا اکلوتا بیٹا سلت سنز رہا۔ جو حضرت سید سمنانیؒ (جو سید حیدر کلگامی کا بھائی تھا) کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔

اس نظم کا اسلوب و انداز ناقابل فہم ہے - یہ الفاظ و تراکیب حضرت شیخ ہی کے عہد میں لگ بھگ متروک ہونے لگے تھے یہ نظم شتی کنٹ کے مہاتنے پرکاش کے طرز کے ساتھ بہت حد تک مماثل ہے۔ اس میں شت لفظ کے معنی اکثر تذکرہ نویسوں نے فرزند سے ہی لیا ہے جبکہ شیخ نے بعد کے کلام میں بیٹے کے لئے "گوٗبُر" لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک جگہ بیٹی اور بیٹے کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

کوٗر چھےٚ مکٕرٛتٕر وَن دِودارس؛ ژٕٹتھ کرس گٕنہٕ لٲرِی
گوٗبُر چھےٚ تازی بچہٕ گٕنڈِتھ دارس؛ لٲدِتھ پلنہٕ کرٛس سوٲری

ترجمہ:۔ بیٹی ایک دیودار گھنے جنگل پر کلہاڑی صفت ہے جو اس شمشاد کے جنگل کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ بیٹا اسپ تازی (عربی گھوڑا) اصطبل میں بندھا ہوا تیار ہے، زین ساز سے آراستہ کیا جاکر اس پر سواری کی جاتی ہے۔

تشریح مناسب موضوع کے ذیلی عنوان کے تحت کی جائیگی

Marfat.com

ہاں یہاں پر اتنا کہنا مقصد ہے کہ خودِ حضرت شیخ نے بیٹے کے لئے "گوبُر" لفظ استعمال کیا ہے۔ جہاں تک راقم کے حافظہ کا تعلق ہے کہیں پر آپ نے بیٹے کے لئے "ہنچُو" لفظ بھی استعمال کیا ہے جو آجکل زیادہ مستعمل ہے۔ اس طور راقم کی رائے میں 'ست' لفظ کا معنی بیٹا نہیں بلکہ اولاد ہے۔ اور آج یہ لفظ "ستھ" تلفظ کے ساتھ" اُمید" لفظ کا کشمیری نعم البدل ہے۔ ہاں ترکیب میں اِس لفظ کو بطورِ اولاد بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً جب کہنا ہوتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد جانشین ہیں تو یوں بھی کشمیری میں بولا جاتا ہے:۔ "تس چھِ بچھ کُن ستھ"۔

ہمارے عہد کے قریب تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس نظم کو حضرت شیخ کا نسب نامہ تعین کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ مگر اس کی اور بھی جہتیں ہیں۔ یہ نظم ایک واضح اشارہ ہے کہ کشمیر میں علم الاسماءِ الرجال کی روایت موجود تھی اور اِس طرح کلامِ شیخ اس ضمن میں ایک اور جہت کی حامل ہے۔ دوسرا اہم اشارہ یہی اخذ ہوتا ہے کہ حضرت کا خاندان نہ صرف ایک صاحب ثروت گھرانہ تھا بلکہ اس میں علم و ادب کی روایت بھی موجود تھی۔ آجکل اس ترقی یافتہ عہد میں بھی پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اپنے دادا، پردادا کا نام بھی معلوم نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ گھروں میں ایسا ریکارڈ رکھنے کا ماحول ہی نہیں تھا۔ اس پس منظر میں اس محولہ بالا

Marfat.com

نظم پر دھیان دیجئے کہ اس میں نہ صرف حضرت شیخ نے اپنے آباء کے اسماء گرامی سات پشتوں تک بیان کئے ہیں بلکہ اُن تاریخی دلائل کو بھی سمیٹا جن سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں :۔

الف :۔ کہ آجکا پسماندہ "تیلسرہ" گاؤں ایک وسیع وعریض جاگیرداری کی راجدھانی تھا۔

ب :۔ راجہ سہدیو کے وقت سے یا اُس سے پہلے تیرہویں صدی کے اختتام سے چودھویں صدی کے لگ بھگ اختتام تک کشمیر مختلف 'زینداریوں' میں منقسم تھا۔ شہمیری خاندان کے تحت مضبوط مرکز قائم ہونے تک یہ بٹی ہوئی جاگیرداریاں (ڈیکہڑ راے) ایک دوسرے کی جاگیریں ہڑپ کرنے کے لئے نبرد آزما رہتی تھیں۔ جن جنگوں میں بہت لوگ کام آتے تھے

(ج) :۔ ان جاگیرداروں کو عرف عام میں "لُون" کہتے تھے اور تیلسرہ کے "لون" کا لقب "خمنی دائن" تھا۔ خمنی دائنی "نہ صرف صاحب اقتدار جاگیردار راجہ تھا بلکہ اُس کی اپنی فوج تھی اور قلعہ داری تھی۔

(د) :۔ حضرت شیخ کے خاندان پر بھی اِس سیاسی غیر یقینیت سے کالے بادل منڈلائے تھے اور یہ خاندان مصائب کا شکار ہوا تھا مگر اس کے باوجود اس خاندان کے فرزندان سلت سنز

Marfat.com

(سالارالدین) اور صدرہ نے اپنی عظمت کا ریکارڈ محفوظ پایا تھا اور موجود رکھا تھا۔ حضرت شیخ نے یہ تاریخی واقعات ایقان کی بنیاد پر نہیں بلکہ اُسی تحریری یادداشت پر نظم کیے جو اُسکے آبا نے منضبط کیے تھے۔ اور تباہیوں کے باوجود صدرہ اور سالار نے اس ریکارڈ کو اہم سرمایہ مان کر محفوظ رکھا تھا۔

(ر) :۔ اس طرح بہت ناساعد حالات سے دوچار ہونے کے باوجود ان بکھرے ہوئے کاغذات کو محفوظ رکھنا اِس "سنز" جوڑے کے شعور و آگہی پر دلیل ہیں۔

(س) :۔ سالار اور صدرہ کی شادی محض "کرامتی توصل" نہیں تھا جیسا کہ تذکرات میں یہ تاثر دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس نکاح پر رُوحانی مہر ثبت ہوئی تھی مگر یہ ملاپ اصول کفو کے تحت دانستہ طور بہ عمل لایا گیا ہے۔

(ص) :۔ گو ڈستھو مرکزی کشمیر کے بھٹکتے سالارالدین کو جنوبی کشمیر کے کیموہ گاؤں میں اپنے خاندان کے پسماندہ گان کے ساتھ روابط تھے جو ماضی قریب میں شاید ٹوٹ گئے تھے اور اُسی تعلق کے احیاء کی خاطر سالار نے اپنا آبائی جاگیر چھوڑ کر جنوبی کشمیر میں صحرانوردی شروع کی تھی تو اس تفتیش میں رُوحانی مدد بھی طلب کرنے پر حاصل ہوئی۔ یعنی آپ نے یاسمن ریشی صاحب سے استدعا کی ہوگی کہ اُس سے

Marfat.com

اپنے یکجدی خاندان کا (جو علاقہ کلگام میں رہتا تھا) حال معلوم ہوپائے۔ انہوں نے اس کو سید سمنانیؒ کے پاس روانہ کیا تو منزلِ مقصود اسکی وساطت سے پایا گیا۔

اس شجرۂ نسب والی نظم سے آپ کے باپ کے خاندان کا حال معلوم ہوا ماں کے بارہ میں یوں فرما چکے ہیں:-

سنزے چھُم مُول تہٕ سنزے ماجی
توٗ سے روُدس سنزے ہاو
ڈیکہ لیکھت پھیور ہیوٗم واجی
نتی بوٗ نُند بٔنتہٕ دزام ناو

(سنز خاندان سے ہی میرے والدین ہیں اسی واسطہ سے میں عظیم اثاثہ سنز بنا ہوں۔ نوشتۂ تقدیر نے مجھے اِسی دائرہ کا مرکز بنادیا ہے۔ میں ازل سے نیک ہوں اور نیک کا ہی نام پایا) سنز:- قلعہ دار GARRISON COMMANDER۔ اسی واسطہ سے حضرت شیخ کے آبائی خاندان کا لقب "سنز" رہا ہے۔ "سنز" کا دوسرا معنی ہے:- سامان۔ اثاثہ۔ یہاں سرمایۂ دارین بھی مقصد ہے۔
واجی:- انگوٹھی یا سانپ یا چوہے کا بل۔ یعنی گول دائرہ۔
تشریح:- اپنے رویّہ سے ہٹ کر منکسر المزاجی سے نہیں بلکہ ذرا فخریہ انداز میں بیان کیا ہے کہ آپ نجیب الطرفین تھے۔

Marfat.com

اسلاف کے پیشۂ سپاہ گری پر غالب کی طرح فخر کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ آپ اپنے اس عظیم خاندانی روایت کے معراج ثابت ہوئے۔ آپ سنز خاندان کا۔ سنز۔ اثاثہ ثابت ہوئے۔ تیسری بات یہ کہی کہ نوشتۂ ازل نے آپ کو دائرۂ عظمت کا مرکز بنادیا ہے۔ چوتھی بات یہ کہی کہ آپ ازل سے ہی سعادت مند اور ازل سے ہی نکوکاری کا تقدیر لے کر آئے تھے اور یہاں پر۔ دُنیا میں بھی آپ کو بطورِ "نند" نیک سیرت اور خوب صورت نام پڑا۔

آپ کے کلام کا بغور ملاحظہ کیا جائے تو ہم پائیں گے کہ آپ اپنے کو بہت حقیر، ادنیٰ اور بدترین مانتے تھے۔ یہ عجز وانکساری کا عالم رہا ہے۔ مگر اس تمام روش سے ہٹ کر یہاں پر کچھ باتیں فخر کے ساتھ کہیں ہیں

اس کلیہ میں یہ استثناء متعارف کرنے کا مخصوص پس منظر تھا۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جب صدرہ کے خاندان کو نہہ تیغ کیا گیا تھا وہ اپنی آیہ کے گھر تھی اور بچ نکلی۔ پھر اُسی ماحول میں اُس کو پالا گیا۔ وہ ایک ڈوم کا گھر تھا جو پیشۂ سے گاؤں کی رکھوالی پر مامُور تھا۔ جس طرح اسلامی ریاستوں میں مُحتسب شراب خانوں پر قدغن نافذ کرنے کے لیے مامور تھا۔ مگر اکثر محتسب خرابات کے ہی ہو گئے تھے اور فارسی شاعری میں ناصح، واعظ اور شیخ کے ساتھ محتسب

Marfat.com

بھی ہدفِ طنز بنا اُسی طرح پاسبانوں کا یہ طبقہ بھی اکثر چوریوں کے جرائم میں مرتکب پائے گئے۔ اس پس منظر میں حضرت شیخ کے خلاف پروپیگنڈا کی مہم شروع ہوگئی۔ کہ آپ اصلاً "ڈوم" تھے، آپ کو سارق بھی بتایا گیا۔ چونکہ مبلغ کے مشن میں ایسا پروپگنڈا بہت خطرناک ثابت ہوسکتا تھا اس لئے شیخ کو اپنی روش سے ہٹ کر فخریہ انداز میں اپنے حسب و نسب اور کیریکٹر کا اعلان کرنا پڑا۔ گو کہ وہ شعوری طور صرف اُسی کو شریف النفس جانتے تھے جو زیادہ متقی ہوتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔

ان اعلانات کے باوجود۔ ان اشعار کو تذکرات اور ریشی ناموں کی زینت بنانے کے باوصف ہمارے تذکرہ نویس اور مورخ ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے اور اسی سازشی پروپگنڈا کے زہر سے تاریخ کو مسموم کرتے ہیں۔

پیر غلام حسن کھویہامی کی مورخانہ صلاحیت اور محققانہ صلابت کو زبردست سراہا گیا آپ کہتے ہیں :-

"کبھی کبھی بھائیوں کے زور کرنے پر چوری کرنے کیلئے بھی جاتے تھے۔ ایک رات ایک دولت مند کو لوٹنے کے لئے گئے .... شیخ اندر گئے۔ سب نے چاندی اور جواہرات کے

Marfat.com

بھرے ہوئے صندوقوں کو دیکھا۔"

اب مورخ حسن کے مورخانہ ضمیر سے کچھ سوال :۔

چونکہ واقعہ شیخ کے بچپن کے زمانے کا ہے۔ یعنی یہ واقعہ عہد سلطان سکندر کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ کیا اُس عہد میں کشمیر میں جواہرات کی بہتات تھی اور وہ بھی پچھڑے گاؤں کیموہ میں۔

اگر کشمیر میں جواہرات تھے، کیا اتنی بہتات تھی کہ ایک گاؤں کے امیر کے گھر میں جواہرات کے صندوق اس بے احتیاطی سے رکھے جاتے تھے جس طرح آجکل کی اقتصادی خوشحالی میں کانچ کے ٹکڑے بھی نہ رکھے جائیں۔

کیا اس بڑے امیر (جس کے گھر میں سونے چاندی اور جواہرات کے صندوقوں کے صندوق پڑے ہوں) کے گھر پر کوئی پہرہ داری نہیں تھی کہ آسانی سے ایک نو آموز سارق ایک چھوٹا چور ان صندوقوں پر پہنچ پایا۔

کیا سونے، چاندی اور جواہرات کے خزینے (صندوق) تہہ خانوں کی بجائے طاقِ نسیاں پر بعالم فراموشی چھوڑے جاتے تھے۔

حسن صاحب کو شیخ صاحب کی عظمت بیان کرنی ہے کہ سونے، چاندی، جواہرات کو درخورِ اعتنا چھوڑ کر وہ مصالحہ پیسنے کی اوکھلی اُٹھا لایا۔ مگر بنا چکا شیخ کو سارق زادہ (نعوذ باللہ)

Marfat.com

اپنی جائے پیدائش کا تذکرہ کرکے یہ بات غلط قرار دی کہ آپ کیموہ گاؤں میں پیدا ہوئے تھے بلکہ "ژِی جوگی پورہ" کو ہی جائے تولد قرار دیا ہے۔

تِتہٕ ژِیہ ہُری منے ذم دِتو۔ نُندِ سنز بو مُسلمان

لگتا ہے کہ " نُندِ سنز بو مسلمان" (نُند سنز میں مسلمان ہوں) کے تکراری مصرعہ کے ساتھ آپ کی کوئی لمبی نظم بھی تھی جس میں آپ نے اپنی آپ بیتی بیان کی تھی مگر اُس نظم کا صرف ایک شعر (محولہ بالا) ہم تک پہونچا ہے، جس کا مفہوم ہے :- وہیں ژِی گاؤں میں مجھے اپنے خدا نے دُنیا میں لایا (الحمدللہ) میں نُند سنز مسلمان ہوں۔ تکراری مصرعہ میں مسلمان ہونے پر اصرار بھی اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ آپ کے خلاف طرح طرح کے پروپگنڈا کئے گئے تھے، کئی لوگوں نے "آپ کے طریق عبادات کو حیلہ بنا کر کبھی آپ پر بدھ ازم سے متاثر ہونے کے الزام عائد کئے ہونگے کبھی شومت کے زیرِ اثر ہونے کا الزام دیا ہوگا۔ ان تمام الزامات کا آپ نے اصرار کے ساتھ اعلان کیا کہ " میں نورالدین سنز (بحمداللہ) مسلمان ہوں۔"

اب پھر ذہن نشین کیجئے کہ آپ کی والدہ کو کس گھر میں جوان کیا گیا تھا۔ اُسی گھر میں شاید آپ نے میکے کا سا پیار حاصل کیا اور رواج کے مطابق اُسی گھر میں نورالدین کو جنم دیا۔ اس طرح اس کا

Marfat.com

ڈوم کے گھر سے تعلق اور بعد میں مُحسن علائی مقدم کی نوکری کرنا۔ اِس پس منظر میں زہر پھیلانے والے لوگوں نے اس کو "ڈوم" کے گھر کے ساتھ یا ڈوموں کا نوکر قرار دیا ہوگا۔ تو آپ فرماتے ہیں: ۔

آدِنہ توُرگ رزہ گنُڈ دِ لاسِیَے
پُتھنِہ ہیِم ترا سِیے پہُوہ
کیتھ کُنی؟ دُو نیُہِچ زُنگیر کا سِیَے
شِنوہ زَنمہ آسیَے گورہِ مانڈوہ
تِنھوٗسے بوہ ڈُومبہ گرِہ نوٗکُس داسیَے
پُیتھ کرِ الہِ گرِہ دلسے پانشرہ پانڈوہ

کیا بتاوں کس طرح اوّل سے ہی میں نے
اپنے اسپِ تازی کو کیا پابندِ لگام
مگر پیار اور دلاسے کے ساتھ
کہ کہیں یہ تُند اور تیز رفتار گھوڑا بے قابو نہ ہو جائے
(اور مجھے دوڑ کے دوران گرا نہ دے)
کیا بتاؤں کہ کس طرح میں نے اپنی گردن سے

Marfat.com

نکال باہر کیا دُنیا پرستی کے طوق کو
اور میں "شو" کے (مظہر جمال ایزدی) اتالیق فطرت بن کے آیا ہوں۔
ہاں میں بھی اسی طرح ڈومب کے گھر پر ملازمت پر مامور ہوا تھا
جس طرح شِو کی شکتی کے مظہر پانچ پانڈو زادے
کمہار کے گھر میں مُصیبت کے دن کاٹنے پر مجبور ہوئے تھے

اپنے والد بزرگوار کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اُس سے سترھویں صدی کے تذکرہ نویسوں کی غیر محققانہ روش کو عہد شیخ کی سازشی عمل کا تسلسل کہا جا سکتا ہے۔ "شیخ" تو شیخیاں بھگارنے والا نہیں ہے۔ مُبالغہ اُس کی شاعری میں نہ ہونے کے برابر ہے پس اپنی آپ بیتی کے بارہ میں مبالغہ سے ہرگز کام لینے والے نہ تھے کہتے ہیں:۔

شیخ سالارس نیکو کارس
دولتز منتزتے بود آسے
نُندِ سنز دوٗر روزِ اتھ روزگارس
ژیتو تراوتُو لَلہٖ منتہٖ لابیٔے

مرجا اُس نکوکار شیخ سالار کے لئے
جس نے دولت مندی میں دانائی کا مظاہرہ کیا
اے سالار کے بیٹے نُند سنز!

Marfat.com

استحکام کے ساتھ ذریعہ معاش کمانے میں ڈٹ جا
اور یہ تساہل فوراً چھوڑ کر شعور حاصل کر

دولت مند سالار کی دانائی کن افعال سے منعکس تھی ہمیں معلوم نہیں ہاں اندازہ ہے کہ شیخ نے اُسکا دائرہ اسلام میں داخل ہونا اُسکی دانائی کا اہم ترین کارنامہ قرار دیا اور اس کے بعد دانائی کے ساتھ اُس نے اپنی دولت کو راہ حق میں۔ برائے رضائے اللہ خرچ کیا ہوگا۔ اس بند سے یہ بھی واضح ہے کہ اس دور میں شیخ صاحب غار نشینی اور سیاحت کے بعد "کارِ روزگار" کے ساتھ وابستہ ہوئے تھے اور اپنے آپ پر تاکید کرتے ہیں کہ وہ معاشی طور (ذاتی طور) پر خود کفیل ہو پائے اور اس مقصد کے حصول میں کوئی تساہل برتنا ذی شعور کے لئے غلط ہے۔

اب اسی مضمون کے تسلسل کے ساتھ اس قطعہ کی رُوح سے آشنائی پائیں گے :۔

بو کُن کندِ اوسُس نہٖ دأسی
کرالہٖ گرِ تہِ ہے اُسی پانژھ پانڈو
سنزے مول تہٖ سنزے مأجی
کل ٹھو، کل مبأنٔ سنزے ہو

صرف میں اکیلا نہیں ہوا جسے نوکری کرنی پڑی
کمہار کے گھر میں پانچ پانڈو نوکر ہی تھے

Marfat.com

میرے والدین نجیب الطرفین ہیں

وہ بھی سنز تھے میں نے سنز (سامان) حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہے۔

نوٹ:۔ کل میاں ذُ سنز ے ہو، کے دو معنی ہیں۔ اولاً میرا عزم صمیم بھی آخرت کے لئے اس دُنیا میں سامان آفرینی کے لیے وقف ہو جائیگا۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح میرے والدین قلعہ داری کے منصب کے ساتھ خاندانی طور وابستہ تھے مجھے بھی (اخلاقیات کے قلعہ) کی قلعہ داری کرنے کا ہی ذوق و شوق ہے۔

ننے یہٖ کونتر بُوسُت ماُس[1]

بُو ستھ ماُس منے یہٖ کونتر

سرتل گیم یہٖ واُرِس

سمانس بُجم یہٖ دوٗترٕہ

واسی گیم پٕہلی کھیٛلِس

بو ستھ ماُس منے یہٖ کونتر

اِس نظم سے اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ آپ جب اِس دُنیا سے رختِ سفر باندھنے پر آمادہ تھے تب آپ کو یہ احساس زبردست ڈس رہا تھا کہ اگر آپ اپنے خاندان کے چشم و چراغ تھے

---

[1] پوری نظم مع ترجمہ و تشریح جلد اوّل کے صفحہ 456 پر دیکھیں، ہاں مصرعۂ اوّل وہاں پر غلط درج کرنے پر معذرت خواہ ہوں، صحیح اوپر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھے اور اس طور والدین کی اُمید (سنتھ) تھے مگر وہ لاوارث، لاولد، بے زن، بھائی بہنوں اور والدین کے دیگر ورثائے سے بھی محروم تھے۔ "ست" بہ معنی اولاد اور سنتھ بہ معنی اُمید ؛

Marfat.com

گھوڑ سوار شیخ

ہمیں تاثر دیا گیا ہے کہ ریشی اولیاء کرام اور اُنکے سربراہ علمدار کشمیرؒ بس گوشہ نشین راہب تھے۔ مگر یہ تاثر دینے والے تذکرہ نویس اور مورخ وہ اہم واقعات نظرانداز کر بیٹھے جو اُنہوں نے خود ہی جلی حروف میں اپنے تذکرات میں درج کئے ہیں۔ حضرت نولی ریشیؒ کو نہ صرف گوشہ نشین بنایا گیا تھا بلکہ ایک ناکارہ بدن (DISABLED, CRIPLED) بتایا گیا ہے۔ مگر حملہ آور مغل جنرل حیدر دوغلات اُس کے گھوڑے پر عاشق ہوتا ہے۔ اُس کا خلیفہ ریبو ریشی گھوڑا نہیں دیتا ہے تو دوغلات کے فوجی ریشی کو شہید کر کے گھوڑا لیتے ہیں۔ اِس واقعہ سے ہمیں یہی اندازہ ہوا کہ جب ایک ناتوان ریشی بھی ایک اسپ تازی کو پابند زُمام کرنے کا فن رکھتا ہو تو دوسرے ریشیوں کا حال کیا رہا ہوگا اور ریشی کے کٹھن مراحل کے پیش نظر گھوڑ سواری اُس کے لئے ٹریننگ کا ایک اہم کورس تھا۔ اب دیکھئے بذات خود شیخ کا کلام کس طرح غمازی کرتا ہے کہ وہ خود فنکار گھوڑ سوار تھا۔

زاڈے سُم سُنٛز توٗرگس میانٛس
ناد لایئے یاوَن راپہ

Marfat.com

سے ہے کیشاہ زَزْر بیؤم بیتھ کرو دُس
یاوُن سوریاو تہٕ بُڈِ یا بہٕ بایہٕ

یہ دو بیتی بھی پڑھیں :-

ژٕ بتھ تُوٚرگ دگہ رٹن ژٕ ہلِتھ
ہلِتھ دُوہ پھ ناوِ کتھ داو
توہ ششِ کلہ شیرِ وسہ وکلِتھ
شوٚس شوٚ نیاہ میلِتھ گو

اسی جُز میں کچھ دیر پہلے ہم نے شیخ کے ڈوم گھرانے میں نوکر رہنے اور پانچ پانڈو کا کمہار کے گھر میں نوکری پر رہنے کے مضمون کے حوالے سے آپ کی مختصر نظم درج کی ہے۔ پہلا شعر ہے :-

آدنہٕ توٚرگ رزہ گُنڈ دِلاسے
مُتھنہٕ بنیم ترا سے پوہ

(کیا بتاؤں کہ کس طرح سے پہلے سے ہی اسپ تازی کو پیار اور دلاسہ دیکر پابندِ لگام کیا کہ کہیں یہ تُند رفتار گھوڑا مجھے دوڑ کے دوران گرا نہ دے)

ہم نے حصہ اوّل میں مکالمہ میر محمد ہمدانی میں دیکھا کہ صوفیانہ

لہ جلد ۱ ص ۴۴۴ تا ۴۳۸ ترجمہ و شرح (۲)
ٹہ جلد ۱ ص ۴۴۰ تا ۴۴۵

Marfat.com

اصطلاح میں، اسپِ تیز گام ــــ تُند گھوڑا ــــ تُوْرگ ــ اسپِ تازی یہ سب لفظ نفسِ امارہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مگر اس اصطلاحی مقصد کو ادا کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ اس فن کے لوازمات کا عرفان ہونا چاہیئے جس فن کے واسطے سے کوئی فنکار یا شاعر اپنے تجربہ کو ادا کرتا ہے۔ راقم بھی ایک شاعر ہے اور طویل فکشن نگار ہوں مگر کہیں پر میں نے ڈرائیونگ، شناوری یا گھوڑ سواری یا شکار کھیلنے کے فنون کے حوالہ سے کوئی تجربہ ادا نہیں کیا ہے کیونکہ وجہ اظہر ہے ؛

Marfat.com

سیاحتِ کشمیر

کشیر پھیوُرُس اُندی اُندی ۔ کسِ اوُٹزرُم ہۂ برآندی تراوُ
جَندَرس کرۂم ییلہٖ یونڈی ۔ اَدِ دوٚ یہُم فندی ہاوُ
ننہٖ رَے یوان ٹُڈ شرمندی ۔ ننہٖ رِے گھژان اُندی داوُ
یامنہٖ ڈیشہِن یار تہندی ۔ تام گژھان براندی داوُ

اشارات :۔ اوُٹزرُم (متروک ۔ موجودہ) موٚٹزرُم ۔ کھول دیا
براُندی تراوُ (متروک) آ جکا براندہ نور) ۔ اندر آنے والے
دروازہ پر اندر ، سے چڑھی ہوئی کنڈی) ننہٖ رَے :۔ بے لباسی ۔
ننگا ہونا ۔ ننہٖ رِے :۔ پوشیدہ راز کا بازاری افواہ بنتا ۔
براُندی داوُ گژھُن (ترکیب) دروازہ کو جب اچانک کھٹکھٹایا
جائے تو صاحبِ خانہ دہلیز پر دروازہ کھولنے آئے تو پاتا ہے
کہ کھٹکھٹاہٹ ہوا کے تیز جھونکے کی شدت سے ہوئی تھی ۔

ترجمہ :۔ ملکِ کشمیر کی پوری سیاحت کی میں نے
اس خطۂ جنتِ نظیر کے ارد گرد گھوم آیا ہوں ۔
کسی نے میری مہمان نوازی نہیں کی
(بلکہ گھر میں سر چھپانے کی جگہ نہ دی)
ہاں جب میں نے خرقہ سا لوُس پہنا

Marfat.com

تو پھر جوق در جوق لوگ آتے
کہ کرامات کا مظاہرہ کروں
افسوس کہ اس خرقہ نے بھی مجھے چھپایا نہیں
اور اس طرح راز افشا ہونے سے
میرا عمل رائگان ثابت ہوا
ہاں جب تک اپنے یار کو نہ دیکھ پائیں
تب تک ہمارے لئے ہر جلوہ سراب ہی تو ہے

تشریح :- یہ نظم بھی مخصوص طور رموز و کنایات اور شاعرانہ استعارات و تشبیہات کے حوالہ سے شاعر کی اپنی داستان ہے۔ اس نظم سے آپ کی زندگی کے دو ادوار ہمارے ذہن پر حاوی ہوتے ہیں۔ پہلا وہ دور جب وہ سیاحتِ کشمیر میں یعنی تبلیغ میں سرگردان رہے ہیں۔ اِس دوران آپ کی قوم نے آپ کے پیغام کو بہت حد تک نظر انداز کیا اور جب آپ کے ولایت کا چرچا ہوا تو لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آگئے تا اینکہ آپ کے مافوق الفطرت کرامات کا استفادہ کر پائیں۔ مگر شاعر بذاتِ خود یہ راز کھُلنے پر تاسف کرتا ہے۔ اُسکا ردِ عمل اُس درزی کا ہے جو سوئی کے سرے میں دھاگا داخل کرنے کی کشمکش میں رہا مگر دھاگا کبھی سوئی کے سوراخ کے دائیں جاتا ہے کبھی بائیں اور اِس عمل سے اِس

Marfat.com

عامل کا تضیع اوقات ہی ہوتا ہے۔ اِس تضیعِ اوقات کا مداوا تب ہی ہوسکتا ہے جب عاشق اپنے معشوق کے دیدار سے مستفیض ہووے نہ کہ آمد یار کے فریب میں ہی دھوکہ کھاتا رہے۔

کشمیر میں صحرا کہیں پر نہیں ہے بلکہ یہاں ہر ایک دہلیز کا دروازہ ایک سلسبیل کے دہانے پر ہی کھلتا ہے اس طرح یہاں پر "سراب" کی علامت کا تصور آج کے شاعروں نے قرضہ کے طور اختیار کیا ہے مگر یہ ایک محض نقلِ محال ہے اور اس طرح سراب کے معمہ کو سمجھانے کے لئے طالب علم کو ایک خیالی صحرائے اعظم میں لیجانا پڑتا ہے اور پھر اُس کو اُسی طرح یہ رمز سمجھایا جاتا ہے جس طرح ایک سکول کے بچے کو "رینو سراس" لفظ سمجھانا پڑتا ہے۔ جو جانور خود اُستاد نے دیکھا نہیں ہوتا ہے۔ اسکے برعکس کشمیر میں تیز ہوائیں چلتی ہیں جن سے اکثر کیواڑ خود بخود کُھل جاتے ہیں اور مُنتظرِ یار عاشق کو گمُان ہوتا ہے کہ محور انتظار اُسکا محبوب آگیا۔ آخری شعر سے اب مضمون واضح ہے کہ جب تک حقیقی طور دوست میرے مہمان خانہ کے اندر آتا نہیں ہے تب تک اُسکے گھر کے کواڑ بار بار بھی کُھل جائیں مگر فریب کے سِوا حاصل کچھ نہیں ہے۔

۵ نام مئے گژھان برآندی واوُ

اِس شاعرانہ رمز کو ہمارے ہم عصر شاعروں میں جناب موتی لعل ساقی نے

Marfat.com

اس دو بیتی رباعی میں بالکل مقامی استعارہ کے حوالہ سے ادا کیا ہے۔

اُندری اُندری مِتے سَتھ سمسار ڈُندِ مُس
پتو ژریوٗ ٹُم یِہ اوس بُرِ ٹلی پکان واو

(ساقی صاحب تاریک جاڑے کی راتوں میں اپنے محبوب کے اِنتظار میں مُنتظر ہیں۔ اور دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز پیدا ہوتے ہی شاعر نے خیالات میں محبوب کا استقبال کرتے ہوئے اپنا سارا کچھ۔ ساتوں اقلیم آئے ہوئے یار کے قدموں پر نچھاور کئے مگر وہ کہاں آیا تھا یہ تو صرف تیز ہوا کے جھونکے سے کواڑ کھٹکھٹانے کی آواز ہی پیدا ہوئی تھی)

اس نظم سے حضرت موصوف کی حیات کے بارے میں ایک اور اوجھل معاملہ نظروں کے سامنے آتا ہے۔ پہلے شعر سے صرف واضح ہے کہ ولایت کے اعلان سے پہلے یعنی کیموہ گپھا میں خلوت نشینی سے پہلے حضرت شیخ نے کشمیر کا دورہ کیا تھا اور تب قوم نے انکے خلوص کو التفات کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اِس امر کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سید سمنانیؒ آپ کے زبردست ہمدم، ساتھی رہبر اور مداح تھے۔ حضرت شیخؒ کی عمر اس وقت سترہ اٹھاران سال تھی۔ جب سید صاحبؒ واصل بحق ہوئے۔ سید صاحب ایک عظیم مبلّغ تھے۔ اس طرح لگتا ہے کہ عینِ شباب، سولہ اور سترویں

Marfat.com

سال میں شیخ صاحبؒ حضرت سیدؒ کے بھی ہمرکاب رہے ہیں اور اُنکے ساتھ بھی تبلیغی سیاحت کی تھی، بعد میں حضرت میر محمد ہمدانیؒ کے ورودِ مسعود کے وقت بھی شہرت حاصل کی تھی اور میر صاحب کے ساتھ بھی تبلیغی مشن پر مامور تھے۔ مگر آپ عوامی توجہ کا مرکز غار نشین ہونے کے بعد ہی بنتے ہیں کیونکہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے خرقۂ فقر اُوڑھ لیا تو لوگ میرے پاس خرقِ عادت، کارنامے کرنے کے مطالبات لے کر آئے۔ اِس رمز سے یہ بھی واضح ہے کہ لوگوں کا اُن کے پاس اُن سے کرامات طلب کرنے کی غرض سے آنا انہیں ناپسند تھا، بلکہ ان خرقِ عادت کارناموں کو آپ "فند" دھوکہ بازی کی صفت سے موصوف کرتے ہیں۔ اہل اللہ کے پاس ہدایت کی مشعلیں فروزاں ہیں مگر عام ظلمت پرست صرف دُنیاوی معاملات لے کر اُن کو تنگ کرتے ہیں، اسی لئے صاحبِ دل ایسے لوگوں سے تنگ آتے ہیں

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ کونسی نظم، رُباعی یا دُو یا سہ بیتی شاعر شیخ رضؒ کی ذاتی شخصیت کو مُنعکس کرتا ہے۔ ہمارے اسلاف تذکرہ نویس حضرات نے آپ کے بہت سے منظوم فن پاروں کے بارہ میں

Marfat.com

خود اختراع کئے ہوئے پس منظر جوڑ دئے ہیں، اس سے ان فن پاروں کی ہمہ گیریت اور دوامی کیفیت دونوں مجروح ہوئی ہیں۔ جلد اوّل میں [۱] ہم نے کئی ایسی تخلیقات کا "وَوْ با وَوْ" تکراری مصرعہ والی نظم کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے بلکہ ایسا بھی کہا گیا کہ شاعر کی ایک ہی نظم کو کئی بندوں میں منقسم کرکے ہر بند کے لئے ایک منظوم سوال نامہ اُسی اسلوب میں وضع کرکے جوڑ دیا گیا اور تذکرات میں منظوم مکالمے شیخ اور اُنکی والدہ، شیخ اور اُسکی بیوی زئے دید، شیخ اور نُمہ سادھو وغیرہ کے مابین بنائے گئے۔ اسی طرح "غو پچھ بل" (گپھا والی نظم) بنائی گئی جس کا وقت پر تذکرہ کیا جائے گا۔ یہاں پر یہ بات تاکید سے کہی جاتی ہے کہ اُن مکالموں میں سوال شیخ یا جواب شیخ ــ جو بھی صورت موقع کے مطابق بنایا گیا ہو بلا تردید کلامِ شیخ ہی ہے مگر اس اسلوب میں

[۱] دیکھئے جلد [۱] صفحہ [۱۴۱]

Marfat.com

بنائے گئے سوالات یا جوابات جو بُینہ طور والدہ مرحومہ یا بُمہ سادھو وغیرہ سے شیخ کو کرائے گئے اُنکا حُلیہ ہی خود بخود چلّا کر کہتا ہے کہ ہم دوسرے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔" اِس ضمن میں جلد اوّل میں بھی بحث کی گئی ہے۔[1] تفصیل کے ساتھ ہم نے " مےٚ گرٕہ ترٚ وُوٚے زٕیوٚن کٕس کِتھٕ " (میں نے گھر چھوڑ دیا جیوُں تو کِس لیئے) عنوان والی نظم کا تذکرہ کیا ہے۔ اس نظم کو سُنانے کے بعد (بقولِ تذکرہ نویسان) اُنکی والدہ نے اُن سے فرمایا کہ " اے فرزند تو نے ہمیں شرمندہ کیا۔" شرمندہ کرنے کیلئے کشمیری نعم البدل " لٕز یاوٕن " تھا جو آج مستعمل نہیں ہے۔ اِس لفظ کو لیکر شیخ ایک نظم تخلیق کرتے ہیں گویا کہ ماں بیٹے "بیت بازی" (انت اکھشر) کھیل رہے تھے کہ اُس نے لفظ ادا کیا تو اِدھر اُسی لفظ کو مطلع مصرعہ کا لفظِ اوّل بنایا جاتا ہے۔

لٕز پُوٚوِم اُسی اَز دَرِ ربٕہ وِ
موج تٕرےٚ مےٚ کرم اٍرے
وُوٚپھنس تٕہ بیس نٕٹوٚ
دیٚس آلوٚ تٕہ ہٕرے
لٕز پُوٚوِم اَز دَرِ ربٕہ وِ
از ریشن وِنیتھ دَرے
نتہٕ کیتاہ آس حساب کھٕٹو

[1] جلد ۱، ص ۵۰

Marfat.com

صوَرگَس چھون کُو سم نفرے
لز پۆوِم از وَرِ رَنۂ وِ
اُکِس رکِژہ لز مژہ لرِے
ژھو چہِ دۆمرے کوتاہ کٹو
تراو آلہِ پھل سکھ فرِے
لز پۆوِم از وَرِ رَنۂ وِ
ڈلِشھ اُنے تہِ بوُزتھ زرِے
زاسس تہِ دُنیاسیدُم ولُو
گرم گنن زرم گرِے
لز پۆوِم از وَرِہ رَنۂ وِ

حل مطالب:۔ لز پۆوِم:۔ میں نے شرمندگی حاصل کی۔
وُرِی:۔ وڑی ۔ گرم مصالحہ کوٹ کر تیل اور دیگر چکنائی کے ساتھ ملایا جاکر سکھایا جاتا ہے اور اس کی جو روٹیاں جیسی بنتی ہیں اُن سے تھوڑا سا کاٹ کر ضیافت میں لذّت پیدا کرنے کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ وُرِی:۔ واحد: وَرِہ۔ جمع
وَرِ رَنۂ:۔ چونکہ یہ مصالحہ صرف ضیافت کو لذیذ بنانے کے لئے ہے مگر کوئی بے وقوف بہو اپنے کو ہدفِ ملامت بناتی ہے جب وہ بجائے سلونے کے "وری" ہی پکاتی ہے اِس خیال سے کہ

Marfat.com

لذیذ تر بنے۔ مگر ایسا سلونا صرف اس قیمتی اور محنت سے تیار کئے گئے مصالحہ کو خراب کرنا ہے بلکہ اگر کوئی کھائے اس کی انتڑیاں بھی خراب ہوتی ہیں۔ اس محاورہ کا مقصد ہے افراطِ عمل سے اپنے کو شرمسار کرنا؛

اڑے :۔ رکاوٹ پیدا کرنا۔ ڈُوَنبھر :۔ فریبِ نظر

بُیبے : ہیبت نرِہ آلہ وِنہ :۔ (محاورہ) کسی پر فدا ہونا۔ کسی کا گرمجوشی سے اِستقبال کرنا۔ وِنیتھ :۔ استدلال۔ جواز

کٹو :۔ کاٹ لینگے فرے :۔ او نادان

انیے یہ :۔ اندھے ہو گئے۔ نِرے یہ :۔ یعنی زرے یہ، بہرے ہو گئے۔ کرم :۔ عمل۔

گُنُن :۔ سرایت ہونا۔ ہمہ جہت بنانا۔

زوُرُم :۔ برداشت کرنا۔ تجربہ کرنا۔

نوٹ :۔ (۱) صفحہ ۳ سے :۔ "وَرِہ" لفظ بجائے "وِرِہ" بھی ہوسکتا ہے۔ (وِرِہ) شادیوں پر صحن خانہ یا میدان میں چولہوں کی ایک قطار بنائی جاتی ہے جس پر منوں چاول اور گوشت پکائے جاتے ہیں تو پھر کچھ اور ہی مطلب نکل آتا ہے۔

ہم چولہوں کی قطاروں پر ضیافتیں تیار کر کے اِس قدر خوراک ضائع کرتے ہیں جو باعثِ شرمندگی ہے۔

Marfat.com

ترجمہ:۔ (ایک بے وقوف نو بیاتا دُلہن کی طرح

میں نے سُسرال گھر میں) اپنے کو ہدفِ ملامت بنایا

جب میں نے سلونے کے بجائے گرم مصالحہ پکایا

اِس عملی تفریط سے مجھے شرمندہ ہونا پڑا

میری ماں تم رکاوٹ میرے لئے پیدا نہ کرنا

ہم فریبِ نظر اور ہیبت سے ڈر جائیں

اپنے خالق پہ فدا ہونے کے لئے تیار رہیں

ورنہ ہمیں اپنے افراطِ عمل سے شرمندگی حاصل رہے گی

آج تو ریشی لوگ منطق اور استدلال سے کام لیں گے

مگر وہاں پر کیا چھپا ئینگے

(جہاں نہ استدلال کی پہنچ ہے

نہ منطق کام آسکتا ہے

ہمارے لئے یہ باعثِ اطمینان ہے کہ)

جنّت کا باغ و بہار ہمارے لئے تڑپ رہا ہے

مگر ہم اپنی بے راہ روی سے شرمندگی اُٹھاتے ہیں

کسی کے لئے بلند و بالا بنگلے تعمیر ہوئے

لیکن عمر اتنی قلیل ہے کہ ان مختلف محلوں

میں رہنے کے لئے کتنا وقت صرف کر پائیں گے

Marfat.com

اے نادان یہ اسبابِ دُنیا چھوڑ دے
یہ ہل بائی بے سود ہے
اب اُٹھ رختِ سفر باندھ
ورنہ اپنی بے احتیاطی اور عمل تفریط سے شرمندہ ہو جاؤ گے
یہ سب کچھ دیکھ کر کہ:
جو کچھ ہم کرتے ہیں سب باعثِ شرمندگی ہے
فریبِ نظر ہے،
خوف، بیم اور تردُد ہے،
استدلال و منطق لاسود ہے،
ہمارے کارنامے اُس سے پوشیدہ نہیں ہیں
ہمارے لئے ہی جنّت کی فضا تڑپ رہی ہے
مگر یہ سب دیکھ کر ہم اندھے بنے ہوئے ہیں
واضح آیاتِ حق کو سُنتے ہیں
مگر ہمارے کانوں پر مہر لگی ہوئی ہے
لیکن مجھے اپنے ہی گھر میں بیٹھ کر
خدا طلبی کا عمل رگ وپے میں سرایت ہو چکا ہے
اور میں نے اسی حال میں وہ سب کچھ برداشت کیا
اور یہ سب تجربات کئے
کہ عمل تفریط باعث شرمندگی ہے۔

Marfat.com

اس نظم میں لفظ ماں (موج) تیسرے شعر میں ہے جس کو بُنیاد بناکر تذکرہ نویسوں نے اس کو اُس مکالمہ کے کھاتے میں ڈالدیا جس کو عرفِ عام میں "غوپچہ بل" کا عنوان دیا گیا ہے حتیٰ کہ اس لفظ کا اِستعمال اکثر جگہوں پر آپ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں پر آپ نے اپنا تجربہ اُس نئی نویلی دُلہن کے حوالہ سے بیان کیا ہے جو میکے گھر سے آکر سُسرال میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلونے کو لذیذ بنانے کے واسطے اِس میں ایک مقررہ مقدار کے مطابق گرم مصالحہ کی 'وری' نہیں ڈالتی ہے۔ بلکہ سلونے کے بجائے 'وری' ہی پکاتی ہے اور جب وہ اپنی ساس سے مخاطب ہوکر اُسے ماں کہہ کر پکارتی ہے۔ اِس اندازِ تخاطب اور ہیئتِ نظم کو بالکل نظرانداز کر کے اِن نافہم تذکرہ نویسوں نے اس نظم کو کیا سے کیا بنادیا۔ لگتا ہے کہ اُنہوں نے اس کا مضمون نہیں سمجھا تھا اسی لئے الفاظ بھی بہت غلط طور لکھے گئے۔ مرحوم مقیم صاحب کے بیاض میں بھی یہ نظم "غوپچہ بل" کے کھاتے میں ہی درج تھی۔

اِس نظم کو ہم نے اس لئے اِس عنوان کے تحت درج کیا ہے کہ اس فنی اور فکری نمونہ کو حضرت شیخ کی انفرادی زندگی کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس میں حضرت شیخ کی انفرادی زندگی کا کوئی عکس نظر نہیں آتا بلکہ وہاں شاعر نورُ الدین ولیؒ کے

Marfat.com

تجربات ہی پر نکھر آئے ہیں۔

اس عنوان کے تحت ابتدا کرتے ہی ہم نے اشارہ کیا ہے کہ شاعر کی ذات بلواسطہ اور بلا واسطہ اپنی تخلیقات میں موجود رہتی ہے۔ جس طرح صاحب نظر کے لیے خالقِ ازل اپنی ہر پیدا کردہ چیز سے منعکس ہے اسی طرح ہر ایک تخلیق کار اپنی تخلیقات کے آئینے سے ہی دیکھا جاتا اور پایا جاتا ہے مگر ہم نے اس ذیلی عنوان کے تحت صرف ایسے اشعار کا حوالہ دیا ہے جو شاعر نے دانستہ طور جان بوجھ کر اپنی شخصیت کے بارے میں رقم کئے ہیں۔ ان میں کس حد تک فنی آداب کی بجا آوری ہے وہ الگ موضوع ہے مگر یہاں پر اتنا کہنا کافی ہے کہ کلامِ شیخ کشمیری منظوم ادب کا پہلا اور تا حال مستند ترین ذاتی آپ بیتی کا نمونہ ہے۔ جس پر نہ صرف علم اسماء الرجال کا رنگ ہے بلکہ آٹو بیاگرافیکل لٹریچر AUTO BIOGRAPHICAL LITERATURE کا ایک دستاویز ہے مگر اس لٹریچر کا اہم حصہ (جسکا بابا محمد خلیل اللہ نے بھی تذکرہ کیا ہے) ہم تک نہ پہونچا۔ جو کچھ بھی ہم تک پہونچا ہے، مشتے نمونے از خروارے ہے۔

•

Marfat.com

عہد شیخ کلام شیخ کے آئینے میں

کلام شیخ ایک شہر آشوب

جس طرح فن کار کی شخصیت اُس کے فن پارہ سے جلوہ گر رہتی ہے۔ اسی طرح فنکار کا عہد، فنکار کا ماحول وغیرہ بھی ان فن پاروں سے مُنعکس رہتا ہے۔ کتنا بھی فنکار نے رمز و کنایہ، علامتیت اور ابہام سے کام لیا ہو مگر یہ کنایات و علامات جس ماخذ سے اخذ ہوئی ہیں اُس ماحول کے بارہ میں وہ بہت کچھ نہیں تو ضرور کچھ نہ کچھ بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح ابہام و ابہام سے بھی اندازہ ہوتا کہ فن کار کو کس سیاسی گھٹن، سماجی استحصال، اقتصادی زبوں حالی وغیرہ سے گذرنا پڑا تھا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت شیخ نے شاعری محض اپنے اندرون کے منحنی جذبات کی ترسیل کے لئے نہیں کی بلکہ اُس کی شاعری میں مقصدیت ہے۔ اُنکی زندگی ایک مقصد کے تابع تھی۔ اُنکا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، غرض اُن کے عمل کی ہر ادا تبلیغ اسلام کے لئے وقف ہو چکی تھی۔ سوسائیٹی کے لئے ایک اخلاقی لائحہ عمل وضع کرکے اس پر عمل کرانا تھا جو سوسائٹی تولد سے صرف ساٹھ سال پہلے ایک اخلاقی روایات کی عظمت سے گر کر چکنا چور

Marfat.com

ہو چکی تھی جس کا تانا بانا زُلچو کے دست تشدد نے بکھیر دیا تھا۔ جو سوسائٹی ایک نئے روحانی اور اخلاقی انقلاب سے آشنا ہو چکی تھی مگر اس جوڑ میں بھی شکست و ریخت کے اسباب موجود تھے۔ سطحی طور تو تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں مگر ذہنی انقلاب بپا نہیں ہوا تھا۔ حضرت شیخ کو یہی ذہنی انقلاب ہمہ گیر کرنا تھا وہ لہٰذا شاعری کو سامان تعیش کے طور استعمال نہ کر سکتے تھے بلکہ انہوں نے لفظ و معنی کی کُند تلوار کی دھات کو پگھلا کر اُسے خرمن انقلاب کی فصل کٹائی کے لئے ایک درانتی بنایا جس انقلاب کے بیج زلکا ریشی، پلاس ریشی، رُمہ ریشی، عیران ریشی، بلبل شاہ اور امیر کبیر جیسی اولوالعزم شخصیات نے بو دئے تھے۔ لہذا آپ کو بیانیہ انداز میں اور درپردہ طور پر بھی بلا واسطہ (DIRECT) بھی اور بلواسطہ (INDIRECT) بھی اور اعلانیہ بھی اور رمز و کنایات کے حوالہ سے بھی کئی حالاتوں پر ردِّ عمل ظاہر کرنا پڑا۔ کہیں کسی سُچویشن پر تنبیہہ کا اظہار کرنا، کہیں کسی امر کو پسندیدہ قرار دینا اور کہیں پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا پڑا۔ اسی اظہار نے اُنکے ماحول کی عکاسی کی اور یہ عکاسی اتنی کافی ہے کہ کلام شیخ کو ہم چودہویں اور پندرہویں صدیوں کا شہر آشوب بھی قرار دے سکتے ہیں۔ بلکہ اُس عہد کی سماجی، سیاسی، اقتصادی، تمدنی،

Marfat.com

معاشرتی، مذہبی تاریخ مرتب کرنے کے لئے کلامِ شیخ ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارے ہاں کے تواریخ قوموں کے تواریخ نہیں ہیں بلکہ بادشاہوں کے کارناموں کی داستانیں ہوتی ہیں ان میں اُن عہدوں کی اقتصادیات اور سیاست کہیں پر بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ ہم جناب شیخ العالم کی شاعری کے شہر آشوب رنگ کو پرکھ لیں تو کس کسوٹی پر۔ اس کے برعکس اُن دو صدیوں کے تمدّن کے بارہ میں کلامِ شیخ ہی بذاتِ خود ایک معیار ہے۔

(ا) زرعی سوسائٹی

کلامِ شیخ میں جا بجا انہی مثالوں، تلمیحات اور علامتوں کا استعمال ہوا ہے جنکا ماخوذ کھیتی باڑی کا پیشہ ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ماضی قریب تک نہ صرف کشمیر کا بلکہ سارے برّصغیر کا اقتصادی انحصار صرف اور صرفاً کھیتی باڑی پر تھا۔ اس لئے یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے کہ شیخ کے کلام پر اس پیشہ سے وابستہ الفاظ و تراکیب و محاورات کی شدّت حاوی ہو۔ ہم تک یہ واقعات تاریخی ذرائع سے نہ پہونچے ہیں کہ تب زرعی نظام کی قدریں کیا تھیں۔ دیکھا گیا ہے کہ حکمران اپنے چہیتے عامل، افسر، مصاحب، درباری وغیرہ کو جاگیر دیتے تھے۔ زمین الاٹ کرتے تھے

Marfat.com

اور اس طرح سے صاف ظاہر ہے کہ زرعی جائداد حکمران کی ملکیت ہوا کرتی تھی۔ مگر یہ جاگیرداروں کا طبقہ بھی بجائے خود ایک طاقت تھا جس کے بل بوتے پر ہی کوئی حکمران راج سنگھاسن پر ڈٹے رہ سکتا تھا اور اُس طرح سے یہ بھی اخذ ہے کہ جاگیرداروں کی ملکیت بھی بجائے خود ایک قانونی حقیقت تھی۔ اِس سچویشن میں مزارعہ کا کیا حال رہا ہے اُس کے بارہ میں ہم تک مواد نہ ہونے کے برابر پہونچا ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ "گونگل نامہ" والی نظم میں حضرت شیخ نے آلاتِ کشاورزی کے حوالہ سے اخلاقیات، مذہبیات اور شریعت کے رموز ادا کئے ہیں۔ مگر اُس نظم سے ہماری نظروں کے سامنے اُس وقت کے زرعی نظام کے بارہ میں بھی ایک تصویر اُبھر آتی ہے، وہ تصویر لگ بھگ ہمارے عہد کے جاگیردارانہ نظام (Landlordism) کے ہوبہو ہے اور اسی وجہ سے کئی تنقید نگار حضرات اِس نظم کو یا اس کے بیشتر حصہ کو کلام شیخ میں آمیزش تصوّر کرتے ہیں۔ پرانے نسخوں میں "تحصیلدار" لفظ اِس نظم میں کہیں نہیں آیا۔ نہ راقم کی نظروں میں کوئی نسخہ گذرا ہے جس کے کسی بند میں لفظ 'تحصیلدار' استعمال ہوا ہو۔ لیکن کئی خود ساختہ نقاد خود ہی اس لفظ کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ ہاں لفظ "مُقدم (نمبردار)

Marfat.com

نظم کے مقطع میں آیا ہے اس کی توضیح ہم جلد اوّل میں کر چکے ہیں۔

اب اِن الفاظ کو دیکھئے :۔

شگدار اور رکھوالا :۔ یہ بھی مالک اراضی کا ایک ماتحت ملازم ہوا کرتا تھا جو مزارعین کے تحت زیر کاشت اراضی کی رکھوالی اور نگرانی پر مامور تھا۔ اُسکا کام دیکھنا تھا کہ کس محنت سے کاشتکار کام کرتا ہے کہیں تساہل تو نہیں برت لیتا ہے یا کہیں پکی فصل کی خیانت کا ارتکاب نہ کر پائے۔

چکلدر :۔ چک دار، جاگیردار، اِس لفظ کے بارہ میں اعتراض ہے کہ "دار" والے الفاظ فارسی زبان سے آئے ہیں جو ہمارے ہاں سرکاری کام کاج پر چھا جانے کے بعد استعمال میں آتے ہیں اور چکدار۔ اسلئے چک (جاگیر رکھنے والا) بعد کا لفظ ہے۔

یہ تاویلیں غلط ہیں۔ لفظ "شگدر" خالص کشمیری ہے صرف "بر" ردیف و قافیہ کے التزام کے پیشِ نظر 'در' کو "دار" پڑھا جاتا ہے۔

ژکُل :۔ کشمیری لفظ ہے جسکا معنی قطعہ اُراضی کے ہے۔ مگر ہمارے خارجی حاکموں اور اُنکے آفیسروں نے ہمارے الفاظ کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ "ژکُل" کو "چکل" لکھا گیا ہے۔ ضلع بارہ مولہ علاقہ رفیع آباد میں "ژکُل" نام کا ایک گاؤں اب بھی ہے۔ لیکن ہمارے خارجی افسر

؎۱ ملاحظہ ہو جلد ۱ ص 320 تا ص 330

Marfat.com

مال نے ریکارڈ میں "ژکل"، "چکلہ" لکھا ہے۔ دیکھئے کیا تحس نحس کیا گیا ہے۔ اس طرح دھیرے دھیرے "ژکل در" قطعہ اراضی کے مالک کو کہا گیا جو دھیرے دھیرے "ژکل دھر" بن گیا۔ فارسیت سے مغلوب ذہنوں نے اس میں بھی فارسیت پیدا کی اور چکلدار بنا دیا۔

گو کہ اس موضوع سے بعید ہے مگر چونکہ اس نظم کا یہاں پر حوالہ اہم ہے اسلئے اس کے بارہ میں اپنے ذہن کے شکوک بھی مجھے واضح کرنے ہیں۔ ہماری رائے میں "شگدار"، "چکلدار"، "ہرکارہ" وغیرہ الفاظ کا استعمال کسی بھی طرح اس نظم کو زمانۂ شیخ سے باہر نہیں نکال سکتا ہے بلکہ یہ الفاظ اُسی عہد میں (شہمیری عہد میں) ہی روزمرہ کے جُز بنے ہوئے تھے کیونکہ شہمیری عہد کے بعد سلاطین چک (ژک) کا عہد آتا ہے۔ جو شہمیری عہد میں ژکلدار (چکلدار) تھے جسکا مخفف ان کے نام کے ساتھ "ژک" وابستہ رہا۔ لیکن ایک بند میں کچھ الفاظ ہیں جو تصوف کی تراکیب ہیں شیخ ولی اکمل ہونے کے باوجود تصوف کے تصرف میں نہ تھے۔ اگرچہ وہ ذکر وفکر کا تبلیغ کرتے ہیں مگر خاص وردات کے پابند نہیں رہے اُن کا ورد تو صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رہا ہے اسی لئے ختماتِ شیخ میں بھی وردِ بسم اللہ ہی اہم ترین ہے جو آپ کے کلام سے بھی واضح ہے آپ بسم اللہ شریف اور سورۂ فاتحہ کے ورد پر ہی زور دیتے رہتے ہیں:۔

Marfat.com

مثلاً :- بسم اللہ الحمد التحیا تو
پالکھ چھپے قرآنس یا تو

(بسم اللہ۔ الحمد اللہ اور التحیات للہ والصلوٰۃ پر عمل کرو گے تو قرآن کے عرفان سے سرمست ہو جاؤ گے)

گو نگل نامہ کا متذکرہ بند یوں ہے :-

ہل چھپے چہار وِرد ذکر کرتہ ؛ مخفی چار ضرب چھپے صد باؤ
وہ نے افضل حبسِ فکرتہ ؛ یُس کرہ گو نگُل سُے کرِہ کراوُ

اس بحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کچھ اس نظم میں تغیر یا آمیزش ترکیبات میں ہوئی ہو جس سے انکار کرنا ممکن نہیں مگر جتنی روایت اور درایت کے ساتھ اِس نظم کی نقلیں بنائی گئیں، اُن سے صاف عیاں ہے کہ یہ نظم کلامِ شیخ کا اہم جُزر رہا ہے۔ اس نظم کے حوالے سے ہم پندرہویں صدی (لگتا ہے کہ یہ نظم حضرت شیخ کے آخری وقت کے کلام میں سے ہے جو ۱۴۳۸ کے قریب کا ہو گا) کے زرعی نظام کا ایک خاکہ تیار کر سکتے ہیں۔

اراضیات منقسم ہو چکی تھیں بڑی بڑی جاگیرداریوں میں۔ جاگیردار کو "ترکل در" کہا جاتا تھا۔ ترکل در اِس اراضی کا مالک مختار ہوتا تھا۔ یہ اخذ نہیں ہو سکتا ہے کہ آیا سلطان وقت کو پیداوار سے

ھ۱ ترجمہ ص 323 جلد ۱ دیکھئے

Marfat.com

کوئی حصہ ملتا تھا یا صرف ان ژکل داروں سے فتوحات اور مدافعت ملک ہی میں مدد لی جاتی تھی۔

- ژکل در کے ملازمین تھے جنہیں شگدر، ہرکارہ اور پیادے اہم ترین تھے۔ یہ عملہ ESTABLISHMENT ژکل در کے اپنے ماتحت ہوتا تھا، ان کی تنخواہیں بھی فصل سے ادا ہوتی تھیں۔ قرین قیاس یہی لگتا ہے کہ جنس میں کوئی خاص حصّہ ان کا بھی ہوتا تھا۔
- شگدر رکھوالی پر مامور تھا۔ ہرکارہ ایک قسم کا عملۂ خاص کارِ خاص تھا جو ژکلدر یا شگدر تک مزارعوں کی شکایات پہونچاتا تھا۔
- پیادہ :۔ EXECUTANT . یہ عہدہ دار کلکٹر اور پولیس آفیسر کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس کو مزارعہ سے حصۂ پیداوار حاصل کرنا ہوتا تھا اور اس حصول پیداوار میں، وہ زیادہ گرفت سے بدخلی بھی کرتا تھا اور تشدد سے کام لیتا تھا۔
- کاشتکاروں پر مصائب کی بوچھاڑ ہوتی تھی - بیسوں افراد کے کنبے کو جب سال بھر محنت ومشقت کرکے پیٹ پورا حصہ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا تو وہ چھپا کر لینے (جس سے استحصالی ذہن نے خیانت نام رکھا تھا۔) کی وبا پھوٹ پڑی تھی۔ 'چکلدر' کو اس کا علم ہوا تو اُس نے ہرکارہ جیسے معتبر تعینات کئے۔ جو غلط الزامات عائد کراکے کاشتکار کو پٹواتے تھے، اُس کے خرمن یا کوٹھار کو قُرق کرواکر مقفل کیا جاتا

Marfat.com

تھا۔ بلکہ پکّے ہوئے فصل کو نا پختہ قرار دیا جاکر کاشتکار پر مصیبت کے پہاڑ توڑ دئے جاتے تھے۔ یہاں پر ڈوگرہ عہد کے زرعی نظام کا ایک جدول پیش کرتا ہوں جو تحریکِ حُرّیتِ کشمیر کے اولین محسن اور شہید رابرٹ تھارپ (ROBERT THORP) نے مرتّب کیا ہے۔[1]

---

[1]: جدول (شڈول)

پیداوار شالی کی تقسیم یوں ہے :- ۳۲ ترک / ۱۶۰ کلو

حصۂ سرکار = ۱۰۰ کلو (۲۰ ترک)

حصۂ سرگول = ۱½ کلو

حصۂ شگدر = ۱ کلو

تارُوگ دھر = ½ کلو

ہرکارہ = ۱½ کلو

پٹواری = ۱½ کلو

کاردار کا نوکر = ½ کلو

کُل = ۱۰۵½ کلو

کسان کیلئے بچتا ہے = ۵۴½ کلو

Marfat.com

اِس تقابل سے اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید" گونگل نامہ" ڈوگرہ عہد کی پیداوار ہوگی۔ مگر راقم نے اس کے کچھ بند پٹھان عہد کے ایک قلمی نسخہ سے بھی بدقتِ تمام پڑھے ہیں کیونکہ خط بالکل عجیب رسم کا تھا جو فارسی رسم خط ہی ہے مگر عجیب قسم کے اعراب جیسے نشانات لگے تھے۔ اُس نُسخہ میں بھی "مقدم" "مُکھدوم" لکھا گیا تھا۔ ایسے اندیشے اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ ہمارے پاس زرعی حالات صرف ڈوگرہ عہد کے معلوم ہیں۔ مگر یہ حالات تسلسل کے تھے۔ یہ زمینداری نظام ڈوگرہ عہد نے دیرینہ روایت سے اپنایا تھا۔

(ب) ضیافتوں کا تذکرہ

"کشمیری وازہ وان"۔ یہ ترکیب اب عالمگیر سطح پر مستعمل ہے کیونکہ بڑے بڑے پانچ ستارے (FIVE STAR) ہوٹل بھی اکثر اپنے اِشتہارات میں کشمیری وازہ وان کی ضیافتیں اپنے گاہکوں کو فراہم رکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کشمیر کے مشہور فطری

Marfat.com

نظاروں کے ساتھ ساتھ کشمیر کی کاریگری کے نمونے اور وازہ وان کی ضیافتیں۔ کباب، گشتاب، طبع ماز، میتھِ ماز وغیرہ اپنی لطافت کے باعث مخصوص کشش رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے عصرِ حاضر میں "گشتابہ" نے کشمیری سیاسی اور تمدنی ایوانوں میں ایک اہم مگر خاموش رول ادا کیا ہے۔ یہ وازہ وان کی ضیافتیں اچانک کسی خاص اثر کے تحت وجود میں نہیں آئی ہیں بلکہ مقامی نعمت کدہ سے ہی چُن لی گئی ہیں۔ البتہ مختلف تمدنی اثرات سے " وازہ وان " بالکل ایک منفرد کشمیری دسترخوان (مقامی دسترخوان) اُبھر آیا ہے۔ احساسِ کمتری رکھنے والے ذہن تو حیران ہونگیں مگر یہ ضیافتیں مغل بادشاہوں کے باورچیوں کے فن سے نہیں لی گئی ہیں اور نہ ہی ایران سے ہمارے اسلاف ضیافت کے ان لذیذ قسموں کو درآمد کر چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ اِن دونوں اثرات کے تحت ہر ضیافت میں کچھ نہ کچھ ایزاد ہوا ہو مگر بات تو واضح ہے کہ یہ نعمت خانہ ہمارا اپنا ہے۔

مثال کے طور پر "کباب" مژھِ گنڈ کے طور پر موجود تھا جسکی ترکیب کچھ جُدا تھی۔ کوفتہ کے ساتھ گرم مصالحے ملائے جاکر ہاتھ سے چھوٹے کباب جیسے بنتے تھے بعد میں شاید مغل یا ایرانی اثر کے تحت سیخ استعمال ہوا۔

ہم نے جلد اوّل میں وضاحت کی " وازہ" لفظ کشمیری ہی ہے

Marfat.com

اور حضرت شیخ کے عہد میں بھی خاندانی پیشہ ور باورچی کو "وازہ" ہی کہتے تھے۔ اب لیجئے ان خاص پکوانوں کا تذکرہ جو کلامِ شیخ کے حوالہ سے اُس عہد کے دستر خوانوں کی بھی زینت بنتے تھے:-

ستہ دجہ وُوٗ لگہ بتہ زعفرانی رستہ
امہِ کھینہٕ فرشتہ گژھن بیمار
کلی، دو بیازہ میتھہِ ماز رستہٕ
ڈلین آسہِ نہٕ بُتھہ اہار

"ستہ دجہ بتہٕ": دم پُختہ چاول جو ہانڈی میں پکاتے وقت ہانڈی کے ڈھکن کے اردگرد بھگوئے ہوئے کپڑے کے سات تاہ باندھے جاتے تھے تاکہ سب بھاپ گرم مصالحہ اور گوشت کے ساتھ پکائے گئے چاولوں میں جذب ہوکر ان سب جزئیات کی لطافت کو باہم مربوط کیا جاسکے۔ "وُوٗ لگ": اعلیٰ ترین چاول کی ایک قسم ہے جو ہمارے عہد تک پہونچتے پہونچتے ختم ہی ہوئی یا "مُشکہِ بُدُج" کہلائی گئی۔ چاول کی یہ قسم یعنی مُشکہِ بُدُج نہ صرف لذیذ اور زود ہضم ہے بلکہ اِس میں اس طرح کی خوشبُو ہے کہ لگتا ہے کہ عرق گلاب پر چاول پکائے گئے ہیں۔ اس وقت چاول کی یہ قسم وسط کشمیر (ضلع بڈگام) کے چند ایک گاؤں میں ہی

Marfat.com

صرف شوقاً اُگائی جاتی ہے۔ وہ گاؤں یاربوہ، نُنر کا ٹھور وغیرہ ہیں۔
زعفرانی رستہ :۔ رستہ آج بھی وازہ وان کے دسترخوانی گردشوں میں دوسرے نمبر آتا ہے۔ اِس نعمت کو رنگ چڑھانے کے لئے آبِ زعفران ڈالا جاتا ہے۔ دوسرا سادہ رستہ ہوتا ہے جو ہلدی پر مبنی ہے۔ یہ امتیاز اب ختم ہوئی ہے اور دونوں ضیافتوں میں آبِ زعفران بھی اور ہلدی کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ کلی :۔ کلیجی پر ایک مخصوص سالن (کھٹائی (سرکہ) پر بنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے وازہ وان میں اب نہیں پکتا ہے۔ ہاں کلیجی کو الگ پکاکر ظہرانہ کے طور مہمانوں کو کھلا جاتا ہے، اس کو عرفِ عام میں "ترہ وَن بتہ" کہا جاتا ہے۔
"دُو بیازہ" — روغن جوش، "بیتھہ ماز" میتھی کی سبزی کے ساتھ گوشت کی اُجری کو پکایا جاکر ایک لذیذ چٹنی بنائی جاتی ہے۔

اِس طرح ثابت ہے کہ نہ صرف دم پختہ چاول (پلاؤ)، رستہ کے اقسام — سادہ اور زرد قلی، روغن جوش اور میتھہ ماز اُن ایام میں بھی دسترخوان کی زینت بنتے تھے بلکہ پیشہ ور وازہ طبقہ کی خدمات اُن دنوں بھی ضیافتیں پکانے کے لئے حاصل کی جاتی تھیں۔

بتہ یآری کا نگرِ تہ جندس ؛ بُتَم وندس کرم تیٔرِ آیِس
بِی تہ بہو مُت نعمژ وہندس ؛ نُوٗن تہ صدرہ کا تزٕ چھیم یِدرآ چھیس
بوہ کتیاہ منگے قلاّبِہِ قندَ س ؛ ہتِہ تہ ہاکھ چھم چھوت ما بچھی

بوٗ گِی مُہراہ تِرِ ھنمُ وہ ندُس ؎ دِوہ بندَس گَنڈہ ھم شرمہ رأچھی[1]

اس نظم سے غریب بلکہ مفلوک الحال طبقہ کے معیارِ حیات، رہن سہن اور غذائی عادات کا واضح پتہ لگتا ہے گو کہ "جندہ" (خرقہ یا چیتھڑے) اہلِ دل فقرا کے لئے زیب و زینت ہے مگر غریبی کی سطح پر یا اُس سے نیچے لوگ تب بھی چیتھڑے ہی پہنتے تھے اور اب بھی اس طبقہ کے ملبوسات میں کوئی فرق نہیں آیا، ہاں شاید تعداد اس طبقہ کی گھٹ گئی ہو۔ کانگڑی تب بھی امیر و غریب دونوں کو جاڑے میں اپنی رفاقت سے حرارت دیتی تھی اور اب بھی۔ البتہ "بُہوٗمُت بتہ" اور "بی بتہ" آجکل بھی بہت غریب لوگ کھاتے ہیں ایندھن بچانے کے لئے یا پڑوسی گھر سے رات کے جھوٹھے چاول جاڑے میں دوپہر کو کھائیں تو بدن کا انگ انگ سردی سے ٹھٹھر جاتا تھا اسلئے اس یخ بستہ چاول کو بھاپ دیکر گرمایا جاتا ہے جس سے اس پر سے یخ ٹوٹ جاتا ہے، نگل جانے کے لایق بنتا ہے۔ اس پکے ہوئے

---

[1] : ترجمہ اور شرح کے لئے جلد ۱ ص ۴۷۹ تا ۴۸۱

[2] کلیات شیخ العالم میں ساقی صاحب نے بہت الفاظ کا حلیہ بگاڑا ہے۔ مگر جو ماخذ کلام مرتب کرنے کا اُس کے پاس رہا اُسی روضۃ الریاض سے یہ نظم راقم نے درج کی ہے وہاں پیر مقیم صاحب مرحوم نے صاف طور "بی" "بتہ" "بُہوٗمُت" لکھا ہے جو دونوں عام کشمیری لفظ ہیں۔ ساقی نے "بی بتہ بُہوٗمُت" الفاظ کا معنی فرہنگ میں گوناں گوں لذیذ نعمتوں سے کیا ہے۔ کیا ہی مسخ شدہ حالت ہے۔

Marfat.com

چاول کو "بُھومت بتہ" اور بھاسی چاول کو "بی بتہ"، کہا جاتا ہے۔ ادھر وازہ وان پر "سنہ دجہ وہ لگہ بتہ" یخنہ اعلیٰ چاول کا پُلاؤ خاص لوگوں کا معمول تھا ادھر (DOWN TAOO EN) پچھڑے ہوئے طبقہ میں بھاپ سے گرمائے ہوئے یخ بستہ جُوٹھے چاول یا بھاسی روٹیاں کھانے کی مجبوری تھی۔ آجکل بھی اِصراف اور افراط و تفریط کے سماجی منظر کا یہ حال ہے کہ وازہ وان کی ایک تُرامی (طبق) پر کلو بھر جُوٹھے چاول اور گوشت ضائع ہوتا ہے جبکہ پچھڑے ہوئے لوگ بھو کے مرتے ہیں۔ اِس نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ افراط و تفریط کا سماج ہماری قومی روایت ہے جو تب بھی تھا اور اب بھی ہے۔

اِس سے بھی پست سطح کا غریب اور مفلوک الحال کنڈی کا باشندہ ہوتا تھا۔ وہ کھٹے جنگلی اخروٹ کے مشروب (کاشُرآب) کو نمک ملا کر کھاتا تھا۔

اس نظم میں حضرت شیخ خود کڑوی جنگلی سبزیوں (ہند اور ہاکھ) کے رُس پر قناعت کرتے ہیں مگر اُس کے معاشرے میں قلعی کئے ہوئے سماوار میں میٹھا اور گرم مشروب وضعداری میں شامل تھا۔ اِس سے لگتا ہے کہ "سماوار" وسط ایشیا (جہاں وہ رُوس سے آیا تھا) سے کشمیر میں آچکا تھا اور کشمیریوں کے اثاث البیت میں شامل ہوچکا تھا۔

Marfat.com

گرم آبِ قند، جو سماوار سے پلایا جاتا تھا، کیا آجکا قہوہ تھا یا شہد کے مشروب کو گرما کر پیا جاتا تھا، اس کا ہمارے پاس جواب موجود نہیں ہے کیونکہ کشمیر میں چائے کا مشروب کب سے متعارف ہوا، اس بارہ میں کوئی مُستند تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ البتہ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ اگر ہم توجہ سے پڑھیں تو لگتا ہے کہ یہ مشروب مقامی شہد پر ہی بنایا جاتا تھا۔ اس مصرعہ میں چھوت ماچھ (عسلِ ابیض) طبّی ترکیب (سفید خالص شہد) واضح کرتا ہے کہ یا تو مقامی قند سے بنایا گیا مشروب ہوا کرتا تھا یا شہد کے مشروب کو ہی قند سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اوپر ہم نے کنڈی علاقہ کے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن کی پست حالی کے کچھ اسباب عیاں طور رہے ہیں۔ اولاً وہ جنگل کے نزدیک ہونے کی وجہ سے دور افتادہ ہیں اور ہمیشہ مفلوک الحال رہے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ علاقے دروں کے نزدیک ہوتے ہیں اور حملہ آوروں کا اولین عتاب اُن پر ہی پڑتا ہے۔ اس طرح ڈاکوؤں، چوروں اور لٹیروں کے مظالم بھی انہیں برداشت کرنے پڑتے تھے۔ تیسری بات یہ رہی ہے کہ حاکم بھی ان سے بے لوث بیگار لیتے تھے۔ چوتھی اور اہم وجہ یہ تھی کہ یہاں شالی نہیں اُگ سکتی تھی صرف مکی، باجرا، جو اور گندم کی فصلیں اُگتی تھیں۔ وہ اکثر قبل از وقت سردی اور برف باری کی وجہ سے

Marfat.com

پک نہیں پاتی تھی، اسطور انکی غربت واضح ہے۔ ان علاقوں کے بارہ میں حضرت شیخ کی ایک نظم "کنجِہ گامَن ُبگہ ژُھٹے وے" (کنڈی علاقوں کا افلاس) کے عنوان کے تحت ہم تک پہونچی ہے۔ اِس نظم کا ہم پورا تذکرہ محاکاتی شاعری، کے ذیلی عنوان کے تحت کرینگے۔ یہاں صرف ان علاقوں کی سماجی زندگی کے حوالہ سے ایک دو باتیں کرینگے۔

دوڈِ کاَنزِہ نہ مُنگِ ڈُلی
مہانن سِتی ہِئِے وَے
پِنگِہ لوخرِہ ترُوْنبہ ڈُلی
کنجِہ گامَن ُبگہ ژھٹوے

(یہاں کی عورتوں کی سر چادریاں بھی پٹو کی ہوتی ہیں اور پہناوے بھی پٹو کے لمبے لمبے پھَرن ہوتے ہیں اور مہمان نوازی بھی اِن کی عادت ہے مگر کھلائیں تو کیا ایک ادنیٰ ترین جنس پِنگہ (جو جَو کا ایک ادنیٰ قسم ہے اور مزہ اس کا کڑوا ہوتا ہے) کو بِن پیسے سے ہی کلوچے جیسے بناتے تھے وہی مہمانوں کو کھانے کو دیتے تھے اور دوسری جنس "ترونبہ" اُن علاقوں میں اُگتا تھا۔ ترُنبہ کا رس نکالا جاکر اُس میں تھوڑا سا نمک ڈال کر پِنگ کی روٹی کے ساتھ کھانے کو دیا جاتا تھا۔ "ترُنبہ ودی" میں بھی غذائیت کم اور پانی زیادہ ہوتا تھا۔ یعنی قاب میں پِنگ کی

Marfat.com

روٹیاں اور بڑے برتن میں تُرُوَ بنہ آب دیا جاتا تھا۔

ج) مہمان نوازی

اوپر ہم نے غریب ترین طبقہ کے حوالے سے اپنے قارئین کو اشارات فراہم کئے کہ کشمیری تمدّن کا ایک منفرد خاصہ مہمان نوازی کا رہا ہے۔ اب اس مختصر نظم کو نقل کرینگے جس کا حوالہ پہلی جلد کے صفحہ ۳۰۷ پر دیا گیا ہے۔

ے آ سَے پوَژھ نہٕ بھُوَ وتھَس تازٕہ
آلُژھ نُوَر تھم، گاو تہٕ وُژھو
پرٕ ئے کت مُہرٕ ذ زُو مہرازٕہ
نیکت مازان بیی ہے گژ ھو
دِ دِ گو گُرُ وَس گو گجہ مازہ
ژٕہ تہِ بَن وازٕہ بہٕ نہٕ بہٕ بژھو
زُوَس کَڈِتھ زِن یَڈٕہ اَندازٕہ
ژٕہ نہِ کُس وازٕہ بو تہِ کُس بژھو

ترجمہ اور تشریح کے لئے جلد اوّل صفحہ ۵۲ پر دیکھئے۔ اس نظم کی کئی جہتیں ہیں، اگر اس کا فکری پہلو مفکرانہ اور متصوفانہ ہے مگر اس سے اُس وقت کی تمدّنی قدروں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس روایت کا تسلسل ماضی قریب تک جاری رہا جس کے تحت مہمان کو رُخصت کرنے وقت دوُدھ دینے والی گائے بچھڑے کے سمیت نذرانہ کے طور پر دی جاتی تھی۔ اب بھی دہقانوں میں رسم ہے کہ نوبیاہتی دُلہن کو جب میکے کے رشتے میں دعوت پر بُلایا جاتا تھا تو تحفتاً گائے ساتھ دی جاتی تھی۔ دور کے رشتے دار بھی جو مہمان ہو کر آتے تھے اُنہیں بھی تحائف دیئے جاتے تھے، ہمارے پیرار شریف میں سری نگر کے مہمانوں کو رُخصت کرتے وقت میوہ، اکھروٹ، کانگڑیاں وغیرہ تحائف کے طور دئے جاتے تھے یہ میرے بچپن کی بات ہے۔

اس سے یہ بات بھی مترشح ہے کہ اس وقت بھی گوشت کے ساتھ شلغم کی سبزی پکائی جاتی تھی۔ کبھی گوشت کی بوٹیاں اس طرح گھل جاتی ہیں کہ کھانے والے کو گوشت کی بوٹی اور شلغم کے پکے ہوئے ٹکڑے میں امتیاز ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی مناسبت سے شاعر کہتا ہے کہ اُسکا خالص دُودھ چھاج بن گیا اور اس کی پکائی ہوئی گوشت کی بوٹیاں شلغم کی ادنیٰ سبزی بن گئیں۔

مہمان لفظ حضرت شیخ کے ہاں ایک علامت بن چکا ہے، اسکا اتنا استعمال ہوا ہے جتنا آپ کے کلام میں باز (شاہین) لفظ کا ہوا ہے۔ اس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ آپ مہمان نوازی کو عبادت تصور کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف اسی کثیر الجہت لفظ سے کی گئی ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہس شبیر یزدانس
زوٹ ٹیمی کھیٔبیہ مہمانس ہنز

کیا مدح لکھوں حضرت شاہ ولایت کی،
وہ تو شیرِ خدا ہیں،
اُنکی عظمت اس بہادری میں مُضمر ہے کہ،
اُنہوں نے خُدائے عزّ وجل
کے بھیجے ہوئے مہمانوں کے ساتھ
کھانے کا نوالہ بانٹ کر کھایا۔

(مہمان ہیں وہ تین سائل جن کو متواتر تین روزوں کے بعد تین افطاروں پر فاقہ مست علی کرم اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے پکائے ہوئے لقمے کھلاتا ہے اور خود فاقہ مستی کے عالم میں رہتا ہے۔ اسی کا اشارہ (جیساکہ جلد ۱ میں بتایا گیا)

Marfat.com

قرآن پاک کے سورہ دہر میں یوں ہے :۔
وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا الخ (اور مسکین اور یتیم اور قیدی کو باوجود اُس (کھانے) کی خواہش کے کھانا کھلاتے ہیں)

دو تین صفحے پہلے ہم نے "کنجہ، گامن" والی محاکاتی نظم کے ایک بند کا حوالہ دیکر تذکرہ کیا ہے کہ حضرت شیخ کنڈی علاقوں میں رہنے والوں کی غربت اور پسماندگی کا دُکھڑا روتے روتے اُن کی مہمان نوازی کی داد دیتے ہیں (دیکھئے ص۲۹۸)

مُلّا کی تذلیل بھی اسی لفظ کے حوالہ سے کرتے ہیں کہ یہ مُلّا مہمان کو دیکھ کر آگ بگولا ہوتا ہے۔ یعنی مہمان نوازی کے جوہر سے عاری شخص کو آپ بہت حقیر مانتے تھے (ذیلی عنوان: (علم، عالم، مُلّا۔ جلد ۲)

مسلمان کی تعریف کرتے ہیں تو فرماتے ہیں "مُسلمان وہی ہے جو رزق بانٹ کر کھاتا ہے اور وہی خوش قسمت جنت حاصل کرے گا (ص ۱ن جلد ۱ ص ۔)

ایک اور نظم "کرُوڈ مُو مسلمانس پزرے" (تکبر مسلمان کیلئے ممنوع ہے) میں فرماتے ہیں :۔
صاحب ستی ییی مہمانس

Marfat.com

تُہنز لولرہ کنِنز ھا دِزے
یہ دکھ برَس تی چھےُ پانَس
کرُود مُو مُسلمانَس پزے

خُود خُدائے عزّ وجل مہمان کے روپ میں آتا ہے
مہمان کو مظہرِ رُبّ العالمین جانکر مہمان نوازی کیجائے
جو مہمان کو کھلاؤ گے بس وہی کچھ حاصل ہے
مسلمان کے لئے تکبّر حرام ہے۔

اِس بند کا تیسرا مصرعہ "یہ دکھ برَس تِی چھےُ پانَس" اب محاورہ بنا ہے۔

اب دیکھئے جن ذہنوں پر یہ شعور غالب کیا جائے کہ خُدا خود مہمان بن کر آتا ہے اُنہی افراد پر مُشتمل قوم کا تمدن ہی مہمان نوازی کی خاصیت سے ممتاز ہو سکتا ہے۔ اسی زبردست تعلیم کا اثر یہ نکلا کہ کشمیری اب تک اِس تمدّنی روایت پر سختی سے کاربند ہے۔ اِس صدی کا نواںؔ عشرہ اس قوم کے لئے کٹھن آزمایش کا دور رہا۔ مُجاہد تو سر ہتھیلی پر رکھ کر آزادیٔ کشمیر کے لئے قربان ہونے کو نکلا تھا، اُس کی مہمان نوازی جان پر کھیل کر بھی کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں مگر جب ملٹری، بی، ایس ایف اور دیگر سرکاری اہلکار

Marfat.com

ہمارے گھروں کو نہ صرف تحس نحس کرتے ہیں بلکہ ہمیں ظلم کی چکی میں پیستے ہیں تب بھی ہماری مائیں اور بہنیں سیب اخروٹ کی گریاں بلکہ گرم گرم چائے کی پیالیاں اُنہی جابروں کو پلاتی ہیں۔ رشوت کے طور نہیں بلکہ ہماری مہمان نوازی کی خصلت ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ بدقسمتی سے اُنہیں اپنی خصلت ہمیں مظلوم بنانے پر ہی مجبور کرتی ہے۔ دراندازی ذاتی ایک واقعہ کی کرتا ہوں۔ ۵ دسمبر ۱۹۹۱ء کی رات کو راقم کے گھر پر کشمیرا سنگھ بی ایس ایف کمانڈنٹ کی سربراہی میں آسام رائفلز کے ناہنجار جوانوں نے رات بھر میرے گھر کی تلاشی لی جبکہ میں خود نظامِ عدلیہ کے عظیم منصب پر براجمان تھا۔ میرے قلمی نسخے بھی درہم برہم کئے گئے بلکہ کشمیرا سنگھ نے اُن سے جلاتے ہوئے کہا کہ بھئی ان پرانی کتابوں سے نہ مجاہد نکلے گا نہ ہی کلاشنکوف برآمد ہوگا مگر وہ کیا مانتے پھر بھی صبح چھ بجے میری سہمی ہوئی بیٹیوں نے اُن کو آملیٹ کھلائے۔ اپنے مُبلغ اور رہبر واعظِ کشمیرؒ کی تعلیمات ہم پر حاوی ہیں۔

آخر پر اُن نام نہاد لسانیات کے عالموں سے ایک بار پھر عرض ہے کہ حضرت شیخ کے کلام میں تقریباً

Marfat.com

دو درجن جگہوں پر مہمان لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ فارسی لفظ عام محاورہ میں آ چکا تھا تو نظم "گونگل نامہ" میں استعمال شدہ لفظ "مُقدم" کے ساتھ کیوں چڑ ہے۔ بات یہ ہے کہ اِن خانہ ساز ماہروں کو کلامِ شیخ کا مطالعہ ہی نہیں ہے۔ گو کہ کشمیری میں لفظ مہمان کا نعم البدل بہت اچھا لفظ "پوژُھ" ہے، مگر آپ نے فارسی لفظ ہی اکثر استعمال میں لایا ہے۔

(د) رہن سہن کے عادات

" تمدّن کے خدو خال ایک قوم کے رہن سہن سے ہی واضح ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی عہد کے بارہ میں تمدّنی تاریخ مُرتب نہیں ہوئی ہے بلکہ عہدِ حاضر کے بارہ میں بھی ایسا مبسوط موّاد موجود نہیں ہے اس لئے ادبی کارناموں، عمرانی تذکروں، لوک کہانیوں اور اساطیری داستانوں کا ہی سہارا لینا ہے۔ اِس ضمن میں ہمیں خوش قسمتی ہے کہ چودھویں اور پندرویں صدیوں کے بارہ میں قدآور شخصیات للّٰہ عارفہ، حضرت شیخ العالمؒ اور اُنکے خُلفاؒ (خاصکر شام بی بیؒ) کے شعری کارنامے اہم مواخذ ہیں۔ اِس ذیلی عنوان کے تحت کلامِ شیخ سے اُن اِشارات کو پیش کرینگے جن سے ہم اُنکے عہد کا تمدّنی تاریخ بہت حدتک مُرتب کرسکتے ہیں۔"

Marfat.com

کلام شیخ سے اُسوقت کے رہن سہن کے عادات کے
مکتفی اشارات بھی ملتے ہیں۔ برتن کھانے اور پکانے کے مٹی کے
ہوتے تھے مگر ساتھ ساتھ تانبے کا چلن بھی خوب تھا۔

آدم وہ پدوہن میٹرے
میٹرِ ہند کر گنڈ تہ کیتھ؛
سارہ نعمژ وہ پد یاوہن میٹرے
رنان میٹرِ وہن بانن کیتھ۔

ترجمہ:۔ آدم مٹی سے بنایا گیا، اس کی ساخت خاک ہی ہے۔ نعمتیں مٹی سے ہی اُگ آتی ہیں۔ اور مٹی کے برتنوں میں ہی ضیافتیں پکائی جاتی ہیں۔

سماوار کا ذکر اوپر آیا ہے 'ترامی' اور اُگال داں کا ذکر اس شعر میں کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ برتن تانبے کے ہوتے تھے اور ٹھٹھیارے یہاں ہی ان برتنوں کو بناتے تھے۔

ٹھٹلی گڈی اکی ٹوکہ
ترامہِ نعمژ تہ بگ دانہِ ٹھوکہ

(ٹھٹھیارے نے تانبے کے ان ظروف کو ایک ہی ہیئت و ترکیب سے وضع کیا مگر ترامی میں نعمت پروسی جاتی ہے اور اُگالدان کا مقدر ٹھوک ہے۔)

اُس عہد میں بھی گھروں میں کپڑے لٹکانے کے لئے مناسب انتظام ہوتا تھا جو مصنف کے عہدِ طفولیت تک پرانے مکانوں

Marfat.com

میں موجود تھے۔ ہر کمرے میں دو کونوں پر رسیاں ٹانگی جاتی تھیں جن پر لکڑی کا بنا ہوا ایک گول ڈنڈا ڈالا جاتا تھا جسکو 'وِلج' کہا جاتا تھا۔ صاحبِ ثروت لوگوں کے کپڑوں کے جوڑے اسی 'وِلج' پر ٹانگے رہتے تھے، جب جی میں آیا تو جوڑے بدلائے جاتے تھے اسطرح حشمت اور دولتمندی کا مظاہرہ بھی ہوتا تھا اور نفاست پسندی کا بھی۔ شیخ صاحب کہتا ہے:۔

کیٔاہ کرٕہ وِلجہ جامَن[1]
سُورِہ ساماٗنہٕ چھُم تَس کِتُو
بس ہُتھنہٕ چھُم مَنہٕ کامَن
گرٕہ ترٕ دوُم ژیوٚن کَس کِتُو

(میں ٹانگے گئے ان جوڑوں کو کیا کروں۔ یہ کس کام کے ہیں۔ میں اپنے تمام مال و دولت اور اثاثہ کے ساتھ اُسکا ہو چکا ہوں بس اُسی کی کامنا ہے اُس کو طلب کروں صرف اُسی کو اُس کے بغیر کس کے لئے جیوں)۔

اُس عہد میں پگڑی باندھنا طرۂ امتیاز تھا اور عزت و وقار کی علامت تھی:۔

ہیمر گاٚج ژکھ، بوغُض رِشِ نہٕ
تمُی گوٚنڈ مَنز مَردَن دَستار

[1] "کلیات" میں یہ قطعہ غلط درج کیا گیا ہے اور غلطی گمراہ کن ہے جس کی بُنیاد پر غلام نبی آتش بھی اپنے مضمون میں غلطی کر بیٹھے — مصنف

Marfat.com

بُلند بام اور ایوان دار لکڑی کے مکانات بنانے کا اُن ایام میں بھی یہاں فیشن رہا ہے۔ شاید کشمیر ہی برِّصغیر میں وہ علاقہ رہا ہے جہاں کنگال (HAVE NOTS) بھی مالکِ مکان ہیں۔ یہاں ہر ایک کو سر چھُپانے کے لئے اپنی جگہ ہے اور جغرافیائی تقاضوں کے مطابق ضرورت بھی ہے۔ آجکل یہ ضرورت بدعت اور اسراف کی دبا میں بدل گئی ہے۔ جہاں باپ کا اپنا بنگلہ ہے۔ اکلوتی اولاد کی شادی رچاتا ہے تو فرزند اگر انجینیر ہو تو شادی کے فوراً بعد جدید بنگلہ پاس کی کالونی میں تعمیر کرتا ہے اور اگر کسی اور پیشہ سے وابستہ ہو تو اس دوڑ میں چند سال پیچھے رہ جاتا ہے۔ لگتا ہے کہ عہدِ شیخ میں بھی اس دوڑ میں کمی نہیں رہی ہے :-

آد ہٰۂ کھوٗژُکھ وُڈ ضوٗس تہٕ سزانٕس
یام نادانٕس دارِ گیہ چھُنٹرِ
سوٗنبرِتھ دِ تُھتھ ذِیلِسہٕ چھانٕس
چھُکھ لدان آسمانٕس میٹرِ
ڈ آے گز زمین لانہِ سیٖ چھِے پانٕس
تزلیولرِ کُرِتھ بیہِ کُس کرِتِرِ

ترجمہ : ہائے رے میری نادانی
میں جوانی میں طہارت سے کتراتا رہا

Marfat.com

(اور اسی بے نمازی میں)
میں بوڑھا ہو چکا ہوں
(جوانی کو میں نے تعمیرات میں ضائع کیا)
جو کچھ کماتا رہا وہ راج پر خرچ کرتا رہا
(اب محسوس کرتا ہوں کہ)
میں نے آسمان پر کیچڑ اچھالا
(جو میرے ہی سر اور چہرے پر آ ٹپکا)
مقدر میں صرف ڈھائی گز زمین کا ٹکڑا ہے
مگر اے بے شرم یہ مکان (یہ جانتے ہوئے بھی بنائے)
ذرا بتاؤ کس لئے ؟

لزابیؤ :- اے شرمسار - اے بے شرم
کرزی :- اب اس کا "تلفظ" "کرنز" ہے بہ معنی کس کے لئے
اس نظم سے صاف طور اخذ ہے کہ زمانہ شیخ میں بھی کس حد تک "تعمیرات" بنانے کا مقابلہ لگا تھا۔
جلد اول میں شاعر نند ربشی پر بحث کرتے ہوئے ہم نے نصرت شیخ کی ایک نظم درج کی ہے جس میں آپ اپنے قاری کو اس تجربہ کے تاثر کا شریک بناتے ہیں جو شاعر نے کمال اور زوال کے علامات کا مشاہدہ کرنے سے حاصل کیا ہے۔ یہاں پر بھی آپ نے

Marfat.com

محلات اور عمارات کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے بھی لگتا ہے کہ اُن کے عہد میں بھی تعمیرات بنانے کا دورہ دورہ رہا ہو گا۔[1]

تعمیرات کا حوالہ اکثر آپ کے کلام میں ہوا ہے اور اکثر اس حوالہ سے اپنے عصر کو آپ جیتاونی دیتے رہے کہ اِس ناپائدار دُنیا میں محلات اور مکانات تعمیر کرنا محض ایک فریب ہے۔

ارزِ تھ لڑی، مرتہ گرے۔ مُکن ستی ہر کتھ
سُنبر تھ ماچھ تھوو تو لرے۔ گز ھان ترے کھتھ[2]

دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

سُرلی لزائن میئزہ مری۔ تیمے تر ئے ستھ وُری گے[3]
بیمو لو کوٗر نۂ دان کری۔ تِم مندی نۂ خام نخری گے
یمو دِل کوٗر قرآن پری۔ تِم تہندی نیری گے

ترجمہ :-

نادان کیا مٹی کے گھروندے بنائے ؟
اور صرف تر ئیتھر سال میں اُن کا خاتمہ ہوا
کیا دانا تھے وہ جنہوں نے توکل کیا اور صدقات دیے
وہ اگر معذور تھے مگر دفعتاً (ایک جست میں)
منزل کو پہونچے۔

---

۱ :- جلد ۲ ص ۲۳۸   ۲،۳ :- جلد ۱ ص ۳۳۳

Marfat.com

جنہوں نے دِل دے کے قرآن پڑھے

وہ اُس کے چہیتے بن گئے

حلِ مطالب :۔ مُنزل :۔ نادان ۔ کم عقل ۔ کوتاہ بین۔

بَو :۔ بھروسہ کرنا۔ توکل کرنا۔

کھکھری :۔ بیک جست پہونچنا ۔ اس وقت "کھکھرئ" لفظ کا معنی گھسیٹ کر لینا ہے۔

شرح :۔ اِس نظم میں شاعر نے خاص کسی کشمیری راجہ کا ذِکر کیا ہے جو نظم کی تخلیق کے وقت ۳۰ سال قبل گذرا ہے۔ اور جس نے تعمیرات پر زیادہ توجہ دیا تھا۔ اور جو تعمیرات سو سال تک بھی نہ چل پائے۔ اس کے برعکس راجہ جے دیو کے حوالہ سے کہا گیا ہے جس نے اپنی فیاضی اور سخاوت سے نام پیدا کیا جو آج تک تابندہ ہے تاریخ کشمیر کے ملاحظہ سے لگتا ہے کہ پہلے شعر میں راجہ سہدیو کا ذکر ہے۔ قرآن پرئ۔ قرآن پڑھنے کا استعمال کیا گیا ہے جس سے شاید شاعر کی مُراد یا تو صحیفہ جاتِ آسمانی ہے، خاصکر قرآنِ مجید سے ہے، یا آپ نے کائنات کے مصحف کا ذکر کیا جس کا ایک ایک کرشمہ قادرِ مطلق کی صناعی اور قدرت کو سمجھانے کے لئے ایک ایک آیت کا مقام رکھتا ہے۔ لہذا آپ اُنہیں کو رستگار مانتے ہیں جنہوں نے قرآنِ مجید کو بھی سمجھا اور صحیفۂ قدرت کا بھی

Marfat.com

بھرپور مشاہدہ کیا ہوگا۔

اس نظم سے یہ بھی مترشح ہے کہ حضرت شیخ نے تعمیرات کی اِس بیجا دوڑ دھوپ کے خلاف زبردست ردِ عمل کا اظہار کیا ہے۔

(۳) غذا

غذائی عادات زیادہ تبدیل نہیں ہوئے۔ ہمارے بچپن تک بھی کنڈی علاقوں میں ایک وقت مکئی کا فالودہ (مکایہ واٹھ) بطورِ غذا استعمال ہوتا تھا۔ مکئی، گندم، جو، پینگہ، ترنبہ وغیرہ ادنیٰ فصلوں کے آٹے کی روٹیاں بھی دور افتادہ علاقوں میں شکم پُری کے لئے غذا کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء میں شالی کے چار ترک شہر سرینگر میں فی کس راشن دیا جاتا تھا۔ اِس سے لگ بھگ گیلے دھان سے دس باران کلو چاول نکلتے تھے۔ فری مارکیٹ میں چاول کی خرید و فروخت پر پابندی تھی۔ اِس عہد میں سری نگر میں بھی مکئی کا فالودہ " مکایہ واٹھ" کھایا گیا بلکہ وقت کے وزیراعظم کے فدائین نے قسمیں کھا کھا کر تو لوگوں کو یقین دیا کہ شیخ صاحب کے گھر میں بھی ایک وقت مکئی کا فالودہ کھایا جاتا تھا۔ ایسے قحط نما حالات میں وزیراعظم صاحب نے لوگوں کو غذائی عادات تبدیل کرنے کا مشورہ دیا اور آلو بطورِ غذا کھانے کی اکثر ہدایات دیتا رہا۔ اسی لئے جناب شیخ محمد عبداللہ کے لئے "آلو بب" (آلوؤں کا باپ)

Marfat.com

ایک اور خطاب بن گیا تھا۔ اور ۱۹۵۲ء کے وزارتی تغیر میں بخشی غلام محمد نے پالیسی بیان میں لوگوں کو پیٹ بھرنے کے لئے چاول کا راشن بڑھانے کا وعدہ بھی دیا۔ ہم نے کنڈی کے لوگوں کے غذا کے بارہ میں کلام شیخؒ سے حوالہ جات پیش کئے۔ یہ بھی کہا کہ صاحبِ ثروت لوگ اعلیٰ قسم کے چاول کھاتے تھے اور اوسط طبقہ کے لوگ سفید چاول کھاتے تھے اور ان سے پست درجہ کے لوگ سرخ موٹے چاول (زگ بتہ) کھاتے تھے، جبکہ دیہاتی غربا کے غذا کا یہ حال تھا:۔

پنگہِ لو کھرِ گرُس نارِ
کھیدِ زَن بیتھس یم

Marfat.com

ٹپنڑی بتہ تہ واندر دارہ
چھوئی کانجل ہنڈے زم

پنگہ :۔ جَو سے ادنیٰ ایک بیج جیسا خودرَو پیداوار۔

پنگہ لوکھر :۔ پنگہ لوکھر :۔ پنگہ کو پیس کر روٹی نہیں بنائی جاتی تھی بلکہ بنا پیسے ہی اس کے گولے بنائے جاتے تھے تو وہی چھاج کے ساتھ نگل دیے جاتے تھے۔

ٹپنڑی بتہ :۔ وہی غذا جو بندروں کو دیا جاتا تھا۔

واندر دارہ :۔ وہ سلونے جو بندروں کو کھلائے جاتے تھے۔

ترجمہ :۔ یہ لوگ پنگہ کے گولے چھاج کے پانی کے ساتھ نگل جاتے ہیں۔ بس اسی غذا پر گزر بسر کرتے ہیں بلکہ فرشتۂ موت کی طرح اس غذا پر جھپٹتے ہیں جو بندر بھی نہ کھا پائیں۔

Marfat.com

اب تک جو تعارف ہمیں کلام شیخ کے ساتھ ہوا ہے
اُس سے واضح ہو چکا ہے کہ ہمارے ہاں عہدِ شیخ میں اگرچہ
کنڈی علاقوں کے پسماندہ لوگوں کا حسب حال قابلِ رحم تھا مگر معیارِ عام
طور دُوسری قوموں کے بالمقابل بہت اعلیٰ رہا ہے۔ "وانہ وان"
تب بھی ہمارے تمدّن کا حصہ بن چکا تھا۔ پیشہ ور باورچی (وازہ)
کی خدمات بھی حاصل کی جاتی تھیں۔ چاول کی ضیافتیں مثلاً
دوہ لگہ (پُلاؤ) بھی ہمارے دسترخوان کی زینت بن چکی تھیں۔
ذائقہ اِس بارہ میں بہت ترقی کر چکا تھا۔ شالی کے مختلف
اقسام کی پیداوار تھی جنہیں زرگ لی شُرخ باموٹے چاول) چھوت
(سفید نرم ملائم چاول) شاہ دُوہ لگ (اعلیٰ ترین باسمتی)
وغیرہ بھی عام تھیں۔ مکّی کا فالودہ یا روٹی کھانے کا رواج نہیں
تھا، شاید مکئی اُن ایّام میں ابھی اُگائی ہی نہیں جاتی تھی۔ نہ
ہی گیہوں کی روٹیاں گھروں میں پکنے کا کوئی حوالہ ملتا ہے۔ البتہ
نانبائی کی دکانیں ہونے کا اشارہ بھی موجود ہے جہاں سے
باقرخوانیاں (گھی اور گیہوں آٹے کی مرکب لذیذ روٹیاں)
لائی جاتی تھیں۔ مُلّا پر طنز کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ
"باقرخوانیاں جیسی لذید اور زُود ہضم روٹیاں کھا کر بھی مُلّا ڈکار
مار کر اپنے میزبان کے ہاں لذیذ تر کا مطالبہ کرتا ہے۔"

Marfat.com

دودھ اور لسی عام مشروبات تھے، گوشت کے ساتھ سبزی پکانے کا تب سے ہی رواج چلتا آیا ہے بلکہ اُس سے پہلے بھی رہا ہوگا۔ گھروں میں گوشت کے ساتھ شلغم پکانے کا عام رواج تھا۔

اِس کے ساتھ گھی اور شکر (یا شہد) کے مرکبات (حلوا مانڈا جیسا بھی) بطور سویٹ ڈش SWEET DISH مہمانوں کو کھلائے جاتے تھے۔ سماواروں میں گرم مشروب قہوہ جیسا بھی پلایا جاتا تھا مگر یہ کلامِ شیخ سے واضح نہیں کہ اُس میں چائے کی پتی ڈالی جاتی تھی یا صرف میٹھا پلایا جاتا تھا۔ ملائی (دوہڑ) کھلانا پیار کی علامت تھی۔

میوہ جات میں آپ نے سیب کا ذکر نہیں کیا، لگتا ہے تب یہ میوہ یہاں عام نہیں تھا، البتہ ناشپاتی (ٹنگ) بہت عام تھا۔

گور کنتھ چھپے نا بدتہ ٹنگ
یودوے وتری تنہ بیرنیی
کرتھ غور گورس ہنگ
وہ ندس شہلتھ بیبی۔

Marfat.com

نوَے ژلی روژن ینگ
خُدا ے اُ نھی بیی

[ترجمہ :۔ مُرشد کی باتوں میں اسقدر مٹھاس اور رنگ ہے کہ گو یا کہ ایک ایک لفظ ایک ایک ناکھ ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنے مُرشد کا اعتقاد ہو اور اُس کا کلام تم پر اثر آفرین ہے۔ اِس حقیقت پر غور کرنے کے بعد کہ یعنی اپنے مُرشد کا اعتقاد، اعتماد اور محبت دِل میں جاگزین کرنے کے بعد پھر اپنے مرشد سے ہدایت طلب کرلے تو تیرا دِل اطمینان حاصل کریگا۔ سکون پائے گا تو اسی سکون سے تیری پریشانی، بے حسّی، لذّاتِ دنیا کی مستی، یہ سب علّتیں دُور ہو جائینگیں تو پھر خُدا خود ملے گا۔]

گو کہ اِس قطعہ کا حوالہ در اصل "پیر و مرید" کے ذیلی عنوان میں آتا ہے مگر ناشپاتی کے لذّت کی وضاحت کرنے کے لئے اور اس لذیذ میوہ کی لذّت آفرینی واضح کرنے کے لئے یہیں پر یہ قطعہ مع ترجمہ کے پیش کیا گیا۔

Marfat.com

(س) اخلاقی گراوٹ

کلام شیخ سے یہ بھی عیاں ہے کہ اُس وقت اگرچہ ایک طرف کشمیر رُوحانی عمل (ACTIVITY) کا مرکز بنا تھا مگر معاشرہ میں بدعات اور بدکاریاں موجود تھیں جن کے خلاف شیخ نے زبردست غم و غُصہ کا اظہار کیا بلکہ احتجاج بھی کیا۔

ننگا ناچ بھی ہوتا تھا، بھانڈ اور ناچنے گانے والے بھی تو لوگوں کو لوٹتے تھے:۔

کنہ کرکھ ننگر ناژ
ژلہِ نوہ بانڈ تہ ناژی کھیتھ
ٹانڈنو نارِہ پِل صر آژ
پیپے وو تھکنھ داہ یاژ ہیتھ [1]

جلد اوّل میں ہم نے " داند" بیل لکھا ہے جو کمال بابا مرحوم اور بابا محمد خلیل اللہ کے روضۃ الریاض سے نقل کیا گیا ہے مگر اب ایک دیرینہ قلمی نسخہ میں " ٹانڈو" درج ہے۔ " ٹانڈو ناچ" بھی ایک قسم کا رقص ہے۔ ہمارے خیال میں دونوں درست

[1] جلد ۱ ص: ۵۵۶

Marfat.com

صورتیں ہیں مگر بیل کا حوالہ ذرا دور از کار لگتا ہے۔

اسی طرح آپ نے اس جگہ کو مسکنِ شیطان قرار دیا ہے
جہاں پر رقص و سرود کی محفلیں جمائی جاتی ہیں۔

ان دونوں نظموں سے واضح ہے کہ عہدِ شیخ میں نغمہ و ناچ، رقص و سرود کی غلط کاریاں بھی سوسائٹی کو دھیمک کی طرح چاٹ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ نے قوم کو ایسی بے راہ روی چھوڑنے کی تاکید کی۔ جدید ذہنیت کے لوگ اس بات پر چین بہ جبین ہو نگے کہ آپ نے ان تمدنی سرگرمیوں پر قدغن لگانے کی تبلیغ کیوں کی تھی کیونکہ اُن کے ہاں رقص، ناچ، محفلِ سماع سب کچھ تمدّنی عظمت کی شناخت ہیں۔ مگر حضرتِ شیخ کے اندازِ بیان سے صرف واضح ہے کہ تمدّنی روایات اس حد تک پست ہو چکی تھیں کہ یہ سرگرمیاں گناہ کاری کا ترغیب تھا۔ یہ اس بات سے بھی عیاں ہے کہ "زنا کاری" بھی اُس عہد میں مغلوب نہیں ہوئی تھی۔ ان حالات میں ناچ اور فحش گانے جنسی بوکھلاہٹ کا اہتمام کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

یر بین کندِ کرکھ نالہِ متی ؛ کندیو کرکھ مت جیال
بازرِ نیہ میلان تیمی ؛ کندیو کا ژس کنکھ لال [۱]

لگتا ہے کہ اس عہد میں قحبہ خانوں کا داغ بھی کشمیر کی

[۱] ص۔ ن جلد ۱ ص: ۳۶۸

Marfat.com

سماجی زندگی پر نمایاں تھا۔ اس بارہ میں متعدد اشعار ہیں، اسکے حوالے موجود ہیں جو بازارِ جنس سے متعلق ہیں۔ مثلاً :۔

گاڑ کیشاہ کر تسبیحِ رژے
گانس سوکھ چھے لَس تھوکہٕ تھوک

(ص) سماجی نابرابری

سماجی نابرابری ہر ایک عہد میں نمایاں رہی ہے اور اسوقت بھی اس نابرابری سے ہمارے اردگرد افراط و تفریط کا عالم ہے۔ ایک طرف امیر، امیرِ کبیر بنتا جاتا ہے تو دوسری طرف غریبی کی ریکھا سے اوپر اُٹھانے کے نعرے اور منصوبے بھی صرف دولت سمیٹنے کا استحصالی عمل بن چکے ہیں۔ کلامِ شیخ کی روشنی میں ہمیں یہ عرفان حاصل ہوتا ہے کہ شیخ کے زمانہ میں اس نابرابری اور عملِ افراط و تفریط نے شاعر کے ذہن پر زبردست اثر ڈالا تھا۔ اکثر کلام سے لگتا ہے کہ مواقعات کے استحصال نے اس حدتک امتیاز قائم کیا تھا کہ لوگ اس ظلم کو نوشتۂ ازل قرار دے چکے تھے اور تقدیر کا اٹل فیصلہ جان کر اس ظلم کے ساتھ مفاہمت کر چکے تھے۔

اس نظم سے لگتا ہے کہ اُس وقت بھی حقوق کے حصول کیلئے تحریک کسی اپنے مخصوص رنگ میں منظّم تھی اور حقوق منوانے کے لئے مطالبات ہوتے تھے مگر زورآور طبقہ نے مطالبات کی

Marfat.com

تحریکیں۔ باکر تو لوگوں کے حقوق پامال کئے تھے۔

کینٹر آسی منگان تیمن نہ ڈِنکھ
کینٹرن دِتُک نہ ہیوٹ ہکھ اُوڈی
کینٹرن سورُوے مُرِ سنھ مُٹکھ
کینٹرن سورُوے اچھ ہیتھ مُوڈی
کینٹرن منگان نُبتھ گو کُرِہنو
کینٹرن ما دِتکُھ ان نہ ہنِنھ کینھ
کینٹر آسی یکان دوٗ پہاکھ بہو
کینٹرن، دِتھ نیُوکھ بھبیرِ کتھ کینھ

ترجمہ:۔ لوگوں کا ایک طبقہ مانگ رہا تھا
لیکن اُنہیں نہ دیا گیا
(کئی لوگ ایسے بھی ہیں)
جنہیں تو نہیں دیا گیا مگر وہ لینے میں کامیاب ہو گئے
اور اِس کشمکش میں اُنکی موت نے مطالبہ ہی ختم کیا
کئی لوگ تو ایسے ہیں جن سے چھینا گیا اور وہ اسی صدمے سے مر گئے
کئی لوگ تو مطالبات منواتے منواتے اپنے چہروں پر کالک لگوا گئے
اور کئی لوگوں کو غذا سے بھی محروم رکھا گیا
کئی لوگ تو متحرک تھے دوڑ دھوپ میں

Marfat.com

اور انہیں ساکت کیا گیا۔ مفلوج کیا گیا

کئی لوگ تو ایسے مظلوم ہیں جنہیں حقوق دیکر چھینے گئے

اس نظم پر مزید بحث ”شاعر کی سماجی آگہی“ کے ذیلی عنوان کے تحت بھی کی جائے گی۔ ان فن پاروں میں خدائے برتر کی بے نیازی کے گُن گاتے ہوئے شاعر نے اپنے ارد گرد عدمِ مساوات کی نشاندہی بھی کی ہے:۔

وڈجھتہ بگہ کنہ ہ ڈھنڈاو بیٹھ ونہ
نتہ کھہ انہ ہی جب آنی سپر
دتھ گدائیں تاج شاہیں لتہ
عالماہ بیچھان مرکھا پیر
تس مرکھیں لچھ بذہ نعمتریتہ
نرکاہ تس کن شوکتھ منتظیر

ترجمہ: کیا ہیں تیری بے نیازی کے اسرار میرے رب
ان رازوں کو افشا کرتی ہے آپ کی ہی بے نیازی
یہی بے نیازی ہے کہ کہیں گدا پادشاہ بن گیا
کہیں پادشاہ پاؤں تلے روندے گئے
کہیں عالم نفس پالنے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہے
اور ایک بیوقوف کو آپ نے بزرگی عطا کی

Marfat.com

اُس بے وقوف کے دستر خوان پر ہزاروں نعمتیں موجود ہیں،
اور ایک دانا اُس بیوقوف کے اشاروں پر آنکھیں مرکوز کئے ہوئے ہے
(کہ کیا اسکو یہ بیوقوف اِن نعمتوں سے کچھ خیرات دے یا نہ دے)

*

چھُ بازَن آ پران کوکر تچھان
مُڈُن بَر تَل پھیران نژکی
سوزن جلکھان کوزَن کھوان
ذاکِرہ حارَان غافِل سُکھی

ترجمہ:۔ (ایک طرف تو چرندوں پرندوں کا حال یہ ہے)
کہ شہباز کو دانہ کِھلایا جاتا ہے
(کیونکہ وہ پرندوں کا تاجدار ہے)
اور مُرغی (ایک عام پرندہ) کچرے کے ڈھیر سے غذا چن لیتی ہے
(لیکن آدم زادوں کا حال یہ ہے)
کہ یہاں پر کُند ذہن لوگوں کے گھروں کی طواف دانا اور حکیم لوگ کرتے ہیں
ایک بلند کردار شخصیت دن رات محنت کرتا ہے
ایک بدکردار اُسکی محنت کا اِستعمال کرتا ہے
(تبارک اللہ! کیا ہی بے نیازی ہے)

Marfat.com

کہ ذکر و فکر سے مست سرشار خدا دوست پریشان حال ہیں
اور غفلت شعار خوش حال!

*

پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتوٗ؟
(خدائے بزرگ نے خود کس کس کو کیا کیا دیا)

اِس مرحلہ پر یہ نظم نقل کی جاتی ہے:-

پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتوٗ
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتوٗ
گون یِژ ژھنو ژون دِشن
مارُن برہم ٹھوُن آبتوٗ
کینژرو ڈیوٗٹھ کینژ ڈیشن
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتوٗ
نَس گوٗن تہٕ ڈھ ہُوزھ ژھاران
گوٗری آبِ حیات انُوے نتوٗ
شیت ژلان نہٕ پانژھ لاران
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتوٗ
اَکھ فرشناہ وٕنہٕ رزنہٕ گارے
ژوُر رَچھن برَتل کِتو

Marfat.com

کڑن زہ آسس تاڑے
پاڑہ آشن کس کیشاہ دِتو

وِ نیے تھزرے گارکھ وتِے
مُنزی بازاری جبَرخا دِتو

نام زَزوَر وَلان پیتِے
پاڑہ آشن کس کیشاہ دِتو

اَکھاہ بوُہڑن ہابرُ ژھنڈان
تس وہیت واتڑی نُنتُو

بباہ بِہتھے لاچہ نِغل گنڈان
پاڑہ آشن کس کیشاہ دِتو

اُکس بَرنَلہ سازندہ گیوان
ڈُدی چھُ لاگیتھ نِندرِہنو

بیَس رزِتہ لورے لایان
پاڑہ آشن کن کیشاہ دِتو

کینژرن ہنمازہ تہ روزہ ذمہ
نمن ڈگی روُد پاڑہ یتو

کینژرن ڈمر ساری گیہ لمہ
آشن کس کیشاہ دِتو

Marfat.com

کیٹژن ہتہ بُد دانک کوچھِن
اُنِ وُچھِن زَگ کیشاہ چھوٗتُو
کیٹژن وے بنتہٕ معصوٗم بیٚچھن
پانہٕ آشِن کَس کیشاہ دِتو
کیٹژ یوٗت ییتھ اُتی وَوان
کموان تَتہٕ ژانان دُرُوتُو
کیٹژ ژُیتھ بُتہٕ اَژ وُوان
پانہٕ آشِن کَس کیشاہ دِتُو
وتہٕ راونس نیتو جشن
تس بلہمت دتی وُوتُو
رازِ رامَس دَشَل وشُن
پانہٕ آشِن کَس کیشاہ دِتُو
کُوٗرِس اگاہ آوِے کلُو
ژُئے راجَس بوجی وُوتُو
بیاہ کُلس ژ ییتھ گو کلُو
پانہٕ آشِن کَس کیشاہ دِتُو
ژُچھ گنگِے پُلاشَس ریَشَن
ییمی بُہشرہ آگرُ دِتُو

Marfat.com

تھا مہِ گاڈ زٕچھی ناگہٕ نشن
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتو

کُنئرن ون تہٕ وارےٚ پچھان
در مہٕ کوٚ چھےٚن لبوان ژھٹو

کُنئر ہر دم گرِے رٕچھان
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتو

قدرژ تُھنئر لگی ہنہٕ مان
بَس چھُہ ہنُن داما نہ ژھوٹُو

چھےٚ اُکرےٚ خلقت، نمان
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتو

کُنئر مر تہٕ پورےٚ لدان
دھرمَس دِوان شُمہِ سُھفو

کُنئر مُہتھ مآرِتھ نوان
پانہٕ آشن کس کیشاہ دِتو

زٕ ہیتھ کیاہ کیا لگن اومان
چھ یہ سکلی نمان تتو

ساس ار داہ عالم انان
پانہٕ آشن کس کیاہ دِتو

Marfat.com

زٕنے کار بوین کرٕ مَس
یس نہٕ اندی ڈیکہٕ لیکھتوٗ
نِکرٕ نونُے بوٚین زرٕ مَس
یا نہٕ آشن کَس کیاہ دِنو
کینژن دوٕ لگہٕ بتہٕ پلہٕ پوٚل بچی
تٕم کھوان موٕلہٕ ٹلی ھتوٗ
کینژن ہاکھ نہٕ کانٛز زیچے
یا نہٕ آشن کَس کیاہ دِنوٗ
اَکِس دِتُن ہَیت تہٕ ہستوٗ
عقلہِ روٚستُے فِکرٕ کرائیے
بباہ ارٕہ سرٕہ کرٕہ کھرٕہ روٚستے
یا نہٕ آشن کَس کیاہ دِنوٗ
اَکِس ٹُرٕ چھِے شیٖچ بوٚنی
شہ چھہٕ انبرٕ گنٛڈتھ چھتوٗ
ببیٚس رِوان وَدان ہوٚنی
یا نہٕ آشن کَس کیاہ دِنوٗ
اَکِس دِتُن پُترہ دُنو
بیاہ دیان کوٚرکندہ زائے

Marfat.com

ترزیم تھوون چھون تہ چھوٹو
پانہ آشن کس کیشاہ دِتو
اُکس رُن چھِے وزیر ہا وس
سہ ہو ِسس برہس کوتو
بیٔیس اَتھِہ آیہ کُکِل کاوس
پانہ آشن کس کیشاہ دِتو
اُکس رُنی چھِے لعل تہ لدُوٗر
کرِہ صدرس کُلٹُ کوتو
بیٔیس زاگان مُنزھس اُڈ در
پانہ آشن کس کیشاہ دِتو
اُکس رُنی چھِے طوطس ہارِے
گارِہ آشِس اَتھِہ آد کھِتو
بیٔیس رُنی چھِے ہارِس برارِے
پانہ آشن کس کیشاہ دتو
اُکس سون تہ مُہرِہ واسِنی
دِ وان دِن تہ ہیوان دتو
بباہ پُرکتہ اڑان کُسی
پانہ آشن کس کیشاہ دِتو

Marfat.com

اُکس پاٗرِتھ گچھِہ سِتنی مندر
سُندرَن سِتی چھوان مۆتُو
بیاہ ہٕبرِہ نٔبرِہ اندَر
یاہٕ آشَن کَس کیشاہ دِتُو
گُذ ارتھ تٔزور وَرخ ہٕیشین
تَوہ نزدیک وٗاُنکھ تتُو
ڈُز و ہٕنھ نٕنُدِہ رٕیشن
یاہٕ آشَن کَس کیشاہ دِتُو

یہ فن پارہ کشمیر کی ابتدائی شاعری میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس کی کئی فکری اور فنی جہتیں ہیں جن کو ہم نے شاید اِس ذیلی عنوان میں بند کرکے محدود کیا، اسلئے ہم یہ حق محفوظ رکھتے ہیں کہ اِس کا ہر موقعہ پر متناسب تبصرہ ہوگا۔ اور الگ طور مفصل بحث بھی (اگر ضرورت پڑی)۔ یہاں پر ہم صرف اِس کا ترجمہ اور تشریح کرکے زیرِ بحث عنوان کیلئے ہی اِس سے حوالہ جات اخذ کرکے سپردِ قلم کرینگے۔ لیجئے ترجمہ سے پہلے ہم اعتراف کرینگے کہ موتی لال ساقی نے بہت محنت کرکے اِس نظم کو بہت حدتک صحیح طور پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر آپ نے بھی بہت متروک لفظوں کے

Marfat.com

معنی درج نہیں کئے ہیں، شاید اسلئے کہ وہ لفظ آپ کی فہم سے بھی بعید رہے ہیں۔ مگر ایک اعتراض ہے کہ جہاں پر انہوں نے مرحوم غلام محمد مقیم صاحب کے درج کئے ہوئے متن سے انحراف کیا وہاں وجوہات دینے کی ضرورت محسوس کیوں نہ کی گئی۔ ساقی صاحب کے لئے جو روضۃ الرّیاض کے دو نسخے مملوکہ غلام نبی صدور اور مملوکہ غلام نبی گوہر کلیات شیخ العالمؒ ترتیب دیتے وقت زیر نظر تھے، وہ دونوں مرحوم مقیم صاحب کے قلمی ہیں۔ ہم نے مرحوم کے ہی مرتبہ بیاض سے اِستفادہ کیا پھر بھی بہت الفاظ نہ ہم سمجھ پائے نہ شاید مرحوم مقیم صاحب سمجھ پائے تھے۔ اِن معروضات کے ساتھ ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے:۔

(۱)

مالک ربُّ العالمین نے خود لوگوں کے مُقدر خُدا رکھے ہیں۔
اگر ہم اپنے ارد گرد چاروں سمت جائزہ لیں
تو صاف نظر آئے گا کہ فریبِ نظر ہی ہر طرف ہے
کئی لوگوں نے اِس حقیقت کو سمجھا
کئی سمجھتے رہیں گے
کہ خالقِ ازل نے کس کو کیا دیا۔

•

Marfat.com

(۲)

کسی کی عقل اِنتظار میں دھنک رہ گئی
اور کوئی:
(کسی خضر کے بِنا ظلمات طے کئے بنا ہی) آب حیات پلایا گیا۔
(اُس کا خضر۔ رہبر۔ اپنی جگہ پر ہی اُسکو امرت پلانے آیا
یہ کیفیت ایسی لگتی ہے کہ ایک جمِ غفیر کو بس پانچ فرد ہانکتے رہے

(۳)

فرشتہ باریابی کے لئے تڑپ رہا ہے
چور محل کی دربانی پر مامور ہے
یہ بھی اُسی کی کارستانی ہے کہ
دو مُتضاد تمنائیں اپنے ساتھ وابستہ کرائیں

(۴)

بازارِ کرشمہ سازی تک پہونچنے کے لئے
تاکہ وہاں چرخِ روزگار کا حال دیکھے
راستے ڈھونڈتے ڈھونڈتے
اپنا چھوٹا گاؤں ہی خزاں زدہ ہوتا ہے
اور بیت جڑ اس کو دبُوچ لیتا ہے
یہی اِنتہائی بے نیازی کارساز کی ہے

•

Marfat.com

"۵"

کوئی اِنتہائی مُشکل راستوں کو طے کر کے
سوادِ بلتستان سے شئے مطلوبہ لانے کے لئے پہونچتا ہے
مگر اُسکو اپنی بدبختی وہاں بھی ناکام کرتی ہے
اُس کے برعکس دوسرا اپنے گھر میں بلا عمل ہی بیٹھتا ہے
اور اُس کو دستارِ فضیلت باندھا جاتا ہے
یہ بھی اُسی کی کرشمہ سازی ہے

"۶"

وہ اُونگھ رہا ہے مگر اُس کی ڈیوڑھی پر
کلاسیکل موسیقارفن کا مظاہرہ کرتے ہیں
(اُس سے بھی دیکھ لیں)
کس طرح اُس کو رسی سے باندھا گیا اور چوبک سے مارا جاتا ہے
کیا ہی بے نیازی بے نیاز کی ہے

"۷"

(یہ بھی دیکھیئے) کہ یہ لوگ زندگی بھر تقوی گُذار رہے ہیں
صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں
اُنہوں نے اپنے معبود کو منوایا
(وہ بھی دیکھیں اُنکی طرف)

Marfat.com

اُنہوں نے (بدکاری میں) اپنی ساری زندگی ضائع کی
یہ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا بھی اُسی کی کرشمہ سازی ہے

(۸)

کیا ہی بے نیازی کا معاملہ ہے
اِن لوگوں کے کوٹھاروں (گداموں) میں
اندھے نظارہ کرتے ہیں
قسم قسم کے چاول کے ذخیرے کے
یہ سُرخ چاول نا منظور کرکے
سفید برف نما چاول کو پسند کرتے ہیں
اور وہ لوگ بھی اُسی کی خلقت ہے
جو لہے پر اُنکی ہانڈیوں میں پانی اُبل رہا ہے
مگر شام کے لئے چاول پکائیں تو کیا
اُن کے معصوم بکھاری بنتے ہیں

(۹)

اللہ تیری چارہ سازی بھی کیا عجیب ہے
کہ بیج بونے کا وقت گذرنے کے بعد
کسی نے ہل بائی کرکے بیج بودئے
پھر نہ اُس کھیت میں محنت کی نہ خود درانتی لگائی
(مگر پھر بھی آسودہ حال ہیں)

Marfat.com

کچھ لوگ کرۂ ارض پر دوڑ دھوپ میں مصروف
(مگر پھر بھی سعئی لاحاصل ہے)

(۱۰)

اس بند میں راماین داستان کے کرداروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چونکہ الفاظ اور بندشیں بھی اُسی رزمیہ اور اساطیر سے لی ہونگیں۔ مگر فارسی رسم خط میں ان بندشوں اور تراکیب کو ڈھالنا ممکن نہیں تھا۔ پھر مرورِ ایام سے ان الفاظ کو اس طرح توڑ مروڑ کر لکھا گیا۔

(۱۱)

اس بند کو بھی راقم سمجھنے سے قاصر ہے۔

(۱۲)

پلاس رشی نے گنگا کو اپنے وجود میں جب سمیٹ لیا
تو وہ وتستا کا منبع بن گیا۔
اور چشموں کی مچھلیوں کو تقدس عطا کیا
یہ عنایت بھی اُسی درگاہ ایزدی سے اُسے حاصل ہوئی۔
جو بے نیازی کی درگاہ ہے

(۱۳)

وہ بھی تو لوگ ہیں جن کے اپنے باغ اور جنگل ضائع ہوتے ہیں

Marfat.com

خود وہ جوٗٹھا کھاتے ہیں دھرم شالوں میں
اور وہ لوگ بھی تو ہیں جو دوسروں کو گھروں میں پالتے ہیں
یہ بھی اُسی کی بے نیازی ہے

(۱۴)

خالقِ ازل کی قدرت میں کوئی کمی نہیں ہے
ہاں صرف اپنی تنگ دامنی ہے
اُسی بے نیاز واحد القہار کی عبادت لوگ کرتے ہیں

(۱۵)

کچھ وہ لوگ ہیں جو مکانات تعمیر کرتے ہیں
اور ایوانوں پر ایوان بناتے ہیں
وہ اپنی فیاضی سے دین و دھرم کا کام بھی کرتے ہیں
(اگر دینی مشاغل میں رخنہ پڑا ہو
تو اُس کو بھی درست کرتے ہیں)
کچُھ لوگ استحصال کرکے لوگوں سے چھین لیتے ہیں
یہ اس کی بے نیازی ہے

(۱۶)

جنم لینے کے بعد ہم نے کیا کیا اندازے کئے
اور یہ اندازے بھی اسی مرکز پر مرکوز ہوتے ہیں

Marfat.com

اٹھارہ ہزار عالم اُسی ایک ربّ کے حضور عبادت کرتے ہیں
وہی بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔

(۱۷)

وہ جے کار اپنی تقدیر کی کرتا ہے
جسکا نوشتِ ازل مغلوب نہ ہوا
تقدیر پر تفکر نثار ہے
کیا ہے بے نیاز تقدیر ساز

(۱۸)

کچھ لوگ اعلیٰ قسم کے چاول ضائع کرتے ہیں
وہ قیمتی غذائیں کھاکر شکم سیر ہیں
کچھ لوگ تو وہ ہیں جن کو ساگ سبزی نہیں ملتی
اور چیتھڑے پہننے کو نہیں ملتے ہیں
یہ اُسی کی کارستانی ہے
جو بے نیاز ہے

(۱۹)

کیا ہی بے نیازی ہے
کہ کسی کو جمعیت بھی ہے اور سواری کے لئے ہاتھی بھی
اور وہ کم عقل بھی نادان بھی
دوسرا ناتوان اور معذور کراہ رہا ہے

Marfat.com

(۲۰)

دینے والے نے یکساں نہیں دیا
کسی کو بیوی دی جو چنار کی طرح
تھکے ہارے مُسافر کو
اپنے چھاؤں میں لیکر اُسے راحت دیتی ہے
وہ افتخار و اعزاز سے سماج میں معتبر ہے
اور دوسرے کی بیوی ایک پاگل کُتیا کی طرح
اپنے شوہر پر بھونکتی رہتی ہے

(۲۱)

یہ بھی اُسی کی دین ہے
کسی کو بیٹے ہی بیٹے عطا کئے
دوسرے کو بیٹیوں نے پریشان کیا ہے
تیسرا وہ ہے جو اولاد کے لئے ترستا ہے
اولادِ نرینہ کیا وہ بیٹی کے لئے بھی ترستا ہے

(۲۲)

کسی کو اُس بے نیاز نے وزیر دانا عطا کی
اور وہ لانہایت پیار اُس کو دیتی ہے
(یہ جوڑی کتنی ہی رشک آمیز ہے)

Marfat.com

(دوسری جوڑی بھی کیا متضاد ہے)
کہ شوہر کوے کی طرح بدصورت مردار خور اور بکواس گو ہے
جب کہ بیوی کوئل کی طرح کومل، ملائم اور اپنے کلام
سے سامع کو محظوظ و مسرور کرنے والی ہے

(۲۳)

یہ بھی تقدیر ساز کی کرشمہ سازی ہے
کہ کسی کو بیوی ملی انمول موتی
وہ لانہایت اُس سے پیار کرے
دوسری جوڑی بہ مثل کتے اور بلی کے ہے
جو ایک دوسرے سے خائف ہی ہیں
ایک دوسرے سے مُتنفر

(۲۴)

یہ بھی دلپسند جوڑی ہے
بیوی ہے مینا اور شوہر ہے کہ طوطا ہے
دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں
ایک دوسرے کے طالب و مطلوب ہیں
اور دوسری جوڑی بلی اور باز کی ہے
دونوں جھپٹ میں برسرِ پیکار رہتے ہیں
یہ بھی اُسی بے نیاز کی کارستانی ہے۔

Marfat.com

(۲۵)

یہ تقسیم بھی اُسی بے نیاز کی ہے
کہ ایک کو گنجینوں اور خزانوں میں اشرفیاں پڑی ہیں
وہ دولت دیتا ہے اور دولت سمیٹتا ہے
دوسرے کی نفسیات نقب زنی کی بن چکی ہے
(وہ اس عمل سے باز آئے تو کیسے)

(۲۶)

اِس بے نیازی اور کرشمہ سازی کا بھی مشاہدہ کریں
کہ ادھر ایک رنگ و روغن سے مزیّن محل میں آرام فرما ہے
لطف اندوز صحبتِ حُسن سے
دوسرا ٹھٹھر رہا ہے جاڑے کی سردی میں
سڑکوں پر یا میدانوں میں

(۲۷)

پابند ہو جاؤ پانچ اوقات نماز کے
تا اینکہ اُس بے نیاز معبود کے قرب سے فیضیاب ہو سکو گے
یہ داستان تمثیلات کے روپ میں بیان کئے :
(ان آیات فطرت کی شرح کی)
نُند ریشی نے تاکہ پہچانا جائے بے نیاز کو۔

Marfat.com

حل مطالب :- بند ۱ : گون ۔جہت ۔تفکر کی جہتیں یہاں مقصد ہے۔
پرژھتو :- پوچھا جائے یہاں پر مقصد ہے۔ فکر کر کے مقصد تلاش کیا جائے۔ برٛیم :- فریب ۔بھرم۔
بند ۲ :- لُوٹھی۔ آجکا : لُوسی :- تھک گئے
گون لوژھ :- فکر تھک گیا۔
گوٗرِ :- گورن ۔ یعنے پیرنے ۔مُرشِد نے۔
"شیت ژلان تہٕ پانژھ لاران :- یہ اب محاورہ بنا ہے لیکن اس کا پس منظر کیا رہا ہے معلوم نہیں۔ اسکا مطلب یا یہ ہے کہ جم غفیر کو کچھ لوگ ہانکتے رہتے رہے، یا یہ مطلب ہے کہ جس سمت میں عوام کا رجحان جاتا ہے اُسی طرف خاص طبقہ کو بھی جانا پڑتا ہے۔ شیتھ (اسی) سے عوام مُراد ہے اور پانژھ (پانچ) سے خاص طبقہ مُراد ہے۔
بند ۳ :- ووٚرزن گارُن :- شرف باریابی حاصل کرنے کا جہد۔
بند ۴ :- پیتھے = پُتی :- پتی :- ایک گاؤں کا چھوٹا سا حصہ مثلاً وانہٕ پل، کرالہ پورہ کی ایک پتی ہے۔ یہاں مُراد محدود ماحول۔ فرد کا اپنا ماحول۔
پیتہٕ زَزوٚر وُلُن :- ماحول پر خزاں چھا جانا۔
بند ۵ :- بوہ ٹُن :- بودھوں کا دیش۔ کشمیر میں علاقہ فرنٹیر۔

Marfat.com

تبت۔لہاسہ۔لداخ۔کرگل۔بلتستان، اسکردو وغیرہ کو بوٹُن کہتے تھے۔ بوٹہ :۔ بُدھسٹ کو کہتے ہیں یا اس فرنٹیئر علاقہ کے رہنے والے کو۔

دِ پیت :۔ یہاں مُراد بدبختی ہے۔

لاچہ نیل لاچ :۔ پگڑی کو کہتے ہیں۔ پاڈُ لاچہ۔ ریشم کی پگڑی۔ نیل = سبز گون :۔ سبز ریشمی پگڑی۔

بند ۹ :۔ یوُت ییتھ :۔ آجکل "کوُنس" کہتے ہیں۔ جب وقت بونے کا چلتا بنے تب تخم ریزی کرتا۔ یعنی گئے وقت پر جو فصل بویا جائے وہ زیادہ تر کچا رہتا ہے

بند ۱۳ :۔ مچھان :۔ چھپنے جانا۔

درمہ کُچھِ :۔ مندروں، وہاروں اور اوقاف کے ساتھ وابستہ اناج کے گُدام۔

بند ۱۵ :۔ مر = مکان

پوُر ۔ طبقہ ۔ ایوان

بند ۱۷ :۔ زَے کار :۔ جے جے کار

بند ۱۸ :۔ وو لگہ بتہ :۔ اعلیٰ قسم چاولوں کا پکایا ہوا کھانا۔

نُوٹ :۔ بیاہ ۔ آجکل " بیا کھاہ " بولا جاتا ہے یعنی دُوسرا۔

Marfat.com

اس نظم پر تبصرہ حضرت شیخ کے شاعرانہ جلال و جمال پر بحث کرنے وقت کیا جائے گا۔ اس وقت ہم صرف اسی نظم سے شیخ العالمؒ کے سماج کے بارہ میں بات کرینگے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس نظم کا شان نزول نا برابری کا وہ ماحول ہے جو کشمیر کے ساتھ ازل سے آج تک جُڑا ہوا ہے اور عہدِ شیخ میں بھی عدم مساوات کا یہی دور حاوی تھا۔

آپ کے عہد میں بھی کشمیری تاجر اور بیوپاری گلگت، تبت، لداخ، چترال وغیرہ ملحقہ شمالی ریاستوں میں خرید و فروخت کے لئے جاتے تھے۔ اور اس سے صاف واضح ہے کہ کشمیر اور تبتی علاقہ جات کے دیرینہ ایام سے بہت گہرے تعلقات موجود تھے۔ اس پس منظر میں اس محاورہ کو پڑھئے جو آج بھی بولا جاتا ہے۔ جب کسی کو اچانک کوئی قیمتی متاع مل جائے تو ہم کہتے ہیں کہ "تمی لوب لاس" وہ لہاسہ پا گیا۔ یعنی جو لہاسہ (تبت) پہونچتا تھا وہ لازماً دولت مند بن جاتا تھا۔ اس وقت بھی کشمیر کے درجنوں طبقے شاہ طوش اور پشمینہ کے تجارت سے وابستہ ہیں اور خام مال اسی علاقہ سے ان کو آتا ہے۔

اسی بند سے یہ بھی مترشح ہے کہ کشمیر میں کوئی منفرد کارنامہ انجام دینے پر نیلگون ریشمی پگڑی، کارنامہ انجام دینے والے کو

Marfat.com

عزت افزائی کے لیئے باندھی جاتی تھی۔ اس عہد تک اسکی پگڑی بھی ئی روایت موجود ہے۔ اب بھی مکان تعمیر کر کے ترکھان اور راج کی عزت افزائی پگڑی باندھنے سے کی جاتی ہے۔ بلکہ درگاہوں پر عزت افزائی دستار بندی سے ہوتی ہے۔

یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے وقت میں کلاسیکل موسیقی کا کشمیر میں دور دورہ تھا۔ اور سازندہ طبقہ موسیقاروں کے مخصوص گھرانے پر چھا گئے تھے۔ توضیح آگے کی جائے گی مگر اس بات کا یہاں امتیاز کرنا ضروری ہے کہ جہاں حضرت شیخ "درگہ دمامہ" عام، سطحی موسیقی کو برا قرار دے چکے ہیں، اس کے برعکس اعلیٰ موسیقی کی قدر کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ اس ناہنجار رئیس طبقہ کی مذمت آمیز لہجے میں تذکرہ نہ کرتے جو اس اعلیٰ فن کے مظاہرہ کے وقت اونگھ رہا تھا۔

اناج کی ذخیرہ اندوزی اور غلہ داری کشمیر کی استحصالی اقتصادیات پر غالب رہی ہے۔ اور شیخ کے زمانہ میں بھی ایک طرف قسم وار چاولوں کے سٹاک ذخیرہ اندوز اپنے گداموں میں بند کرتے تھے تو دوسری طرف ناداروں کے معصوم بچے بھوک سے مرتے تھے۔ اسی پس منظر میں حضرت شیخ نے سیم و زر سے بھی بہتر "اناج" کا ایک من قرار دیا ہے [1] کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن جلد ۱ ص ۵۵۴

واضح ہے کہ اِس ترقی یافتہ دور میں بھی معمولی بارشوں سے "شاہراہ" کچے دھاگے کی طرح کٹ جاتا ہے اور قحط کے سے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ شیخ کے زمانے میں کشمیر سال میں نو ماہ تک دُنیا سے الگ رہتا تھا۔ سونا، چاندی بھی قیمت دیتے لیکن من بھر چاول بھی ملنا مُشکل تھا۔ کیونکہ آتا تو کہاں سے ؟۔ اسی قطعہ کے ساتھ نظم کا یہ بند بھی پڑھنا چاہیئے۔

جس طرح آجکل باغ لوگوں کی ذاتی ملکیت ہے، اسی طرح عہدِ شیخ میں باغات (وارِہ) اور جنگل (وَن) ذاتی ملکیت ہوا کرتے تھے۔ اِس وقت بھی جو جنگلی درختان کاہِ رد و دِودار وغیرہ بندوبستی اراضی میں درج ہیں وہ بھی پرائیویٹ جنگل ہی کہلاتا ہے البتہ وہ درختان کاٹ کر لکڑی کے نقل و حمل پر کچھ پابندیاں ہیں۔

ہر ایک شاعر اپنے ماحول سے مثالیں تشبیہات اِستعارات بلکہ علامتیں تک حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ہر شاعر کا کلام، بلکہ ہر مصنّف کا فن پارہ اُس کے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مگر جس طرح حضرت شیخ نے اپنے دور کو لفظ و معانی کا لباس پہنا دیا اُس سے لگتا ہے کہ آپ کا ایسا عمل دانستہ تھا۔ کچھ اسطرح سے کہ وہ اپنے ہم عصر قاری کو اُسی کے اردگرد سے سبق سکھاتا جاتا تھا۔ کچھ اسطرح سے کہ اُنھیں اپنے زمانے کا دُھندلا سا ہی صحیح مگر قابلِ اعتبار

Marfat.com

نقشہ کھینچنا بھی مقصود تھا۔ انہیں شاید یہ پورا شعور تھا کہ مُورخ
صرف درباداری کی قصہ خوانی کرتا رہے گا اور تمدّنی تاریخ
منظم کرنے کے لیۓ اس کے شعر کو ہی ایک معتبر ماخذ بننا ہوگا۔

(ط) وسائلِ نقل و حمل

کشمیر پہاڑوں کے بیچوں بیچ واقع ہے، آج بھی ریلوے
یہاں لانا ایک جوۓ شیر لانے کے مترادف بنا ہے اور پچھلے پچاس
سال سے ہندوستانی حکومتوں نے اس جوۓ شیر کے فریب میں
ہمیں رکھا۔ بس محض لوگوں کے دِل بہلانے کے لیۓ خاص مواقعات
چُنے جاتے ہیں اور لوگوں کو پھُسلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔
مگر کشمیری عوام بھی اِس فریب کو عرصہ سے سمجھ چُکے ہیں۔ ۱۹۹۷ء
میں وزیراعظم جناب دیوگوڈا اور جناب اندر کمار گجرال بھی اسی
قوم سے بھونڈا مذاق کھیلنے آئے اور پتھروں کی سیلوں پر ریلوے
کے خواب کندہ کرکے چلے گئے۔ پارلیمنٹ کے الیکشن کی تاریخوں
کا اعلان ہوکر ۹۸ء کے عشرۂ اوّل میں ہندوستانی ریلوے وزیر
آئے اور ایک طوفانی دورہ میں کاغذی نقشوں پر اضلاع پلوامہ
اور اننت ناگ کے لیۓ پُر فریب نشان ڈالکر چلے گئے۔ اِس
پس منظر میں آج سے ساڑھے پانچ سو سال پہلے کیا حال تھا۔

Marfat.com

وہ ہر ایک اندازہ کر سکتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کشمیر برِّ صغیر اور وسط ایشیا کے ممالک کے مابین پُل کی حیثیت رکھتا تھا اور اسلئے کشمیر کو خاصکر شمالی ہند کی ریاستوں اور وسط ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ تجارتی لین دین رہا ہے۔ تجارت کے لئے ذرائع نقل و حمل کی اہم ضرورت ہے جس طرح آج ریل گاڑیوں، ٹرکوں، مال بردار ہوائی جہازوں کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے اسی طرح اِس عہد سے قبل یہ ضرورت آج سے زیادہ محسوس کی گئی۔ آج سے زیادہ اسلئے کہ اب ہم تجارتی طور ایک نو آبادی ہیں جبکہ کشمیر اپنے دورِ حکومت میں ایک آزاد تجارتی منڈی تھی۔ آج کل ہمیں بانہال کارٹ روڈ سے جو مال آئے اُسی پر اکتفا کرنے کی مجبوری ہے، تب ہمیں متعدد ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم تھے۔

حضرت شیخ کے کلام سے لگتا ہے کہ اندرونِ کشمیر نقل و حمل کا اہم ترین ذریعہ دریائی راستہ تھا۔ اور اسی لئے آپ کے کلام میں "ناوِہ تار" (کشتی میں دریا پار کرنے کی اُجرت) "زادِ راہ" ترکیب کا بدل ہے۔ اور اسی کلام کے واسطے سے یہ ترکیب یعنی "ناوِہ تار" آخرت کے سامان کے لئے بھی اصطلاحاً استعمال میں ہے۔ جہاز کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ شاید ڈل اور وُلر میں یا دریائے جہلم میں جہاز قسم کی بڑی کشتی بھی استعمال میں آتی تھی جو بعد میں "کھوچھ" بنا

Marfat.com

یا "کھو چھ" ہی جہاز کا اصلی کشمیری بدل رہا ہے۔ گھوڑے پہاڑی راستوں میں سواری اور بار برداری کے لئے استعمال ہوتے تھے :۔

کندیو مرگہ گرُبن کھسکھ
کندیو وَسکھ ندِ ناوے

(پہاڑیوں پر گھوڑ سوار بن کے جانا ہے کیسے ؟ کیا تم کو وہ صلاحیت ہے)

طوفانی بہاؤ میں دریا پر ناؤ چلانے کا عزم کرتے ہو ؟ کیا تمہیں یہ صلاحیت ہے۔

ایک اور نظم کا مقطع لیجئے :۔

کو نہٗ اوٗت تام ژینیا تھ وِزے
کرُ یہ بُرد بُرکہ نزِہ ہے ناوُو
اللہ نُندِس ٹُنر ہنا کرِزے
دوٗ ٹھوُگِندِ تھ گرِہ گژھے دوٗ[1]

دریائی حمل و نقل اور گھوڑوں اور گدھوں کی بار برداری کے علاوہ حضرت انسان کو بھی بار برداری کے کام لایا جاتا تھا جس طرح آج بھی ہمارے مزدور بیچارے مال ڈھوتے ہیں۔ جس طرح بوریوں میں مال بھر کر گھوڑے کے دونوں طرف مساوی طور لادا جاتا تھا اسی طرح مزدور کو آگے سے اور پیچھے سے

[1] جلد ۲ ص ۲۴۷

Marfat.com

یکسان مقدار کا مال لادا جاتا تھا اور اسطرح لادے گئے مال کو "ترنگڑی" کہا جاتا تھا۔ آجکل بھی بے کار لوگ اپنے کندھوں پر سودا سلف لئے ہوئے دیہاتوں میں پھیری کرتے ہیں اور اُسکو "ترنگرِ ووی" کہا جاتا ہے۔ اسی "ترنگر" کے حوالہ سے شیخ صاحب اپنے تجربہ کو یوں ادا کرتے ہیں:۔

سَنگر یوُستِس پھَم ترنگر پیٹھے
کھورِنَل وآتِھ لگُم دائے
کھیوَن چوَن تھُونم ہیٹھے ژھیٹھے
شَنگرِم راتھ دُوہ رہکائے

ترجمہ:۔ دور دراز پہاڑی سفر طے کر کے آچکا ہوں اور ابھی میرے شانوں پر دونوں طرف لدے ہوئے مال کی بوریاں اویزاں ہی ہیں کہ تُند طوفان میرے پیر چھونے لگا، اس حال میں بھی معاوضہ کیا ملا اس کے سوا کہ یا تو ہیبت کر کے بھگایا جاتا ہوں یا بس جھوٹھا کھلایا جاتا ہوں۔ یہ بھی اندازہ کیجئے کہ جس جاگیر (رہکائے) کا یہ غذا پیداوار ہے اُس پر بھی میں نے ہی دن رات محنت کی تھی۔ اس قطع میں شاعر نے کچھ بلیغ اشارات دئے ہیں مگر اپنے عہد کے مظلوم مزدور کے حوالہ سے ——
وہی بیچارا دن رات محنت کر کے گرمیوں میں کماتا تھا اور خزان

Marfat.com

میں فصلِ پیداوار خرمن کرکے زمیندار کے گھر میں جمع کرتا تھا اور جاڑے میں اُس کو پہاڑیوں پر مزدوری کے لئے روانہ کیا جاتا تھا وہ وہاں سے اپنے کندھوں پر دونوں طرف مال۔ لکڑی۔ کوئلہ یا دیگر مال یا راجوری اور پونچھ سے نمک کے بار لاتا تھا اگر ابھی گھر کی دہلیز پر ہی پہونچ جاتا۔ ابھی اِس بوجھ سے کندھے ہلکے نہ کئے ہوتے ہیں کہ دوسرے حکم کا طوفان پیروں کے نزدیک بلائے ناگہانی بن کے آن پڑتا تھا مگر پیٹ بھرنے کے لئے یا مالک کا رعب و داب یا جوتے ٹھُکتے۔

(ع) "رسم و رواج"

ہم نے جلد ایک میں کئی بار اِس بات کی توضیح کی کہ حضرت شیخ نے رسومات کے خلاف زبردست آواز اُٹھائی اور خاصکر اُن رسموں کے خلاف جو اِسلامی عقائد کے منافی تھے۔
مسلمان ہم ہندِت بکین ... سے جتی کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اس سے ہمیں یہ باتیں ملتی ہیں، اولاً کہ نومسلمانوں میں اور اُن کے اثر سے پہلے ہوئے مسلمانوں دونوں کی رہن سہن اور سماجی عادات پر ہندومت کا اثر باقی تھا، ثانیاً ہندوانہ توہم پرستی کے عقائد چمٹے ہوئے تھے۔ مثلاً جس کمرے میں آدمی اپنی جان جاں آفرین کے

Marfat.com

سیر دکرتا تھا وہاں ہفتوں دیا جلا کے رکھنا یا چھینک آنے پر عازمِ سفر کا گھر واپس جانا یا بلی کا راستہ کاٹنا وغیرہ وغیرہ۔ تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ نہ صرف شادی بیاہ کے معاملے میں بلکہ تقسیمِ وراثت کے معاملات میں بھی ہندوانہ رواج ہی چلتے تھے۔ یہ گرفت" تاحال بھی ہم پر حاوی ہے۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ آج سے لگ بھگ چودان سو سال پہلے تو اُس معاشرہ میں جہاں بیٹی کو زندہ دفن کیا جاتا تھا، اسلام نے ایک عظیم انقلاب بپا کر کے بیٹی کو والدین کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد میں وارث بنا کر اُس کے لیئے مخصوص حصہ قرآن نے قائم کیا۔ اس کے برعکس آج تک بھی کشمیر کی مسلمان بیٹی اس حق سے محروم ہے جبکہ اُس کی پڑوسن لڑکی جس کے سماج سے یہ رسم لیا گیا تھا، سابقہ چار دہائیوں سے اس قانون کے تحت حصہ پاتی ہے جو اسی انقلابی قانون کے زیرِ اثر ہندوستانی پارلیمنٹ نے وضع کیا مگر مسلم سماج پر ابھی غیر اسلامی رسموں کی اتنی چھاپ ہے کہ ہمارے بزرگ پنجگانہ نماز پڑھنے والے اور سحر خیز تہجد خوان جب عدالتوں میں آتے ہیں تو بانگِ دہل بیان کرتے ہیں کہ "ہم شرع کے پابند نہیں بلکہ رواج کے پابند ہیں"۔ یہ بات تا حدِ ارتداد پہو نچتی ہے مگر رواج کا ذہن پر اتنا غلبہ ہے کہ اس نتیجہ کو ہم فراموش کرتے ہیں حتیٰ کہ ۱۹۷۷ بکرمی میں

Marfat.com

پرتاپ سنگھ لاز کنسالڈیشن ایکٹ کی دفعہ ۷ (L A W S

C O N S O L I D A T I O N A C T) کے تحت یہاں ہندو مسلمان اور عیسائی پر ذاتی قانون (P E R S O N A L L A W) حاوی ہے۔ صرف اس دفعہ میں ایک استثنائ رکھی گئی ہے کہ اُس قبیلہ، خاندان یا علاقہ پر مذہبی قانونِ وراثت نافذ نہیں ہوگا جو قبیلہ خاندان یا علاقہ اُسکے منافی کسی رواج کے تحت پابند ہوں اسی استثنا کے تحت گھر سے بیاہی گئی بیٹی کو باپ کے مرنے کے بعد دور کے چاچے تک باپ کے نصب کردہ درخت سے میوہ کھانے کو نہیں دیتے ہیں بلکہ بڈگام ضلع میں ہی خانصاحب علاقہ میں آج سے کئی سال پہلے اس لڑکی کو باپ کے درخت سے اخروٹ اُتارنے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا جو بد قسمت باپ کے مرنے کے وقت دس سال عمر کی تھی اور چاچا نے اُسکو بیرونِ خانہ، شادی کی تھی۔ اِس رواج کی اِسقدر ہمارے ذہن پر گرفت ہے کہ جموں وکشمیر ہائی کورٹ کے فُل بینچ نے (جس کی سربراہی چیف جسٹس سیّد مرتضیٰ فضل علی کر رہے تھے) ممتاز بیگم بنام امان اللہ مقدمہ میں یہ فیصلہ دیا کہ "یہ مُسلّمہ امر ہے کہ یہاں کے مسلمان شرع کے تابع ہیں اور رواج استثنا ہے۔" پرسنل لاء کو مقدم ماننے کے اِس عدالتی فیصلہ کے باوُجود جب کوئی مُسلمان زمیندار مرتا ہے تو افسرانِ مال اِنتقال درج کرتے ہوئے یا تصدیق کرتے ہوئے

Marfat.com

متوفی کی بیٹی بیٹیوں کا تذکرہ تک بھی نہیں کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وعظ میں اور محفلِ سماع میں یہ لوگ یہ اشلوک سُن کر سر دُھنتے ہیں، جس قطعہ میں اُن لوگوں کا محبوب راہبر اُن پر فتویٰ یوں صادر کرتا ہے :۔

" قیامژ دو یھن سیاہ روئے

(یہ لوگ قیامت کے دن سیاہ چہرے لیکے اُٹھینگے) مگر اِس کے باوجود رواج کی چھاپ اِس بات کی غمازی کرتی ہے کہ شیخ کے ماحول میں بھی ایسے رواجوں کا زہر مسلم معاشرہ میں سرایت ہو چکا تھا۔

یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اُن ایّام میں مُسلمان بھی کشمیری پنڈتوں کی طرح چولہوں کی لِپائی گائے کے گوبر سے کرتے تھے۔ اور ہندؤں کی طرح ارواح کو سکون پہونچانے کے لئے نعمتوں کو ضائع کرتے تھے بلکہ اُسی طرح جس طرح آج بھی ہندو ہُون کرتے ہیں، گو کہ آجکل نعمتوں کا ضائع کرنا اس طرح سے رسم نہیں۔ مگر جو نعمتیں ہم " وازہ وان" پر ضائع کرتے ہیں اُسکا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے ایک شعر سے یہ بھی اخذ ہے کہ اُن ایّام میں قبروں پر لوحِ تربت نصب کرتے تھے۔ گو کہ مزارِ سلاطین

Marfat.com

اور مزار احاطۂ حضرت بہاؤالدین گنج بخش میں موجود قبروں سے واضح ہے کہ شہمیری عہد میں بھی مسلمان قبروں پر کتبہ لگاتے تھے۔

مژ یتھ پیپرس زییم بنگہ

(میری قبر پر بھنگ چڑھ آئے گی)

ذیل کی نظم سے کچھ ایسے رواج اخذ ہوتے ہیں جو تجہیز وتدفین اور وفات کے بعد حالات کی نشاندہی کرتے ہیں:۔

شنہٕ گتھ لگوٗی ونہٕ گتھ پانہٕ
چھوٗن ونہٕ گتھ لگوٗی اتہٕ گتھ پانہٕ
اُگنیا آبہٕ نہٕ گرٕ ھن گژھے
گییہ آم چھتان دٕلہ پانہٕ

پاپُن بار ما نکھن کھسے
چھوٗن اتہٕ گتھ لگوٗی ونہٕ گتھ پانہٕ
سہ ینتھانہ دوٗر کیشاہ لبھو
چھ اڈٕ بٹھ بوٹھ کوہ زانہٕ

پاپ وہند مُدری بُن گو ٹھُٹھو
چھوٗن اتہٕ گتھ لگوٗی ونہٕ گتھ پانہٕ

Marfat.com

مُرِین مُورن پُورن کھُمو
وُرُن کِیتھِہ دِمَس پاپنہ نہ
یاوَن ژُورن تاوَن یوِ ومو
چھوّن اَتہِ گَتھ لگوُی وَتہِ گتھ پانہ

زاڈےمرگہِ گَرُ زن گروُڈس
نَرِ ہو نُژ رِوُدُم سندانہ
یَتھ زلَس تہِ زمس بوڈس
چھوّن ۹ نتہِ گتھ لگوُی وَتہِ گتھ پانہ

یاوُن تھوُو راَسی تاہ تاہ رَنگَن
انگن یاَر رَتھ یرَن درا یہ
رَتھ نتہِ ماز گتھ سوُرِم زنگَن
چھوّن اَتھِہ گتھ لگوی وتہ گتھ پانہ
بوّ یانَس نہِ سوئی یانَے میوُن
دِمَس دھیان نہ لچھ لوُکیہِ
نتہِ کُس بیم یتھ بنتھانے میوُن
چھوّن اتہِ گتھ لگوّی دتہِ گتھ پانہ

Marfat.com

کھنڈ نا بد بیٹہِ زلہِ وَٹے
باژ چھِس شیر خار پڑیہ گراہۂ
تَس کاکِ بیتھ نال ولہِ ہٹے
شتہ گنتھ لگوئی وَ تہۂ گنتھ پاہۂ
گر باژ سشز بیٹلہِ ہئہۂ وَنیے
ہئہۂ وَے داجہِ بھوت پہج واہۂ
ہرہن کدِّتھ درہن ہئہۂ وَے
چھوّن اتہ گنتھ لگوئی وتہ گنتھ پاہۂ

استاہ ہنتھ راداہ ہہنے
دِہۂ وِے بارَو بیمہ کنکراہۂ
داہ باژ کڈِتھ نزہ منزہ نینے
چھوّن اتہ گنتھ لگوی وتہ گنتھ پاہۂ

کفناہ ڈلیتھ لدِتھ ششنیے
سئنتھر ودنم درد ے ساہۂ
شنتھر نہ برتل ژھانڈاہ دِنے
چھوّن اتہ گنتھ لگوی وتہ گنتھ پاہۂ

Marfat.com

• وِڈ نار بُرِتھ لدَن اینٹے
تڑ سَے ٹاکُھی ہِنم ذِکر کرانہٖ
تڑآوِتھ ہینَم ژھٔنہ کیشاہ گٔے
چھوٚن اَتہٕ گتھ لگوٚئ وَتہٕ گتھ پانہٕ

• مُوڈے گوٚرہ بَل واتہٕ ناوَن
خاک ساوَن مُودی سانہٕ
لوٚکھرا ڈُکھ دِتھ لدا ہاوَن
چھوٚن اَتہٕ گتھ لگوٚئ وَتہٕ گتھ پانہٕ

• ژٕلن تہٕ ہَتے سُوہ دِیاوَن
فاتحاہ کرَن ختمہٕ سانہٕ
کُتھ ییبلہٕ بُہہ اَدہ اتھہٕ تڑاوَن
چھوٚن اَتہٕ گتھ لگوٚئ وَتہٕ گتھ پانہٕ

• ژاکھ ہاکھ اَنِتھ بُنہٕ بتہٕ کھیاوَن
سٕہٹاہ کرٛاوَن پتہٕ بانژانہٕ
اَدِ مُو چھیرِتھ اتھہٕ کونژہاوَن
چھوٚن اَتہٕ گتھ لگوٚئ وَتہٕ گتھ پانہٕ

Marfat.com

• ارگہ نتہ ژندہ دوپہ نتہ لشے
یرن کلاشے کیشاہ دِز دیاہ
گنہگار پانو پناہ زان آشے
چھوں اتہ گنہ لگوی وتہ گتھ پاتہ

• یلہ نتہ پیتو ژکھ نتہ نیا ہی
گوژنتہ آخوز وِر نتہ واتہ
گرکل نیر نتھ ژ لگھ سنیا ہی
چھوں اتہ گتھ لگوی وتہ گتھ پاتہ

• ترہنا کر تم حالس پشے
دِشس ہنوارتم حق سبحانہ
ویتھ دِ ہنز ھری نندی کیموشے
چھوں اتہ گتھ لگوئی وتہ گتھ پاتہ

ترجمہ بند ۱: اے میرے مسافرو تم بھٹکتے رہے
بے مقصد رہا تیرا آنا اور بے معنی تیرا جانا ہے

•

Marfat.com

بِن بُلائے آئے اور لابدی جانا ہے
کِس طرح (چشم زدن میں) چھا گیا بڑھاپا
(کاش اگر آیا ہی نہ ہوتا)
تو یہ گُناہوں کا بوجھ کمر توڑ نہ بن پاتا
بے مقصد رہا آنا اور بے معنی ہے جانا!

•

بہت دور بھی ہے وہ راستہ لیکن نزدیک بھی
کیا معلوم کہ کہیں وہ ہمت شکن دشوار گذار پہاڑی راستہ تو نہیں
(اس کٹھن راستہ پر چلوں تو منزل کیسے پاؤں؟)
جب کہ میں سرشار رہا لذتِ گُناہ سے
ثواب کو کڑواہٹ کی طرح تھوک چُکا ہوں
وائے بے مقصد رہا میرا آنا اور جانا!

•

میں مصروف رہا مکان بنانے میں
مکانوں کے ایوان سجانے میں
مکان کے ایک طبق پر دوسرا اور دوسرے پر تیسرا چڑھانے میں
کیا سرمایہ لگایا تعمیری کاموں میں گناہوں کی کمائی
میری الہڑ جوانی نے مجھے لُوٹ لیا اور خسارہ میں ڈالا
بے مقصد رہا میرا آنا جانا!

Marfat.com

(چلتے دوڑتے) گھوڑے کی طرح
چراگاہ کے قریب میں دلدل میں پھنس چکا ہوں
(اس طرح گرفتارِ بلا ہوئے ہیں) کوئی تدبیر بچا نہ سکا
انقلابِ روزگار کے جتن میں گرفتار ہوا ہوں
لاسود رہا میرا آنا اور بے وقعت ہے میرا جانا

•

اپنی جوانی کو زینت، آرائش سے سجایا
جسم پر سجاوٹ کے پر لگائے (کہ نخوت کی فضا میں اُڑ پاؤں)
(یہ فیشن پرستی کا فریب اب کھل گیا)
خون بھی خشک ہوا، بدن سکڑ گیا طاقتِ رفتار جواب دے چکا
اب سمجھ آیا کہ آنا بے مقصد رہا اور جاؤں تو کیا لیکر

•

میں خود ہی اپنا رفیق ہوں
اگر اس پر غور کروں تو خود ہی میں لاکھوں کی توانائی ہوں
ورنہ کون اس دشوار گذار راستہ میں مددگار آئے گا
آنا رہا فضول جانا بھی ویسا ہی ہے

•

شکر، نبات اور چقندر کی مورتیں

Marfat.com

یہ اہل وعیال
یہ معصوم کھیل کھلاتے بچے
یہ پریوں کا جھرمٹ
یہ سب چھوڑنا ہے جب (وہ مارِ آستین)
گلے میں ڈوری بن کر گھٹن پیدا کرے
بے مقصد رہا آنا اور جانا

•

(اور تب جب وہ اژدہا گلے میں آواز بالکل دبوچ لے گا)
تو یہی اہلِ خانہ
(جو کل ہی تھے شکر کی مٹھاس
نبات کے کوزے
پرستش کے لئے بنائی گئی مورتیاں)
اُسی طرح اُٹھائینگی کندھے پر جس طرح
اُٹھائے لے جاتے ہیں ٹوکرے میں
سیخ لگائے ہوئے سریاں اور پائے
قصائی کی دُکان پر بوٹیاں بنانے کے لئے
یہی اِس آنے جانے کا انت ہے

•

Marfat.com

پھر اسی پیارے مالک کیلئے (جس نے زرعی زمین کی جاگیریں چھوڑی ہوں)
ڈھائی فٹ زمین کو ناپا جاتا ہے
اور اُسی آلۂ پیمائش سے ٹکڑے بدن کو ناپا جاتا ہے۔
ناپ تول کے دوران بھی
اس کے کردار پر تنقید کی جاتی ہے
گھر کے دس افراد اس کو گھر سے نکال دینگے
تو اس فضول آنے کا راز فاش ہوگا
اور کیا لیکر جاتا ہے
یہ چلنے والا مگر تنقید اور ملامت

•

پھر کفن سے ڈھانپ لینگے میرے بدن کو
اور پھٹی پر (تختہ پر) اٹھائینگے
اور اپنے ہمدرد کے نوحہ میں درد ہوگا
دشمن بھی رسماً میری دہلیز پر مجھے دھکیل دینگے
یہ ہے مقصد میرے آنے جانے کا

•

ایک کوزۂ سفالین میں انگاروں پر عود جلائینگے
تین پیارے لینگے مجھے ذکرِ خدا کے ساتھ

Marfat.com

پھر چھوڑ کے ڈالینگے مجھے گرداب بلا میں گُھٹا ٹوپ اندھیر میں
اب مجھے اِس فضول آنے جانے کا راز کُھلا

•

بے وقوف۔ جو میرے حال سے سبق نہ لینگے
وہی مجھے قبرستان پہونچا ئینگے
پھر میرے بدن کو مٹی میں ڈھانپ لینگے اور وہ بھی بے احتیاطی سے
ایک تودہ مٹی کو سرہانے بنا کے لحد میں سُلا ئینگے
یہی انت ہے اِس آنے جانے کا

•

پھر گاڑا اس طرح مضبوطی سے لگا ئینگے
پھر فاتحہ خوانی بھی ہو گی اور ختم قرآن بھی کرا ئینگے
پھر جونہی ماتم داری ختم ہو گی تو وہ (اہلِ خانہ) بھی بات چھوڑ دینگے
یہی ہے مقصد اِس آنے جانے کا

•

لیکن سریاں اور پائے صاف کرا کے
ماتم داری کے دنوں میں سلونے بنا کر ماتم داروں کو کھلایا جائیگا
پھر تعزیت پُرسی کرنے والے ماتم داروں کو دلاسا دینگے
پھر دفعتاً ماحول تبدیل ہو گا اور کوئی نام تک نہ لے گا
یہی ہے مقصد آنے کا، جانے کا انت ہے

•

Marfat.com

گُلِ سیاہ، چندن، عود یا چوبِ چراغ
سب آکر اپنی سُگندارپن کرینگے
دولت کی اسی دیوی کو
کیا اِس آنے جانے پر دھیان دیا جائے گا
اے میرے گنہگار وجود پناہ ایزدی ہی آخری اُمید ہے
ورنہ یہ آنا جانا محض سببِ خسران ثابت ہوا

•

یہ سب کچھ سوچ کر غور کرو،
کچھ نتائج پیچھے اپنے چھوڑ
اور غصہ اور تنازعات کو تھوک دے
نصیحت یا عبرت زندگی کے پیچھے چھوڑ
آخر تم سنیاسی گھر چھوڑ کے تو چلے ہو
(لیکن یہ عمل اوروں کے لئے نصیحت بناؤ)
ورنہ یہ سب تیرا آنا جانا بے فائدہ اور بے محل ہے

•

پشیماں ہوں اپنے حال پر میرے مولا
مجھے بخش دے، عفو کر دے
اے میرے پاک مولا مجھے اپنی قربت سے نواز دے
ورنہ میرا آنا جانا سب اکارت ہے

•

Marfat.com

حل مطالب :۔ وَنۃ گنتھ :۔ مسافر۔ آوارہ۔ ننشٹ گت: دوڑ دھوپ۔ آگنیا :۔ بن بُلائے آنا۔ نازل ہونا۔ گہشہ چھپتُن :۔ ضعف چھا جانا۔ نبتھانہ :۔ راستہ۔ اڈیٹھ :۔ دُشوار گذار۔ مُری :۔ جمع مور یعنی مکانات، مورن :۔ ڈُبہ۔ ایوان + پور :۔ طبقہ۔ گرُوڈن :۔ دھنس جانا۔ گرُوڑُس :۔ دھنس گیا ہوں۔ نُزی :۔ کُٹیا۔ چھوٹا مکان۔ غریب خانہ۔

زل :۔ پانی۔ عالم آب۔ زم: عالم نباتات (وہ جو جنم خود بخود پاتے ہیں۔ راسی کھوُن :۔ تابع بنانا؛ استہ :۔ زمین کے ڈھائی فٹ :۔ سنداپہ :۔ اُجڑنا۔

تشریح :۔ اس نظم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ ذہن نشین کریں کہ حضرت شیخ ایک مصلح تھے۔ ایک اخلاقی ریفارمر کی حیثیت میں اُنہیں اُس سوسائیٹی کا اخلاقی نظام پھر سے راہِ اعتدال پر لانا تھا۔ زوُالچو کے حملہ سے زبردست اخلاقی بحران پیدا ہوا تھا۔ اگرچہ تبلیغ اسلام اور اشاعت اسلام سے ایک انقلاب بپا ہوا تھا مگر بے راہ روی، دُنیا پرستی، اغراض مندی، فریب، دھوکہ دیگر بدیاں سماج کو گھُن کی طرح کھائے جا رہے تھے۔ اس پس منظر میں آپ کو ذہنوں میں انقلاب لانا تھا۔ اخلاقی قدروں کا تحس نحس ہر دور میں خودغرضی اور لالچ سے ہوتا ہے۔

Marfat.com

جسکا سدھار یہ یقین پختہ تر کرنے سے ممکن ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال کا
محاسبہ ہوگا۔ ہمیں اس دُنیا میں لالچ اور غرض سے اِنسانیت بدنام کرنے کیلئے نہیں لایا گیا تھا البتہ
اِس میں ایک مقصدیت ہے۔ لالچ اور غرضمندی دُنیا کی محبت سے
اولادوں کی محبت سے جاہ پرستی کی محبت سے پیدا ہوتی ہیں۔ مصلح
اسلئے سمجھاتا کہ دُنیا کے لئے ہم عُقبیٰ کو بھُول چکے ہیں جس کے لئے
ہم ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں وُہی دُنیا کتنی پُر فریب ہے۔
دہی دُنیاوی رشتے کس طرح کچے دھاگے ہیں اور ان کچے دھاگوں
کی گرفت میں رہنا کس طرح ایک حماقت ہے۔ ہم جو اِس عہد
میں خود اخلاقی پستیوں کو تمدّنی عروج سے تعبیر کرتے ہیں ہمیں
حضرت شیخ کی ایسی شاعری اور اسطرح کی شاعری محض وعظ خوانی
نظر آئے گی مگر اب جدّت طرازی کا فریب کھوکھلا ثابت ہو رہا
ہے، انسان پھر اطمینان کی تلاش ہے، جو صالح ضابطۂ حیات
میں مُضمر ہے۔ پیغام جو بھی شاعر کا ہے اُس میں نہ دُنیا
بے زاری ہے اور نہ ہی قنوطیت کا جذبہ ہے۔ ان تمثیلات کا
کا ایک مقصد ہے اور وہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنی اس چند روزہ
زندگی کے عاقبت پر غور کرے اور پھر اِس' آنے جانے' میں ایک
مقصد تلاش کرے اور اُسی مقصد کا بنا رہے۔ وہ مقصد خوفِ خدا
ہو۔ یا کسی کے لئے حُبِ انسانیت ۔ جو بھی ہو اُس مقصد کو پانے

Marfat.com

کے لئے افراط و تفریط کے عمل سے گریز کرے۔ بیوی بچوں سے پیار لابدی ہے لیکن اِس افراط سے نہیں کہ حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالے پڑوسی کا حق تلف کرے۔ دولت بنائے لیکن اِستحصال کرنے سے نہیں۔ کتنی بڑی جاگیریں بھی حاصل کرے مگر اخیر اُس کے پیارے اولاد بھی اُس کو ڈھائی فٹ زمین دینے کے لئے پُورا ناپ تول لگائینگے۔ پورے بخل سے اُس میں بھی کمی کرینگے۔ یہی مثالیں دیتے ہوئے آپ نے اپنے وقت کے کچھ رسومات اِس نظم میں بیان کئے ہیں جو تجہیز و تکفین یا عزاداری کے ساتھ وابستہ تھے انہی رسموں کے حوالہ سے آپ اپنا مقصد ادا کرتے ہیں۔

"شتہ گت اور ونتہ گت" سے مُراد آواگون نہ لیا جائے۔ یہ جسم کی تبدیلیوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ اگر ایسا بھی ہوگا وہ بھی شیخ کے عقیدہ کے بارہ میں ایک حوالہ نہیں بنتا ہے کیونکہ آپ کے قاری، سامع اور مخاطب پوری انسانیت ہے ، آپ کے ماحول میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ مسلمان کو بھی عاقبت اندیشی کا درس دینا تھا اور ہندو کو بھی اخلاقیات کے کم سے کم محدود پروگرام (MINIMUM PROGRAMME) کا پابند کرنا تھا اسلئے آپ نے اِس ترکیب سے مسلمان کو سمجھایا کہ دُنیا میں پیدا ہونا اور پھر مرنا تب تک ایک فضول سفر ہے جب تک اس سفر میں مقصد

Marfat.com

پیدا نہ کیا جائے، اسی طرح ہندو کو سمجھانا تھا کہ آتما کے مختلف پیکروں میں آنا لاسود ہے۔ روح کے لئے اطمینان حاصل کرنا ہی اصل منزل مقصود ہے۔

پہلے بند میں یہ بتایا گیا ہے کہ راستہ دشوار گذار ہے اسکو طے کرتے ہوئے گناہوں کے لذّت کا چسکہ نہ پڑے نہ اچھے کاموں میں کڑواہٹ سے جی کترائے کیونکہ گناہوں میں عذوبت ہے مٹھاس ہے شیرینی ہے جب کہ اچھے کرموں کے لیۓ قربانی کی ضرورت ہے اور قربانی دینے میں ظاہراً تلخیاں ہیں۔ اِس تلخ و شیرین کے تصادم میں مکانات کے تعمیر کا سلسلہ میٹھا لگتا ہے۔ مکانات میں تزئین و آرائش کی دلچسپی بہت میٹھی لگتی ہے۔ دو منزلہ مکان کو سہ منزلہ، چار منزلہ بنانے میں مزہ آتا ہے۔ اِس سے یہ ترقی پسند انسان اپنے بعد اپنے اہل و عیال، اپنے چہیتے بیٹوں اور بیٹیوں کے لئے عظیم تعمیری کارنامے چھوڑنے میں ایک لذّت محسوس کرتا ہے مگر دھیان کرے تو محسوس کر پائے گا کہ یہ سب جوانی کے نخرے تھے جس سے یہ گھاٹے میں پڑ گیا ہے، جاننے لگتا ہے کہ اس کا حال ایسے گھوڑے کا ہے جو پوری تیز گامی کے ساتھ چل رہا تھا تو آگے سبز چراگاہ نظروں میں آگیا تو یہ زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھا مگر یہ سبز چراگاہ نہیں تھا بلکہ دلدل کی اوپری تہہ پر سبزہ جیسا لگا تھا اور اسی فریب میں اب اس کی ٹانگیں

Marfat.com

دلدل میں پھنس گئیں اور طاقت رفتار ختم ہوا، اِس کشمکش میں ہے کہ اِس سے نکل پائے مگر ؟ اسی گھوڑے کی طرح اِس مردِ تیز گام کو جو دولت جمع کرنے میں دوڑتے چلا گیا، اب یہ سوچ آگیا کہ اب اس کی کُٹیا کی دیواریں گر چکی ہیں۔ اب یہ راز اِس پر کُھل گیا کہ اِس عالم آب میں دھنس چُکا ہے۔ جو مجھے نباتات کا ایک وسیع چراگاہ دکھائی دیا۔

ہم نے اِس سے پہلے ایک نظم کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سُراب اور صحرا کا حوالہ ہمارے ادب میں نقل کی چیز یا محض مستعار ترکیب ہے ہمارے لئے اِس کے برعکس فریب کے لیے اپنے ماحول کی تراکیب " زاڈِہ پھٹن " (دلدل میں دھنس جاتا ہے) کیونکہ یہاں کشمیر میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے حتیٰ کہ گندہ پانی اگر کہیں جمع ہوتا ہے اُس کے اوپر بھی ایک سبز تاہ جم جاتی ہے جو سبزہ جیسا لگتا ہے اُس کو " منگول " کہتے ہیں اور جب ٹھہرے ہوئے پانی کے ایک طرف یا دونوں طرف میدان ہو تو یہ پانی کا حصّہ بھی اسی سبز میدان کا حصہ لگتا ہے اور مسافر اِس فریب میں کہ سبزے پر چلتا ہے دلدل میں گر جاتا ہے۔ اِس پُر فریب ماحول میں تزئین بدن بھی ایک مقصد رہتا ہے اور جب یہی ٹکڑ جاتا ہے۔ بے طاقت ہوتا ہے تو اِس میں سجاوٹ کا فریب بھی کُھلتا ہے۔ اِس بے کسی کے عالم میں بے شک یہ گُمان غالب رہے کہ " میں اِسکا ہوں اور

Marfat.com

وہ میرا ہے" تو آدمی کی ہمت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ لگتا ہے کہ لاکھوں لوگ اس کی پشت پناہی پر ہیں۔

اِس عالم فریب — اس دلدل میں اِن معصوم بچوں کی دلکش مسکراہٹیں اُنکا کھیل کود دِل کو موہ لیتا ہے۔ یہ سب تراشی ہوئی پتھر کی مورتیں اپنی طرف اُسی طرح کھینچ لیتی ہیں جیسے کہ مٹھاس لذّت کو کشش کرتا ہے مگر معّمہ حل ہوتا ہے جب ایک اژدھے کی طرح یہی مایا، یہی پیار، یہی لطافت گردن کے گرد ہالہ لگاکر دم بخود کرکے رکھتا ہے۔

پھر جونہی یہ آنا انت پہونچتا ہے اور جانے کا سمے آتا ہے تو یہی اپنے ہی تراشے ہوئے بُت، یہی ناز و نعم سے پالے گئے اولاد، یہی قند و نبات سے زیادہ میٹھے احباب باپ کے دُکھ کے کرتا) جسم کو اُٹھانے کی تعجیل کرتے ہیں اُسی طرح کندھے پر اُٹھاتے جاتے ہیں جس طرح صاف کئے ہوئے بھیڑوں کے پایے ٹوکرے میں بھر کر کندھے پر اُٹھاکر قصائی کی دُکان پر بوٹیاں بنانے کے لئے لیتے ہیں اور پھر گز سے اِس سُکڑے بدن کو ناپ کر دو فٹ چوڑا اور مردہ کے جسم کی لمبائی کے برابر رقبہ پوری احتیاط کے ساتھ قبر کے لئے مشخص کیا جاتا ہے۔

دیکھئے کس طرح ایک جاگیردار اور بہت بڑی جائدادوں کے

Marfat.com

مالک کو بھی وسیع قبر بنانے کے لئے لمبا چوڑا رقبہ طے نہیں کیا جاتا ہے اور اسی دوران اس کے کرتوت کے بارہ میں بلند بانگ تنقید ہوتی رہتی ہے۔ گھر کے سبھی افراد اسکو گھر سے نکالنے پر تلے رہتے ہیں کفن بھی قد سے زیادہ بدن پر ڈالا نہیں جاتا ہے ایک تختہ پر پھر اُٹھا کر لیا جاتا ہے۔ ہاں پیاروں کے نوحہ میں کسک تو رہتی ہے مگر دشمن بھی رسماً اسکو نکال باہر کرینگے۔

پھر مٹی کے ایک ڈھکن میں انگاروں پر جلایا جائے گا عود اور تین خاص پیارے اس جسم کو گھر سے نکالنے میں پہل کرتے ہیں اور یہی پیارے مجھے چھوڑ آئینگے۔ باد و باران اور گھٹاٹوپ اندھیرے ہیں۔ یہی کم عقل جو اس میرے انجام پر عبرت نہیں پاتے ہیں۔ مجھے سپردِ خاک کرینگے، ہاں سرہانے کیا ہوگا، اس دولت پرست جسم کو مٹی کا ایک تودہ سرہانے کے طور رکھا جائے گا۔ اسی طرح گارا لگا کر قبر کو بالکل بند کرینگے، ہاں فاتحہ خوانی بھی ہوگی اور ختم قرآن کی محفل ہوگی۔ تعزیت کے ایام میں رشتہ دار لوگ میرے پسماندگان "کو" پایوں" کا شوربہ کھانے کے ساتھ کھلائیں گے، ساگ کی سبزی بھی کھلائی جائے گی۔

آخر پر شاعر کہتا ہے کہ اس جنگل میں جہاں ہمیں سپردِ خاک

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔ یہاں پر (جنگلی) سیاہ گلاب، چندن کے پیڑ اور ہیزم کی لکڑی، یہ سب اُگ آتے ہیں۔ سیاہ گلاب عنقا بھی ہے اور حسین بھی۔ چندن خوشبو ہی خوشبو ہے۔ چوب چراغ (ہیزم) ایسی لکڑی ہے جس کے جلانے سے ہاتھوں اور چہروں پر تمس لگتا ہے اور اس کے دھوئیں سے بدبو پھیلتی ہے۔ پس یہ خوشبو اور بدبو جو انسانی وجودوں سے اُبھر کر پھر اِس کائنات میں سرگرداں رہتے ہیں انسانی اعمال کا ہی زور ہوتا ہے۔ نیک سیرت گُلِ عنقا کی طرح کھِل اُٹھتا ہے یا چندن کی صورت خوشبو سے ماحول معطر کرتا ہے۔

"سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نُمایاں ہوگئیں"

بدکردار، بدبودار لکڑی بن کر آتے ہیں جو صرف جلانے کے لئے اِستعمال ہوتی ہے۔ روشنی تو دیتی ہے مگر مشعل بردار پر کالک بھی لگتی ہے اور دھوئیں سے ماحول کو بھی مکدّر کرتا ہے۔ اِس لئے متکلم اپنے گنہگار وجود کو اُس کے رحم کی اُمید کے سُپرد کرتا ہے

آخر پر حضرت نورالدین اپنے رُب سے رحم کی درخواست کرتا ہے

اِس نظم کی وساطت سے عہدِ شیخ میں کچھ رسومات جو تجہیز و تکفین اور عزاداری سے متعلق ہم تک پہونچے ہیں،

Marfat.com

ان کا کچھ اجمالی تذکرہ یوں ہے :۔ مرنے کے فوراً بعد نعش کے قدو قامت کے مطابق قبر بنوانے کے انتظامات کے ساتھ ساتھ کفن کی پیمائش اسمیں خاص دھیان رکھا جاتا تھا کہ کپڑا ضرورت سے زیادہ نہ لگے۔ اِس کا بھی احتیاط رکھا جاتا ہے، اس کے بعد اپنے گھر والے نعش کو چھوٹے کمرے (نزی) میں لیتے تھے جو کہ مثلِ کُٹیا ہوتا تھا۔ آج بھی یہ رسم ہے کہ چھوٹے کمرے یا پائین طبقہ کے کمرہ میں نعش کو غسل دیا جاتا ہے۔ یہ رسم برابر جاری ہے۔ ہاں یہ بھی آج کی طرح ایک تہذیبی خامی یا انسانی خامی تھی کہ ابھی مردہ کو قبرستان بھی نہیں لیا جاتا ہے کہ اُس کی بدیاں چُن چُن کر گنی جاتی تھیں، یہ آج بھی تہذیبی ورثہ کی صورت میں ہمارے ساتھ ہے یہ انسان کی فطری خامی ہے اور اسطرح یہ ایک عالمگیر صورت حال ہوگا۔

"اینوٹ" مٹی کی ہانڈی پر چپٹ بیٹھنے کے لئے ایک ڈھکن مٹی کا ہوتا ہے۔ اُن دِنوں مُردے کے بستر کے نزدیک یا جلوسِ جنازہ میں بھی "اینوٹ" میں انگارے رکھے جاتے تھے اور اُن پر عود جلتی رہتی تھی۔ شاید خوشبو کے لئے یہ رسم ہندو تہذیب سے آیا تھا۔ آج متروک ہے۔ تین یاروں کا خاص طور مُردے کو کندھا دینا آج رسم نہیں ہے گو کہ آج بھی

Marfat.com

اقربا ہی تابوت کو کندھا دیتے ہیں مگر دوست احباب اور پڑوسی اس نیک کام میں شمولیت کرتے ہیں۔ مگر یہ خاص تین اقربا کا رسم کیا تھی پورا واضح نہیں ہے۔ چونکہ ہندوؤں میں کریا کرم بڑے بیٹے کا فریضہ ہے شاید اسی اثر کے تحت سب سے لاڈلے تین افراد ہی جنازہ کی سربراہی کرتے تھے۔

قبر میں ڈالتے وقت آج کی طرح تب بھی ایک فرضِ احسن کے طور مٹی ڈالنے کو سعادت سمجھا جاتا تھا۔ اور "لُوکھڑی" سے راقم نے تو مٹی کا تودہ مطلب لیا مگر آجکل لقمۂ چاول کو "بتہ لوکھری" کہتے ہیں۔ اگر پکائے گئے چاول مردے کے سرہانے رکھے جاتے تھے، وہ تو پھر عجیب رسم تھی۔

اس نظم سے یہ بھی واضح ہے کہ "پُنی بھتہ" عزاداروں کو تعزیت کے دنوں کھانا کھلانے کی رسم جو آجکل بھی ہے وہ تب سے چالو ہے۔ ہاں رنگ بدلتے رہے۔ شیخ کے عہد میں جب رشتہ دار ماتم والے گھر میں کھلانے کو کھانا لاتے تھے تو اُسمیں ساگ سبزی اور بھیڑوں اور بکریوں کے پائیوں کا شوربہ بطورِ سلونا چاولوں کے ساتھ دیا جاتا تھا۔ آجکل جس طرح براتیوں کو کھلایا جاتا ہے اسی طرح پورا وازہ وان تعزیت داروں کو تین دن فراہم رہتا ہے۔ میرے بچپن میں دال اور گوشت کے ساتھ چاول

Marfat.com

کھلائے جاتے تھے اور خاص کر گرم پانی۔سے عزاداروں کے پیر دھوئے جاتے تھے۔

اس نظم کا فکری اور فنی جائزہ شاعرانہ عظمت کو نکھارتے وقت لیا جائے گا۔

(ف) دیگر سماجی حالات

صابون کا استعمال:۔

کلامِ شیخ سے صاف واضح ہے کہ آپ کے عہد میں یہاں پر صابون کا استعمال عام تھا:۔

گَنَدہ پانَس مو دِ رندٕ
اَمہِ صابنہِ صاُفی نہٕ رٹے

پوری نظم ترجمہ و شرح کے ساتھ جلد اول کے صفحہ ۳۶۴ پر درج ہے۔اس پہلے شعر سے ہی واضح ہے کہ اولاً تو صابون کا استعمال کسی نہ کسی رنگ کسی نہ کسی سطح پر اُن ایام میں یہاں پر تھا اور ثانیاً بدن صاف رکھنے کا غالب شعور تھا جو بعد میں غلامی کے کرب میں کم ہوتا گیا اور ڈوگرہ عہد میں انگریز سیاحوں نے سرخ وسفید عام کشمیری کو میلا بھی پایا تھا اور گندے کپڑوں میں ملبوس بھی پایا تھا، اسطرح سے اِس فرنگی نے کشمیری تہذیب کے

Marfat.com

بارہ میں غلط تاثر یا وہ خود تجربہ کرتے کہ اُن کے سیمین بدن کس طرح کالے پڑ جاتے ہیں۔ اگر کشمیریوں کی طرح صدیوں غلامی، غربت، افلاس اور مظالم کی چکیوں میں پستے رہے ہوتے!

(ف) فصلِ پیداوار :- شالی (دھان) کشمیر کا ابتدائے سے ہی اہم اناج رہا ہے۔ کیونکہ چاول ہی ہماری خاص غذا ہے۔ اس کے کئی اقسام رہے ہیں۔ "وُوہ لگ"، "شاہ وو لگ" چھوٹ توٗمل" (سفید چاول) زَگ توٗمل (سرخ چاول)۔

ہم نے :- " وولگہ بتہ" کا ذکر کیا ہے۔ "شاہ وو لگ" کا بھی بیان ہوا ہے۔ پھر بھی یہ قطعہ ملاحظہ ہو :-

تندن ستِنبن سنز کران ژسی زے
زن دِ زہ وولگہ کنز
ڈیٹھن ستِنبن سنز کران ژسی زے
اُژِ زِ ہِۂ تمنین باتَ منزِ [1]

فکری طور اس قطعہ کا مُدعا و مفہوم کچھ اور ہے۔ اس کے رو سے شاعر معیار پیدا کرتا ہے کہ صحبت، رفاقت، دوستی، معاونت، ہم سفری، تجارت میں شراکت وغیرہ ایسے روابط کن سے قائم رکھنے چاہیں مگر اس میں اس خاص اعلیٰ قسم کے چاول کا

۱۔ ص۔ن۔ جلد ۱ ص ۵۴۹ - ۵۵۰

Marfat.com

بطورِ مثال تذکرہ آیا ہے جس کو "شاہ دو لگ" کہتے تھے۔ اب نظم کا ترجمہ و تشریح پیش ہے :۔

نیک لوگوں کے ساتھ روابط قائم کرتے ہوئے اُسی طرح تمہاری صلاحیت اور قدریں نکھار حاصل کرینگی جس طرح "شاہ او لگ" چاول کی صفائی اور لذّت دونوں میں موصل سے کوٹنے سے نکھار آتا ہے۔ یعنی اگر یہ صحبت یہ ربط کٹھن بھی ہے، مگر اسی تکلیف میں لذّت افزائی بھی ہے اور سُندرتا بھی۔ ہاں احتیاط کر، خوف کھا، ڈر جا کہ کہیں تیرا واسطہ بدکار، و (ڈینٹھی) کے ساتھ نہ پڑے۔ یہ تو تمس لگے برتنوں میں بیٹھنے کے مترادف ہے۔ احتیاط کے باوجود تیرے دامن پر، کُرتے کے آستین پر، مُنہ پر، چہرے پر، ہاتھ پر کہیں نہ کہیں کالا داغ لگ ہی جائے گا۔

مگر کلام شیخ پورا مطالعہ کرنے کے باوجود گندم (گیہوں، کنک) اور مکّی کا تذکرہ نہیں آیا۔ لگتا ہے یہ دو فصلیں کاشت نہ ہوتی تھیں۔ البتہ جن فصلوں کا اکثر ذکر آتا ہے اُن میں :۔

ترومبہ، ینگہ، وِشکہ (جَو) کا بہت بار تذکرہ آیا ہے۔

ہاں البتہ خاص پیداوار زعفران کی بھی رہی ہے۔ سبزیوں میں :۔ کڈم، ساگ، گوگُل (یا گوگجہ، شلغم) ہند، وو پل ہاکھ کا تذکرہ کلامِ شیخ میں بہتات سے ہے۔ "میتھِ ماز"، کے حوالہ سے پایا جاتا ہے کے

Marfat.com

"میتھی"، کی بھی پیداوار تھی۔ مگر پالک، آلو، پیاز، مُولی کا تذکرہ نہیں ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ ان ترکاریوں کی تب کاشت نہ ہوتی تھی۔ کپاس کی کاشت بھی ہوتی تھی:۔ تَت شایہِ اَز چھی کپُس وُوان ۔(؟)

مشروبات :۔ "کاشرآب" (ایک قسم کا سرکہ (GINGER) کنڈی علاقوں میں عام تھا۔ یہ جنگلی اخروٹوں (ہاپہ ڈُوٗنی) سے بنایا جاتا تھا۔ اِس میں نشہ نہیں تھا البتہ کھٹائی کافی ہوتی تھی۔ دودھ اور لسی کے پینے کے رواج کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ "چھاج" بہتات سے پیا جاتا تھا۔ (گرُس ناره)۔ قہوہ کے بہ مثل بھی کوئی مشروب تھا جس کے پینے کے لئے سماوار کا استعمال ہوا کرتا تھا۔ (شاید قند یا شہد پر بنتا تھا مگر اُس میں چائے ساخت ڈالنے کے بارہ میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے)۔ اس قہوہ کے بارہ میں اسی ذیلی مضمون میں ذکر ہوا ہے۔ مشروب نما یا حلوہ جیسی کوئی نعمت گھی اور قند یا گھی اور نبات پر بھی اُن ایام میں میٹھا (SWEET DISH) ۔۔۔ کشمیری نعمت کدہ کا جُز تھا۔

شرٛاوُن سُور تہٕ کوٗ ستوٗر کلیاوٗ
رَنگہٕ بُلبُلس چھئے گلے زلو
یاوُن سُور تہٕ کُنہٕ ہستی بلیاوٗ
دُیتٕ نہٕ قنٛد نابَد تہٕ گیو جلد ۱ صفحہ ۲۱۸

ترجمہ :۔ بہار کا جوبن ختم ہوا تو چہکتا ہوا حسین پرندہ (کوستور) گونگا ہوگیا۔ افسوس کہ قفسی رنگ بُلبل پر عجز زبانی طاری ہوا اور اسی طرح جسکی جوانی ڈھل چکی کسی آبِ حیات کی شست وشو سے یہ زوال کی علت (بیماری) شفایاب نہ ہوگی۔ اب ہر ایک نعمت اِس ڈھلتے دِن پر بجائے عمل کے ردِعمل ہی کرتی ہے۔ گھی اور شکر پر بنایا ہوا حلوہ ہو یا نبات اور گھی کا مُرکب، مانڈا، مگر ان لذیذ غذاؤں سے اب صحت پر بُرا ہی اثر پڑتا ہے وہ بہار کے ہی دن تھے، جب اِس باغ (دُنیا) کے قفس میں خوش لحن بُلبل اور خوش رنگ پرندہ کستور کو حلوا مانڈا کھلایا جاکر بہلایا جاتا تھا اب وہ بھی الٹا ہی اثر کرتا ہے۔

(ک) تعمیرات

کلامِ شیخ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آپ کے عہد میں عام و خاص کیا، سرمایہ دار بلکہ "خدا دوست اور عالم" بھی محلات کے تعمیرات کی طرف لگے تھے۔ خاص کر چیدہ لکڑی دیودار کے تعمیرات ہوا کرتے تھے اور کئی کئی طبقوں پر مشتمل مکانات تعمیر ہوتے تھے، اس لئے شیخ نے ان بلند عمارات کے مالکوں سے کہا تھا کہ "وہ آسمان پر کیچڑ اُچھالتے ہیں تو واپس اُن کے سروں پر گر جائیگا)۔ ان عمارات میں "ایوان" (ڈبہ ڈالان) بھی ہوا کرتے تھے۔ پنجرہ کاری بھی ہوتی تھی۔ لکڑی کے چھت بھی لگتے تھے اور گھاس "ژُھپے"

Marfat.com

کے چھت بھی ہوتے تھے مگر کہیں پر سقف توز پوش (بُرزہ پَش) کا تذکرہ نہیں ہے۔ بلند عمارات کو (وو گَنہٖ لِرہ) لکھا ہے۔ "ژھیبہٖ پَش" (سقفِ خس پوش۔ گھاس کی چھت) حوالہ سے ایک باریک نقطہ کو اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے :۔

نفسی کرٗ نَم زَدَل ژ ھیٖئے

میرے نفسِ امارہ نے میرے وجود کے مکان کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اُس عمارت کے ساتھ ہوتا ہے جس کے گھاس کی چھت میں سوراخ پیدا ہوتا ہے اور بارشیں ٹپ ٹپ مکان میں گر کر اِس کے در و دیوار کو رفتہ رفتہ خراب کرتی ہیں اور جو بارشوں کا پانی گھاس میں جمع رہتا ہے وہ بھی بارشیں تھمنے کے بعد مکان میں گرتی رہتی ہیں، اسی طرح چھت پر جمی برف دھوپ نکلنے پر جب پگھلنے لگتی ہے تو یہ پانی اِن سوراخوں سے مکان کو تباہ کر کے چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح جب تک اِس چھت کو ٹھیک نہ کیا جاتا ہے مکان ناقابلِ استعمال رہتا ہے اور اگر مرمت کرنے میں ـــ نفس کشی کرنے میں تساہل سے کام لیا تو مکان ہی محض ایک جھٹکے سے گرتا ہے اور مکینوں کو ختم کر دیتا ہے۔

آپ کے عہد میں مکانوں کی دیواروں پر گچھ (سفیدی) بھی کی جاتی تھی۔ اور دیگر سامانِ آرائش سے بھی سجایا جاتا

Marfat.com

تھا۔ اِس قطعہ میں پنجرہ کاری کے فن سے آراستہ ایوانوں کا حوالہ دیا گیا ہے :۔

بیتہِ کیشاہ کرٔی زِ رٔود س تہٕ ربیے
عاصہٕ تہٕ پُلہور لبے مو
تزٔاوان چھِ کھورگژھان ربیے
ژُوسں قرار پھبے مو
ڈکھ ژٔلہِ نیٖر تھٕ یتھٕ زٔالِ ڈبیے
ڈُنی یا ڈُبارٕ سبے لبے مو

اِس نظم سے عیاں ہے (جو ہم نے اپنے بچپن تک دیکھا ہے۔ شاید اندرون شہر اور دور افتادہ گاؤں میں اب یہی حال ہے) کہ مئی مہینہ ختم ہونے تک بھی کوچہ و بازار کیچڑ سے بھرے ہوتے تھے۔ برف و باران کشمیر کا مُقدر ہے۔ اس کے ساتھ زمین نرم و ملائم ہے اُس میں فطری نمی ہے۔

اسلئے کیچڑ ہمارا ماحول ہی رہا ہے جس کے لئے دو دفاعی اسباب اہم تھے "پُلہور" گھاس کے جُوتے اور چھڑی۔[2]

---

[1] ترجمہ و تشریح :۔ ص۔ن جلد ۱ ص ۳۹۳

[2] : جلد ۱ کے صفحہ ۴۲۰ پر "ڈکھ ژٔلہِ نیٖر تھٕ" نظم بھی پڑھئے۔

Marfat.com

کانگڑی ایک ضرورتِ زندگی ہے۔ کلامِ شیخ میں کانگڑی لفظ کا استعمال کئی جہتوں میں ہوا ہے جن سے پوری تصویر اُبھرتی ہے کہ یہ آتشدان اِس خطۂ برف و باران میں تب بھی ہمارے رہن سہن کا ایک اہم جُز بن چکا تھا۔ اسی لئے اکثر اشعار میں کانگڑی کو بطورِ استعارا کے یا علامت کے استعمال میں لایا گیا ہے۔ " طنز و مزاح " کے ذیلی عنوان میں قاری ایک قطعہ کا مطالعہ کرے گا جسمیں شاعر مُلّا کو چوٹ کرتے ہوئے آخر پر کہتا ہے کہ " کانگر پھُٹس رُت گو " ۔ (اس مُلّا کی کانگڑی ٹوٹ چکی بھلا ہی ہوا۔

[اس مرحلہ پر ایک اعتراف غلطی ضروری ہے۔ جج اور محقق کو اپنا ذہن کھُلا رکھنا چاہیئے۔ اگر اپنے کسی سہو کو کسی نفسیاتی امر کی وجہ پر چشم پوشی کرے گا تو وہ بدترین گناہ کا مرتکب ہوگا۔ جلد اوّل فروری ۹۷ء میں پریس کو گیا تو اس کے کئی دن بعد اپنے والدِ مرحوم کے کچھ منتشر اوراق ایک مخطوطہ کی ورق گردانی کرتے ہوئے پائے جنہیں ایک نیم دریدہ ورق پر اُنہوں نے حضرت شیخ کی ایک غزلِ مسلسل کے مطلع کو درست کرکے حاشیہ پر نوٹ لکھا ہے جسکی بنیاد پر یہ اقبال کرتا ہوں کہ جلد ۱ کے ص ۳۹۴ پر درج نظم میں غلطیاں رہی ہیں۔ بدقسمتی سے یہ غلطی مجھ سے نہیں بلکہ میرے دادا محترم سے بھی ہوئی جنہوں نے اِس غزل کو کسی ریشی نامے سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے

Marfat.com

اور اُنھوں نے بھی محمد کمال بابا اور محمد خلیل اللہ کے غلط ترجمہ سے ہی مات کھائی تھی ۔ راقم نے غزل کی تشریح میں شاید اپنے اندر کے مصنف کا اِستحصال کر کے ایک معقول توجیہہ پیدا کی ہے۔ مگر اِس غلطی کا ازالہ ضروری ہے]۔ لیجئے اب ۳۹۴ جلد ۱ پر درج غزل کے مطلع کا اصل شعر یوں ہے:

یُن گرُاہ گتہ ھُن گرُاہ ۔ گرُاہ گتہ ہم تَپن کرِتی

حیات کے دو پل ہیں۔ آنے کا ایک اور جانے کا ایک، ان دو کے بیچ چاہیے ایک اور پل اور وہ بھی مخصوص تپسیا (عبادت) کے لئے۔ "تپ" حضرت شیخ نے تپسیا کا مخفف اکثر اِستعمال کیا ہے۔ "تپن "لفظ پر چونکہ اعراب نہ تھے اس لئے اِسکو ہمارے پیشرو "تَپنی" لکھ گئے جو کانگڑی سینکنے کے لئے لفظ ہے اور اسی طرح مصرعہ دوئم کے "گراہ" لفظ کے آگے "کان" بڑھاکر "کانگراہ" بنایا گیا اور معنی بنایا گیا کہ" ایک کانگڑی سینکنے کے لئے چاہیئے " گو کہ ہم نے اسکو بھی تشریح میں معقول بنایا مگر حق تو یہ ہے کہ ترکیب بھی غلط ہے اور تشریح بھی۔ انشا اللہ اس غزل کے بارہ میں پوری بات حضرت شیخ کی شاعری کے شعری محاسن پر بحث کرتے ہوئے جلد سوئم میں کی جائے گی۔

Marfat.com

سماجی آگہی
(SOCIAL AWARENESS)

جو شیخ العالمؒ کسی جاندار چیز کو ضرر پہونچانے کے خلاف اپنی قوم کو زبردست تنبیہہ کرتے ہیں اور جنگی تحریک کا مقصد ہی عام آدمی — لاچار، بیمار، ناتوان، ضعیف اور کمزور کی مدد کرنا تھا جس نے اِنسان کو عمومی طور فائدہ پہونچانے کے لئے اپنے احباب، کارکن اور کیڈرز CADERS میں یہ عادت پیدا کی کہ وہ راستوں، پگڈنڈیوں اور شاہراہوں پر سایہ دار میوہ دینے والے درخت لگائیں اور اُن کی آبیاری کریں۔ جنہوں نے اپنی تحریک کی یہ شناخت بنائی کہ ہر ایک ریشی مُسافروں کو پینے کا پانی بہم رکھنے کے لئے خود اپنے کندھوں پر پانی مٹکے بھر بھر کر پائین کے چشموں سے کریوہ کی اونچائیوں پر پہونچادیں۔ جس شیخ نے جنگل کو نقصان پہونچانے پر زبردست ردِّ عمل کا اظہار کیا ہے۔ اُس قابد سے یہ لازمی توقع ہے کہ وہ سماجی نابرابری، استحصال اور ظلم کے خلاف اپنی شاعری کو ضرور استعمال کرتے رہے ہونگے ہاں ایسے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اُنہوں نے اپنے مُصلحانہ مزاج اور ناصحانہ انداز کو ہی اِستعمال کیا ہے۔

ہم فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر ایک الگ مضمون اس میں سپردِ قلم

Marfat.com

کر رہے ہیں مگر فی الحال یہ اِشارہ کافی ہے کہ آپ کے سماج کے دو اجزا تھے، آپ کے وقت کی سوسائٹی ایک سے زیادہ مذہبی فرقوں پر قائم تھی۔ اس (PLURAL) سوسائٹی میں مذہبی تبلیغ کی آزادی تھی۔ جہاں مسلمان مشنری اشاعتِ دینِ اسلام میں سرگرم تھے وہاں ہندو مٹھ دار، سنت، آشرموں کے سادھو اپنے دھرم کے پرچار میں منہمک تھے۔ حکومت مسلمانوں کی تھی اور خارجی ممالک سے کچھ ایسے لوگ بھی آئے تھے جنہیں کشمیر میں اقتدار کی عملداری کے ساتھ وابستہ کیا گیا تھا اور جنہیں لازماً یہاں کے مقامی آفیسر (جو اکثر کشمیری پنڈت تھے) کے ساتھ مفادات کا ٹکراو CLASH OF INTREST ہو گیا تھا۔ دونوں طبقوں کو اپنی غرض سے غرض تھی، اس لئے فرقہ دارانہ تصادم کے اسباب موجود تھے بلکہ لگتا ہے فرقہ دارانہ تقسیم کی سازشیں بھی نمایاں تھیں اِس شعلہ کو خطرناک آگ کی صورت اختیار کرنے سے روکنا تھا اور اس کے خلاف جو پیغامات حضرت شیخ نے قوم کو دئے وہ اِس حقیقت کی واضح غمازی کرتے ہیں کہ آپ کو پورا شعور تھا، کہ آپ کا سماج ٹکراؤ کی مہیب صورت اختیار کر رہا تھا۔ دُعائیہ نظم کے اس ایک بند میں آپ نے اِس شعور کا عرفان عام کیا :-

اُکی ہے مالِس تہٕ ماجہِ ہندین

Marfat.com

ڈے تڑآدکھ تۂ ہاے
مُسلمانَن کیو ہندبن
کرَ بنڈن توشہِ خو داے ۱

جب ہم گونگل نامۂ نظم کو بغور پڑھینگے تو یہ کہنے میں ہمیں کوئی جھجک نہیں ہوگی کہ اگرچہ آپ نے زرعی نظام کی ترکیبات کے حوالہ سے اپنے مخصوص فکری آہنگ کو پیش کیا مگر اُن ترکیبات کو اس طرح اِستعمال میں لایا کہ ہر ایک ترکیب میں سے آپ کی سماجی آگہی کے تجربات مُنعکس (TRANSPARANT) ہیں۔

اسی طرح ذات پات کی بدعت کے خلاف جو رَدِ عمل آپ نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے وہ بھی آپ کی سماجی آگہی کا آئینہ دار ہے۔ اس اشلوک کو بھی اُن نظم پاروں کے ساتھ پڑھا جائے تو ہمارا نقطۂ نظر اور واضح ہوگا:۔

ذاتِس گون ذات نۂ مشّیے
او ذاتس مشّے ژھلے بآژی
سونَس زلُن گلنۂ نۂ نشّیے
ژَ مُرسے نشّے اکی راآژی

---

۱ ترجمہ اور شرح کے لئے جلد ۱ ص ۲۹۰ (۲) ص ۳۲۰ جلد ۱

Marfat.com

حلِ مطالب :۔ ذاتِس :۔ اعلیٰ ذات کے آدمی، زلن :۔ آب وتاب ۔ چمک ۔ ثرمر :۔ چمیار

ترجمہ :۔ ایک صاحبِ کردار باروایت شخص اپنی روایات کو کسی بھی حال میں بھول نہیں جاتا ہے ۔ اگر اُس میں سخاوت کی روایت ہے تو عالمِ تنگدستی میں بھی وہ اپنی روایت کا پابند رہتا ہے خواہ خود بھوکا ہی رہے مگر دوسرے بھوکے کو کھلائے گا اور اسکے برعکس جو بنا روایت کے کچھ حاصل کرسکا تو یہ اس طرح بدل جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بھی بھول جاتا ہے اُسکو بھی پہچاننے سے اِنکار کرتا ہے جس طرح سونا آگ میں پگھلانے کے باوصف بھی اپنی چمک اور آب وتاب قائم رکھتا ہے اس طرح خصلتاً ایک شریف آدمی اپنی شرافت نامساعد حالات میں بھی قائم رکھتا ہے ۔ اس کے برعکس ایک چمیار کو اگر ایک ہی رات کے لئے کسی قسم کی دولت ملتی ہے وہ اُسی قلیل عرصہ میں ہی بگڑ جاتا ہے ۔ اس مُشکل پسند رباعی میں حضرت شیخ نے اپنے عہد کے روزمرہ انقلابات کے نتائج کی آگہی کا عرفان ہمارے عہد تک تقسیم کیا ہے ۔ اس لئے ایک طرف تو اندازہ کیا جاتا ہے کہ بہت سے شریف خانوادے اُس وقت انقلابات روزگار کے مارے ہوئے تھے اور دوسری طرف سے بدعہد اور بدذات لوگ وقت کا فائدہ

۱؎ ص ۵۶۳ تا ۵۶۴ جلد ۱

Marfat.com

اُٹھاتے تھے مگر تفاوت واضح تھی وہ طبقہ گرنے کے باوجود اپنی روایات کے معیار سے نہیں گرتے تھے اور بدذات معمولی خوش حالی سے اپنے ماضیٔ قریب کے اپنے اقربا کو اور اپنی شناخت کو بھول دیتے تھے۔ آج کل بھی ہمارے عہد میں کہا جاتا ہے کہ بڑا آدمی بن کر ایک شخص تین صحبتیں یکدم نظر انداز کرتا ہے۔ اپنی پہلی بیوی کو کہ جس سے اس کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ بچپن یا جوانی کے دوست کو جو اِس شخص کے ماضی سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور یہ شخص اپنا پرانا مکان اور اس کا ماحول بھول جاتا ہے کہ کہیں اُسکی حقیقت کے مُنہ بولتے ہوئے گواہ نہ بن پائیں، اسکے برعکس عزِ نفس رکھنے والے شخص "عظیم" بننے کے بعد اپنے ماضی کے ساتھ ہر دم ملاقات کرتے ہیں اور محوِ کلام رہتے ہیں۔ ایاز سلطان محمود غزنوی کا خاص درباری بن کر بھی ہر روز ایک خلوت خانہ میں چیتھڑے کے ساتھ ہمکلام رہتا تھا جو محمود کی نظروں کا محور بننے سے پہلے غلام ایاز کا پہناوا تھا۔

کلامِ شیخ پڑھ کر ہمیں پوری علمیت ہوتی ہے کہ کشمیر کے اُس قرونِ اولیٰ میں آج ہی کی طرح دولت سمیٹنے کے تگ و دو میں لوگ منہمک تھے۔ دولت کا جائز ذرائع سے بہت جلد جمع ہونا ناممکن ہے، اِس لئے اِس تگ و دَو میں لوٹ کھسوٹ اِستحصال اور خود غرضی کے عناصر موجود رہتے ہیں جو لامحال سماج کے خلاف

Marfat.com

مُسلسل ظُلم ہے لہذا تقریباً ہر نظم، ہر قطعہ اور ہر رُباعی میں اس جاہ پرستی کے خلاف شیخ برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ اس تکراری کیفیت سے گمُان پیدا ہوتا ہے کہ آپ دُنیا داری کے سرے سے خلاف تھے۔ حق تو یہ ہے کہ آپ زر پرستی کے خلاف تھے کیونکہ زر پرستی ہی سماج کے ساتھ ظلم کا باعث بنتی ہے:۔

یمَن کیشاہ کرَکھ دیارَن
یم ہو روزَن بیٹھی
نمازِہ بُڑھی ہو مارَن
زَ بہَ ہو پاپ گٹھی
نظراہ کرہ اند مزارَن
آسی نیے زمو تھٹی

ترجمہ:۔ ارے (اسقدر استحصال) سے یہ دولت کس لئے کمائی
یہ سب کچھ یہیں رہے گا
(ہاں ان غلط کاریوں سے جدا رکھتی ہے نماز)
وہ نماز ہی ادا نہ کی سزا واجب ہے
تمہاری کمائی کے ڈھنگ نے بہت پاپ کاٹ لئے ہیں
(اب ذرا بس کر)
دیکھ رے اِن قبرستانوں کی طرف

Marfat.com

ہمیں بھی وہیں پر سڑ کر خاک ہونا ہے

آپ کے سماج میں غریب نادار کے ساتھ جو ہو رہا تھا اُس سے بے خبر حضرت شیخ نہیں ہیں بلکہ اُسی ظلم کے حوالہ سے آپ نے اپنے پیغام اور تجربات کی ترسیل کی۔ اُسی ترسیل میں اُنکی سماجی آگہی احتجاج کر رہی ہے:۔

پَرُس کَرِی زِنہٕ وانٛس واشے
نَنہٕ کڈٕ نے پاشیے ناوٕ
غریبَس گژھ صان دوہ ناشے
پُیہ ہنتھوان چھس ہاشے ناوٕ
زاگنس، لاگنس والہٕ واشے
زِگتس اُہند ستٕہ گاشے آوٕ
چُھ کُلمُک گون عِلمُک آنٛشے
سوہ چھُس لاگِتھ آشے ناوٕ
یُم کوُرِ تَس بہتہ دوہ دِین ناشے
نُمی لوگ تَس ستٕہ آشیے ناوٕ

ترجمہ:۔ اپنے راز کو افشا نہ کریں، ذلیل ہو جاؤ گے (اے مزارعہ) تم غریب کے دن (یہ استحصالی عناصر) ضائع کر کے تمہاری پکی فصل کے پورے کھیت پر خام فصل کاٹنے

کی مُہر ثبت کر کے تیری سب محنت اکارت کرتے ہیں۔ اور پھر وہ تمہاری تاک میں رہتے ہیں کہ کسی طرح بھی کسی چال میں پھنسایا جائے۔ اُنہیں کیا معلوم کہ تُو دُنیا کے اندھیرے کو روشن کرتی ہے۔ بس تیری محنت۔ انہیں کیا معلوم کہ تمہاری محنت میں کلمۂ توحید کا دھیان موجود ہے اور اسی میں عرفان اور حقائق کا علم سراسر موجود ہے۔ اور انہیں اِس بات کیا عرفان کہ تیری سیوا (محنت) کے ساتھ خدائے برتر کا قرب شامل ہے۔ جس نے بے شک خدائے عزّوجل کے لئے یعنی برائے رضائے حضرت اللہ اِس کارگاہ حیات میں دُنیاوی مشاغل میں بھی خلوص سے محنت کی (یعنی دنیاوی مشاغل) بھی 'سیوا' عبادت جانتے ہوئے انجام دئے اس کو باری تعالیٰ اپنے قرب سے نوازتا ہے۔

"پائشِ وَوَل" اُس مزدور کو ہمارے زمانہ تک کہتے آرہے ہیں جو صبح خصوصاً شہر سرینگر میں ٹٹیاں صاف کرتا تھا اور یہ گند کندھوں پر اُٹھا کر ملباروں کو، کھیتوں میں ڈالنے کے لئے فراہم کرتا تھا۔ اب کئی دس بیس سال سے یہ طبقہ نہ رہا اور شاید لفظ بھی نئی پود تک نہ پہونچا۔ ہم نے یہاں پر اس لفظ کا "ذلیل" لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ آخری شعر کے دو مصرعوں میں لفظ "تس" (اُسکو) آیا ہے۔ نویں مصرعہ میں "تس" (اُس سے مراد)

Marfat.com

خدائے عزّوجل ہے اور آخری مصرعہ میں یہ لفظ اشارہ کرتا ہے محنتی مزارعہ کی طرف۔

اس نظم میں حضرت شیخ نے کسان کو بہت اعلیٰ رتبہ دیا ہے۔ چونکہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ الدُنیاءمزرعۃ الآخرۃ۔ دُنیا آخرت کے لئے ایک کھیتی ہے اس طرح یہ ایک عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، خدا دوست ہو، پیغمبر ہو، ہادی ہو، سبھی کھیتی باڑی کرنے والے ہی ہیں، کسان ہی ہیں، اس واسطہ سے عام کسان کا درجہ بھی بلند ہے اور اسی ارفع مقام کا عرفان حضرت شیخؒ اُس اپنے سماج کے اکثریتی طبقہ کو دیتے ہیں جس کو استحصالی عناصر ظلم اور استحصال کا ہدف بناتے آئے ہیں۔ اُس کی محنت اکارت کی جاتی تھی۔ اُس کی محنت کو مُسترد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ پکے فصل کے کھیت کچے قرار دئے جاتے تھے۔ (ہاشہ: جب شالی کا خوشہ کچّا رہنے کی وجہ سے بالکل بھوسا رہتا ہے اُس کو ہاشہ کہتے ہیں) اتنا ہی نہیں یہ بھی شاعر کو معلوم ہے کہ یہ استحصال کرنے والے لوگ محنت کے اس پُتلے کو کسی نہ کسی حیلہ وبحث سے مصیبت میں پھنساتے ہیں۔ یہ لوگ اِس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ اِس مزارعہ کی محنت ہی روشنی کا شعلہ ہے ورنہ بھوک کی ظلمت سے یہ دُنیا اندھیر نگری ہی بنی رہتی، اسی محنت میں

Marfat.com

کلمۂ توحید کی جہتیں نمایاں ہیں اور علم بھی اسی محنت سے پھیلتا ہے بلکہ یہی محنت صاحب نظر کے لئے " مالم یعلم" کا عرفان ہے کیونکہ یہ اپنی محنت۔ ریاضت (عبادت) سے خالق مطلق کا قرب حاصل کرنا ہے اور جو شخص جو ادارہ، جو تحریک اس محنتی مزارعہ کے جائز مفادات کے لئے قربانی دیتا ہے وہ بھی باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

اگر ہم ذرا غور کریںگے تو اس نظم سے وہ حقیقت جان لینگے جو اُنیسویں صدی میں دنیا نے تلاش کی۔ جو تحریکیں سوشل ازم، یا کمیونزم کے نام پر مزدور اور کسان کے معاوضے کے لئے قائم ہوئیں، اُن پروگراموں کی بُنیاد (مگر اخلاقی بندھنوں کی پابند) حضرت شیخ نے چودھویں ـــ پندرھویں صدی میں ہی قائم کی تھی بلکہ آپ نے ایک ایسے انقلاب کا لائحہ عمل قائم کیا تھا جس سے مذہبی اور اخلاقی تحریکیں اگر اثر پذیر ہوتیں تو ہمیں بیسویں صدی کے وسط میں زرعی اصلاحات قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی بلکہ ہمارے اخلاقی نظام سے ہی ایک منصفانہ صالح زرعی انقلاب بپا ہوا ہوتا اگر قوم نے یہ رمز سمجھا ہوتا کہ محنت کرنے والے کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے، اگر یہ رمز ذہنوں میں سرایت ہوا ہوتا

Marfat.com

کہ کسان کی سیوا، بنی نوع اِنسان کی خدمت ہونے کے ناطہ سے قرب الٰہی کی حقدار ہے تو نہ جاگیرداری ہوتی نہ ہی کسان کی پامالی۔ یہ انقلابی نظم حضرت شیخ کی سماجی وابستگی SOCIAL (COMMITMENT) اور سماجی شعور SOCIAL AWARENESS کی ایک سند ہے۔

اس قطعہ کا بھی مطالعہ ہو:۔

بھُوکھے پان سارہ لاگان پچھے
بھُوکھے بوان اُپچھے کان
بھُو کھے بھی باٗ نی پانے پانس منہ چھے
بھُوکھے کراوان پشیمان

ترجمہ:۔ بھوک نے دیو (یچھ ایک بد روح کو کہتے ہیں) کو بھی پانی لانے کی بیگار پر لگا دیا ہے آہ یہ بھوک آنکھوں میں تیر لگنے کے مُترادف ہے۔ بھوکا اپنی ذات سے بھی شرمندہ رہتا ہے اور بھوک ہی آدمی کے لئے باعثِ پشیمانی ہے۔

بھوک کی تعریف اِس قطعہ میں محض برائے تعریف (DEFINITION) کے بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ اِس تعریف کے اسلوب میں بدمست فاقہ کش کا احتجاج چلا رہا ہے۔ ایسا تاثر الفاظ کے آہنگ میں ہی شامل ہے۔

Marfat.com

بیچھس لاگان پان سارہ ـــــ بد روح کو پانی لانے کی بیگار پر لگا کر اُس کا بھی چالاک لوگ استحصال کرتے ہیں۔ یہ اب ضرب المثل بن گیا ہے۔ جو شاید کلامِ شیخ میں چُست ہونے کے بعد ہی اُس کا مُقدر بنا تھا۔ لوک ادب کی کہانیوں میں ایک بد روح کی کہانی بہت مشہور ہے جس کی ٹوپی میں یہ راز تھا کر اُسے پہن کر وہ نظروں سے غائب رہتا تھا اور کوئی اُسے دیکھ نہ پاتا تھا۔ بھوک کا مارا یہ بد روح کسی گھر میں کھانا چوری کرنے کی غرض سے آتا تھا مگر اُس گھر کا کرتا بہت چالاک تھا، اُس نے بھانپ لیا تھا کہ نظروں سے اوجھل کوئی آتما، آسیب یا جن اُن کی ہانڈی صاف کر کے چلا جاتا ہے۔ تو وہ ایک رات اس آسیب (بیچھ) کے ساتھ آنکھ مچولی جیسا کھیل کھیلتا رہا اور اس کشمکش میں "بیچھ" کی ٹوپی گری وہ نمودار ہوا چالاک آدمی نے ٹوپی لے لی اور ایک بڑے مٹکے میں ڈال دی۔ بیچھ بیچارا اب منّت سماجت کرتا ہے۔ چالاک آدمی نے کہا "تم مٹکے میں پانی بھرتے جاؤ ٹوپی اوپر آئیگی اور ہم نکال سکتے ہیں۔" چالاک آدمی نے مٹکے کے نچلے حصے میں سوراخ کر رکھا جس سے پانی باہر بہہ نکلتا رہا ـ بیچھ پانی لاتا رہا۔ رات دن مگر ؟ اور آخر دریا کے کنارے تھک بیٹھ گیا اور مارا گیا۔

بھوک اور افلاس بھوکے آدمی کو، اگر وہ صاحب فن بھی ہو)

Marfat.com

استحصال کا شکار بناتے ہیں۔ بھوک کا آنکھ میں تیر کی طرح چُبھ کر اندھا بنانا، بھوکے آدمی کا خود اپنے سے شرمندہ ہونا۔ بھوک سے پشیمان ہونا یہ سب بھوک کی جہتیں ہیں جو قدرت کی پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ انسانی سماج کی نابرابری سے واقع ہوتی ہیں اس قطعہ کا اسلوب بھی سماجی آگہی کا آئینہ دار ہے۔

سماجی نابرابری کی وبا نے ایک طبقہ کو راہ نشین بنادیا تو دوسرے کو محل نشین۔ ایک بھوکا دم توڑتا رہا تو کسی کے ہاں نعمتوں کا اصراف ہوتا ہے۔ اس مضمون سے حضرت شیخ کے کئی نظم پارے مختلف جہتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مگر اس نابرابری سے ماضی قریب میں دُنیا بھر میں: روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ گونج اٹھا اور پروگرام کے اس تکون کو حاصل کرنے کے لئے تحریکیں منظم ہوتی گئیں۔ کلامِ شیخ میں اس تکونی نعرہ کا خشتِ اول پایا جاتا ہے اور وہ بھی ایک منظم تحریک کے لئے پروگرام کا ایک خاکہ لگتا ہے:

زُٹ، پُٹ تہٕ بتہٕ ڈُجی [1]
میلی تہٕ یُتر مو لرجی [2] بچھے

---

[1]: ملاحظہ ہو جلد ۱ ص ۴۸۱ [2]: بھتہ ڈُجی کا جلد اول میں جو مفہوم دیا گیا ہے اُس کی تصحیح مطلوب ہے۔ ایک پُرانے نسخے کے حاشیہ سے پایا گیا

Marfat.com

اس چھوٹی نظم کے آہنگ سے بھی سماجی آگہی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں جن سے شاعر کی وابستگی (COMMITMENT) بھی اخذ ہوتی ہے۔ اگرچہ ساری نظم میں یہ اصرار کیا گیا ہے کہ ایک بلند کیریکٹر کے دو اہم خصائل و خصائص ہونی چاہئیں، اولاً کہ وہ سیوا کرے (ریاضت کرے، عبادت کرے) کارگاہِ حیات میں جدوجہد کرے۔ سیوا کرے خدا کی اور اُس کی مخلوقات کی، ثانیاً اپنے دل کی ڈور کو محکم طور باندھے رکھنے کا اُس میں فن ہو۔ یعنی صاحبِ ارادہ مستحکم ہونا چاہیے، لیکن یہ دو خصائل پیدا ہونے کے لئے، نکھار آنے کے لئے، کامیاب ہونے کے لئے شاعر کے نقطۂ نظر میں تین چیزوں کی اہم ضرورت ہے روٹی، کپڑا اور مکان ؎

" بستہ" اور "ڈجی" دو لفظ ہیں۔ بستہ بھیڑ کی کھال سے بنایا گیا تھیلا جس میں غلہ رکھا جاتا ہے۔ "ڈجی" کپڑے کا ٹکڑا جس میں چاول رکھے جاتے ہیں۔ دونوں سے مُراد ضروری غذا کا فقیرانہ ذخیرہ۔ "ڈجی" کا معنی کاشت کرنے کے لئے زمین کا ٹکڑا بھی لیا گیا ہے۔ کیونکہ کھیت کو کشمیری محاورہ میں " ڈج " بھی کہا جاتا ہے۔ اور "بتہ ڈج " شالی اُگانے کا کھیت — (گوہر)

Marfat.com

کلامِ شیخ العالمؒ میں احتجاج

ڈیٹھس دھن تہٕ داتس چھوہ نہٕ
کزس کیاہ چھلہ امرتھ ٹانٹھی
سُور روزِہ وارہ ہرنس ووہ نہٕ
پاز آسہِ بند تہٕ آزاد گاں نٹھی

حلِ مطالب :- ڈیوٹھ :- بدکار ۔ داتہٕ :- سخی
کزس :- تمس لگے ہوئے چہرے کو (سیاہ چہرے کو)
امرت :- آبِ حیات ؛ ٹانٹھی :- پانی کا فوارہ ؛
ووہ نہٕ :- اندھاپن ۔

ترجمہ :- بدکار کو دولت ملے مگر سخی افلاس زدہ
دولت سے آبِ حیات بھی خرید پاکر اُس میں نہائیں
پھر بھی اُن کے بدن کی سیاہی نہیں جائیگی
کیا ہی انقلاب کا زمانہ ہے کہ سُور محفوظ ہوگا
اور ہرنوں کو اندھا کیا جائے گا
شاہین پابندِ قفس اور چیل آزاد ہوگی

عام طور پر ایسے قطعات کو اللہ عزّوجل کی بے نیازی کے حوالے کے طور پر پڑھا جاتا ہے اور ایسے ہی تکرار کی وجہ سے

Marfat.com

کلامِ شیخ کو سطحی طور پڑھنے والوں نے ایک ڈبہ بند معجون بنا دیا ہے جس پر بلا سوچے سمجھے "پند و نصائح" کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔ ذرا غور سے پڑھا جائے تو اِس بات پر اتفاق کیا جائے گا کہ ایسے کلام میں ایک احتجاجی شاعر گرجتا اور برستا ہے ایک ایسے نظام کے خلاف جس نظامِ سیاست اور معاشی نظام نے اقتدار و حشمت کی چابیاں بدکاروں، کینہ پروروں، راشیوں، کنجوسوں اور خائنوں کے ہاتھوں میں دی تھیں۔ اس کے برعکس دانا اور باظرف لوگوں پر مناصب کے دروازے بند کئے گئے تھے اور اُن پر افلاس ٹھونسا گیا تھا۔ اُسی نظامِ خباثت کو پالا جاتا ہے اور نفاست کی بیخ کنی کی جاتی ہے۔ جہاں شاہین صفت بے باک اور بے نیاز لوگوں کے لئے قید و بند مُقدر ہے تو مردار خور کوے چیل اور گِدھ فضا کی وسعتوں میں آزاد ہیں!!

آخری مصرعہ کے مضمون کا حسین تکرار علامہ اقبال کے اِس شعر میں ہے:۔

شہپرِ زاغ و زغن دربندِ قید و صید نیست
این سعادت قسمتِ شہباز کردہ اند

یہاں پر شاعر نے اپنے ذاتی تجربہ سے قاری کو نوازا ہے۔ بروایت مؤرخ "جون راج" آپ کو گرفتار کر کے قید بھی کیا گیا

Marfat.com

تھا کہ آپ میں شاہین صفت بے نیازی بھی تھی اور بے باکی بھی۔ جب آپکے خلاف سازش کرنے والے گِدوں کی طرح درباری فضاؤں میں آزاد طور محو پرواز تھے مگر مُردار خوری کی وجہ سے اُن میں بے نیازی تھی اور نہ بے باکی۔

شاہین کو آزادی اور عزّتِ نفس اور چیل کو غلامی اور حرام خوری کی علامات کے طور پر استعمال کرنے والے شیخ نے آزادی اور عزّتِ نفس حاصل کرنے کے لئے یہ معیار قائم کیا:

زالُن چھے دوزلہ نہ ترٹھ (جلد ۱ ص ۱۹۱ سے نقل کریں ۱)

اس نظم کی تشریح "جدوجہد" کے ذیلی عنوان کے تحت ہونا چاہیئے تھی۔ مگر وہاں ایسا کرنا دانستہ طور ملتوی کیا گیا ہے۔ یہاں پر بھی التوا میں معاملہ رکھا جاتا ہے البتہ جلد تین میں فنکار شیخ العالم کے فنی امتیاز پر بحث کرتے ہوئے وہ مرحلہ پورا ہوگا۔

"پانہ آتش کس کیاہ دنو" ایک مناجات ہے جس میں شاعر نے اللہ جلّ و شانہٗ کی بے نیازی کی مختلف اور نمایاں جہتیں عاجزی کے ساتھ بیان کی ہیں مگر اُس میں خاصکر اُن ہی جہتوں کو نمایان طور پیش کیا ہے جن سے عدم مساوات، استحصال اور مواقعات کے تصادم کے اشارات واضح ہیں۔ الٰہی

---

۱ منظوم ترجمہ کے لئے پڑھئے: جلد ۱ ص ۷۵ ۲ جلد ۱ ص ۵۴۳

Marfat.com

اشارات کی ترسیل کا آہنگ احتجاج کا پس منظر پیدا کرتا ہے بشرطیکہ اگر اس دھاگے کو آگے لے گیا ہوتا۔ دیکھئے :-

کینژن تہنز بُد دانِک کو چھین
ان پچھن زَرگ کیٔو چھُتو
کینژن وَے نہٕ معصوم ہنٛچھن
یا نہٕ آشن کس کیٛاہ دُنو [۱، ۲]

یہاں ذخیرہ اندوز غلہ دار کو "پچھ" بد رُوح کہا گیا۔ جو سماج کی دولت اسطرح سے لوٹتا ہے کہ نظر نہیں آتا ہے کہ کون لوٹ چلا۔ دوسری صورت میں اس کو اندھا کہا گیا ہے۔

غالب نے دلّی چھوڑنے کی مجبوری اِس مصرعہ میں بیان کی ہے :- ؎ مانا کہ دِلّی میں رہیں، کھائیں گے کیا؛

کھائینگے کیا، کی اِستفہامیہ ترکیب نے انقلابی احتجاج کے بیج بو دئے تو اُس پیداوار کو علامہ اقبالؔ نے اس خرمن میں جمع کیا ؎

جس کھیت سے دہقان کو مُیسّر نہ ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو

۱۔ ملاحظہ ہو اسی جلد میں زیرِ عنوان "کلامِ شیخ ـــ عہدِ شیخ کا شہر آشوب ص

۲۔ ترجمہ جلد ۲ ص ۰: [اس قطعہ کے دوسرے مصرعہ کو یوں بھی پڑھا جائے "آنی دُچھن" یعنی اندھے دولت کے سہارے سے چاول کو رنگوں میں حِس لطافت کی بنا پر امتیاز کرتا ہے جبکہ غربت نے اصحابِ بصارت کو بھی اس حِس سے محروم کیا وہ سرخ اور سفید موٹے اور نرم چاولوں میں بھوک کی شدت میں امتیاز نہیں کر پاتے ـــ گوہر

مگر حضرتِ شیخ کے شہر چھوڑ کر جنگل کی جانب راہ فرار اختیار کرنے کے ببانگِ دُہل نعرۂ احتجاج کو حالی اور اقبال جیسے جانشین نہ ملے تو پندرھویں صدی کا وہ نعرۂ انقلاب اعجاز مسیحی کے سمیت صدا بہ صحرا ثابت ہوا پڑھیے :۔

سونَس تہٕ سَرتلِہ ایکُے زلُن ۱؎
زِلوِ میانہٕ توٗرے کلُن ہیوٚت
نُندُن لیوتھ ڈینجھٕن ہیوٗلُن
توٗرے سےٚ اندوَن ژلُن ہیوٚت

ترجمہ :۔ سونے اور پیتل میں ایک جیسی چمک ہے۔ اسی تجربہ نے میری طاقتِ گویائی سلب کی اور اس تجربہ کو بیان کرنے سے عجز زبان طاری ہوا کہ اِس ظاہری چمک سے خیرہ آنکھیں سونے کو نظر انداز کر کے پیتل پر مٹنے لگ گئے۔ جو لوگ کانِ زر تھے انہیں نظر انداز کیا گیا اور جو صرف پیتل فروش۔ فریب فروش ہیں ا نہیں سر آنکھوں پر چڑھایا گیا۔ اِس کیفیت نے نیک لوگوں کو، وجیہہ آدمیوں کو، ہزارہا صفتوں سے متصف لوگوں کو ذلیل کیا اور بدکار، اور بدصورت،

۱؎ کلیات میں "توٗرے زُون میانٕ کلن ہیوٚت" درج ہے جو خود غلط ہے۔ رُوح گونگا نہیں ہوجاتا ہے بلکہ زبان گنگی ہو جاتی ہے۔ مصرعہ سوئم میں "وُجھم" غیر ضروری لفظ ہے

Marfat.com

اور بے صفت لوگوں پر باغ و بہار کی کیفیت ہے۔ بے قدروں کا تحس نحس دیکھ کر میں اس سماجی اور معاشرتی زندگی سے ہی بھاگ چلا ہوں۔

دیکھئے اگر اس بلیغ اندازِ احتجاج کو تسلسل نے آگے لیا ہوتا تو کشمیر کا خمیر اور ضمیر کب کا انقلاب آشنا ہوا ہوتا۔ اس قطعہ میں نہ صرف اصحابِ اقتدار کی کینہ پرورانہ عمل کے خلاف احتجاج ہے بلکہ اربابِ ذوق کی کج نظری کے خلاف بھی احتجاج ہے۔ ناقدر شناس قوم کے خلاف ایک عظیم ہونہار قائد، مُصلح، مبلّغ اور انقلاب آفرین شخصیت کا اعلان جنگ ہے۔

آزہ بَلِن ناگہ راداہ روُدُکھ
ساداہ رُدِ وکھ ژٔورن مَنز
نُہٕ کَرِن تُرٕ وک گوراہ رُدِ وکھ
رازہ ہو نزاہ رُدِ وکھ کاون مَنز

ترجمہ:۔ تم ایک شیریں اور شفاف چشمہ
ضائع ہو گئے سوئے سوکھے دریا کے پتھروں کے بیچ
سنت سادھو کی شخصیت گم ہو چکی ہے چوروں کے بیچ
افسوس ہمائے دولت بخش
کوؤں کے جھنڈ میں اپنی عنقا خصلت ہی کھو بیٹھا

Marfat.com

صلاحیتوں کی ہمت افزائی اور اعتراف ایک صالح سیاسی نظام اور فلاحی ریاست کا اہم ترین فریضہ ہے۔ جس نظام میں ایک طرف صلاحیتوں کو، قابلیت کو، علم و فضل کو اور تدبر کو مجبور رکھا جائے اور دوسری طرف نا اہلیت، جہالت اور ظلم کو اختیار دیا جائے ایسے نظام کے خلاف بلواسطہ DIRECTLY نہ۔ تقدیر کو مخاطب بناتے ہوئے اسطرح حضرت شیخ نے احتجاج کیا ہے:۔

اؤناہ پائے لکیہ اؤر دِتھ نکھ تَس
اکھ ہَۓ تَس تہ ہِتَس تختہٕ سپار
نُرْدکاہ تاہ کران تُہندس رَختَس
بختَس بوُد سِچھے خدمت گار
روَ ناہ ڈیوٗ ٹھُم بہِتھ بیٹھ تختَس
نہَ تَس بوُد نہَ تَس سار
اؤرُزمان عاٗلم ہاکَس تہ بتَس
بختَس بوُد سِچھے خدمت گار

ترجمہ:۔ ایک اندھا (جاہل) پالکی سوار ہے اور صاحب نظر (عالم و عامل) پالکی بردار ہے اور اُس پالکی نشین کا حال کیا ہے کہ اُس نے قرآن مجید کا ایک پارہ، ایک سورہ، بلکہ ایک آیت بھی نہ پڑھی ہے۔ اور اُسی پالکی نشین جاہل کے پوشاک کے

Marfat.com

مختلف جوڑوں کو سجانے کے لئے ایک دانائے راز کا تعین کیا گیا ہے۔ کیا ہی مواقعات کا المیہ ہے کہ دانائی، حکمت کو قسمت کا تابع بنایا گیا ہے۔ ایک مفلوج، ناتوان ضعیف بدن اور نحیف کردار تخت نشین ہے نہ اُس میں حکمت ہے اور نہ ہی سوجھ بوجھ مگر علماء اور فضلا محض دال روٹی کے لئے تڑپتے ہیں، واہ کیا ہی المیہ ہے کہ فضل و علم کو مواقعات کے تابع بنایا گیا ہے جسکو قسمت نام رکھا گیا ہے۔

اوپر ہم نے اشارہ دیا کہ غالب کے بلواسطہ لفظِ احتجاج کو تسلسل تو ملا اُردو ادب اِنقلاب آفرین بن پایا مگر چار سو سال پہلے جو صدائے احتجاج شیخ نے بُلند کیا تھا وہ صحیفۂ اِنقلاب ناہنجار تذکرہ نویس اور نقال شاعر نے محض ایک پند نامہ کی لیبل لگا کر طاق نسیان پر چھوڑ دیا۔ اِس احتجاج کو کشمیری تاریخ کے تناظر میں پڑھکر سوچ لیں کہ بے باکی، جرأت مندی اور انقلاب آفرینی کے یہ جوہر اُس زمانے میں کشمیر کے بغیر کہاں نمایاں تھے۔

سِہہ تزاے گوبھن شال چھی گژن
رگیہ مندورہ ییہو ترزن گش [1]
گدا گئے غنی مُہم ییوٚ ن [2]
ہُنڈی بیٹھ نبن وازن خش

کیا ہی المیہ ہے واقعات کا؟

[1]: گش لفظ گاش کا مخفف (گاش معنی = رُوشنی)
[2]: رزن: رازن کا مخفف (راژہ معنی = راجہ)

Marfat.com

شیر ڈر کے مارے چھپے رہیں اور گیدڑ شیر کی طرح گرج پائیں
محلات میں چھائے اندھیرا۔ کٹیا چمک اُٹھیں نور سے
غنی بنے ہیں بھکاری اور دیوالیہ ہوئے راجے مہاراجے
اور وازہ وان میں ضیافتیں بنانے کے لئے جو بھیڑ تھے
وہ مرغزاروں میں روز بروز فربہ ہوتے ہیں
اور جن 'وازوں' کی فنکاری سے اس گوشت سے عالمگیر شہرت کے
پکوان پکتے ہیں — وہی فنکار — ذبح کیا جائے۔
(شرح تیسری جلد میں شیخ کے نظریہ فن کے ذیلی موضوع میں پڑھئے)

اِس بانگِ احتجاج کو چرار شریف سے ہی تسلسل ملا۔ پٹھان عہدِ حکومت کی زیادتیوں کے خلاف عوامی احتجاج کو اِسی طرح فارسی شاعر مولوی عبدالرسول خانقاہی مرحوم (وفات ۱۷۵۷ء) نے فارسی زبان میں آگے پہونچایا !

حذر از قومِ افغاناں ستم از جورِ افغان
تو دست زور افغاناں بہ پیچاں یارسول اللہؐ
من آں مظلومِ دلگیرم کہ از سر رفتہ تشویرم
زِ ظلم آباد کشمیرم بہ افغان یارسول اللہؐ

یہاں پر شاعر نے کشمیر کو "ظلم آباد" کا خطاب دیا جو اِسکا ازل بن گیا۔

Marfat.com

مولنٰا صاحب کے سو سال بعد اسی خطہ سے حسن شاہ گنائی نے یوں اُس جمود کے خلاف احتجاج کیا جو مسلسل غلامی نے کشمیریوں پر مسلط کیا ہے :-

ییٚتکی گو نمات ُبڈی تے ِنکی
کھسان سارِ ژ چھِ مرِہنی ہِکی
میٚے چھم پانس کھسان گاہ گاہ
ہٚنتیکٕ ہٚنے بُوج باوے کیاہ

(یہاں شاعر سکراتِ موت سے ہچکیاں لیتے ہیں، میں خود اسی سچویشن میں ہوں، میں یہاں کی بدنظمی نظم کروں تو کیسے؟) تو پھر اِس صدی میں حضرت شیخ کی قائم کردہ روایت انقلاب آفرینی کا' مواد بہم کرے گی ـــــ دیر آید درست آید ۔

Marfat.com

مناظرِ فطرت اور کلامِ شیخ

تذکرۂ شیخ میں آیا ہے کہ آپ نے ملک کی کئی بار سیاحت کی گو اس سیاحت کا خاص مقصد تبلیغ اور اشاعت اسلام تھا مگر جو خاص مقامات آپ نے اس وسیع سیاحت کے دوران اپنے قیام گاہ چُنے ہیں اُسی انتخاب سے آپ کا ذوق نظر واضح ہے اور یہ بھی صاف ثابت ہے کہ مناظر فطرت آپ کو اپنی جانب اُسی طرح کھینچتے رہے جس طرح ایک دودُھ پینے بچے کو ماں کی گود اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اگر آج بھی ہم زِمر، ہونچی پورہ، بیروہ، دربگام، گوہن لڑی جنگل رُوپہ ون وغیرہ کا جائزہ لیں تو یہی اخذ ہوتا ہے کہ ان جگہوں کو اپنا اقامت گاہ منتخب کرنے میں آپ کا یہی ذوق کارفرما تھا۔ مختہ پوکھری آجکل سرینگر سٹی کا حصہ بنایا ہے۔ اس وقت بھی یہ حسین سپاٹ ہے۔ جب نشاط، شالیمار اور دیگر مغل باغات محض جنگل تھے تب موختہ پوکھری دارالخلافہ نوشہرہ کے نزدیک ایک حسین ترین منظر آفرین مقام تھا اسی لئے شہر میں بھی اسی مُتلاشی فطرت نے فطری حسن کی وجہ سے اسی جگہ کا انتخاب کیا۔ ہم نے کہیں پر لکھدیا ہے کہ جب اپنے یارِ خاص بابا نصرالدین کے ساتھ حضرت شیخ

Marfat.com

کشمیر کی سیاحت کر رہے تھے، تو علاقہ بھاگھی کے نزدیک پہونچے (شاید گگری بل ہو یا چھوارہ یا جھیل ڈل کے ارد گرد کوئی جگہ) تو آپ نے نصر سے کہا "آگے مت جاؤ، آگے جنت میں جانے کا ہم نے سامان نہیں بنایا ہے۔" اس ایک جملہ میں آپ نے اپنا فطری ذوق واضح کیا ہے۔

اب ہم ان کے کلام کی روشنی میں دیکھینگے کہ کس طرح سے یہ ذوق ان کے شعر سے واضح ہو

"کُل چھےٗ ۱ ڈ یان پےٗٹھ کل گیبے
اُکی سے جا یہِ رُہتھ کیتھہ؟
آسہِ ہا آدمی پھیرہ ہا سیبے
عالمُ اَنہِ ہَن لیبے کیتھہ
چھُس ما آدم گو سو ضیبے
اُکی سے جا یہِ وُہتھ کیتھہ"

حل مطالب :۔ کل گژھُن :۔ اُمید باندھنا۔ تمنا پیدا ہونا۔ شغف ہونا۔ رُہتھ :۔ ساکت
نَے :۔ چراگاہ۔ مرغزار ضیبے :۔ ضائع ہونا۔

۱؎ کُل (درخت) کو کلیات میں (شرح ک ۲۷۴) کول (نہر) بنایا گیا ہے۔ درخت ساکت ہے جبکہ نہر رواں۔ کس طرح کلام کے روح کو پامال کیا گیا ہے۔ اور اسی پامالی پر "مطلع" میں فخر کیا گیا ہے؛

Marfat.com

ترجمہ :- درخت کہتا ہے :-

"مجھے اس جامد ساکت بندھن میں جذبہ پیدا ہوا ہے کہ میں بھی متحرک ہو پاؤں اور مناظر قدرت سے جھوم اٹھوں (جو میرا ماحول ہے) اور اسی جذبے کے ساتھ (فطرت کی ان وسعتوں میں) ان مرغزاروں اور چراگاہوں کی سیر کر کے لطف اٹھاؤں۔ کاش آدمی کی طرح میں بھی متحرک ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے میں ایک ہی جگہ پابند ہوں اس لئے یہیں پر سڑ کر ضائع ہوتا ہوں۔ ان مناظر سے اِسقدر میرا ساکت جذبہ جھوم اٹھا ہے کہ میں اپنی اس خوشی کے ساتھ سارے عالم کو شریک کرنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں اپنی لاچاری سے معذور ہوں۔"

یہاں پر حضرت شیخ نے فطرت کے اس جز۔ ماحول کے اس اہم رکن درخت کو بھی حُسن شناسائی کا جذبہ عطا کیا ہے اور جمالیاتی حرارت بخش دی ہے۔ یہ مختصر سی نظم فکر انگیز ولولہ پیدا کرتی ہے اس میں فلسفیانہ موشگافیاں بھی ہیں اور فنی نکھار بھی ہے۔ درخت ایک علامت ہے جس کی وساطت سے حضرت شیخ ایک پابند مگر حساس قدردانِ فطرت کے جذبات کو اظہار کرتے ہیں۔ شیخ بھی جس کو تذکرہ نویسوں نے بالکل خلوت نشین، جنگلوں میں ساکت راہب (نعوذ باللہ) بنا کے

Marfat.com

پیش کیا ہے کہتا ہے کہ میں فطرت کے مناظر میں ہی کھو کر گیت گاتا کہ سارے عالم پر وجدانی کیفیت طاری کرتا مگر پابند ہوں اپنی کمٹمنٹ (COMMITMENT) کے ساتھ۔ پابند ہوں اپنے مشن کے ساتھ اُس مشن کو چھوڑ کر میں فطرت کی حرارت آفریں گود میں سرشار نہیں رہ سکتا ہوں۔ ہاں اِس جذبہ کو زائل کرنے میں مجبور ہوں۔ شاعر جامد و ساکن درخت سے کہلواتا ہے کہ وہ (درخت) اس غیر متحرک فطرت سے "ہونے" کے مقصد کو ہی ضائع کر چکا ہے۔ شیخ نے تاریخ سازی، تمدن سازی، کردار سازی وغیرہ کا عمل پوری زندگی میں انجام دیا مگر پھر بھی ہمہ جہت زندگی کو تضیع تصور کرتے ہیں کیونکہ فطرت کے حسن کا پورا استفادہ حاصل نہ کیا تھا۔
اب دیکھیے اپنی فطرت نوازی کا اعتراف کس طرح کرتے ہیں:۔

ژِہ پارِی پھیوٗرُس مُشک کوٗرُم گُلَن
ڈٖیٹھم کُنہ گُل تہٕ کُنہ جابہٕ خار
عالمن، ہلین، ٹھوٗ لن تہٕ موٗلن
ادٔے کرٕمس گلَن لار

ترجمہ:۔ میں چاروں سمت سیاحت کر کے آیا ہوں اور میں نے پھولوں کی ہر قسم کی منفرد سوگند کی امتیازی شناخت کا حسن اپنے میں پیدا کیا (گُلَن مُشک کرُن گو تہٕ گُلَن مُشک ہیوٗن

بلکہ پوشن ہندی مشک سرہ کرزن ۔ مشک لینا مقصد نہیں ہے
بلکہ مختلف رنگ و بوئے کی شناخت کی حس پیدا کرنا) اِسی
حسِ لطیف نے مجھے اس شناخت کا امتیاز عطا کیا کہ میں پھول
کو بھی پہچان سکا ہوں اور کانٹے کو بھی۔ یہ بات ذہن نشین ہو
کہ پھول کے ساتھ کانٹا وابستہ ہے مگر شاعر نے اِس وابستگی کی سیما
کو بنا توڑے ہی دو متضاد خصائص کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔
اس طرح میں نے ہر شے کی شناخت حاصل کی، نباتات و جمادات
کی پوری اصلیت جان لی تو اسی عرفان سے میں سبوں کے آگے
سبقت لے چکا ہوں۔

ایک مومن اپنے رُبِ جلیل سے ہر وقت یوں دست بدُعا رہتا ہے۔

اللھم اَرِنا حقایق الاشیاء کماھِیَ توفنا . . . . .

(اے رب ہمیں تمام چیزوں کی حقیقت سے آشنائی عطا کر۔ ،،

حضرت امیر کبیرؒ نے ہمیں اوراد فتحیہ کے تحفہ کے ساتھ دعائے
رقاب کا تحفہ عطا کیا ہے جس میں آپ نے یہ خاص دُعا بھی ہمیں
سکھائی مگر ہم ہر صبا دست بدُعا ہی رہے لیکن آپ کے چہیتے
طالب حضرت شیخ العالمؒ نے فطرت کی گود میں جاکر نباتات و
جمادات کی شناخت کی حس اپنے میں پیدا کی اور اسی حس کی
قوت سے آپ اپنے عہد میں اور آج تک بھی سبوں پر غالب

Marfat.com

ثابت ہوئے۔ آپ کے تذکرہ میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ کو نیچا دکھلانے کے لئے کبھی تولی ربنہ اپنے چیلوں کے سمیت حملہ آور ہوتا ہے اور کبھی مولوی شریف اشوار اور کبھی مُفتی سبدُر اپنے طالبوں کے ساتھ اس کو بحث و مباحثہ میں نیچا دکھانے کے لئے آتے ہیں مگر اس نے اتالیق فطرت سے درس حاصل کیا تھا اور ان سبوں کو آپ نے مغلوب کیا۔ مگر تذکرہ نویسوں اور منقبت خوانوں نے اِس سب کو محض خرق عادات اور کرامات کا کرشمہ بنادیا ہے۔

یار بن مُنز بھیئوُرس جنگلس
شزاوبہٖ چھِہ یُخ آوِ جہِ ہیئیے
موختہٖ بدون ٹھو نہ زلس
ٹوکھ ما زرہر لالس دِیے
ریہہ کالِ ژھیتہٖ گنڈھ الس
ینہہ آدِ شامس پانس پیئیے

ترجمہ :۔ میں جنگل کے سرو و شمشاد میں سیر کرتا رہا اور محسوس کیا کس طرح جون کی گرمی ان ٹھنڈے مرغزاروں میں بھی نازک چنبیلی کی اداؤں کی نزاکت مجروح کرتی ہے۔ اِس چنبیلی پر اُوس کے قطرے موتی لگتے ہیں اور دونوں میں امتیاز ناممکن ہے۔ مگر دیکھیں یہ صبح کی شعاع زر) اس لعل بے بہا کو

Marfat.com

توڑ نہ دے وقت پر یہ شعلۂ مستعجل بجھ جائے گا اور شام کو (تھکے ہارے مسافر کو) خود بخود نیند سے آنکھ لگ جائے گی۔

اس نظم میں تذکرہ نویسوں نے بے جا الفاظ کی دراندازی کی ہے جس سے وزن اور بحر میں بھی قصور پیدا ہوتا ہے۔ اُسی بگاڑ کے ساتھ کلیات میں بھی درج ہے۔ اِس بگاڑ سے معنی اور مفہوم ہی بگڑ گئے ہیں۔ پہلے مصرعہ میں شاعر اپنی مسافت کا بیانیہ انداز میں ذکر کرتے ہیں اور پھر اُس تجربہ کو زبان عطا کرتے ہیں جو انھیں مناظرِ فطرت میں گھومنے سے حاصل ہوا۔ اسلئے جنگل کے گھنے درختوں میں ـــــ دیودار، کایرو، شمشاد اور صنوبر کے درختوں کے پیچھے دوری پر ایک چھپی ہوئی گود میں چنبیلی کے کھلے ہوئے پھول دیکھے اُن پر قدرت نے شبنم کے موتی بکھیر دئے تھے۔ نظر نواز منظر دیکھتے ہوئے شاعر موتیوں اور پانی (اوس) میں امتیاز کرنے سے قاصر ہے اور اندیشوں میں پڑا ہے کہ کہیں اُسکی نظر کی ہی حرارت اِن موتیوں کو توڑ نہ بیٹھے لیکن شاعر کا جذبہ نہ ہی شراوُن (ماہ جون) کی حرارت سے چنبیلی کو بچا سکتا ہے نہ تمازت آفتاب سے اوس کے قطرں کا دفاع کرسکتا ہے، اِس رنگین امتزاجِ حُسن ـــــ چنبیلی اور شبنم کے امتزاج کو اپنے وقت پر فنا کی نیند سونا ہے۔ اوس تو دھوپ دیکھ کر

Marfat.com

ہی غائب ہوئی اور پھول جون کی گرمی سے سوکھ جائینگے اور اسطرح یہ مناظر بین شاعر ــــــ تھکا ہارا مسافر بھی نیند کی گود میں جاکر اس فطرت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے واصل ہوگا۔

ہم نے حیات شیخ العالم پر تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ نے غار نشینی کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ جس مشن کی تبلیغ اور اشاعت آپ کے ذمہ ہوئی تھی اُسکا صدر مرکز موزون اور پُرکشش ہو۔ اُس وقت کے حالات میں ایک گپھا کے سوا کوئی اور جگہ ایسی نہ ہوسکتی تھی۔ ان ایّام آزادئی تحریر و تقریر کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا تو آپ کہیں پر نہ دفتر قائم کرسکتے تھے نہ سٹیج بنوا سکتے تھے۔ محرابِ مسجد میں اُسکا پیغام ایک مخصوص طبقہ کے سامعین تک محدود رہتا۔ چونکہ اُس کو اشاعتِ اسلام کا مقصد تھا گوکہ اُس میں تو مسلم کی کردار سازی بھی ضروری تھی مگر نامسلم کے لئے بھی دعوت دین کا انتظام کرنا تھا۔ ادھر گپھا کی خلوتوں سے ہی سادھو سنت نئے انقلاب کے سیلاب کی رفتار کو کسی حد تک مدہم کرنے کی کوشش میں تھے اس لئے آپ نے پہلے صدر دفتر کے لئے کیموہ غار کا انتخاب کیا پھر زِرم کے جنگل میں حسین جگہ کا انتخاب کیا اور یہی سلسلہ زرارون (چرار شریف) پر صدر مرکز قائم کرنے تک جاری رہا۔ مگر

Marfat.com

اس غرض کے ساتھ ساتھ اس انتخاب میں فطرت نوازی کا جذبہ بھی کارفرما رہا۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اس نظم سے یہ عقدہ کُشائی ہوئی ہے:۔

اَنڈ وَن رُوزِتھ کند کپاُدم
بِنا اَوےَ ہنوٗدم گوٗ پھے
انتھ مل دِ نیتھ درشُن دیوٗدُم
لحدہ ہشِنز صوٗرتھ ہاُدم گوٗ پھے
کوٗ نگِرتِہ کوٗفوٗرہ تنَ من نوٗدُم
شوٗ بج پرٛے کنتھ ساُدم گوٗ پھے

ترجمہ و شرح:۔ میں دور جنگل کے بیچ اطمینان کی نیند سو یا اسی لئے میں نے (اپنے مشن) کی ابتدا اور پہل جنگل کے غار سے ہی کیا۔ وہیں پر میں نے اپنے قلب کو صیقل کی اور عرفانِ ذات حاصل کیا۔۔۔ جلوہ یار سے سرفراز ہوا۔۔۔ کیونکہ میں نے اپنے ضمیر کو زندگی میں ہی قبر آشنا بنا کر اُن تجربات سے آگاہ کیا جو مرنے کے بعد ہی حاصل ہوتے ہیں (مگر مرکر کون واپس آیا تاکہ اُس تجربہ سے نئی حیات جی سکے) اس لئے میں نے گپھا کو ہی قبر بنا دیا جب میں نے اپنے ماحول کی خوشبو سے اپنے ظاہری اور باطنی وجود کو معطر کیا تب ہی میں نے

Marfat.com

اپنے معتبر شعور کی گود میں غار کو بھی سُلایا۔ یعنی یں نے فطرت کے اِس حسین ماحول کو اپنے شعور و آگہی کا ایک جزو لاینفک بنا دیا۔

ماحولیاتی تحفظ اور تعلیماتِ شیخ

SHIEKH AS AN ENVIRON A MENTALIST

ہم نے اس سے پہلے دیکھا کہ حضرت شیخ کس حد تک مناظر فطرت کے شیدائی تھے اور اس فطرت کے ساتھ اُنکی کس قدر وابستگی تھی وہ اُن کی تحریک کے مشن سے ہی واضح ہے۔ ہم نے ریشی تحریک کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے پہلی جلد (ص: ۱۴۶) میں بارہ مخصوص نکات کی نشاندہی کی ہے جو ہم نے کلامِ شیخ کے مطالعہ سے اخذ کیے ہیں کیونکہ اٹھارویں صدی میں ریشیت کے ڈھانچے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اسکا قرون اولی متشخص کرتے ہوئے اُسی بگڑے ہوئے ہم عصر ریشی کو نمونہ بنایا۔ اِس بحث کی تکرار یہاں موزوں نہیں مگر اس لئے دہرایا جاتا ہے کہ ہم اِس مشن کو سمجھتے ہوئے پرانے سبھی پیدا شدہ نقاطِ نظر ذہنوں سے خارج کر پائیں۔ ان بارہ نقاط میں سے ایک یوں ہے:۔

ع :۔ مناظر قدرت میں خلوت نشینی کا مقصد فکر و تفکر ہے

Marfat.com

تا اینکہ ریشی اس عائد کردہ حبس سے آزاد ہو کر حقیقت کی وسعتوں میں پرواز کرتا رہے۔

ایک اور نقطہ یوں ہے :۔ کہ رفاہ عامہ کے لئے ریشی کسی مطالبہ کے بغیر خود راہِ عام، پگڈنڈیاں اور راستے بنائے، شاہراہ اور عام راستوں پر دو طرفہ سایہ دار اور میوے کے درختوں کو نصب کرے اور اکثر چنار کے درختوں کو نصب کر کے ماحول کو سہانا بنانے میں انہیں لذّت ملتی تھی۔

ان دونوں کو اکٹھا پڑھ کر ہم یہی سمجھ لیتے ہیں کہ فطرت کی عریانی ہی ریشی کے ذوقِ تجسّس کا پہناوا تھا لہذا وہ فطرت کے ساتھ کوئی مداخلت برداشت نہ کرتے تھے خواہ وہ مُداخلت اُس دوشیزہ کو ململ سے ڈھاپنا ہی کیوں نہ ہو مگر یہ مصنوعی خلل، مخلوق کی دخل اندازی کسی حد تک بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ اُنہیں رات کے حُسن سے اُسی حسین تاریکی سے پیار تھا وہ "چراغ آفریدن" کے عمل کو اس حُسن میں مداخلت تصور کرتے تھے۔ اس لئے فطرت کا جوں کا توں رکھنا یعنی ماحول کی برقراری بحال رکھنا ہی ریشیت کا ایک اہم غرض تھا اس کے ساتھ اگر انسانی دخل قابلِ برداشت تھا، وہ اسی حد تک کہ ماحول کے حُسن کو ہمہ گیر بنایا جائے۔ درخت صرف جنگل

Marfat.com

تک محدود نہ رہے راستے، پگڈنڈیاں، گاؤں، قبرستان، مساجد، مندر سب جگہوں پر مختلف قسم کے درخت لگانا ریشی کی عبادات میں شامل تھا۔ کشمیر کی عظمت کی علامت اور آئینہ دار چنار سے انہی بزرگوں نے کشمیر کے قرب و جوار کو سنوارا تھا۔ مگر زمانۂ حال میں انہی مقدس ہاتھوں کا خون ہوا۔ میں نے اپنے گاؤں کے نزدیک فلک بوس چناروں کے کاٹے گئے دھڑ سے وہ خونِ ناحق گرتے دیکھا۔ اُس وقت نند ریشیؒ اور اُس کے خلفا نے چیخ و پکار سے سارا ماحول ماتم کدہ بنا یا جب گلشن نگر چھانہ پورہ سے لیکر ناگام تک ـــ سرینگر چرار شریف شاہراہ پر ریشیوں کے یہ چنار دھڑام سے اسلئے گرائے گئے کہ کہیں کسی کا بنگلہ چڑھے اور کہیں چنار کے دم بخود وجود پر مسجدِ ضرار تعمیر ہو پائے یا بازیچۂ اطفال کے لئے کھیل کا میدان بنے۔ چنار ریشی کی عبادت کا جُزو رہا ہے۔ ہم ریشیوں کے روضے تو بناتے ہیں مگر چنار کو ختم کرکے؟

اسی طرح ہمارے اسلاف اہل اللہ نے قبرستانوں میں ایک مخصوص درخت ''برمج'' لگانے کی روایت قائم کی تھی، وہ درخت بھی اب عنقا ہے۔ مساجد کے قرب و جوار میں ''بزہن'' درخت (وہ بھی چنار کے مانند پُرشکوہ درخت ہے) لگایا جاتا تھا۔ ہمارے علاقہ میں شاید ابھی حضرت سید علیؒ کا لگایا ہوا

Marfat.com

ایک درخت برین پکھر پورہ میں آدم زاد کی کلہاڑی سے بچ نکلا ہے۔

اس پس منظر (جس میں ہمارے ذاتی ردِ عمل کی دراندازی بھی ہوئی ہے) میں کلامِ شیخ میں اثاثۂ فطرت کے تحفظ کی تعلیم کا ہونا ایک لابدی امر ہے۔ یہ قول انہی سے وابستہ ہے۔

"وَن پوشہِ اَن پوشہ" [1]

[جنگل پر ہماری غذائی پیداوار کا انحصار ہے ie FOOD [SUB SERVIEN TO FORESTS] یہ قول اب محکمۂ جنگلات کا نعرہ بنا ہے۔

ہم نے اسی جلد کے جُز الف (ریشی نامہ) میں دیکھا کہ نورُوز میر کا نوروز ریشی بننے کا حادثہ بھی ایک ریشی صاحب کے جنگلی جانوروں کے ساتھ پیار کا کرشمہ تھا۔ اگر وہ ریشی صاحب جنگلی جانوروں کو نہیں پالتے۔ اُنہیں گوشت نہ کھلاتے رہتے تو ان کا پالتو شیر لومڑی کے لقمے پر نہ جھپٹتا اور ریشی صاحب شیر کو سرزنش کرتے ہوئے اُس کو غاصب اور ظالم نوروز میر کے ساتھ مشابہت نہ دیتا، تو نوروز میر کے ضمیر میں انقلاب پیدا نہ ہوتا۔ ایتھ ونو بانڈی پورہ کے اِس ریشی صاحب کا تعلق کئی واسطوں سے

---

[1] یہ مختصر ہے مگر اس کو بھی توڑ مروڑ کر لکھا گیا ہے جو غلط صورت ہے۔ "اَن پوشہِ تیلہِ ییلہِ وَن پوشہ"، غلط صورت ہے۔

Marfat.com

حضرت شیخ کے ساتھ ملتا ہے۔ اِس لئے یہ نصِّ صریح ہے کہ اگر حضرت ریشیوں کے سردار نے چرندوں سے اُنس کی روایت قائم نہ کی ہوتی تو اِس پر اُن کے سلسلہ میں عمل نہ ہوتا۔ اس مختصر سے ابتدائیہ کے بعد ہم کلامِ شیخ سے اِس معاملہ میں استفادہ کرتے ہیں۔

جنگلی درخت کاٹنے پر حضرت شیخ زبردست ردِّ عمل کا اظہار کرتے آئے ہیں" کنجِہ گامَن ُبگہٖ ژھوَ ے"۔ نظم میں آپ ان گاؤں کے لوگوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں جو جنگل دیکھنے یعنی جنگل کی سیر کو جاتے ہیں اور واپسی پر بلا ضرورت کلہاڑا مار کر کسی جنگلی درخت کو کاٹ کر لکڑی کا بوجھ لیکر گھر واپس آتے ہیں۔

کنجن چھِوان زورا وأری

کھُننہٖ گژھان وَن ڈُچھو

ہینہٖ وسان ڈُڈ بأری

کنجہٖ گامَن ُبگہٖ ژھو

(کنڈی کے لوگوں میں زبردستی کا جذبہ یوں کھلتا ہے (CHANNALISE) ہوتا ہے کہ وہ سیر کرنے جنگل جائیں لیکن واپسی پر لکڑی کی گٹھریاں ساتھ لاتے ہیں اِس طرح یہ کنڈی گاؤں عقل سے محروم ہیں)

Marfat.com

ڈرن تہ دتہ نشہ لنجے ژرچن
کیاہ ژٹھ لبکھ ہیچن پھل
کندیو موزکھ ڈین تہ ڈرچن
دِہن کو نہ بر یا تھ زچن تل
شیطانٔ اتھ و تھرے ترچن
مگر حساب ہینکھ بیچھن تل

(جنگلی درختوں کی شاخوں کو اِس طرح جھاڑتے جھاڑتے یہ شاخ ہی توڑ دے ارے اس خشک لکڑی سے کیا فصل آئیگی (ماسوائے خدائی قہر کے) اِس جنگل کو کاٹ کر تو نے ایوان، درو دریچے بنائے، اس لئے بہتر یہی ہوتا کہ اگر تو نے خرقہ پوشی ہی شعار بنایا ہوتا۔ یعنی جتنی نفاست، معیارِ زندگی میں پیدا ہوئی ہے اُسی قدر لوگ فطرت کے حُسن کو پامال کر کے ماحول کو درہم برہم کرتے ہیں۔ اِس جھوٹے معیارِ حیات سے بہتر سادہ گی ہے۔

اسی ماحول نے ہمارے ریشیوں، مُنیوں اور داناؤں پر ... کے جوہر کھول دئے ہیں جس کا اعتراف خود حضرت شیخ یوں کرتے ہیں:

پوشہ متین نورہ ابدالن
خوشن کلمن بوزکھ مانے
کم گوش رٹکھ بیٹھ سنگاسن
یہند ین لعلن مول کُس زانے

Marfat.com

(یہ کُل صفت نیکوکار لوگ، اُنہوں نے ہی مسترت آفرین کلمات کا یعنے آیات قرآنِ پاک کا مفہوم و معنی سمجھا ہے۔ اُنہوں نے مُنتخب اور مخصوص پُر فضا مقامات پر پہاڑوں کے اُوپر تلاشِ ذات میں زندگی صرف کی اُن کے فرمودات لعلِ بے بہا ہیں ان جواہروں کی قیمت کا اندازہ کون کرسکتا ہے

یعنے اس سے یہ واضح ہے کہ فطرت کی گود یعنے (ہمارا ماحول) ہی اسرارِ زندگی سمجھانے کی بہترین درسگاہ ہے۔

اِس نظم میں جو پیش گوئی حضرت شیخ نے ماحول کو درہم برہم کرنے کے بارہ کی ہے۔ وہ اس قوم نے انفرادی اجتماعی اور سرکاری سطحوں پر پچھلی آدھی صدی سے عملاً پوری کی ہے

زٕٹَن یارِ تہٕ گنڈٕن وارے   وٗن ہا کھ سوٗزٕل تہٕ کرٕم

ینگہٕ لو کھرِ تہٕ گرٕسٕ نارے   کھینہٕ زٕن بِہس یم

ٹینٛزی بیتہٕ تہٕ واندر دارے   یہٕ چھےٚ کاٛ یخلٕ ہٕنٛدے زٕم

تب شیخ کے عہد میں جنگل پر کنڈی کے لوگ (وہ غریب عوام جو جنگل کے قریب تر دیہات میں رہتے تھے اور جن کا ذریعہ معاش خاص کوئی نہیں تھا۔ جن کے فصل بھی اکثر خزاں کی آمد کے ساتھ ہی جاڑے کے نازل ہونے کی وجہ سے خام رہتے تھے) مُصیبت بنتے تھے وہ جو کرنے تھے اُسکا

Marfat.com

پہلے شعر میں بیان کیا گیا ہے:۔

ترجمہ:۔ یہ لوگ (جنگل کے قریب دیہات میں رہنے والے)
کاٹرو — جنگلی درختان بے تحاشا کاٹ لیتے ہیں
اور اُس زیر درختی رُقبہ پر کاشت کرتے ہیں
ساگ، ادنیٰ ترین سبزیاں اور کڈم
(مگر یہ سبزیاں) اِس ٹھنڈے علاقہ میں اچھی طرح اُگ نہ پاتی ہیں
اور حاصل رہتا ہے اِن کا:
ادنیٰ ترین خودرَو جنس "پنگر" کے پانی پر بنائے ہوئے گولے
اور چھاج کے بھرے برتن
بھوک مٹاتے ہیں بندروں کی غذا سے
اور بھیڑیوں کے جوٹھے خوراک سے
یہ ان کنڈی علاقوں میں رہنے والوں کی عاقبت ہے
(جو ماحول کے حُسن پر کلہاڑی مارتے ہیں)

یہ نظم بھی ایک طرح سے عہدِ شیخ کا شہرآشوب ہے مگر تنوع اور آہنگ کی وجوہات سے اس میں ابدیت بھی ہے اور عالمگیریت بھی۔ حال تو ہر مُلک کا ہے مگر کشمیر کے مقامی کوزہ سے یہ سہ آتشہ پلایا گیا ہے۔ "جام و سبو" کا بیرون اگر کشمیر کے ایک مخصوص علاقہ سے ہی وابستہ ہے مگر اِس سے پلائے گئے

Marfat.com

مشروب کی خمار آفرینی میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اب اگر ہم اس پہلے شعر کی توضیح میں نام نہاد خود فریبی کی آزادی کے فوراً بعد یعنی ۴۹ - ۱۹۴۸ میں شیخ عبداللہ کی وزارت میں منسٹر مال مرحوم محمد افضل بیگ کے GROW MORE FOOD COMPAIGN (زیادہ اناج اُگاؤ مہم) کی عملدرآمد کی دیوانگی کو دہرائینگے تو ہم خود بخود تسلیم کرینگے کہ وہ حاکم اور اُس مہم کے منصوبہ ساز، گنوار، پسماندہ کنڈی گاؤں کے دِہ باشں سے زیادہ گئے گزرے تھے۔ اِس زیادہ اناج اگاؤ، مہم کے تحت کشمیر کے اطراف و اکناف میں ہزاروں ایکڑ محدود جنگلات کی زمین زیر کاشت لائی گئی۔ جنگلی درختاں کا ٹنا منع تھا مگر افسرانِ مال کے ساتھ سازباز کرکے پہلے سال ان جنگلی درختوں کی اس انداز سے شاخ تراشی کی گئی کہ دوسرے سال تک خود بخود سوکھ جاتے تھے۔ اس طرح جنگلوں کے جنگل سال بھر میں ویران کئے گئے۔ اور ویران شدہ رقبہ جات کو آباد کرنے کے لئے ہل بائی شروع ہوئی۔ جہاں ہر دو سال قبل تناور سایہ دار شمشاد اپنی رعنائیوں کے پالنے میں فطرت نوازوں کو لوریاں دیتا تھا اُسی جگہ اب راجماش کا پودا رینگ رہا ہے۔ اور پٹواریوں سے رقبہ جات کا کاشت خریف ۱۹۵۷ تک درج کرایا گیا اور اُس کے فوراً بعد بیگ صاحب کے فاضل جانشین

Marfat.com

سید میر قاسم نے اپنے کلرک کے اجرا کردہ آرڈر 6-B پر بے سوچے سمجھے دستخط ثبت کئے اور نوٹیفکیشن قانون بنا اور اس قانون کے تحت ہمارے جنگلات سے ہڑپ کی گئی ہزاروں ایکڑ اراضی پر ان مُستمر دان (مداخلت کاروں) کو حقوق ملکیت منتقل ہوئے اسطرح سے جنگل کے رقبہ میں مخل یہ زمیندار ہل کا احاطہ آگے آگے بڑھاتا رہا اور جنگلات سمٹتے رہتے ہیں۔

یہی چنار کے ساتھ ہوا۔ کہیں پر گاؤں میں مسجد بنانے کا حیلہ بنایا گیا جبکہ موجودہ مساجد مرثیہ خوان ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ اور چنار پر کلہاڑیوں کا غلبہ ہوا، کہیں مسجد کے حمام میں لکڑی جلانے کے لئے نقیبِ عظمتِ کشمیر چنار کے تنے کو سرنگوں ہونا پڑا کہیں بس کسی دست دراز سیاسی ورکر نے بالائی علاقوں میں سروشمشاد پر کلہاڑی ماری تو پائین میں اُس کے قاتلانہ رسُوخ کا ہدف چنار بنا اور ہمارے حاکم "کشمیریت" کو بچانے کے کھوکھلے نعروں سے دلی میں کئی بے وقوف سیاست کاروں کو بے وقوف بناتے رہے۔

جہاد کے عہد میں بھی وہ شمشیر و سنان جو ظا غوت کو مٹانے کے لئے میدان میں کودپڑا تھا، دیو دار، کائیر و اور چنار کی طرف رُخ کر گیا۔ یہ سمت کی تبدیلی (DIVERSION) مُجاہدین ایمان

Marfat.com

کی کمی کے سبب واقع ہوئی تھی یا خارجی اسباب سے پیدا کی گئی تھی مگر جنگل ساگ اور گندم کی کاشت کے لئے ہموار ہوتا گیا۔ پھر سرکاری بندوق بردار نے نہ صرف جنگل کو درہم برہم کیا بلکہ جھیل وُلر کی زرخیزی نے اپنے اردگرد کے ماحول کو جن بیدزاروں کی حاشیہ آرائی سے مزیّن کیا تھا وہ بیدزار گدھے کے سینگ ثابت ہوئے۔

جو جنگلی درندوں کو پیار دیتا ہے، اُس کے درندے بھی مطیع ہو جاتے ہیں:۔

گوٚہ پھِہ چھُم کوٚرمُت گچھ تَے
سِہہ تَے شال چھِم بآژی
وآنس وہنزِم بیچھ تَے
دیو بیچھ چھِم خدمآژی

ترجمہ:۔ میں نے غار کو مزیّن کیا ہے (گچھ ایک قسم کی سفیدی جو محلات کے دیواروں پر چڑھائی جاتی ہے جو بہ مثل پینٹ PAINT ہے) اس غار میں شیر اور گیدڑ میرے اہلِ بیت بنے ہیں۔ میں نے عمر کو عارضی سمجھا، بس ایک بچھو اڑھ تو یہ دیو اور بد رُوحیں میری خدمت پر مامور ہیں۔

لفظوں کا آہنگ ہی بتاتا ہے کہ بات کچھ لفظوں کی وسعتوں سے

Marfat.com

بہت دُور پہنچ چکی ہے ۔ عام تاثر تو یہی لگتا ہے، میں نے جنگل میں اپنے غار کو محلات سے بھی دیدہ زیب پایا ہے ۔ گھر میں اہل وعیال تو ہے لیکن یہاں پر جنگلی حیوانات میرا اہل وعیال بنا ہوا ہے ۔ میں نے عمر کو فانی ہی نہیں بلکہ لمحاتی تصور کیا ہے، اسلئے دیو اور آدم خور میرے مطیع ہوئے ہیں ۔" اس لفظی معنی سے زیرِ بحث موضوع کا حصہ یہ قطعہ بھی پایا اور اسی سطحی معنی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے " قصۂ حضرت شیخ " کی مختلف کڑیاں بنانے والوں نے اس قطعہ کے ہر مصرعہ کا پہلا لفظ " مُوجی " (او ماں) استعمال کیا ہے جس سے قطعہ کا بحر اور وزن بھی تبدیل ہوا اور اس طرح ایک شعری گفتگو (یا مکالمہ) بنایا گیا ۔ اس افسانہ کے دو کردار بنائے گئے، شیخ کی والدہ ماجدہ اور نوجوان غار نشین شیخ ۔ ماں بیٹے کی یہ تنہائی اور وہ بھی جنگل کے بیچ پہاڑوں کے جھُرمٹ میں دیکھ کر سہم جاتی ہے ۔ اب محولہ بالا قطعہ کو برجستہ جواب بنانے کے لئے اولاً اس کا وزن تبدیل کیا گیا ۔ لفظ "موجی" (او ماں) بڑھا کر اس کو خطابیہ بنایا گیا ہے اُسی وزن اور اسلوب میں اسی محاورہ کے قریب ماں کی طرف سے منظوم سوال پوچھا گیا ہے ۔ سوال و جواب اب لیجنڈ LEGEND سے نکل کر تاریخ کا روپ دھار چکے ہیں ۔ اس

Marfat.com

مفروضہ جواب کا سوال والدہ کی طرف اس طرح بنایا گیا ہے :-

نُندِہ گوبھہ چھے گگر تہٕ مچھے

نندِہ شال تہٕ سہہ موہِنے

نُندِہ کرٕکیاہ کرتھم وَژھے

نندُہِ دیو تہٕ یچھ کھوژہ وَنے

ترجمہ :- اے میرے بیٹے نُند اِس گپھا میں چوہے اور مکھیاں ہیں، خوف بھی کھا یہاں پر شیر اور گیدڑ آئیں گے۔ میرے بیٹے نُندَ بتا یہ تم مجھ سے کیا انتقام لیتے ہوئے یہاں پر تمہیں دیو اور بد رُوحیں ڈراتے رہیں گے۔

یہ سارا مکالمہ " غو بھہٕ بل " (غار پر منسوب شعری گفتگو) الحاقی ہے۔ اصلِ کلامِ شیخ کو ہی حسبِ ضرورت لفظ دو لفظ بڑھا کر انہی الفاظ کو تتر بتر کرکے یا کسی اور ترتیب میں سوالنامہ بنایا گیا اور کلامِ شیخ جواب نامہ بن گیا۔ یہ اساطیری پس منظر ذہن سے نکالکر اب اس اصل قطعہ میں الفاظ کی حدّت کو محسوس کرکے اُنکی پہنائیوں کو چھُوا جانا لابدی بنتا ہے۔ اِس قطعہ کی تشریح سُن لیجئے :-

میں نے وجود کی اِس گپھا کو (تزکیہ نفس) کی تزئین سے۔ خوفِ خدا کے " گچھ " سے مزین کیا ہے اس طرح اپنے اندر خوف، تردّد، بیم اور ڈر کے سبھی وسوسے مِٹا دئے ہیں۔ نتیجتاً یہی شیر

Marfat.com

اور گیدڑ جن سے آدمی ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ لاڈلے اولادوں کی طرح میرے ہوئے ہیں، میں موت کے ڈر سے بالاتر ہوا ہوں۔اس خوف سے وہی بالاتر ہو پائے گا جو عمر کو ایک عارضی چیز۔ گھڑی دو گھڑی۔ پل دو پل یا دن دو دن کا کھیل جان لے۔ جب موت کا خوف چلا گیا جب تردد اور وسوسے مٹ گئے تب وہی ڈرانے والی چیز۔ خوف کے منبع و مصدر ـــ اس مردِ کامل کے مطیع اور فرمانبردار ہو پاتے ہیں اور دیو، جن، پری کیا چیز ساری مخلوقات کو اس مردِ کامل کی خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔ ظاہری طور بھی اگر ایک بشر جنگلی درندوں کے خوف سے بالاتر ہو کر انہیں پیار دے گا۔ تو وہ بھی ان درندوں کو اپنا فرمانبردار پائے گا۔

اس فلسفیانہ موشگافی کو جس آہنگ میں ادا کیا گیا ہے وہ شاعر کا خدا کی اس مخصوص خلقت کے ساتھ پیار کا ترجمان ہے اور اسی اندازِ بیان سے وائلڈ لائف کے تحفظ کی ایک شعوری تحریک پیدا ہوتی ہے۔

اس جلد کے نور نامہ جزو میں "شیخ العالمؒ اپنے کلام کے آئینہ میں" ذیلی عنوان کے تحت (ص: ۲۴۷) ہم نے انکا ایک قطعہ ترجمہ اور تشریح کے ساتھ دیا ہے۔ اسمیں آپ نے جنگلی لکڑی کے حوالہ سے اپنی زندگی کے تین ادوار

Marfat.com

(بچپن، جوانی، بڑھاپے کو) فطرت کا مرہونِ منت مانا ہے۔ بچپن میں آپ کو لکڑی کے پالنے میں پالا گیا۔ جوانی میں آپ نے مکان لکڑی سے بنائے اور بڑھاپے میں لکڑی کی چھڑی نے آپ کو چلنے پھرنے کے قابل رکھا۔ آخری شعر میں استفہامیہ انداز میں آپ نے ایک بلیغ اشارہ دیا۔

ہ مُرتھ منگن کیاہ دارہ
دارِ تِ چھُم سرنوُ

[دوسری دنیا میں مجھ سے یہ قرضے ادا کرنے کا مطالبہ ہوگا اور مجھے قرضہ ادا کرنا ہوگا۔]

آخرت میں آدمی کو دیودار کا پالنا، کایرو اور بدلو کا مکان اور چندن کی چھڑی پیش کر کے حق ادائی کرنے کا مطالبہ نہیں ہوگا بلکہ اس رمز میں یہی بات ظاہر ہے کہ مجھ سے محاسبہ ہوگا کہ میں نے اپنے ماحول سے اگر بہت کچھ لیا تو اس کو میں نے کیا دیا۔ اسی لین دین کی دیانت داری پر محاسبہ ہوگا اور اگر میرے ذمہ صرف قرضہ ہی نکلا اور میں نے کچھ نہ دیا ہوگا تو مجھے وہاں پر۔۔ آخرت میں یہ قرضہ چکانا ہوگا ۔ یعنی اس کے لئے مجھ پر گرفت ہوگی، حساب ہوگا عذاب ہوگا۔

Marfat.com

اب بتائیے جو لوگ بلا ضرورت بھی عمر بھر فطرت اور ماحول سے لیتے ہی رہے، دیا کچھ نہیں اُن کا حال کیا ہوگا۔ حضرت شیخؒ نے ماحولیات کے تحفظ کو عقیدۂ احتساب کے ساتھ وابستہ کر کے ماحولیاتی شعور کو دینداری کا اہم جُز بنایا ہے۔ ماحولیاتی تحفظ کے مشن کے بانی کاروں میں حضرت شیخ ایک ہیں۔

کلامِ شیخ کی روشنی میں ریشی اور ریشیت

اِس کتاب کی جلد ایک میں ہم نے ریشیت پر بحث کی ہے۔ زیادہ تر اُنہی دلائل کا اُردو ترجمہ پیش کیا جو ہم اس سے پہلے ساہتیہ اکادمی کی انگریزی کتاب SHIEKH NOORUD-DIN WALI میں اسی ذیلی عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں وہ بحث بھی زیادہ تر کلامِ شیخ کی روشنی میں کیا گیا ہے کیونکہ عہدِ شیخ سے لیکر سترھویں صدی کی پہلی چوتھائی ختم ہونے تک کوئی مدلّل اور معتبر مواد اس مسلک اور تحریک پر یا تو سپردِ قلم نہیں ہوا ہے یا اگر ہوا ہوگا وہ مُرورِ زمانہ سے یا اس تحریک کے اصلی رُوح کو پامال کرنے کی سازش کو تکمیل دینے کے لئے تلف کیا گیا ہے۔
۱۶۴۲ یعنی حضرت شیخ کے وصالِ حق کے برابر دو صدیاں بیت جانے کے بعد بابا نصیب الدّین نے نورنامہ میں ریشیت پر بحث کی ہے۔ پھر اُس کے جانشین اور شاگردِ رشید بابا داؤد مشکواتی نے عربی زبان میں لکھے گئے رسالہ "منہاج الریشیہ"

Marfat.com

میں زیادہ وضاحت اور تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اُنکے بعد مولنا عبدالوہاب نوری صاحب نے "فتوحات کبرویہ" میں انہی دلائل و توضیحات کو فارسی زبان کا لباس پہنایا۔ لیکن تینوں عالم تذکرہ نویسوں نے پہلے لکھے گئے کسی ماخذ کا حوالہ نہ دیا نہ ہی ہماری رائے میں کلام شیخ سے بلاواسطہ اس غرض کے لئے فائدہ اُٹھانے کی کوششیں کی گئی تھیں۔

تینوں حضرات نے اس مسلک کے بارہ میں اپنے عہد کے ریشیوں، اُنکے طریقِ عبادت، اُنکی تنظیم یا انتشار، اُن کے خدمتِ خلق کرنے کے رویّہ کو دیکھ کر، سمجھ کر اور اُسکا بھرپور مشاہدہ کرنے پر اس مسلک اور تحریک کی تعریف، توضیح، تاریخ وغیرہ مرتب کی ہے مگر یہ اس تحریک کے زوال کا رُخ تھا۔ اس کی اصلی رُوح، اصلی ہیئت، اُسکے عروج اور کمال کے ایّام کے بارہ میں اُنھوں نے اسی شکستہ حالت پر اپنی آراء قائم کیں۔ اس لئے اس مواد شکستہ کو کلامِ شیخ کی روشنی میں اس تسلسل کے ساتھ مُرتب کیا جائے کہ ہم اپنے جانشینوں کو کشمیر کی اس عظیم رُوحانی تحریک کے عروج و زوال کی پوری تاریخ کا عرفان دے پائیں

ہم نے اکثر اور علی الخصوص

Marfat.com

کلام اللہ کے اُن آیات کا حوالہ دیا ہے جن کا جوہر شیخ نے اپنی زبان میں ادا کیا ہے۔ آپ نے ایسے حوالے دیئے ہیں جنکو کہ شیخ نے بیان کرنے کا انداز بھی اسی آئینِ مکمّل سے ہی اخذ کیا ہے۔ مثالیں بھی اِسی خرمن سے مستعار لیں۔ بلکہ ترکیب سازی کیلئے بھی سانچہ اُسی فنکارِ ازل کی ہدایت کے مطابق بنایا۔

یہ عرض کرنے کا مقصود یہی ہے کہ شیخ العالم نے اداروں، تحریکوں اور تنظیموں کے زوال اور زوال کے اسباب کو ہی واضح کرتے ہوئے ایسی تحریکوں اور اِن اداروں کے اصل رُوح کی تعریف کی ہے۔ یہ اندازِ بیان بھی اسلوبِ قرآنی کا دانستہ اتباع ہے۔ قرآنِ مجید میں سابقہ قوموں کے اسبابِ زوال کی رُوداد سے اُمتِ مُسلمہ کو سبق سکھایا جاتا ہے

شیخ صاحب نے ریشی کی تعریف مثبت انداز میں نہیں بلکہ اِس انداز میں اصل ریشیت کے رُوح کی تعریف کی ہے کہ انہیں "کیا نہیں ہونا چاہیئے تھا"۔ آپ نے اپنے عہد کے نُمائشی ریشیوں کے نقائص بیان کرتے ہوئے حقیقی ریشی کی تعریف کی ہے۔

آپ نے جو اپنا رُوحانی شجرہ نسب موزون کیا ہے اُسکے حوالہ سے ہم کو حضرت شیخ سے قبل چار اہم ترین مسلمان ریشی اولیاء کرام کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ جوزلکار ریشی، پلاس ریشی،

Marfat.com

رُمّہ ریشی اور میران ریشی ہیں۔ ایک مناجات بعنوان "کر بندن توشہ خُدائے" (کب بندوں پر خُدا مہربان ہو گا) میں آپ نے ان چاروں کے مختصر سوانحی خاکے بھی نظم کیے ہیں اس طرح کلامِ شیخ ہی اسلامی ریشی تحریک مُرتب کرنے کا واحد اور معتبر ماخذ ہے۔ ہم نے جلد اوّل میں بحث کی ہے کہ مورخ حسن نے اگر اس صدی کے ابتدا پر تاریخ کشمیر کے حصہ تاریخ اولیاء کشمیر کے ماخذ کے بارہ میں کچھ اور دعویٰ بھی کئے ہیں مگر درحقیقت "وقائع کشمیر" (عدم دستیاب تاریخ کشمیر مصنفہ ملا احمد کشمیری) سے نہیں بلکہ کلام شیخ کے مصدر سے ہی اُس مورخ نے قبلِ عہدِ شیخ ریشی اولیاءِ کرام کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے اُن شعروں کے حوالے جلد ۱ میں دئے ہیں اور اُس نظم کا ترجمہ بھی دیا ہے[1] صفحہ ۱۳۸ پر ہم نے منظوم اردو ترجمہ دیا ہے اصل بھی پڑھئے:

اوّل ریشی احمدؐ ریشی

دوّیم ریشی اویسؓ آو

---

[1] اکثر ریشی ناموں میں زلکا، پلاس، میران اور رُمّہ کے ساتھ لفظ حضرت بھی ہے جو سوءِ ادب ہے۔ کلیاتِ شیخ العالم میں بھی "نقل راجہ عقل کے مطابق یہ غلطی ہے چونکہ اس نظم میں آنحضورؐ اور اور اویس قرنیؓ کے اسمائے گرامی کے ساتھ "حضرت" نہیں لگا ہے

Marfat.com

تْرےیم ریشی زلکا ریشی

ژور یوٚم ریشی پلاس آو

پانتژیوٚم ریشی رُمہ ریشی

شیٖنیم ریشی میران آو

سُتمِس کرٚ یم دشتا شی

بوٚ کس ریوٚش؟ مےٚ کیاہ ناو

مُوخرالذکر نظم (بعنوان: کربندن توشہ خدائے) معہ ترجمہ اُسی جلد کے صفحہ ۲۸۷ تا ۲۹۷ دی گئی ہے۔ ان حوالہ جات کو پڑھ کر ہمارا قاری ہمارے اِس نقطۂ نظر کی تائید کریگا کہ کلامِ شیخ ہی قبل شیخ کے ریشیان کے بارہ میں واحد معلوماتی ذریعہ ہے۔

حضرت شیخ کے عہد کے قریب ریشی اولیاء کرام خلاصمن، پلاسمن اور یاسمن کے بارہ میں ہمیں دیگر ذرائع سے مواد دستیاب ہے مگر کلامِ شیخ میں ان کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ یہ کہنا کہ "یاسمن ریشی" کی ہدایت پر والدۂ ماجدہ صدرہ بی بی حضرت سید سمنانیؒ کے پاس گئی تھی کلامِ شیخ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اِس بات کی تائید میں راقم کے ملاحظہ میں کوئی شعر نادم تحریر نظر میں نہ آیا ہے۔

Marfat.com

اب اولاً ہم منفی پہلو کو دیکھ لیں۔ یعنی اُس تنقیدی جائزہ پر تبصرہ کرینگے جو شیخ العالم نے ہم عصر ریشیوں کے بارہ میں کیا ہے۔ جن سے اُنکی خامیاں مطلع عام پر آتی ہیں اور اُن خامیوں کو نکال باہر کرکے کچھ مثبت پہلو میں ریشیت اور ریشی کے جو محاسن بیان کئے گئے ہیں، دونوں حالتوں کے جوڑ سے ایک ضابطہ کا تصور اُبھرتا ہے۔ ریشی کا معیار بنتا ہے۔ وہی معیار ریشیت کی تعریف کی وسعتیں سمیٹ لیتا ہے۔

ریشی آسی یَتیم ریشی
ژَمن بینٹھ جند بنگہِ ین
مُنگنہ کھاہن دُشلے کوٗشی
نب سرہ ہن بَینتھ وَنَن
اُزِ کی ریٗشی کیلک ریٗشی
یمَن ماز کھینس کَمَ
کھاسی نہ کھوٗن نشم نِشی
اَکِس گوگل بِنیس کرم
تہِ کھینتھ ہیٚبل خدائے مشی
ریٗشی ہے نوٗہی تہ ژوٗرکم

Marfat.com

ترجمہ:۔ اصل میں ہمارے پیشرو ہی ریشیت کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ اُن کے خرقے بھی نہ سوتی تھے نہ صوفی کی طرح پٹو کے تھے وہ اِس بناوٹ سے بھی بے نیاز تھے البتہ وہی اپنے بدن کو درختوں کے پتوں سے ڈھانپ لیتے تھے۔ وہ مانگ کر (دکھشنا کے طور) ادنیٰ ترین جنسِ ارزاں کا بھوسہ (جس کی اُن دنوں کوئی قیمت ہی نہ تھی) اپنے بالائی خلوت گاہوں پر لے کر اُسی سے بھوک مٹاتے تھے یعنی لذائذ کی کیا بات کریں۔ وہ عام افلاس زدہ طبقہ کے معیار کی غذا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اور اُسی بھوسہ کو (پانی میں بھگو کر روزہ کھولتے تھے) مگر دور جنگلوں میں دن رات عبادتِ حق میں مشغول رہتے تھے۔ زمانہ حال کے ریشی کو گوشت خوری کی لت پڑی ہے (مگر تصنع، بناوٹ اور ریاکاری کی حد ہے) کہ دو تھال رکھتے ہیں۔ ایک میں ساگ کی سبزی اور دوسرے میں شلجم کی سبزی (تو لوگوں کو اپنے پاس آنے والوں کو فریب دیتے تھے کہ وہ محض ساگ اور شلجم کھاتے ہیں مگر شلجم سلونے کی تہہ میں گوشت کی بوٹیاں رکھتے ہیں یا یہ بھی مطلب ہے کہ دونوں تھال ظاہرداری کی نمائش تھی مگر یہ ساگ اور شلجم کے سلونے سرِعام اور خلوت میں مُلا شوربہ کے برتن اور گوشت کی

Marfat.com

بوٹیوں کے تھال کھاتا ہے پھر بھی اپنے رب کا شکر عبادت گذاری سے ادا نہ کرتا ہے۔ کیا یہی ریشی ہیں ؟ ہاں اگر یہ لوگ اپنے کو ریشی کہلاتے ہیں تو چوروں کی تعریف پھر کیا کرینگے ؟

اس تقابلی مطالعہ سے عہدِ شیخ اور اس کے بہت پہلے کے زمانے کا ذکر ہوا ہے۔ جس سے اس بات کی تائید مکرر ہوتی ہے کہ مسلمان ریشی مقامی ریشیت کے مطابق یہاں پر اسلامی مشنری عمل شروع ہونے سے صدیوں قبل اپنے خلوص، لگن، اور طاعت گذاری سے عوام کو متاثر کر چکا تھا۔ شیخ نے اپنے منظوم رُوحانی شجرہ نسب اور "کر بندن توشہ خدائے" زیرِ عنوان مناجات میں صرف مسلم ریشیوں کا تذکرہ کیا ہے آپ نے کہیں پر مسلم ریشی مسلک کے ڈانڈے بدھسٹ یا ہندو راہب ریشی کے ساتھ نہیں ملائے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک اور نظم بعنوان " تیتھ منے وَرِ دِتو دوُو" (میرے رب وہی شان مجھے بھی دیدے)۔ میں اہم ہندو مجذوبوں اور سادھوؤں کا افتخار کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔ لل دید، لُکہ بون گاؤں کی گونگی ماں، ایشبر کا سادھو، ہرموکھ پہاڑی کا چرواہا (یہ سب غیر مسلم تھے) انکا واسطہ دیکر نور الدین ولیؒ خدا سے اُن کا جیسا رُتبہ پانے کا متمنی ہے بلکہ

Marfat.com

اُس نظم میں سہجانند، مہاتما بدھ کی عظمت کا بھی خدا کو واسطہ دیتا ہے مگر ریشی اولیاء کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے زلکاریشی، پلاس ریشی، رُمہ ریشی اور میران ریشی کے ہم عصر ہندو یا بدھ ریشیوں یا مُنیوں یا راہبوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس سے نقشِ صریح اخذ ہوتا ہے کہ آپ نے اس ریشی مسلک کو ایک مخصوص مسلم رُوحانی مزاج کے ساتھ ہی وابستہ کیا ہے اور وہ ہے اویسی سلسلہ۔ آپ نے صاف طور حضرت اویس قرنی رضؓ کو دُنیا کا دوئم ریشی اور آنحضورؐ کو ریشی اوّل مانا ہے۔ اس طرح آپ نے جو محولہ بالا نظم میں زمانۂ سلف کے ریشیوں کا تذکرہ کیا وہ صرف مسلم ریشی اولیاء تک ہی محدود مانا جاسکتا ہے اور جن ہم عصر مسلم ریشیوں کا آپ نے مقابلہ زمانہ سلف کے جن ریشیوں کے ساتھ کیا ہے وہ بھی مسلمان ہی تھے۔ اس سے ایک اور بات اخذ ہوتی ہے کہ حضرت بلبل صاحبؒ اور حضرت امیر کبیرؒ کے کشمیر آنے کے وقت بھی مسلم ریشی ـــ غلاصمن، یاسمن، پلاسمن کی طرح ہی اُن کے شاگرد، مُرید، چیلے بہ کثرت مختلف جگہوں پر اس ریشی طریقِ عبادت کو اپنا کر تبلیغ میں مشغول تھے۔ اور جب مسلم مشنری عمل تیز ہوا تو ریشی بھی اُنکے ساتھ

Marfat.com

وابستہ ہوکر تبلیغ اسلام میں جُٹ گیا جیساکہ یاسمن ریشی اور سید حسین سمنانی کے تعلقات کے بارہ میں روایات سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ مگر جس طرح مشنری مبلغ کی صفوں میں شکم پرست عناصر داخل ہوئے اُسی طرح ریشیوں کی صفوں میں شکم پرست گندم نما، جوفروش ریاکار بھی داخل ہوئے۔

اس سے ایک اور اشارہ ہمیں ملتا ہے کہ جب سترہ اٹھارہ سالہ شیخ نورالدین رح حضرت امیر رح کے لائق فرزند میر محمد ہمدانی رح کے ساتھ تبلیغ میں کسی بھی سطح پر شامل ہوا تو کئی سالوں میں ہی اس کو تجربہ ہوا کہ میر محمد صاحب رح کا کٹر رویہ نومسلم کو تو اسلامی انقلاب کے روح سے آشنا کر سکتا ہے مگر یہاں کی اکثریت جو ہندو قوم پر ہی اُس وقت تک منحصر تھی اس کٹرپن سے آگے آنے کی بجائے اپنی حد پر منظم رہے گی اور مشنری عمل کی تلوار کُند پڑے گی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ نے ریشی طریقۂ تبلیغ کو اپنانے کا فیصلہ لیا اور یہ فیصلہ دانستہ تھا تاکہ آپ اور آپ کے ساتھی بلاکسی امتیاز کے ہر فرقہ کے فرد کو اپنی تبلیغ کی حد میں لاسکے۔ یہ کام صرف محراب کے استعمال سے ہی نہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے اسکا سٹیج، اس کا دفتر، اس کا ہیڈکوارٹر "گپھا" بن گیا۔

Marfat.com

اَنڈ وَن روزِ تھ کند کیا ہٕوم
اوے نبا بنووُم گوپھے
اُندِل ڈ نیتھ درشن دیوُوم
قبرِ ہِنزِ لحد ہاٖوم گوپھے
کو نگہ تہٕ کو نوٗرہ تن ناٖوم
اَشُو نچ بیرکتھ سأوم گوپھے

•

ترجمہ :۔ میں نے دُور جنگل جاکر اپنی سیمابی تڑپ کو سکون عطا کیا اور پہلا منزل (ابتدائی مرحلہ) غار سے شروع کیا ۔ اِسی غار نشینی کے مرحلہ کے دوران میں اپنے اندرُون سے میل دھوسکا۔ یعنی میرا سینہ کدورت ، لالچ، بغض، کینہ اور دیگر ایسے جذبات سے دھویا گیا جو میرے سفر میں رکاوٹ بن سکتے تھے ۔ غار نشینی کے اس تجربہ نے مجھے قبر کی گہرائیوں اور اندھیروں میں سکون کے ساتھ رہنے کی ٹریننگ دیدی ۔

Marfat.com

اسی غار نشینی سے ہیں نے اپنے وجود کو ظاہری زینت بھی عطا کی اور باطنی حُسن بھی۔ ظاہری زینت کے لئے آپ نے تن کو آبِ زعفران سے دھونے کی ترکیب استعمال کی ہے اور باطنی حُسن کے لئے کافور کے خوشبوٹے کی تشبیہہ موزون کی ہے۔

کو نگ : زعفران :۔ رنگ چڑھانے کے لئے اِستعمال ہوتا ہے۔ بوٹے کافور کی خُنکی اندرون کو محظوظ کرتی ہے۔ تن اور من دونوں کو جِلا بخش دینے کے بعد اضطراری کیفیت کو غار میں سُلاکر اطمینان سے خلقِ خدا کی خدمت میں لگ گیا۔

یعنی ریشیت میں غار نشینی (جیساکہ سترھویں صدی کے تذکرہ نویسوں نے اپنے عصر میں بگڑے ہوئے ریشی کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کیا تھا) راہبانہ پالیسی نہ تھی نہ اسکا مقصد ہمیشہ کے لئے غار میں عبادت گُذاری کا تھا بلکہ یہ ایک قلیل عرصہ کے لئے عارضی رنگ تھا۔ غار نشینی ریشیت کے مراحل میں پہلا مرحلہ ہے۔ مگر دوسرے مراحل پر قائم و دائم رہنے کے لئے اس مرحلہ سے گذرنا ضروری ہے۔ اِس مرحلہ میں ریشی کو اپنے تمام غرضمندانہ جذبات، اپنی بشری کوتاہیاں اور حیوانی خامیاں دھوکر صاف کرنی ہیں۔ گویا شقِ صدر کے ایک مرحلہ سے گذرنا ہے جو غار میں تزکیہ نفس سے حاصل ہوتا

Marfat.com

پھر اپنے جذبات کے اضطرار کو ایک شریر طفل کی طرح خوفِ خُدا اور خوفِ قبر کی لوریاں دیکر اُس سے سُلاتا ہے پھر اِس اضطراری سیماب کو مار کر اپنے بیرون اور اندرون کو حسین بناتا ہے۔ یہ حسن کس کی کشش کے لئے پیدا کرتا ہے؟ وہ لفظ ساۆم (سُلایا) سے اخذ ہوتا ہے۔ جب ایک ماں اپنے بچے کو سلاتی ہے تو وہ گھریلو کام کی جانب امورات خانداری کی جانب ہمہ تن مشغول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ غار نشین اب اپنے کام کی جانب لگ جاتا ہے۔ یہ کام کیا ہے؟ کوئی کہے گا بس اسی غار میں بیٹھ کر عبادات کا لا انتہا ہی سلسلہ قائم رکھنا ہے۔ ایسا اس نظم کے آہنگ سے قطعی طور اخذ نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ مرحلہ اِس نے اس غار میں تپسیا کر کے حاصل کیا ہے اور وہ صرف اپنے اندر کے "اضطرار" کو سُلانے تک محدود تھا اب رجعنا من الجہاد الاکبر کا مرحلہ آتا ہے۔ اِس نفس کشی سے حاصل کئے ہوئے کمال سے خلقِ خدا کو فائدہ پہونچا کر انسان اور انسانیت کی اصلاح ہے۔

تسلسل میں اِس نظم کو پڑھیں:۔

اَسہِ بڑو نھڑیم آسے تموکرِہ تپہ
چھوٗن دوٚپ دوٚپ حاصِل کیات [1]

---

[1] جلد ۲ ص ص ۴۴۵-۵۴۵

Marfat.com

اِس کے پہلے شعر میں یہی کہا گیا کہ زمانہ شیخ سے قبل کے ریشی مگن رہتے تھے عبادت گذاری میں مگر ہم آج کل کے ریشی صرف باتونی بن گئے۔ فال پڑھتے ہیں تو حال سے بچھڑ گئے ہیں۔ اِس واکھ میں جو تمنا ظاہر کی گئی ہے وہی ریشیت کا خاصہ ہے:۔

اند ون نیرِ تھ نیپ ستر ہاو
اَوٚہر کرہاو دہ پل ہاکس نۂ ہندے
آمٔز ژکھ یوٚد یۭتھ کرہاو
نی یوٚد کرہاو مرہاو کندے

ترجمہ: چاہتا ہوں کہ دور افتادہ جنگل کے خلوت میں
مگن رہتا میں تپسیا میں،
غذا اپنا بناتا
صرف جنگلی سبزیوں کے سہارے کو
طبیعت پر چھائے ہوئے غیظ کو ضبط کرنا سیکھ لیتا
ہاں اگر صرف اِسی ہُنر میں مہارت حاصل کرتا
(یعنی کاظمین الغیض کے دائرہ میں آتا)
تو بقائے دوام کا مقام پاتا

غار نشینی کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ۱: اپنے کو عبادت گذار بنانے کے لئے ٹریننگ دینا ۲: اپنے اندر خاص سادہ غذا کھانے کی عادت پیدا کرنا۔ یعنی (DIET CONTROLE)۔ ۳:۔ اگر حالات سے غُصّہ ناگزیر بنا ہو پھر بھی اُس غصّہ کو پی کر تھوک دینے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ جب یہ تین مقاصد

Marfat.com

ملیں تو آدمی وہ مقام پاتا ہے جو اُس کو مرنے کے بعد بھی زندہ رکھتا ہے۔

غار نشینی میں تپسیا کرنا منطقی امر ہے۔ عبادت کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ تزکیہ نفس سے خلوت میں، تنہائی میں دور افتادہ جنگل میں غار نشین عبادت کرتا ہے یہ سب معقول لگتا ہے مگر وہ کس سے غصّہ کرے؟ قہرِ درویش برجانِ درویش کے مترادف کیا اپنی ذات سے یا 'ہند' اور 'اوپلہاکھ' سے (جنگلی سبزیاں) غصّہ کرسکتا ہے۔ ناگزیر غصّہ خلوت میں کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ اس ناگزیر غصّہ (آمرزکھ) کی یہ حالت تب ہی پیدا ہوسکتی ہے جب کوئی اس کو اشتعال دیتاہے۔ یہ قوی غصّہ اِشتعال دینے سے پیدا ہوتا ہے جس کو ہم قانونی زبان میں SUDDEN AND GRAVE PROVOCATION کہتے ہیں۔ یہی غصّہ تو سنگین جرائم کی جڑ ہے اور یہ غصّہ معاشرتی اختلاط میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ تنہائیوں میں خلقِ خدا سے کٹ کر۔ کنبہ سے جُدا ہوکر، پڑوسی سے دُور رہ کر، محلہ سے فرار پاکر، آبادی سے بھاگ کر غصّہ ناگزیر نہیں بنتاہے۔ پس اس ترکیب کے اِستعمال سے غار نشینی میں یہ ریشی صبر و تحمل کا ایک نمونہ بن سکے کہ اگر اسکو کوئی

Marfat.com

مکار کہے، کوئی چور کہے، کوئی اس کے سامنے گناہِ کبیر سرزد کرے مگر ریشی مشتعل نہ ہو جائے بلکہ خندہ جبینی سے اپنے کام سے یعنی خدمت خلق سے غرض رکھے۔

یہی ٹریننگ پا کر جب ریشی اپنی تمام جلالی کیفیات پر کنٹرول پاتا ہے تو اس کو جنگل کی کڑوی سبزیوں میں شہد اور شکر کی لطافت محسوس ہوتی ہے :۔

بہ ساد وِدہ پل ہاکس نہ ہندے
سوزن سہزس گرہ ندے زاو
دِدہ دنبر اُوِ تھ پو نہ ئیُس مندے
سہ سمسارس کئندے زاو

"جو لطافت جنگل کی اِن کڑوی سبزیوں
کا سنی اور اوہ پل ہاکھ میں ہے
اُسی سے عرفانِ کامِل حاصِل ہوتا ہے
ہاں جو دودھ کی بجائے پانی میں مندنی لگائے
وہ بے وقوف اس دنیا میں جیا مگر فضول
البتہ جو اپنی ذات اور دوسرے کی ذات میں تمیز نہ کرے
اُسی دانائے راز نے نجات حاصل کی

توضیح :۔ "سہ زن سہزس گرندے زاو" سہزانند آپ نے اکثر مہاتما بدھ کے لئے استعمال کیا ہے یعنی وہ

Marfat.com

عبادت گذار اور غصہ کافور کرنے والا امن پسند مہاتما بُدھ کا ثانی بننے کا شرف حاصل کرے گا۔ اسی مناسبت سے اہلِ ہنود آپ کو آپکے عہد سے سہزانند لقب سے یاد کرتے ہیں۔

اِس قطعہ میں بھی سادہ غذا کے بعد کہا گیا کہ جس کو یہ تمیز نہیں کہ مکھن دُودھ سے بنتا ہے مگر پانی کے مٹکے میں مندنی لگاتا ہے، وہ مکھن کی آرزو میں اپنی زندگی ضائع کرتا ہے مقصد یہ ہے کہ لذائذِ دُنیا، عیش وعشرت، بے راہ روی یہ سب فضول کے کام ہیں۔ جن میں آدمی اپنا وقت ہی ضائع کرتا ہے ہاں نجات اُس نے حاصل کی جو امتیازِ "من وتو" کا احساس ہی مِٹا چکا ہے۔ 'ہٹھ' اور 'دوپل ہاکھ' کھانے سے رشی نجات نہیں پاتا ہے بلکہ وہ سب کچھ ٹریننگ کورس کے دوران بھوک مِٹانے کے سادہ مگر متبادل ذریعہ کا ہی حصول ہے۔ وہ بجائے خود مقصد نہیں ہے حصولِ مقصد کے لئے ذریعہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں خودغرضی، استحصال، حق تلفی اور ہمچو قسم دیگر بدیوں سے رشی چھٹکارا پاکر اجتناب کرے۔ یہ بدیاں تب ہی مجھ میں ختم ہوسکتی ہیں جب میں یہ تصوّر کروں کہ مجھے اور میرے پڑوسی میں، مجھے اور میرے گاؤں والے میں، مجھے اور میرے ہم وطن میں۔

Marfat.com

مجھے اور دیگر کسی انسان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اِس طرح سے ریشی عملاً دُنیا کے اُن متمدن آئینوں کا عملی جوہر ہے جنمیں مساوات کی اور بے امتیازی کی ضمانتیں GUARANTEES اندراج کے طور تو درج تو ہیں مگر عمل اُن کے برعکس ہوتا ہے۔

غُصّہ اور امتیاز نتائج ہیں جب آدمی اپنے سوچ فکر، عمل ضرورت اور ضرورت پورا کرنے کے اسباب پیداوار کے عمل کو افراط و تفریط سے پاک رکھنے کی خُو پیدا کرے۔

نارگرڑھ سہن نہ آر گرڑھ گالھُن   اڈبر گرڑھ کرن ووھل ہاکس نہ ہندے
جدگرڑھ رُٹھن نہ مدگرڑھ والُن   وبہہ گرڑھ زالُن توآنڑی زِ گرڑندے
تسوُب گرڑھ کانچھن نہ لوب گرڑھ مارن   یان گرڑھ تارُن سُبہہ بٹندے

ریشی شعلہ آشام (آگ پینے والا) ہونا چاہیئے
جو ہتک کے احساس کو مٹا چکا ہو
(ایسا تب ہوسکتا ہے) جب اُس نے نفس پر کنٹرول کیا ہو
لذائذ کو چھوڑ کر تلخیاں برداشت کرے،
(جو عادت بنائے جنگلی سبزیوں کی کڑواہٹ نگلنے کا)
جو حدود میں رہے
اناۓ جارح (غرور) کو جو تابع بنا چکا ہو
زہر کھانے کی جگر خراشی برداشت کرے

Marfat.com

تو پھر بھی امتیازی شان حاصل کرے گا
رونق حاصل کرنا مقصدِ حیات ہے
یہ تبھی حاصل ہوگا جب لالچ کے جذبہ کو فنا کرے گا
اور ان مراحل سے گذر کر یہ سالک ریشی
سمندر کی طغیانی میں ساحل پائے گا۔

شعلہ آشامی سے مراد ہے۔ غصّہ پر کنٹرول۔ نار اور نور کا تصادم روزِ اول سے جاری ہے۔ نار شیطانیت ہے، جسکے روپ میں غصّہ، شہوت، لالچ غرضمندی وغیرہ ہیں مگر ایک خلوت نشین راہب کو اپنے ماحول نے ان حالات سے بعید رکھا ہے جنہیں آگ برداشت کرنے کی ضرورت پڑے۔ غصّہ، شہوت، لالچ، غرضمندی اور ایسی ہی دیگر بدیاں سماجی اور معاشرتی زندگی کے ہی منطقی نتائج ہیں۔ ایک دوسرے کے اختلاط INTERACTION سے ہی ایسی بدیاں ایک بشر کے ہاں افراطِ عمل بنتا ہے۔ مگر جب وہ اختلاط سے کٹ گیا دُور جنگل میں بیٹھتا ہے تو شعلہ آشامی کی نوبت کس لیے؟ اِس اشارہ سے ہمیں بابا داؤد منکواتی۔ عبدالوہاب نوری، بابا محمد کمال اور بابا خلیل اللہ کے اُن محدود دائروں سے باہر آکر ریشیت کی توضیح کرنا ہوگی جن میں اِن عالموں نے اِس عظیم تحریک کو بند کیا ہے۔

Marfat.com

غُصّہ پر اور ہنک کی نفسیات پر قابو پانے کے لئے سماجی زندگی ہی معتبر رول ادا کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ راہبانہ زندگی گذارنے کے لئے یہ دو خصائص سادہ غذا اور تزکیہ نفس سے پیدا ہونگیں۔" اوپل ہاکھ اور ہند" (جنگلی سبزیوں) سے ہمارے تذکرہ نویس اور اُنکی اتباع میں ہمارے مؤرخ بھی وہی جنگلی سبزیاں ہی مطلب لے گئے اور اصرار کرتے ہیں کہ شیخ ؒ نے غارنشینی اور سماج سے فرار کی تلقین کی ہے۔ جبکہ یہ الفاظ محض علامتیں ہیں سادہ غذا کی جنمیں فطری غذائیت بہت حد تک موجود ہے مگر لذت میں کڑواہٹ۔ پس "ہند اور اوپل ہاکھ" کھانے کی ہدایت میں تزکیہ نفس کی تاکید مضمر ہے اور یہ عمل اپنانے کی غرض وغایت کیا ہے وہ وہی اوصاف حاصل کرنے کا ہی جن سے آدمی یعنی سماجی حیوان (Social Animal) یہ اجتماعی زندگی اُس مثالی انداز میں نبھائے جو اس کو انسانیت کے عظیم رتبہ پر پہونچاتا ہے۔ اِس لئے حد میں رہنا، جارح انا کو مغلوب کرنا، زہر کھاکر جگر خراشی برداشت کرنا۔ یہ سب لوازمات ہیں سماجی زندگی گذارنے کی۔ پھر جب یہ آدمی اس طرح سماجی زندگی گذار دے گا تو وہ ("اَژزِہ گرندے") امتیاز حاصل کرے گا۔ شرف پائے گا۔ مشرف بنے گا۔

Marfat.com

(شوب کا بخھنٹ)۔ جو رونق چاہے۔ رونق کے لفظ سے ہی تقابل کا
ایک پس منظر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی ایک آبادی میں، ایک محلہ
میں، ایک شہر میں، ایک ملک، ایک قوم میں کوئی اوروں
کے مقابلہ بارونق بنے گا۔ اس لفظ کو یہاں برجستہ کرنے
سے شاعر نے ریشی کو اس سماجی زندگی میں، انسانوں کے
اس جنگل میں ایک فعّال رکن کے طور پر پیش کیا ہے۔
بُیہہ سُندہ ترُن (خطرناک دریائے سندھ کو پار کرنا) کا
اصطلاحی معنی پُلِ صراط لیا گیا ہے۔ یہ معنی بھی درُست ہے۔
محاسبہ کے بعد روزِ حشر کو وہی پُلِ صراط پر تیز گام چلے گا جس
نے دُنیا پر حقوق العباد ادا کئے ہوں اور وہ حقوق وہی ادا
کر سکتا ہے جو حدود میں رہتا ہے۔ غُصّہ پیتا ہے۔ شہوت
پر کنٹرول رکھتا ہے وغیرہ۔

ریشی کو عبادت سے وہ مقام حاصل ہونا چاہیئے
جو قولِ رسول ؐ میں نماز سے پیدا ہوتا ہے اور جسکو معراج مومنین
سے تعبیر کیا ہے۔ معراج کی مخصوص اصطلاح کو مدنظر رکھتے
ہوئے ہمیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ رسول مقبول ؐ نے
جب یہ بھاری "لفظ" مومن کی نماز کا حاصل قرار دیا تب
انہیں اپنی ذات اقدس ؐ کے تجربۂ معراج کی سب جہتیں

Marfat.com

مرکوزِ نظر تھیں۔ ہماری ناقص عقلیں جو کچھ بھی معراجِ محمدیؐ سے سمجھ پا چکی ہیں صرف اُنہیں محدود جہتوں کو اگر مدِ نظر رکھا جائے تو طے مکان اور طے زمان دونوں کمالات اس کے دائرہ میں شامل ہیں۔ ریشی کو بھی عبادات سے (جو دراصل خشوع و خضوع کی نمازیں ہیں) یہ دونوں کمالات حاصل ہوتے ہیں۔

یا مَتھ نہ تِیچھ رِچھ کرِ شی
تا مَتھ نہ گرٔ تُر دوہ منز راو
یا مَتھ نۂ شِہنتھ ان نو برِ شی
تا مَتھ ریشِ نوٗن کتہ آو

ترجمہ:۔ جب تک کہ عبادات و ریاضات کے طفیل تیری سطریں بے باک نہ ہو پائیں تب تک شب و روز کی عبادات لاحاصل ہیں۔ جب تک انفعال کے تاثر سے تیرا اندرون روشن نہ ہوگا تب تک ریشیت کا دعویٰ کیوں؟

اِن رموز سے واضح ہوگیا کہ شیخ نے اپنی تنظیم میں داخلہ کے لئے ایک معیار مقرر کیا تھا وہ تھا ''برداشت''۔ اسی ''برداشت و تحمل'' کے نتیجہ کے طور پر اندر کی روشنی حاصل کرنا ہے۔ خلوت نشینی کے مرحلہ سے گذر کر اُسی ریشی کو تحریک کے کیڈرز اور مسلک کے سلسلہ میں داخل کیا جاتا تھا مگر برداشت کے امتحان سے کامیابی پاکر یہ ازلط شبط اُس کا قلب باصفا

Marfat.com

ہی بن سکتا ہے۔

اپنے ہم عصر ریشی اپنے مریدوں اور تابعین کے لئے یہ چار مصرعی کوڈ آف کنڈکٹ (CODE OF CONDUCT) مقرر کیا ہے وہ بھی تاکیدی نہیں بلکہ تنبیہی (PROHIBITORY) نوعیت کا پڑھیئے:

رِیش ہے رِیشُت پالُن — سنگ گالِہ ہَن کرِ یہ ہندِ اشہ ہستی
رِیش چھِنہِ رِیشُت پالُن — پان گالان تِھ کُھو غصہ ہِ شرِ مستی

ترجمہ:۔ افسوس کہ اگر ریشی اُس لائحۂ عمل پر کاربند رہتا (جو حضرت شیخ نے اکثر نظموں اور قطعات میں بلاواسطہ یا بالواسطہ مقرر کیا تھا اور جن کا بہت حد تک اوپر حوالہ دیا گیا اور کچھ آگے آئے گا) جو ریشیت کا خاصہ ہے تو اُن کے اشکِ ندامت کا یہ اثر ہوتا کہ سنگ بھی موم ہوتا (اشکِ ندامت سے مُراد فقر و انکسار ہے اور پتھر سے مُراد ہے بے ہدایت پتھر دِل آدمی)

مگر افسوس کہ ریشی ریشیت کے مسلک پر نہیں چلتے ہیں نہ اُس تحریک کے پروگرام پر کاربند ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُن کا تبلیغی مشن اثر پذیر ہی نہیں ہوتا ہے) ایسا اسلئے ہوا کہ بجائے ریشی لوازمات بجالانے کے لئے یہ لوگ عوامی اختلاط میں غصہ، عداوت داری اور جذبۂ نفرت سے پیش آتے ہیں۔

Marfat.com

اِس قطعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ریشی کو اپنے اوپر یہ سخت ضابطہ عائد کرنے میں ایک خاص غرض مُضمر تھی وہ غرض یہی تھی کہ ساری بشری لغزشوں پر قابو پاکر یہ پیغام عمل اصلاحِ قوم اور اصلاح معاشرہ میں لگ جائے مگر وہاں پر اسکی انکساری عاجزی اور نیستی کے جوہر نتیجہ خیز ثابت ہو پاتے، اگر وہ جوہر حاصل نہ ہوتے اگر بشری لغزشوں کو پامال نہ کیا گیا ہو تو ایسے شخص کو ریشی کہنا صرف ریشیت کو بدنام کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ وہی ریشی اشکِ ندامت سے سنگ و خارا کو موم کر سکتے ہیں جو خود تیرِ عشق سے نیم بسمل ہو کر مست ہیں، اور زخموں کی کسک کی مستی نے اُنہیں سادہ و پُرکار ہونے کے باوصف خاک نشین بنایا ہے۔ وہی عاشق تو آتشِ عشق سے جلے ہوئے ہیں اور وہی باری تعالیٰ کی عظمت کی جہتوں کی تعریف کرتے رہتے ہیں وہی ریشی جو مرنے سے پہلے مرتے ہیں وہی تو اس کیفیت سے گذرنے سے پہلے راکھ تھے اور بن گئے سونا۔ لیجئے یہ مختصر نظم پڑھئے:-

کَم سَنا نِیندرِ تھِتی وُدی — کَم سَنا بَنتھہِ بودی بیوّن
کَم سَنا لولہِ عشقِنہِ ڈَدی — کَم سَنا ساس تہٕ کَم سَنا سوّن
کَم سَنا مَرِتھ برونٹھے موّدی — اَسی ساس تہٕ سِپِنی سوّن

ترجمہ:۔ کون مست و سرشار مجروح ہوئے ہیں
یہ سادہ و پُرخلوص انکساری سے پست سطح پر ہے
کون ہیں جو جل گئے شعلۂ عشق سے
اسی جلن میں وہ اُسکی جہتوں پر
(اُس کی نشانیوں پر اُس کی آیات پر)
ذہن اور جذبہ کی گہرائی سے سوچتا ہے
اور اُسی کی شان میں
(گیت، بھجن، حمد، مناجات) گاتا ہے
موتو قبَل ان تموتو قول کے جونمونے بن کر
مٹ گئے مرنے سے پہلے وہ شعلۂ عشق میں اگر راکھ بن گئے
مگر خاصیت پائی طلائے احمر کی۔
آخر پر حقیقی ریشیوں کی عظمت کا یوں اعتراف کیا ہے:
یوشہِ متین نورِ ابدالن
خوش کلمن یوزکھ مانے
کم گوشہِ ژٹکھ بیٹھ سنگا کھٹن
یہند بن لعلن موٗل کُس زانے
اس واکھ اور اس سے پہلے درج کی گئی چھوٹی نظم سے واضح ہے
کہ ریشی نہ صرف فطرت کے آغوش میں تزکیہ نفس اور

Marfat.com

مقصدِ حیات پر غور و فکر کرنے کے لیئے پڑتا تھا بلکہ وہ آیاتِ فطرت کے مفہوم اور تاثر کو اپنے الفاظ کے زربفت سے اوڑھ کر عوام کو اپنے دردِ دِل کی کسک کا شریک بنایا کرتا تھا اور اسطرح شعر گوئی ـــ یا دانائی کے رموز بیان کرنا ریشی کی ایک جہت تھی۔ اِس قطعہ میں دو اہم باتیں بتائی گئیں کہ اِن ریشیوں نے بالائی جگہوں پر مناظِر فطرت کے آغوش میں صحیفۂ قرآن اور صحیفۂ کائنات کے آیات بغور پڑھے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ جو لعلِ بے بہا اُنہوں نے اپنی باتوں، اپنے کلام اور اپنے موعظوں میں لوگوں پر نچھاور کیئے وہ انمول موتی ہیں۔ اِس سے پہلے کی نظم میں بہ صراحت کہا گیا ہے کہ یہ ریشی لوگ صنّاعِ ازل کی صنعت و کاریگری کی تمام جہتوں کو سمجھ لیتے ہیں اور پھر اُسی تفہیم کا ادراک اپنے کلام میں (شعر اور موعظہ) میں لوگوں کو دیتے ہیں۔

مختصر کہ ریشی وہ خُدا دوست، فطرت نواز، خادمِ خلق ہے جو ازل سے ہی موزون طبیعت لے کر آیا ہے اور جو اپنے ربِ الجلیل کی مدح گاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلامِ شیخ کا اکثر حِصّہ بلکہ سارے کا سارا ایک طویل مناجات کے ہی اجزا ہیں۔

Marfat.com

حضرت شیخ کو یہ اندازہ ASSESSMENT پوری طرح حاصل تھا کہ ریشی تحریک کی مقبولیت خود رو جاڑیوں کی طرح ریشیوں کی بے ہنگم پیداوار کو بھی بڑھاوا دیگی اور نقلی ریشی مستقبل قریب میں اس مسلک اور اس تحریک کی روح کو پامال کرینگے۔ آپ کی پیش گوئی پڑھیے:۔

کیلک گرگرِ ریش لاگن ییتھ یا تھر لاگن منز رنگن
نیشہ بوَ دی اُنتھ وانہ لاگن دوَن مُشٹھ کیَس تہٕ اَن
تی اَدِ نفسہ تژرس لاگن ناد بوِ لوکھ لگن ون

ترجمہ:۔ مستقبل میں گھر گھر سے ریشیت کا لبادہ اوڑھ کر (مکار) نکلیں گے۔ اُنکی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کہ پاتر (ڈرامہ کے دوران ڈرامہ کھیلنے والے کہانی کے کرداروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔
پھر ایسے ہی نقلی ریشی سادہ دل طالبوں کو بیگار پر لینگے (اور اُنہیں بیلوں کی طرح ہل کے ساتھ جوڑ کر زمینداری کرینگے)
دالیں اور کپاس بوئیں گے
وہی دالیں جھوٹے لنگر خانوں میں کھائینگے
اور اسی کپاس کی روئی سے پوشاک بنائینگے
اور اِن مکار نمائشی ریشیوں سے استفادہ کرنے کے لئے (لوگ انہیں اصل ریشی تصور کرکے)
جنگلوں میں اُنکی تلاش میں سرگردان رہینگے۔

Marfat.com

اِس ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ یہ جعلی (FAKE) ریشی جوق در جوق پیدا ہونگیں اور اُنکا طریقہ عمل بھی واضح ہے۔

یہ حقیقت امر ہے کہ شیخ العالم ایک مخصوص وقت صرف ۵ سال کیموہ گپھا میں گزار کر سیاحتِ کشمیر کو نکلتے ہیں۔ بلکہ اُن پانچ سالوں کے دوران مسخ شدہ روایات کے مطابق بھی اکثر آپ کو جو معاملات نبھانے پڑے اُن سے بھی مترشح ہے کہ اُس کی غار نشینی سے زبردست ہل چل اربابِ اقتدار میں پیدا ہوئی تھی؟ کیوں۔ اسلئے کہ وہ محض غار نشینی کے اسباب نہیں تھے دو قتلوں کے الزام کے دوران سلطان سکندر کے دربار میں شیخ کی نسبت درباریوں کے ریمارکس کہ" وہ بھیڑ کے لباس میں بھیڑیا (نعوذ باللہ) تھے اور اس کے فوراً بعد گرفتاری کے احکامات جاری ہونا یہ سب واضح اشارات اِس جانب ہمارے ذہن کو دیتے ہیں کہ غار نشینی راہبانہ عمل نہیں تھا بلکہ یہ تو ایک مرکز قائم کرنے کا ابتدائی مرحلہ تھا یا محض ایک تربیت گاہ قائم کرنے کی روایت تھی سترھویں صدی کے ان تذکرہ نویسوں نے البتہ اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ریشیت کا مقصد خدمت خلق تھا۔ درختان نصب کرنے سے ماحول کو سنوارنے کا تھا۔ راہ گیر، مسافر، معذور

Marfat.com

ضعیف، ناتوان کی مدد کرنا تھا۔ خالق کی ہر مخلوق کو جاندار جان کر اُس کا تحفظ کرنا تھا۔ یہ سب خصائص و خصائل خود ابوالفضل نے بھی سولہویں صدی میں ان ریشیوں کے عمل میں پائے تھے اور اُن کے بعد مورخ خواجہ اعظم دیدہ مری، بابا داوُد مشکواتی اور نوری صاحب تذکرہ نویسوں نے بھی لکھے ہیں۔

اِن نظموں سے جنکا اُوپر ذکر کیا گیا ہے صاف ظاہر ہے کہ ریشیت کے ضابطہ میں خلوت نشینی اہم ہے مگر یہ ایک ٹریننگ کورس کے طور عائد کیا گیا ہے تا اینکہ اس خلوت سے ایک ریشی بشری جذبات پر (جنہیں لذائذ طلبی، غصّہ، عداوت، کینہ۔ اِنتقام گیری وغیرہ ہیں) قابو پا سکے اور تزکیہ نفس کے مرحلہ سے گذُر کر وہ ایک ایسا کیریکٹر بن پائے جس کے قدم کسی بھی یلغار میں ڈگمگا نہ پائیں۔ غار جہادِ زندگی میں کامرانی حاصل کرنے کے لئے ایک تربیت گاہ تھی۔ اگر اِس خلوت میں بھی اِس زیرِ تربیت ریشی کا عمل ریا کارانہ رہا تو معاشرتی زندگی میں مراجعت کے بعد اِستحصال کا ایجنٹ بن کر زیادہ خطرناک بن پائے گا۔ یہ خلوت اس لئے بھی ضروری عائد کی گئی ہے کہ کہیں معاشرتی زندگی میں جو اختلاط۔ فرد اور فرد کا ـــــــ

Marfat.com

دو قبیلوں کے دو افراد کا اور فرد کا قوم اور معاشرہ کے ساتھ اِس اختلاط میں کئی آزمائشوں کا دور آتا ہے۔ کبھی یہ اختلاط زن و مرد سے شہوت کا جذبہ غلبہ پاتا ہے کبھی دو افراد میں حیلہ و حجت تصادم اور غصّہ کا ماحول بنالیتا ہے۔ کبھی سارا معاشرہ ایک "ریفارمر" کے نصائح سے تلملا اُٹھ کر فتنہ بپا کرتا ہے۔ اگر اِس سچویشن میں مُبلّغ اور مُصلح غصّہ ہوئے تو مقصد میں زبردست رُکاوٹیں پیدا ہونگیں بلکہ ردِّ عمل کے طور پر مُبلّغ و مصلح کے لائحہ عمل کے خلاف ہی تاثر پیدا ہو پائے گا۔

مگر بعد کے تذکرہ نویسوں نے ریشیت کے اِس عارضی پہلو کو ایک دائمی خصوصیت PERPETUAL FEATURE کے طور پر سندِ اعتبار عطا کیا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کلام شیخ کی گہرائیوں میں پڑنا نہ چاہتے تو کم از کم حیاتِ شیخ سے سبق لیتے۔ سترھویں صدی کے ابتدا میں خود بابا نصیب غازی ریشی کیڈرد کا ممبر نہ ہونے کے باوجود عملاً ریشی تھے، اُن کا طریق عبادت سارا رشیوں کا سا تھا۔ ایک بار سوکھا بینگن دال میں پایا تو دال کا کٹورا ہی پھینک دیا۔ بینگن پر گوشت کی بوٹی کا گمان ہوا۔ یعنی پٹھان نسل ہونے کے باوجود گوشت کھانا

Marfat.com

چھوڑ دیا تھا۔ سینکڑوں مساجد تعمیر کیں۔ سیاحت و تبلیغ اُن کے اہم مشاغل رہے تھے۔ ریشیانِ وقت کا قریبی دوست رہا ہے گہرے مراسم اُن کے ساتھ تھے جن میں حاجی لولی ریشی کے خاص طالب بھی تھے۔

لہذا ان تذکرہ نویسوں نے ریشی تحریک اور مسالک کے بارہ میں وہی لکھا جو دیکھا اُس کے تمام ارتقائی مراحل کا تاریخ مُرتّب کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ مگر مغل سامراج کا دور قائم ہوتے ہی ریشیت کے رُوح کو شاطرانہ پالیسی سے توڑا گیا، (Suppressed) کیا گیا تھا۔ تحریک کا نظم وضبط درہم برہم ہوا۔ صدر مقام "زرار" سے یعقوب شاہ چک کے کمانڈر ایجیف کے (جو مغلوں کے خلاف لڑا تھا مگر آخر شکست کھا گیا) گرفتار ہونے سے ریشی مراکز پر مخبروں کی تعیناتی سے بھی کیریکٹر کی رُوح پامال ہوئی تھی۔ ریشی پر شک وشُبہ کا عمل چک دور کے شیعہ سُنی فسادات میں ہونے لگا تھا ریشی مراکز مظلوم کی پناہ گاہ (Shelter Home) بنا تھا، اس لئے ریشی کو بھی موردِ الزام بننا پڑا، تو یہ ضرب المثل عام ہوا:-

" ریوش اسے ژلِہ پننہِ دِشہِ توتہِ ژلس نہٕ رُیشہِ تاو"

(ریشی اگر اپنے وطن ـــ پرگنہ سے بھی بھاگ چلے پھر بھی

Marfat.com

ریشیت کی پہچان اُس کی گرفت کا موجب بنے گا)۔

اس پس منظر میں مشکواتی صاحب اور نوری صاحب کے عہد میں جو تحریک کی بگڑی ہوئی سطح اُنکے زیر نظر تھی اُسی پر اُنہوں نے "ریشیت" کو محلول کیا۔ اُن کے پاس کوئی رسالہ بھی عہدِ شیخ یا اُس کے بعد کا دستیاب نہیں تھا جیساکہ ہمیں تصوّف کے ارتقا کے بارے میں رسائل عہد بہ عہد ملتے ہیں جو تصوف کی تاریخ و توصیف مقرر کرنے میں ماخذ بن گئے۔

صاحب روضتہ الرّیاض بابا محمد خلیل اللہ نے اس کتاب کے حرف اول (FOREWORD) میں بیان کیا ہے :-

"فقیر حقیر از ترجمۂ آں، این حقیقت بیان میسازد
کہ نقلے برآں کلامِ شیخ مخبر دریں کتاب درج نساختم"

یعنی آپ نے وہی داستانیں پرانے ذرائع سے نقل کی ہیں جو کلام شیخ کی کسوٹی پر پوری اُترتی تھیں۔ اُن کا معیار کچھ اور تھا اور اُنکی کسوٹی کچھ اور تھی۔ اُن کے ہاں شاعری شیخ کے لئے شجرِ ممنوعہ تھی اور بدورانِ سیاحت "ملک کشمیر" کوئی واقعہ پیش آیا تو ردِّعمل کے طور اُن کی طبیعت موزون ہوتی تھی۔ اِس طرح کلامِ شیخ کے ہی حوالہ سے ایک ناول نما داستان در داستان افسانہ وجود میں آیا۔ جس کے ہر حادثہ پر

Marfat.com

یا ہر واقعہ پر کلامِ شیخ سے کوئی حوالہ چُست بیٹھتا تھا تو نگینہ کی طرح جڑ لیا گیا۔ محمد خلیل صاحب کو اِن افسانوں میں جو کوئی افسانہ شیخ کی کسی نظم کے مفہوم کے ساتھ چُست نہ لگا، وہ آپ نے شامل نہ کیا۔ پھر ایک اور بات پتے کی کہتا ہے جس کا مجھے یہاں پر دراصل ذکر کرنا ہے۔ آپ حضرتِ شیخ کے کسی قطعہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اُس قطعہ میں کہا ہے کہ "میں ۴۲ سال کی عمر کشمیری ماہ چیت کی نویں تاریخ کو غار سے نکل کر تصوف پر بُد چیرت (یعنی عقل افزا شدہ) کتاب مشتمل بر ڈھائی ہزار ابیات بزبان سنسکرت تصنیف کر چکا ہوں" اِس بیان سے واضح ہے کہ: حضرت شیخؒ نے غار میں تصوف پر ایک کتاب لکھی تھی۔ کتاب شاعری میں تھی۔ اس کے ۲۵۰۰ ابیات تھے۔ اس کا نام بُدچیرت تھا اور سنسکرت زبان میں یا سنسکرت آمیز کشمیری زبان میں تصنیف کیا تھا۔ البتہ "بدچیرت" کا معنیٰ 'عقل افزا شدہ' خلیل بابا صاحب کا ہے۔ مگر اس کا معنی وہ نہیں ہے۔ "بودھ" کشمیری میں عقل کو کہتے ہیں، تو خلیل بابا صاحب "بدھ چیرت" کو 'عقل افزا شدہ' کہہ بیٹھے۔ مہاتما بدھ حضرتِ شیخ کے عہد میں بھی کشمیر میں سہجانند کے لقب سے مشہور تھے (جو لقب

Marfat.com

بعد میں حضرت شیخ کے ساتھ بھی مخصوص ہوا)۔ اِسطور مہاتما جی شانتی اور اطمینان کی علامت تھے اور اُسی حوالے سے شاید اپنی کتاب کو حضرت شیخ نے یہ نام رکھا تھا۔ کچھ دس باراں اشعار اس نظم کے خلیل صاحب نے نقل کئے ہیں جن کو راقم پڑھ بھی نہ سکا کیونکہ سنسکرت الفاظ کو فارسی رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور ایسے شخص نے نقل کیا ہے جو خود اِس زبان سے نابلد تھا جس زبان سے اُس کو منتقل کیا گیا ہے۔ لہذا وہ جو خود نہ سمجھ پائے تو کیسے درست صورت میں لکھ پاتے۔ موتی لعل ساقی نے بدھ چرت کے حوالہ سے اخذ کیا ہے کہ نظم مہاتما بدھ کی تعریف میں ہوگی۔ اِس رائے سے ردِعمل اظہار کرتے ہوئے ریشی نامہ بہاؤ اللہ متو کے ترتیب کار دن سامون صاحب، اور محمد اسد اللہ وانی صاحب نے رائے ظاہر کی کہ خلیل بابا صاحب مورخ نہ تھے لہذا یہ دعوی کہ انہوں نے اس ڈھائی ہزار ابیات پر مشتمل "بدھ چرت" نظم کو حاصل کیا تھا قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ ایسا فیصلہ اس ڈویژن بنچ نے کیوں صادر کیا ہے اور کِس مواد پر کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ شاید لگتا ہے کہ نفسیاتی تضاد ہی ہے۔ خلیل صاحب نے کوئی تحقیقی یا تاریخی کارنامہ نہیں کیا تھا تو ہم اُنکی مورخانہ

Marfat.com

صلاحیت وصلابت کا تجزیہ کرتے۔ اُنہیں ایک دستاویز ملا جسے وہ پڑھ بھی نہ پائے مگر جو سمجھ پائے وہ اپنے تذکرہ میں بیان کرتے ہیں۔ چند سال قبل ہمارے ایک نوخیز قلمکار ڈاکٹر محمد رمضان شاد کو بیسویں صدی کے ہی ایک گمنام شاعر خضر ملک صفایا (جس کا ہمیں نام تک بھی معلوم نہ تھا) کا دیوان اور شعری کارنامے ملے۔ اُس نے اِس کلام کو سمجھا اور بہت حد تک زیور طبع سے آراستہ کیا، اب کوئی یہ کہے کہ وہ ہسٹری شعبہ سے متعلق نہیں ہے لہذا اُسکا خضر ملک صفایا کو شاعر کہنا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

اِس بے محل (PARENTHESIS) کو ٹھونسنے کے بعد میں* اصل مضمون کی طرف رجوع کرونگا۔ بروایتِ خلیل اللہ بابا حضرتِ شیخ ؒ نے کتاب 'بدھ چرت' تصوف پر لکھی ہے۔ شیخ نے جس نظریہ تصوف کی علمبرداری کی ہے وہ ریشیت کا نظریہ ہے۔ سلسلہ اویسیہ کو ہی نافذ کرنے کا نظریہ رہا ہے، اسلئے قرینِ قیاس ہے کہ "بدھ چرت" ریشیت کے نظریہ تصوف کے بارہ میں ہی ایک اہم دستاویز تھا، یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ریشیت کے اسلامی نظریہ کو مہاتما بدھ کے نظریات کے ساتھ

* گو کہ بے محل نہیں ہے بلکہ شیخیات کے بارہ میں ایک اہم نکتہ کو زیرِ بحث لایا گیا ——— گوہر

Marfat.com

تقابل اور توازن بھی کیا گیا ہو۔ میں نے اُس دستاویز کے حصول کے بارہ میں ذرا تساہل سے کام لیا تھا۔ اگر چرار شریف قصبہ کو مئی ۱۹۹۵ء میں نذرِ آتش ہونے سے پہلے ایسی کوشش کی ہوتی شاید اس نظم کو پایا ہوتا مگر اب قصبہ کی راکھ کے ساتھ ایسی تمنائیں بھی راکھ ہو چکی ہیں۔

شرُوک اور حدیث

توشں بندہ نمازِ پیٹھہٕ رمضانس
تِی بایہٕ لگی پانس ستی
کَن تھوِ شرُوکین حضٕ قرآنس
بتھہٕ شایہٕ ویرِ ژمیشایہٕ کتی
دوہہٕ آکِہ لمہٕ لمہٕ لگِہ بتھہ جانس
اُندی اُندی یار پآسے آسَن سنتی
سُمتھہ پآسے بند والَن سرانس
لمہٕ لمہٕ بارو دِیتھ نَم بیتی

Marfat.com

کپراہ وَلہٕ تَم اُدرِس پانَس
ثُنٛد تہٕ ڈیوٹھٹھ لگہٕم عہٕستی
ترٛاَوِ تھ ییٚنَم اَنٛد مادانَس
سُمِتھ پیٚٹھ ہیٚبتھ زیٚلہٕ تَم عہٕتتی
زاَنِتھ کل کوَہ مُھٹھے نادانَس
یَیِتھ جایہٕ دیٚہر گژھے موٗزِتھ کیٚتی

ترجمہ :۔ اے بندۂ خُدا مُسرت سے ماہِ رمضان کا استقبال کر
قیام رکوع و سجود میں شادان و خندان رہ
متاعِ سفرِ حیات صرف صُوم و صلواۃ ہیں
ہاں تلاوت قرآن و احادیث سماعت کر
(یہی بڑی بہادری ہے)
اِس مٹی میں لاتعداد ویر اور بہادر مٹی ہو گئے ہیں۔
(اے میرے اندر کے کرُودی بہادر ذرا سوچ لے)
دن قریب تر آنا ہے جب کہ
جان کنی کی شدت سے ہماری بہادری جکنا چور ہو گی
اُس وقت تیری کسمپرُسی کی حالت کا تماشا
دیکھتے رہیں گے تیرے احباب جو حلقہ بنائے

Marfat.com

(تیری لاچاری کو تکتے رہیں گے)
پھر اکٹھے ہو جائیں گے تیرے اقربا (تیری موت کی خبر سُن کر
جو تب تک جب تک تم جان دیتے رہے
کارِ دُنیا میں تمہیں بھُول کر منتشر تھے)
اور تیرے ٹھنڈے بدن کو لینگے نہانے کے لئے
اس مختصر سی رفاقت کے دوران بھی
(جب وہ سامان کرتے رہینگے تیری تجہیز و تکفین کی)
وہ تیری عیب چینی میں باہمی مشغول ہونگیں
(پھر جلدی میں ۔ تعجیل کے ساتھ)
تیرے بھیگے بدن کو ڈھانپ لینگے کفن سے
(اس مال و متاع میں سے تعمیرات اور دولت میں سے)
بس تیرے ساتھ لگے گا : سرمایہ اعمال کا
تیری نیکیاں ۔ تیری بدیاں
اور اسی سرعت کے ساتھ کہیں دور میدان میں دفنا آئینگے
اور اوپر ڈالینگے تودے مٹی کے،
یہ سب جانتے ہوئے ۔ ہر دن یہ تجربہ کرتے ہوئے،
پھر بھی تم اس کے ساتھ وابستگی کرنے کی لگن کو بھول گئے
اے بہادر ۔ دیکھ سب بہادروں کا حشر کیا ہوا ہے ۔

Marfat.com

ایک اور نظم جس کے مطلع میں بھی قرآن کے خاص پانچ سورتوں کی تلاوت وسماعت کی ہدایت دی گئی اور تاکید کی گئی ہے کہ اشلوک سُنے جائیں حصہؑ اول کے صفحہ ۳۴۹ پر درج ہے۔ اس کا ترجمہ بھی یہاں پر کیا جاتا ہے :-

ایک دن حوروں کے جھرمٹ میں رہنا ہے
خشوع اور خضوع سے قرآن اور احادیث کی سماعت کر
یاد رکھ کہ عالموں کی جگہ ہوگی جنت کے حور وقصور میں
اور ظالموں کو جلایا جائیگا آگ کے تندوروں میں
اسی طرح سخاوت شعار لوگوں کے لئے
اعلیٰ علیین کی سب نعمتیں وافر ہونگیں
سخی کے لئے سجائے جائینگے اسپِ تازی (زین وساز سے)
اُنہیں دئے جائیں گے تیر کمان بدست
پہنائے جائیں گے وہ زرہ بکتر،
اور اُنکا مقام ہوگا مدینہ کے بہادروں
(انصار رسولؐ) کے ساتھ

اس وقت ہمیں ان نظموں کے حوالہ سے لفظ "شَرۡ ڈِکی" کی توضیح مقصود ہے، اسلئے اِن دونوں نظموں کی شرح ذرا ملتوی رکھتے ہیں۔ ان دونوں میں حضرت شیخ نے

Marfat.com

احادیث رسولؐ کے لئے لفظ "شتر ؤکی" استعمال کیا ہے جو کہ کشمیری نعم البدل تھا۔ سنسکرت لفظ "اشلوک" کا۔ متقدمین نے لفظ "شترؤکی" (اشلوک) کی بہت ہی دور از کار تاویلات کی ہیں۔ مگر عہدِ حاضر کے منصب دار ادیبوں نے بلا کسی مطالعہ کے "شترؤک" کو ایک صنفِ شعر سے تعبیر کر کے اس کو واکھ کے مقابل کھڑا کیا ہے۔ حتیٰ کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ لل عارفہ کا سارا کلام واکھوں پر مشتمل ہے جب کہ کلامِ شیخ میں واکھ (قطعات و رباعیات دو بیتی، چھوٹی نظمیں) بھی ہیں اور وژن (طویل نظمیں مصرعہ تکرار REFRAIN کے ساتھ بھی ہیں) اور جدید نوعیت کی نظمیں بھی، مثنوی کے نمونے بھی ہیں۔ نعتیہ نظمیں بھی ہیں اور آجکل کی سفید نظموں کا نمونہ بھی موجود ہے مگر پچھلے ایک سو سال کے دوران وعظ مجالس یا صوفیانہ موسیقی میں یا روزمرہ کی بول چال میں یا "چھکری" کی ابتداء میں صرف کلامِ شیخ میں سے یہی مختصر نظمیں، قطعات و رُباعیات اور دو بیتی پڑھے جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں عام کیا خواص طبقہ تک کو یہی خیال غالب رہا کہ لل کی طرح شیخ کا کلام بھی انہی واکھوں پر منحصر ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ کلامِ شیخ میں حدیث کے لئے لفظ "شترُؤک"

Marfat.com

(اشلوک[۱]) کا استعمال ہوا ہے۔ مگر زاں بعد جب اسلامیات کے تکنیکی الفاظ من وعن کشمیری محاورہ میں شامل ہوئے تو قولِ رسولؐ کے لئے کشمیری محاورہ میں بھی " حدیث" لفظ ہی استعمال ہوا اور شڑوک کلامِ شیخؒ (حدیثِ شیخ جو حدیث رسولؐ کا ہی روپ ہے) کے لئے روزمرہ کا محاورہ بن گیا۔ یہ کوئی مخصوص صنف نہیں ہے بلکہ کلامِ شیخ کا صفت ہے اور اس میں قطعات بھی شامل ہیں اور نظمیں بھی۔ اِس واسطہ سے اب اِس بحث میں ہم کلامِ شیخ پر احادیثِ رسولؐ کے احاطہ کا تذکرہ کرینگے۔

---

[۱] کلام شیخ اور اس پر فارسی میں تذکرہ اور ریشی ناموں میں مباحث کا مطالعہ نفی کے برابر ہونے کے باوصف ہمارے منصب دار ادیب اپنے مناصب کا ناجائز استعمال کرکے بحیثیت اُستادان شعبۂ کشمیری یا اکادمی کے اکابروں کی حیثیت سے یا ریڈیو اور ٹی وی پروگراموں پر متصرف رہنے کی وجہ سے اپنی ہٹ دھرمی پر کٹرپسندی سے لجاجت آمیز حد تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور اسی سے خوامخواہ "شڑوک" کو واکھ کے مقابل میں ایک صنفِ شعر کے طور پر کھڑا کرتے رہے ہیں۔ یا تو دلائل سے ہمارے مفروضہ کی تردید کریں یا اِس ہٹ دھرمی کو ترک کرکے مناصب کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے ادبی تاریخ کو تضاد کا شکار نہ بنائیں۔

Marfat.com

ل۔ "دنیا: دارِعبرت اور موت کی یاد"

محولہ بالا دو نظموں میں پہلی نظم کے آہنگ سے حدیثِ رسولؐ کی روح منعکس ہے: اِس میں دُنیا کی ناپائداری کے حوالہ سے شاعر اپنے قاری کے ضمیر کو جنجھوڑ کر اُس سے کہتا ہے:
(ترجمہ) ۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دن قریب آرہا ہے جب وقت نزع کو تیرے محبوب اور نہیتے اقربا تمہیں اس بے بسی کی حالت میں تکتے ہونگے اور صرف دیکھتے ہونگے کہ کس سختی سے تم جان دے رہے ہو، اُس سختی کے مرحلہ میں تیری کسی قسم کی مدد نہیں کر پائیں گے، پھر جونہی تم اُس کٹھن مرحلہ سے نکلو گے تو تیرے بدن کو اس تعجیل کے ساتھ دور کسی میدان میں سپردِ خاک کیا جائے گا کہ بھیگے بدن پر ہی کفن اوڑھا جائے گا اور اِس دوران بھی تیری نکتہ چینی وہ کرتے رہینگے۔ تیری خامیاں بیان کرتے رہیں گے اور پھر شاعر کہتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی۔ اِس کا روز مشاہدہ کرتے ہوئے بھی۔ اِس حقیقت کا ہر دن تجربہ پانے کے باوجود "کل کُوہ میٹھے . . ." تم وہ لگن کیوں بھول گئے۔ شاعر نے اِشارتًا بھی اُس لگن کو واضح نہ کیا مگر نظم کے اسلوب سے وہ لگن

Marfat.com

خود بخود ظاہر ہوتی ہے۔ لکن ؛ قرآن واحادیث کی قرأت وسماعت کی۔ تاکہ ایسے احادیث سے اپنی عاقبت سنوار پا سکے۔

ابن مسعود (بروایت ابن ماجہ۔ مشکواۃ) روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول مقبولؐ نے :۔ کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (رواہ ابن ماجہ؛ مشکواۃ۔ باب زیارۃ القبور)

[میں نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا (مگر) اب تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ دُنیا سے تسلّی ہوتی ہے اور آخرت کی یاد رہتی ہے۔]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے میرے کندھے کو اپنے دستِ مُبارک سے پکڑے رکھ کر فرمایا:۔

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ (بخاری۔ مشکواۃ، باب تمنی الموت)۔

اس دُنیا سے اُسی طرح رہو جس طرح ایک راہ چلتا مسافر سفر کرتا ہے ...

Marfat.com

دیکھئے محولہ بالا نظم کس طرح اِس حدیث کا کشمیری روپ ہے :

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَءُ كَمَا يَصْدَءُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جَلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ ؕ

(رواہ البیہقی ۔ مشکوٰۃ ۔ کتاب فضائل)

یعنی فرمایا رسول اکرمؐ نے (انسانوں کے دلوں پر) اُسی طرح زنگ لگتا ہے جس طرح لوہا پر پانی گرے تو یہ زنگ آلودہ ہوتا ہے ۔ پھر اُن سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہؐ دِل کی صیقل کیسے ہو پاتی ہے تو آپ نے فرمایا :-
"موت کی کثرت کے ساتھ ہر وقت یاد کی جائے اور تلاوت قرآن کیجئے ۔"

Marfat.com

اب دیکھئے اِس نظم میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تلاوتِ قرآن و احادیث کی تاکید کرتے ہوئے اِنسان کی عاقبت کی ڈراونی حقیقت بیان کی وہ بھی خاص طور سکراتِ موت کے حوالہ کے ساتھ اور پھر اُنہی اقربا کا میّت کو کفنانے اور دفنانے میں غیر معمولی جلدی کرنا اور اُس زبردست حزن والم کے ماحول میں بھی اِس نومردہ کی عیب جوئی ہونا اور پھر دور ایک سنسان جگہ پر اس کو ایک خندق میں ڈال کر پوری شدت کے ساتھ مٹی اوپر ڈالنا اور پھر تاکید کرنا کہ وہ مقصد حیات کیوں بھول گیا۔ اِس طرح سے تعلیم احادیث کو نومسلم کشمیری ذہن پر حاوی کرکے آپ نے خُدا ترسی کی ذہنیت پیدا کی۔

محولہ بالا دوسری نظم میں قاریٔ قرآن واحادیث (قاری کے ساتھ سامع بھی شامل ہے) عالم، سخی، ظالم اور مُجاہد کے حوالہ جات سے چند احادیثِ رسول ﷺ کی تاکیدی تعلیم سے کشمیری زبان وادب کو اُس مرحلہ پر حکمتِ کُل کا متحمل بنایا جب یہ دونوں ابھی اپنی بقا کی کوشش میں لگے تھے، پہلے اس نظم کی تشریح کرتے ہیں۔

”قرآن واحادیث کی تلاوت کان دھر کے سُن لے اور اُس وعظ ونصیحت پر عمل پیرا ہوتو ایک دن۔ روزِ مقرّرہ کو

Marfat.com

تمہیں جنت کے اُس مقام میں جگہ ہوگی جہاں تیری تابعداری اور خدمت گذاری کے لئے خُدا نے حوُر و غلمان مامور کئے ہوں۔ اس پنج روزہ دنیاداری میں یہاں کے سامانِ عیش و عشرت، فانی حسُن و ادا اور لمحاتی سکون کے نشے میں چوُر ہوکر صحبتِ قرآن و احادیث سے جو کنارہ کش ہو پائے اُس کو ذہن نشین کیا جاتا ہے کہ یہ دُنیاوی لذات چند روزہ ہیں اور دائمی سکون اور دائمی عیش و طرب ایک تو قاری قرآن واحادیث کا حاصل ہے اور ثانیاً اُس مقام پر سخاوت کرنے والے ہی پہنچ پاتے ہیں۔ اور مجاہد کا مقام وہی ہے جو مدینہ کے انصارِ رسولؐ کا ہے جنہوں نے تمام فیاضی سے، خلوصِ دِل سے اور جذبۂ عشق سے مجسمۂ ایثار بن کر مہمانِؐ عرشِ اعلیٰ کیلئے اپنے قلب وجگر کے در و دریچے وا کئے تھے۔ اور پھر اِن مدینہ منورہ کے بہادروں نے اپنے مہمان کے دفاع کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے اور اس اپنے عظیم المرتبت مہمانؐ کے دُشمنوں کو اُنکے مُبارک قدموں پر گرانے کی نوبت پہنچادی تو اِس خیر البشرؐ نے لا تثریب علیکم کی بشارت سے مکہ معظمہ کے اُن جہلاء کو بشارتِ جنت دیدی۔ اُنہوں نے جنت صاحبِ جود و سخاؐ کے جود و کرم سے حاصل کیا جبکہ مدینہ

Marfat.com

کے انصار نے جنت اپنے خلوصِ عشق اور ایثار سے کمایا۔ اسی لئے شیخ العالم بہادری کا اعلیٰ نمونہ اُنہی میں پاتے ہیں اور اُنہی کے مقام کو ارفع ترین مقام مانتے ہیں۔ مگر یہ مقام اُن قرآن خوان، سامِع حدیث، صاحب جود وسخا اور عادل کے لئے مقررہ معاوضہ ہے جو تیز گام گھوڑوں پر مُسلح ہو کر اُسی ایثار، خلوص، لگن اور عشق سے خیر و برکت کے مہمان کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کرنے پر پابہ رکاب رہا کرینگے۔

حضرت ابی سعیدؓ کی روایت سے الطبرانی میں یہ حدیث نقل ہے کہ ایک شخص درخدمت اقدسؐ حاضری دینے آیا اور نصیحت کی استدعا کی تو آنحضورؐ نے فرمایا:۔ عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهَا جِمَاعُ كُلِّ خَيْرٍ وَعَلَيْكَ بِالْجِهَادِ فَاِنَّهٗ رَهْبَانِيَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْكَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَتِلَاوَةِ كِتَابِهٖ فَاِنَّهٗ نُوْرٌ لَكَ فِي الْاَرْضِ وَذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَاخْزُنْ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّكَ بِذٰلِكَ تَغْلِبُ الشَّيْطٰنَ ؛

(المعجم الصغیر للطبرانی ص ۱۹۷)

یعنی خوف خدا اپنے پر طاری کر کے تقویٰ کرو کیونکہ وہی ہر خیر اور نیکی کا خزانہ ہے۔ جہاد تم پر لازم بنتا ہے کیونکہ

Marfat.com

جہاد ہی مسلمانوں کی درویشی ہے۔ ذکرِ خُدا اور تلاوت کلام اللہ پابندی کے ساتھ کیا کرو کیونکہ یہ ہمارے لئے زمین پر مشعلِ راہ بنے گا اور آسمانوں پر تمہاری شہرت کا طالب بنے گا اور اپنی زبان کو کلامِ خیر کے بغیر اِستعمال نہ کرنا کہیں تم پر شیطان غالب نہ ہو پائے۔

اس حدیث شریف میں قرآنِ مجید کی تعلیمات کو زمین پر مشعلِ راہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ رمز اشارتاً قطعہ میں یوں ادا کیا گیا ہے :۔

محمدؐ تہ ژورِ یاو برحق گُنز رُکھ
تِمن نش اندی دُوِنی بیہک نیاے

(محمدؐ اور خلفاء راشدین کی اطاعت کی روشنی میں ہی مسائلِ دُنیا حل ہو پائینگے۔

(۱) سخاوت

سخاوت کا یہ حال ہے کہ خاندان نبوت نے فیاضی کے وہ اعجاز آفرین کارنامے انجام دئے ہیں کہ حاتم کی فیاضی بس دُنیاداری لگتی ہے۔

حضرت خدیجہؓ عقدِ رسولؐ میں آنے پر ہی کروڑوں

Marfat.com

رقومات فقرا، مساکین اور حاجت مندوں میں تقسیم کرتی ہیں حضرت عائشہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی آمدنی کا ہر پیسہ جمع کرکے پوری موٹی رقم مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرتی تھیں اور اُسکی بہن حضرت اسماؓ کو جو بھی ملتا تھا خیرات کرتی تھی دوسرے دن پر کچھ بھی نہ رکھتی تھی (بہ روایتِ حضرت عبداللہ بن زبیر)۔

محولہ بالا نظم ۱ کا مطلع کے شعر میں ہی نماز اور روزہ نہ صرف پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ "توش بندہ" ترکیب کے اِستعمال میں تاکید مُضمر ہے کہ اذان سُن کر اور آمدِ صیام پر ہمیں خوشیاں منانی چاہیئں۔ نماز پڑھنے کے فرض کی ادائیگی میں اور اُس کو قائم کرنے میں مسلمان کی تمام قلبی مسرتیں شامِل ہونی چاہئیں، اُسی طرح صیام کی آمد مسلمان کے لئے آمدِ عید سے بھی مُسرت آگیں مژدۂ جانفزا ہونا چاہیئے۔

حضرت ابوہُریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہؐ نے کہ " بتائیے کہ اگر آپ میں سے کسی کے گھر کے صحن سے جوئے آب رواں ہو، جو اُس چلتے پانی میں دن میں پانچ بار نہا کرے کیا اُس کے بدن پر کوئی میل ہوگی؟ صحابۂ کبارؓ نے عرض کیا " حضرت ہرگز نہیں۔" تو آنحضورؐ نے فرمایا: " یہی حال اُس شخص کا ہے جو پانچ بار دِن میں آبِ رواں میں نہائے

Marfat.com

اور وہ بھی گرم علاقوں میں، دِلی مُسرت کا ایک باعث ہے اور یہ مُسرت وشادمانی ہی ہے جو اس شخص کو ایسا کراتی ہے۔ اسی طرح پنجگانہ نمازوں کا پابند فطری طور شادمانیوں اور مُسرتوں سے نوازا جاتا ہے۔

ب۔ "ذِکرِ خُدا"

ایک اعرابی کے سوال پر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا:۔ کہ نیک کاموں میں افضل ترین کام یہ ہے کہ انسان دُنیا سے رُخصت ہوتے وقت بھی ذِکرِ خُدا میں لگا ہو۔ (رواہ احمد)۔ یہی رمز حضرت شیخ نے یوں فرمایا:۔

دِل چھپے گا ڈ ہوکھِ مُو تڑاوُن
فِکرِ ہِند یونئ دِس تسی توہ[۱]

ج۔ حلال وحرام

دُدی آسِتھ ہنبسَر پئیم
نفس قرار ہئیم مُو
حلال تژآوِ نَه حرام کھئیم
دَرگہِ ذات دِیَم مُو

---

[۱] یہ ادل بے مثل ایک مچھلی کے ہے جس کے لئے پانی ذکر اللہ ہے۔

Marfat.com

آدنہ کتھنہ گیاسں مکس
وزہ تا دانَس تیج نہ کرے
حق تزاُوِنہ لوٗگُس پَرحقَس
ستیرہ نزکسں آیم بڑے

پہلے قطعہ کا ترجمہ :-

تھا تو میں باشعور ، بیدار مگر ؟
افسوس کہ میں پڑ گیا ہوں گہری نیند میں
(بیداری سے خُفتگی تک پہونچادیا مجھے)
نفسِ امارہ کے اضطرار واضطراب نے
اور اسی بے قراری میں اِس میرے نفس نے
مجھے حلال ذرائع آمدن سے کاٹ لیا
اور رغبت پیدا کی اکلِ حرام کی
اس طرح میرا وجود ڈیٹھ بن گیا
مگر اِس اکل حرام سے بیمار رہا میرا دِل

وَیُن : جب کوئی غذا جسم کے لئے موافق بنے کوئی ردِ عمل پیدا کر کے بیماری یا نقصِ بدن پیدا نہ کرے اُسکو کہتے ہیں " وَیُن " یعنی کہ غذا کا موافق ہونا ۔۔۔ اَ وَ تُم ۔۔۔ مجھے

Marfat.com

غذا موافق لگ گیا) " وَبِیْمُ مُو"۔ ایسی غذا مجھے موافق نہیں لگے گی بلکہ بیمار ہی کرے گی۔ ہم نے یہاں پر بیماری کو بیماریٔ دِل۔ رُوح کی بیماری سے تعبیر کیا ہے۔

اِس قطعہ میں شاعر اُس اندرونی کشمکش کو اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اُس شخص کا حسبِ حال ہوتا ہے جس کو حلال وحرام میں امتیاز کرنے کی پوری صلاحیت ہو اور امتیاز بھی کر سکتا ہے کہ کون سا ذریعہ حلال اور جائز ہے اور کون ذرائع ناجائز ہیں اُسکو یہ بھی آگہی حاصل ہے کہ جائز ذرائع سے کمانے میں کیا پاکیاں مُضمر ہیں۔ کس طرح حلال غذا میں بیباکی، جرأت مندی اور باغیرتی کے جوہر موجود ہیں اور کس طرح ناجائز آمدن سے نہ صرف اِنسان کا اندرون سیاہ ہو جاتا ہے۔ نامۂ اعمال کالا پڑتا ہے بلکہ اس میں انسانی جواہر، بے باکی کا جوہر، غیرت مندی کا جوہر، انصاف کرنے کا جوہر سب زائل ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈرپوک، بے غیرت اور ظالم بنتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بڑا آفیسر عالم ہے، قانون بھی جانتا ہے، اُسے پُورا شعور ہے کہ رشوت کھانا حرام ہے، پُورا احساس ہے کہ راشی جہنم کا ایندھن بنتا ہے پوری آگہی ہے کہ جو اُس میں آفیسرانہ جُرأت اور بیباکی ہے وہ بیں رشوت کے

Marfat.com

ٹکے سلب کرتے ہیں مگر پھر بھی جب اُس کو "نفسِ امارہ" ـــــ پاش کالونی میں بنگلہ بنانے کا لالچ ـــ بی جی کے ساتھ بیٹھ کر اپنی شاندار کار میں تفریح پر نکلنے کی حسرتیں۔ ایک اضطراری کیفیت پیدا کرتی ہیں اور وہ جائز ذرائع کو نظرانداز کرکے حرام پر اُترتا ہے اور اِس عمل سے پھر اتنا ڈھیٹ بنتا ہے کہ یہ "دانا" اور "بیدار" آدمی اپنی حرام خوری کے لئے جواز پیدا کرتا رہتا ہے اور اسی جواز در جواز کی صورت میں وہ آخر پر حرام کا مجسمہ بنتا ہے۔

تو اُس مجسّمہ حرام کی کیا حالت ہوتی ہے۔ دوسرے قطعہ کی معرفت کا عرفان پی کر ہی اندازہ کیجئے۔

کیوں نہ میں نے عین شباب میں عمرہ، حج ادا کیا تھا،
اُف یہ کم عقل وقت پر طاعت گزاری کیوں نہ کرسکا
حق (حلال) چھوڑکر وابستہ ہوا ہوں،
(دیوانہ وار جیٹ پڑا ہوں) حرام پر،
(یوں کیا حاصل آیا؟)
کہ پانچ کلو سوت کات کر اُس میں نکلے بنا دئے،
اِن نکلوں میں لاتعداد گانٹھ پڑ گئے
سارا کاتا ہوا سوت

اس عقدہ کشائی میں کاٹتے کاٹتے بس

چھوٹے چھوٹے بے سود دھاگوں کا ڈھیر پڑا ہو

اس نظم میں "ستترہ ترکس برے بینی" ایک ایسا مصرعہ حضرت شیخ نے جوڑا ہے جس کی شرح کارے باشد ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے کچھ اشارات ضروری ہیں۔ "ترک" ایک وزن جو کشمیری وٹوں کے حساب سے چھ سیر ہوا کرتا تھا انگریزی وٹوں کے حساب سے ۵½ سیر کے برابر بنتا تھا اور آجکل ۵ کلو کے برابر ہے۔ سولاں ترک یعنی آجکل کے اسی کلو کو "خروار" کہتے ہیں۔

اسی طرح "برے بینی" ایک ایسی مشکل ترکیب ہے جس کا ترجمہ کرنا میرے لئے نا ممکن ہے۔ ہمارے ہاں اون بھی کاتا جاتا ہے، پشمینہ بھی اور سوت بھی کاتا جاتا تھا جب یہاں پر کپاس کی پیداوار ہوتی تھی اور کشمیر میں ہی دونوں اونی اور سوتی کپڑے مقامی طور بنائے جاتے تھے۔ اس کاتنے والے کے لئے مشکل مراحل آتے تھے۔ کات کر نلکے بنائے جاتے ہیں، نلکوں سے پھر ایک اور قسم کے چرخا "وچہ ینڈر" پر اس کاتے ہوئے دھاگے کے بڑے بڑے گولے بنائے جاتے ہیں۔ اس عمل میں کبھی دو دھاگوں کو ایک دھاگہ

Marfat.com

(Two plied) بنانے ہوئے گانٹھ پڑتے ہیں۔ جن کو بہت مشقت سے کھولا جاتا ہے۔ اگر اس جگہ گانٹھ کھل نہ پایا تو اتنا حصہ دھاگے کا کاٹ کر ضائع کیا جاتا ہے۔ اور دوسروں کو جوڑ کر پھر گوے پر چڑھایا جاتا ہے۔ اس گانٹھ پڑنے کو ہمارے محاورہ میں "گنڈ" کہتے ہیں۔ لیکن جب اتنے پیچیدہ گانٹھ (گنڈ) پڑ جائیں کہ صبر آزما بنیں اور کبیدہ خاطر ہو کر کاتنے والا یہ سارا حصہ کات کر ضائع کرے ایسے گانٹھ در گانٹھ کو "شژوک" کہتے ہیں۔ جب دونوں "گنڈ" بھی اور "شژوک" بھی پڑے اور یہ نہ صرف صبر آزما بنے بلکہ اس گنڈ اور شژوک کے تسلسل سے سارے کا سارا تکلہ ناکارہ ہو کر کاٹنا پڑے اس کو کشمیری محاورہ میں کہتے ہیں "بڑے بینی" (یہ معقول توضیح کسی مقالہ میں ہم سے پہلے استادانہ چابکدستی سے جناب پروفیسر حاجنی صاحب کر چکے ہیں) اب دیکھئے یہ گانٹھ در گانٹھ معاملہ صرف ایک تکلے یعنی سو گرام یا دو سو گرام وزن کے کاتنے ہوئے سوت کے ساتھ ہوا تو بھی اس کاتنے والے کا ذہن بدترین اُلجھنوں سے چُور ہو جاتا ہے۔
(MIND IS CONFOUNDED IN THE WORST CONFUSION)

Marfat.com

جب یہ حال اس بچارے کو ۳۰ سے بہ نکلوں (یا پنچ کلو کاتے ہوئے سوت) کے لئے دُھرانا پڑے تو اسکا حال کیا ہوگا؟ اندازہ کریں۔

یعنی حرام وحلال کا امتیاز کئے بنا بے رہروانہ زندگی چلنے والے کا یہی حشر ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر سوت کا تتار ہتا ہے اور پھر اس میں پڑا ایک ایک گانٹھ کھولتے ہوئے کاتتے ہوئے سارے دھاگے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ تھکاوٹ سے چکنا چور ہوکر حاصل اُس کا کٹے ہوئے ناکارہ اور ناقابل استعمال دھاگوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے جس کی اور یہ حرماں زدہ نظروں سے تکتے تکتے افسوس کا ہمہ تن المیہ بن جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے مشکواۃ شریف کے جلد دوم میں یہ حدیث نبوی ملاحظہ ہووے:۔

(ص۔ ۶۹ حدیث ۱۰۵):

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِى اللّٰهِ، فَاِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَهُ اِلَّا بِطَاعَتِهِ:

(مشکواۃ جلد ۲ صـ۴۵۲)

Marfat.com

رکوئی شخص تب تک وفات نہ پائے گا جب تک خداوندِ تعالیٰ اُس کے حق میں مقرر کیا ہوا رزق پورا نہ کر پائے۔ خدا کا خوف اپنے میں سرایت کرو اور رزق حلال ذرائع سے حاصل کرو۔ رزق پہونچنے میں دیری نہیں ناجائز ذرائع سے رزق حاصل کرنے کی وجہ نہ بننی چاہیے تھی .....''

کتب و احادیث کے ساتھ کلام شیخ پڑھتے ہوئے ہمیں لگ رہا ہے کہ ذیلی مضمون طویل ہوکر بھی تشنہ تفسیر رہے گا اور اسی طرح اب کلامِ شیخ کا زیادہ عرفان ہونے کے بعد لگتا ہے کہ جلد اول میں جو ہم نے کلامِ شیخ " آئینہ جمالِ قرآن'' اور دیگر جگہوں پر بلکہ اِس جلد میں بھی کئی جگہوں پر کلام شیخ کی تشریح کرتے ہوئے قرآن مجید کے حوالات دئے، وہ بھی نامکتفی بحث ہے بلکہ حضرت شیخ کے تئیں ناانصافی ہے۔ اِسلئے اب خیال دامنگیر ہونے لگا کہ اگر تائیدِ ایزدی حاصل بنے تو اِس سلسلہ میں ایک اور جلد کا اضافہ کرینگے جس کا عنوان ہی " خیر من کلام اللہ اور احادیثِ رسولؐ کا نمونہ کلام شیخؒ'' رکھنے کا ارادہ ہے۔ اگر ہم سے نہ ہوسکا تو امید کرتے ہیں کہ ہمارے فراہم کردہ اِشارات کو تسلسل دیتے ہوئے کوئی نہ کوئی عاشقِ قرآن اور محبِّ شیخؒ یہ کام انجام دے گا۔ اس لئے یہاں پر اب اس عنوان کو تشنہ طلب چھوڑتے ہیں؛

Marfat.com

رواداری

قومیت کے جذبہ کو ایک مخصوص جغرافیائی حدود میں رہنے والے بہ اشد طور ضروری محسوس کرتے آئے ہیں کہ وہ اپنے قومی مفادات اور جغرافیائی تحفظ کے لئے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر ایک ہو جائیں۔ یہ اتفاق و اتحاد کا پرچار درست بھی ہے اور صالح روّیہ ہے۔ لیکن جب اس جذبہ کی افراط کسی بھی طرح سے ہو پائے تو یہ دفاعی جذبہ جارح روّش بھی اختیار کرتا ہے۔ یعنی جب قومی افتخار کے جذبہ کو اسطرح منظم کیا جائے کہ پڑوسی قوم یا ملک کو سیاسی، اقتصادی، معاشی یا تہذیبی حاشیہ بردار بنانے کی پالیسی اس پر غالب آئے تو یہی صالح جذبہ شرانگیز بنتا ہے۔

جس طرح ایک مخصوص آبادی میں۔ ایک محلہ یا ایک گاؤں میں رہنے والے فرد پر پڑوسی کے حقوق لازم آتے ہیں اسی طرح ایک ملک کو دوسرے پڑوسی ملک کی نسبت ویسی ہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اور مسلمان کا نظریہ اس معاملہ میں سرورِ کائناتؐ کے ارشادات کے عین مطابق ہونا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا ہے :۔ پڑوسی کے حقوق کے بارہ میں

Marfat.com

رب جلیل سے اسطرح فرمان نازل ہوتے رہے کہ ہمیں گمان غالب ہوا کہ کہیں پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنانے کا حکم بھی صادر ہو پا سکتا تھا۔" انفرادی معاملہ ہی تو قومی معاملات کی بنیاد ہے۔ مگر آجکل جو کچھ ہمارے مشاہدہ میں آرہا ہے اُس سے یہی لگتا ہے کہ قومیت کے جذبہ کو دفاعی مفادات کے پیش نظر اُبھارا نہیں جاتا ہے بلکہ جارحیت، ہوسِ ملک گیری یا تجارتی منڈیاں قائم کرنے یا سیاسی حاشیہ برداری POLITICAL SATALITES کا دائرہ وسیع کرنے یا ہمچو قسم مفادات کو بروئے کار لانے کے لیئے اِس جذبہ کو اُبھارا جاتا ہے۔ خیر جو بھی مفاد ہو مگر ہر ایک مُلک اُس خطہ میں رہنے والے طبقات (خواہ وہ مذہبی طبقوں میں بٹے ہوں یا لسانی گروپوں میں) کو اتفاق و اتحاد سے رہنے کی تلقین ہوتی ہے اور امتیازات سے بالاتر رہنے کا مقصد ہر پیغامِ عمل پر شدّت سے حاوی رہتا ہے۔ یہ ضرورت نئی نہیں ہے مگر نیشنلزم نے اس کو نمایاں کرکے ایک خاص جہت میں مرکوز کیا۔ برصغیر اپنی مخصوص پوزیشن کے لحاظ سے مختلف طبقات میں بٹا ہے تو ہر ایک ملک کیلئے فرقہ وارانہ رواداری ایک مسئلہ بن گیا۔ کہیں یہ رواداری دو مذہبوں کے مابین کا سوال ہے تو کہیں پر ایک ہی مذہب کے

Marfat.com

مختلف مسلکوں کا سوال بن کر سامنے آیا ہے کہیں پر خطہ وار مفادات ٹکراؤ کا مسئلہ ہے تو کہیں پر ذات پات کے تعصبات کی وبا ہے۔ اس پس منظر میں رواداری کے اصولِ حق پر ہر قوم و ملک میں مبلّغوں، مصلحوں اور انقلاب آفرین شخصیات نے بہت زور دیا ہے۔ روحانی تحریکوں کے علمبرداروں نے بھی اس پیغام کی اپنے مخصوص انداز میں تشہیر کی ہے۔ مگر ہمارے عہد میں اس رُوحانی اور پیغمبرانہ اصلاح کاری پر "سیکولر" SECULAR لیبل چسپاں کی گئی ہے۔

سیکولرازم کسی بھی ایسے ضابطۂ اخلاق کا پابند نہیں ہے۔ جس میں مابعدالطبیعاتی عقیدہ غالب ہو۔ جیسا کہ مذہبی پیشواؤں کی تعلیمات کا خاصہ ہے۔ بھگتی تحریک ہو یا ریشی تنظیم ــــ فریدالدین گنج شکرؒ ہو یا گرو نانک، سنت کبیر ہو یا شیخ نورالدین ولیؒ ان سب کا عقیدہ یہی ہے کہ آدمی کی بات ہی نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی خدا نے پیدا کیا ہے ہر ایک شے ہیں، اُس نے جان دی ہے۔ اور ہر جاندار کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرنا امتیاز کرنا خُدا کو ناراض کرنے کے برابر ہے، جو گناہ ہے، جس کے لئے خدا کے پاس جواب دہ ہونا ہے اور سزا بھگتنی ہے۔ اس طرح سے مذہبی تحریکوں میں رواداری کا عنصر غالب ہے،

Marfat.com

اور سیکولر نعرہ جب عدم میں ہی تھا تب سے ہی خوف خُدا کا جذبہ رواداررہا ہے۔

حضرت شیخ العالم شیخ نورالدّین نُورانیؒ بھی ایک ضابطہ حیات کے پابند رہے ہیں. جس کا زبردست زور اس عقیدہ پر قائم ہے کہ ہرایک عمل کا جواب روزِ محشر کو دینا ہے اور ہر چھوٹے بڑے سہو کے لئے سزا بُھگتنی ہے۔ جس قائد کا عقیدہ اِس حد تک مستحکم ہو کہ اُس کا رُم رُم ہم جیسے کوتاہ بین لوگوں کو بھی اُسی خوفِ خُدا سے لرزاں نظر آئے گا تو کیا وہ خالق کی محبوب مخلوق پر ظلم برداشت کر پاسکتا ہے؟

جس ریشی نورالدّین نے جنگل سے سبز کا یرو کی شاخ تک کاٹنے پر زبردست ردِّ عمل ظاہر کیا، کیا وہ ایک انسان پر ظلم ہوتے دیکھ کر خاموش رہ سکتا ہے۔

جس حساس شُند نے درندہ، پرندہ، حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے کو اپنا اہل وعیال کہا ہے کیا وہ محض عقیدات کے امتیاز کی وجہ سے کسی دوسرے عقیدے کے فرد کو مظلوم بننے دیگا؟؟؟

اس طرح سے کلامِ شیخ میں فرقہ وارانہ امتیازات کے خلاف ردِّ عمل معقول ہے۔ آپ کی رواداری کو نہ مصلحت سمجھا جائے نہ اُس کو سیکولر نعرہ کی دِلفریبی کے حوالہ سے پڑھا جائے ایسی تعلیم

Marfat.com

اور ایسا عمل حضرت شیخ کے ضمیر کے ساتھ ہی وابستہ رہا ہے جس ضمیر کو روحِ قرآن نے سنوارا ہے اور اسوۂ حسنہ نے نکھارا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تعلیمات آپ کے مشن کی تعلیمات ہیں۔ آپ جس مشن کے مشنری رہے ہیں وہ اِسلام ہے۔ اسطرح اُنکی روادارانہ عمل کا مصدر بھی اسلامی تعلیمات ہی ہیں۔ تاکید کی جسارت کرتے ہوئے قارئین پر ذہن نشین کیا جاتا ہے کہ وہ ایسی تعلیمات نہ حضرت شیخ کی "مصلحت" تصور کرنے کی غلطی کریں نہ یہ اخذ کریں کہ ایسا اُن کا آزاد نظریہ ہے بلکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ نے یہ فیض بھی صحبت عشقِ رسول ؐ سے ہی حاصل کیا ہے۔

حضرت شیخ نے جو تہذیبوں کے امتزاج میں عمل اپنایا ہے اُس میں بھی قرآنی تعلیمات کا اتباع رہا ہے۔ اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو پائینگے اسلام میں جو خاص طور پر معاشرتی قوانین قائم ہوئے ہیں اُن میں اکثر قوانین کی جڑیں عرب کے ماحول میں ہی موجود تھیں۔ اُن قوانین یا رواج کو ہی شارع اعظم ؐ نے کالعدم قرار دیا جو رُوحِ قرآن یا اسلام کے بنیادی نظریات کے "منافی" تھے۔ جو رواج وعادات ان تعلیمات کے مقصد کے خلاف نہیں تھے اُن میں یا تو ضروری ترمیمات کی گئیں یا جوں کا توں اِسلامی قوانین میں

Marfat.com

شامل (INCORPORATE) کیا گیا۔

اِس پس منظر میں شیخ العالم نے مقامی ریشیت کے مزاج کو مومنانہ، مُجاہدانہ اور مبلغانہ بنایا۔ گو کہ اُن سے پہلے اِس طریق عبادت پر کشمیر میں دسویں صدی سے مُسلم اولیأ کرام عمل کرتے تھے مگر حضرت شیخ کسی بھی صوفی سلسلہ کو اپنا کر اسی مقامی روِش کو بھی بالکل کالعدم کر سکتے تھے کیونکہ اُنکی انقلاب آفرین شخصیت جس کسی رُوحانی مسلک کو اپناتے وہ ہر دلعزیز ہو کر دیگر روشوں پر غالب آتا۔ جب غیر کشمیری صلحأ، اولیأ اور علمأ اپنے ساتھ دنیائے اسلام کے اہم روحانی سلسلوں کو یہاں پر مُتعارف کرنے کے عمل میں تھے تو اِس مرحلہ پر شیخ صاحب قادری، کبروی، سہروردی یا کسی اور سلسلہ کے ہوتے تو اُس سے نہ صرف وہ مسلک سارے اسلامی کشمیر کو اپنی لپیٹ میں لیتا بلکہ اُس سے مقامی ریشیت کی روش بالکل نابود ہوتی کیونکہ اُس کی جڑیں بہت کمزور تھیں۔ مگر حضرت شیخ کو نہ صرف ایک رُوحانی سلسلہ کو یہاں پر بڑھاوا دینا تھا بلکہ ایک تحریک کو پایندہ کرنا تھا، جسکی جڑیں کشمیر کی تہذیبی سطح میں بہت گہری تھیں۔ کشمیر کے خمیر اور

Marfat.com

ضمیر میں رمز "لا" سرایت ہو چکا تھا صرف الا اللہ کے شعور سے وجدان کو وجد آفرین بنانا تھا۔ اس طرح ریشیت کے مقامی رُوحانی تہذیب ہے (جسکا جذباتی لگاو یہاں کے سنت سادھوؤں اور ریشیوں مُنیوں کے ساتھ وابستہ تھا) کے شکستہ وجود کو آبِ حیات پلاکر آپ نے نئی زندگی عطا کی۔ اور یہ آپ کی رواداری کا عظیم کارنامہ ہے۔ اِس سے نہ صرف مسلم تبلیغی اور رُوحانی اثرات کو ہندو آبادی کے ذہنوں اور جذبات تک رسائی ملی بلکہ ہندؤں کے رُوحانی عظمتوں کے اثرات سقوط میں نہ پڑے بلکہ اُن کو تسلسل ملا۔

حضرت شیخ کی رواداری کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ہندو دھارمک اور بدھ فلسفہ کے الفاظ وتراکیب کا مقدس آہنگ برقرار رکھتے ہوئے اُسی جام وسبُو سے عرفانِ توحید کے جام پلا دئیے۔ اِس سے ہمارے ادب میں مستحکم روایات پیدا ہوئیں اور متاخرین ادباء اور شعراء نے روحِ قرآن کو بھی اسی آہنگ میں ادا کیا۔ ہم تیسری جلد میں اِس پر کھُل کر بحث کریں گے مگر یہاں یہ اتنا اِشارہ کافی ہے کہ نہ صرف سیرت کے اظہار میں یہ آہنگ برقرار ہے بلکہ مفسرِ کشمیر مولینا محمد یوسف شاہؒ کے تفسیر کلام اللہ میں لفظِ "دے"، کے استعمال سے ہی

Marfat.com

لفظ " اللہ " کی پوری جہتیں لگ بھگ ادا کی گئی ہیں اور اس تفسیر کا قاری بہت حدتک وہ تاثر حاصل کرتا ہے جو اُس پر حاوی ہونا چاہیئے۔ شروٗکی سنسکرت لفظ "اشلوک" کا تکشیر (کشمیری روپ) ہے، اسی لفظ کو آپ نے حدیث رسولؐ کیلئے اِستعمال کیا۔

شیخ العالم نے ہندو دھارمک اصطلاحات سے یا بدُھ دھرم کے مقدس الفاظ کے لغُت سے لے کر کشمیری زبان میں اُسی تقدس کے ساتھ جن الفاظ کا اِستعمال کیا ہے اُن کا مختصر حوالہ دیا جاتا ہے۔ مثلاً " سہج " عرفان میں کامل، اس لفظ کو قرآنِ مجید کے ساتھ لِسان سازی کے اس جدت طرازی نے جوڑ دیا:

حضرتِ رسولؐ کا ستھ زاٗجی
ژ نے تس سوزُتھ سہز قرآنہ [۱]

اس طرح مردِ کامل، مومنِ صفا قلب، ولیٔ اکمل کیلئے آپ نے سہجا نند (سہزانند) اِستعمال کیا ہے [۲] ریاضت کے لیے " تپ "۔ تپسیا کا مخفف، جنت لفظ کے ساتھ آپ نے

---

[۱] ص ن: جلد ۱ ص ۳۲۵۔ " سہز " کشمیری تلفظ ہے: سہج کے لئے [۲] ایضاً

Marfat.com

'سُرگ' لفظ کو اُسی جہت میں اِستعمال کیا ہے اور آپ کے شعر سے سُرگ لفظ کا اِستعمال وہی تصور پیدا کرتا ہے جو اسلامیات کے طالبِ علم کو فردوس اور اعلیٰ علیین کے الفاظ سے ذہن پر پڑتا ہے۔ اسی طرح سنگا ٹھ، شنش، گرو، نوتن، شُن، شو، زل، کری (کریا)، پُن، پاپ ــــ وغیرہ ہم (اسی اثر کے پیشِ نظر راقم نے کشمیری زبان کے پہلے ریڈیو ناول کا نام "پُن تہ پاپ" رکھا، اِسی ناول نے کشمیری زبان میں ساہتیہ ایوارڈ حاصل کرنے کی اولیت پائی)۔

یہاں تک ہم نے لفظ و آہنگ کا مختصر تذکرہ کیا۔ لفظ صرف جام و سبو ہی ہے۔ جو پلانے کے کام آتے ہیں۔ لیکن اصل جوہر وہ شے ہے جو اِس جام و سبو کے ذریعہ پلائی جائے۔ اُس مئے عرفان کو بھی آپ نے مقامی روایات و نظریات کے خمخانہ میں سہ آتشہ بنایا ہے۔

اُردو ادب میں حضرت محسن کاکوروی ؒ نے صبحِ بنارس اور شام اودھ کے حوالہ سے شاہ عرب ﷺ کے حضور میں ہندوستانی عاشق کے دردِ دل کی ترجمانی کی۔ مگر جب ہم اکثر اُردو لٹریچر کو دیکھتے ہیں تو اس میں اگر ایران کے کوہکن کو علامت کے طور اِستعمال کیا گیا۔ نجد کے قیس کو دیوانگی اور جنون

Marfat.com

کے حوالہ کے طور پر اُبھارا گیا مگر ہندوستانی قیس و کوہ کن کو کسی دار و رسن کے ساتھ بہت ہی کم وابستہ کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت شیخ نے ایسی روایات قائم کیں کہ راماٹن کے رام اور لکھن' مہابھارت کے پانڈو زادے، پدمان پور کی لل 'لگہ بھون' کی 'کنج ماجی' (گنگی ماتا) ہر مُو کھ کے چیرو اہے، ایشبر کے سادھو' مہراجہ جگ دیو وغیرہ کی تصویریں اپنے انداز سے مگر اسی فریم میں پیش کیں۔

اس سلسلہ میں ہم نے اُوپر اُردو زبان کے حوالے سے ہندوستان کی زبانوں کا تذکرہ کیا اس سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہاں پر تہذیبی امتزاج میں خامیاں رہیں بلکہ یہ کہنا مقصود ہے کہ ایسے تمدنی انقلاب کے مراحل پر انہیں شیخ العالم جیسی تمدن ساز حسّاس شخصیت کی قیادت حاصل نہ رہی۔ چونکہ ایسی مثالوں کا جلد اوّل میں بھی اور اس حصہ میں تذکرہ آیا ہے، اس لئے یہاں پر اختصار سے ہی کام لینگے۔

ہم پہلے "در دِتو دِ دو" (ویسا عرفان میرے مولا مجھے بھی عطا کر) مناجات کے حوالہ سے بات کریں۔ یہ نظم ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پہلی جلد کے صفحات ۲۷۸ تا ۲۸۶ پر درج ہے۔

Marfat.com

مہاتما بُدھ کی عظمت کو یوں سراہا گیا:

کاملِ عرفان سہج آنند نے
ان گنت سیوا تیری شب و روز کی
تخت و تاج و مال و دولت چھوڑ کر
تیری محبت کی اُسی سے لو لگی
دے میرے مولا مجھے ویسا مقام

گو کہ لل دیدہ (لل ایشوری) کو مسلمان صلحا نے بی بی رابعہ ثانیہ کے لقب سے بھی نوازا ہے اور اُسکو حضرت امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانیؒ کی مُریدہ بھی بتایا گیا ہے اور اسکو مسلمانوں نے بحیثیت للہ عارفہ ایک مومنہ مانا ہے مگر ایسی روایات کے لئے حضرت شیخ نے ہی بُنیاد قائم کی تھی بلکہ لل کے ساتھ مسلمان علما، صلحا اور شیوخ کا اتنا اظہارِ عقیدت صرف بواسطہ شیخ نورالدین ولیؒ ہے۔ یہ واسطہ اس روایتی قصہ پر مبنی ہے (جو اب تاریخ کا جُز بنا ہے) کہ نوزائیدہ نُند نے دُنیاوی لذات میں جس پہلی لذّت کا احساس پایا تھا وہ وہی عرفان تھا جو اُس نے لل کی سوکھی چھاتیوں کو چوس کر حاصل کیا تھا۔ یہ واقعہ تو ایک عرفانی یا رُوحانی مسئلہ ہے۔ مگر اِس بات سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا ہے کہ اگر حضرت شیخ نے محولِ بالا

Marfat.com

مناجات میں کشمیر کی اِس عظیم خاتون کا احترام کے ساتھ تذکرہ نہ کیا ہوتا شاید جس طرح آج اُس کی وفات کے لگ بھگ دو صدیاں بیت کر وفات پانے والی ملکہ حبہ خاتون کو محض اساطیری کردار بنایا جاتا ہے اُسی طرح لل کو بھی محض ایک لیجنڈری (LEGENDARY) شخصیت مانا جاتا بلکہ اس عظیم شاعرہ کا کلام بھی محفوظ نہ رہا ہوتا۔ کلامِ لل کا تحفظ بھی بیسویں صدی کی ابتدا تک ریشی ناموں اور نور ناموں کے ذخیروں میں ہی ہوا گو کہ زاں بعد کئی پنڈت صاحبان نے چند مستشرقین کے ساتھ مرتب کرتے ہوئے اِن معتبر اور اہم ترین ذرائع کا تذکرہ بھی نہ کیا اور ترتیب میں بھی مورخانہ اور محققانہ وہ اعتبار اور خلوص روا نہ رکھا جس کی بُنیادیں خود حضرت شیخ نے ڈالی تھی اور جن بنیادوں کی وُسعت حضرت بابا نصیب الدین غازیؒ اور بابا داؤد مشکواتیؒ نے عطا کی تھی۔ اب دیکھئے اِس ایک شعر میں حضرت نے نہ صرف لل عارفہ کو افسانوی دُنیا سے نکال کر تاریخ کشمیر کا مینارۂ نوُر بنایا بلکہ اُسکی تئیں جس عقیدت و احترام کا نذرانہ ادا کیا اُس سے کشمیر کے دو قوموں میں رضاعت کے اُستوار ترین رشتے کی بُنیادیں مُستحکم ہوئی ہیں۔ اسی حوالہ کی بُنیاد پر تذکرہ نویسوں نے ادھیڑ عمر کی لل عارفہ کو تین دن کے

Marfat.com

طفلک نند ریشی کے مابین ماں اور بیٹے کے موہوم ٹانکے کو نمایاں رشتہ بنادیا۔ شعر ملاحظہ ہو:

میرے مولا !
مجھے بھی عطا ہو ویسا ہی رُتبہ
جیساکہ بخش دیا آپ نے
پامپور کی اُس یوگنی للہ کو
جس نے اپنی گود میں پالا
اوتاروں کو ـــــ

یہاں یہ بات کہنا ضروری ہے کہ لل عارفہ کے بطن سے کسی اولاد نے جنم نہیں لیا ہے بلکہ نہ کوئی لڑکا یا لڑکی اُس کی گود میں ماسوائے خود حضرت شیخ کے پلا ہے۔ اسطرح نُند بلواسطہ اپنا رُتبہ بھی ظاہر کرتا ہے۔

ُلکہ بھون گاؤں قصبہ اسلام آباد کے نزدیک واقعہ ہے یہاں " کج ماجی" (گنگی ماں) کی یاد میں ایک پوتر استھاپن آج بھی ہندو عقیدت مندوں کے لئے ماتھا ٹیکنے کی جگہ ہے۔ یہ گونگی عورت جسکا ذکر کلھن کی راج ترنگنی میں بھی آیا ہے۔ علاقہ مارتنڈ میں کریوہ پر آباد گاؤں والوں کے لئے دریائے لدر سے پانی کے مٹکے لایا کرتی تھی۔

Marfat.com

دریا پر آنے کے لئے راستہ کٹھن تھا خصوصاً بارشوں میں تکلیف دہ تھا۔ مگر پھر بھی یہ خدا دوست عورت بلاناغہ ان گاؤں والوں کی پیاس بجھانے کے لئے تکلیف اُٹھایا کرتی تھی۔ اس محنت کے عوض لوگ اس کو چاول دیا کرتے تھے اور اس طرح سے کلو دو کلو صاف چاول کل دن بھر کی مزدوری کا معاوضہ ہوتا تھا جو وہ میدانوں میں پرندوں کے لئے ڈالتی تھی اور یہ پرندے اب اُس کے ساتھ اس حد تک مانوس ہو چکے تھے کہ اُس کو دیکھ کر ہی اپنے جُھنڈ اُس کے سر پر چھاتا بنا کر چلتے تھے۔ ربِّ بے نیاز کو اس معذور عورت کا اُسکی مخلوقات کی جانب یہ خلوص اتنا پسند آیا کہ مرنے کے وقت اُس کو طاقت پرواز دی گئی اور وہ بھی آسمان کی وسعتوں پر اڑ گئی۔ ان پرندوں کو شکار جان کر اپنے کندھوں پر بندوقیں تاننے والے ذرا اس سے سبق لیں اور عہدِ حاضر کے ماحولیاتی نعروں پر چلنے والے لیڈر لوگ حضرت شیخ کی ماحولیاتی وابستگی سے رہنمائی حاصل کریں۔ اس گونگی عورت کا وسیلہ دے کر ہی حضرت شیخ اپنے مولا سے اُسی طرح کے عرفانی پنکھ مانگتا ہے تاکہ وہ بھی ان وسعتوں کے پرے پرواز کر سکے۔ دُعا قبول ہوئی۔

Marfat.com

"تابوت ان کا فضا میں تین دن اُڑتے رہا:

عطا کر میرے رب مجھے
وُہی رُتبہ جو عطا کیا آپ نے لکہ بھون کی گنگی لڑکی کو
جو جھکتے اُڑ گئی فضا کی وُسعتوں میں
کیونکہ اُس نے تیری خوشنودی کے لئے
سیوا کی تھی تیری مخلوقات کی

کوئی ہندو سادھو یا سنت تھا جس نے دریا گنگا کو اپنے رُوحانی کمال سے شاپ دیا تھا اور جس کی کراماتیں شیخ کے عہد تک مشہور تھیں اور نام گردانتے کی اسی لئے شاعر نے ضرورت محسوس نہ کی۔ اُس ہندو سنت کا رُتبہ شیخ نے خُدا سے اپنے لئے مانگ کر کسی مصلحت سے کام نہ لیا - مگر اس سے ایک مصلحت اُبھری۔ فرقہ دوئم کے لوگ رواداری کے اِس جذبہ سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے:

میرے مولا عطا کر مجھے
اس سنت سادھو۔ اُس اپنے بندہ کا رُتبہ
جس نے دریا گنگا کے منبع کو ہی شاپ دیا تھا
جو رہا رات بھر منتظر تیرے التفات کا
اور واصل ہوا تیرے لذات کے ساتھ،

Marfat.com

پہلے مہاتما بدھ کے بارہ میں اپنے احترام کا اظہار اب اُس کے کسی خاص بھکشو کا ویسے ہی احترام کے ساتھ تذکرہ کیا جس نے کشمیر کی سرحدوں سے بدھ مت کو لداخ، بلتستان بلکہ وسط ایشیا کے ممالک تک اپنے خلوص اور لگن سے پہونچایا تھا:

عطا کر مجھے میرے مولا
اُس بدھ بکھشو کا رُتبہ
جس نے اپنے کمالات سے طے مکان کر کے
مُسخر کیا تبت کا علاقہ (بدھ تعلیمات کے لیے)
اور اپنے وقت پر اپنے اندرون کو منوّر پایا۔

•

کشمیری لوک ادب میں صدیوں سے ہمالیہ کی چوٹیوں میں پلے ہوئے اُس گڈریا کا تذکرہ خدا دوستی اور عشق کے لیے ایک تلمیح بن چکا تھا جو گڈریا اُن پہاڑوں مرغزاروں اور میدانوں میں اپنے ریوڑ کے ساتھ گھوم گھام کر صرف اپنے ایشور کو اپنے گھر مہمان بنانے کے لیے دعوتیں دیتا رہا اور "شِو" اُس کے خلوص سے اتنا متاثر ہوا کہ اِس عاشق کو اپنے جمال سے محظوظ کیا۔ اُسی ہندو گڈریا د جو شاید

Marfat.com

حضرتِ موسیٰؑ کے عہد میں رہا ہوگا) کے واسطہ سے حضرت شیخ اپنے رب سے دست بدعا ہے :-

عطا کر مجھے میرے مولا
اُسی گڈریا کا عرفان
جو دیوانہ وار گاتا رہا تیرے بھجن اور گیت
اور ہرموکھ کی چوٹیوں پر وہ تیرے نور سے منوّر رہوا
اور پھر گم ہوا اُسی نور میں

اس کہانی کا میرے عہدِ طفولیت کے ایّام تک بہت چرچا تھا حتیٰ کہ ہمیں اپنے نانا، محترم مرحوم غلام محی الدین شاہ (عرف مہدہ شاہ امام) جو سال ۱۹۴۸ میں ایک صد سال کی عمر میں تنو مندی کی حالت میں وفات پا چکے ہیں، بہیر جو کہانیاں سُنایا کرتے تھے، اُن میں خاص طور میرے اصرار پر یہ کہانی بار ہا سُنا چکے ہیں اور طفولیت میں نانا، نانی سے سُنی ہوئی داستانیں لوحِ ذہن پر کندہ ہو جاتی ہیں۔ اس وقت اس کہانی کا سارا پلاٹ یاد کر کے ہمیں لگتا ہے کہ یہ گڈریا شاید کشمیر کا موسیٰ صفت عاشقِ حق تھا۔ یا وہ قبیلہ گم گشتہ کے ساتھ آیا ہوا موسیٰ ہی تھا جس نے بجائے کوہ طور کے ہرموکھ پہاڑی پر" ارنی " کی رٹ لگائی تھی

Marfat.com

مگر خلوص عشق یہ تھا کہ "لن ترانی" سُننے کی نوبت ہی نہ آئی بلکہ نوُر کے ساتھ شعاع نوُر بن کر ابھی ان سفید برفیلی چوٹیوں پر سے اُس کی چمک ہر صبح بہار میں آنکھوں کو روشنی دیتی ہے۔

ذرا توجہ کیجئے کہ چودھویں، پندرھویں صدی میں جب ہندوؤں کی ہی اکثریت یہاں پر تھی اس گڈریا کے خلوص کی چھاپ کسی حد تک اُسی وقت کے اُس اکثریتی فرقہ پر چھائی رہی ہوگی۔ اور جب کسی مصلحت سے نہیں بلکہ اپنے اندر کے خلوص سے شیخ نے اُس گڈریا کا سارُتبہ اپنے لئے خداوندِ عزّوجل سے مانگا تو اِس ایک اظہار خلوص سے رواداری اور باہمی محبت کے جذبات کسی طرح مستحکم ہوئے ہونگے۔ کِس ماحول میں جس کا ہم فوری طور ذکر کرنے والے ہیں۔

ہم نے تذکرہ کیا ہے کہ کشمیری تنترک شاستر کے مذہبی فلسفہ کی ترویج اور اشاعت کے لئے الیشبر (علاقہ بھیاگی) کا مٹھ اہم ترین مرکز رہا ہے اور یہاں کے مٹھ دار ہمارے عہد تک عزت وتکریم سے دیکھے گئے ہیں۔ کشمیری شومت کی جہتیں بہت حد تک توحید کے قریب ہیں۔ اور اس لئے ایسے موحد پرستاران حق کا شیخ العالم بہت مداح رہا ہے۔

Marfat.com

آپ کے عہد سے قریب تر عہد میں الیشبر کے مٹھ دار (ایک نہیں بہت سے) رُوحانی کمالات کے حامل ہوا کرتے تھے۔ اُن کا حوالہ ایک بند میں دے کر حضرت شیخ نے نہ صرف اُنکی عزت کی بلکہ اُن کے پرستاروں کے دِلوں سے پڑھتے ہوئے اسلامی اثرات کے بارہ میں خدشات دور کر کے ایک مُستحکم رواداری کا ماحول بنانے کا عمل جاری رکھا:

میرے مولا جس طرح تم محبوب ہو
الیشبر کے اُن مٹھ داروں کے
جنہوں نے خلوصِ دِل سے تیری عبادت کی
اُسی طرح مُجھے بھی اپنا محبوب بنا دے

دوسرے بند میں سدِہ شر کنٹھ کا تذکرہ کیا۔ جو "پامپور" کے ایک بڑے اور مشہور مندر کے بڑے پجاری تھے اور لل عارفہ کے گھر کے پرُوہت تھے وہ لل عارفہ کے واسطہ سے جواں سال حضرت شیخ کے مرید بنتے ہیں اور مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ اُن کے تیئں اظہارِ عقیدت کرتے ہیں جو خود ان سے اکتساب فیض کر کے ان کے مرید ہوئے۔ مگر اسطرح سے اُنکی تعریفیں حضرت شیخ نے سدِہ شر کنٹھ کے ماضی، حال اور مستقبل تینوں ادوار کو اِن تعریفی کلمات

Marfat.com

میں سمو دیکر ہندو مت کے پُرخلوص خُدا طلبی کے عمل کی بھی سراہنا کی۔ اِس طرح آپ نے اِن تعلیمی کلمات میں یہ پیغام بھی پہونچا دیا کہ ہندو طرزِ عبادت اگر مؤحدانہ ہو وہ بھی درگاہِ الٰہی میں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں، ہاں جب اُس تک رسالتِ محمدیؐ کا پیغام پہونچے تو اُس پر ایمان لائے تو سابقہ عبادت کو تسلسل ملتا ہے ورنہ کیا ہوا بھی لاسُود۔

نہ صرف اکثر مسلم ممالک میں بلکہ برّصغیر کے غیر مسلموں میں بھی یمن (عرب) کے قبیلہ "طے" کے رئیس حاتمؔ کو سخاوت کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ شیخ نورالدینؒ نے اِس سخی کو کشمیری ادب میں متعارف کرتے ہوئے اس کے ساتھ اُس مقامی پادشاہ کا یکساں طور تذکرہ کیا ہے جس نے کشمیر میں سخاوت کے لئے اپنا نام پیدا کیا تھا۔ مہاراجا جگ دیو نے کشمیر پر ۶۰۳ سے ۶۱۸ء تک پندراں سال حکومت کی ہے اور بقول مؤرخ کلہن اس راجہ نے اپنے خزانے، حاجتمندوں، محتاجوں، غریبوں، بیواؤں اور مذہبی اداروں کے لئے کُھلے چھوڑ دئے، اور مؤرخ حسن اِس کو کشمیر کا حاتم طائی مانتا ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس عہد میں کشمیر میں جگ دیو سخاوت کے لئے ہیرو تھا اُسی عہد میں عرب میں حاتم طائی جود و سخا

Marfat.com

کے لئے اساطیری دیوتا بن چکا تھا۔ اب دیکھئے دونوں کی عظمت میں حضرت شیخ کس طرح حسین امتزاج پیدا کرکے جدت کے ساتھ اس تمدنی انقلاب میں رواداری کا عنصر حاوی کرتا ہے۔

حاتم طائی، جگ دِؤ داتا [1]

پانَے داتا بین ہُئد ہِتھ

حضرت علیؓ شیخ کی شاعری میں بہادری اور سخاوت کی علامت ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ آپ نے مہابھارت کے ہیرو ارجن دیو کا تقدس کے ساتھ دادِ شجاعت دیا ہے۔ بلکہ رزمِ حق و باطل میں ارجن دیو کی بہادری کو جہاد مانتے ہیں؛

نامن بل غسلا کرتُو ؛ حج کعبہ گذار تو جُو

فتنہ کا یس سِلاح پارتو ؛ لاگیتھ نیر تُو ارزن دِو

ٹِکان پُلِ صراُتِر تر تو ؛ اتی ون تو "مبارک چھُو" [2]

رام چندر جی ہندوؤں کے بڑے اوتار ہیں اور اس طرح سے مرجع عقیدت ہیں۔ ہر قوم کی طرف خداوند عزّ وجل نے ہدایت کے لئے اپنے نیک بندے مبعوث کئے ہیں، ان سبوں کے لئے احترام و تقدس لازمی ہے۔ مگر تاریخ کے ایک حساس مرحلہ پر

---

[1] دیکھئے جلد ۱ (ص۔ن) ص ص ۴۸۲ - ۴۸۳ [2] ترجمہ اور شرح کے لئے ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۳۴۷

Marfat.com

جس تقدس، احترام اور عقیدت کے ساتھ حضرت شیخ نے یہاں کی اکثریت کے اس مرجع عقیدت کی یاد قائم کی ہے اُس سے رواداری کے چشمے پھوٹ گئے اور ہمارے تمدنی ارتقاء کو انہی چشموں سے نکلی ہوئی نہروں نے آبیاری کی ہے۔

ریشی فقر و فاقہ میں مست ہے اور اپنے ریشی کیدڑ ADER کو مجبوری کی حالت میں دکھشنا قبول کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ریشیت کے اس سربراہ نے رام چندر کا واقعہ دُھراتے ہوئے اپنے پر اُنکی بالاتری یوں قائم کی ہے:

"رام چندر نے دکھشنا مانگی ہے، ہوں! میں کون ہوں؟
مجھے بھیک مانگنے میں کیا شرمندگی ہے؟؟"

نر بٹیچھو نارائن بٹیچھو
ایشر بٹیچھو اتھہ ہتھ کپال
ڈنڈک ونگ رامہ راز بٹیچھو
اَسہِ تتے بٹیچھو اَسہِ کیاہ گال [1]

اب ہم اُن کی تاکیدی ہدایات کا تذکرہ کرینگے جن کی رُو سے آپ نے مذہب کی بنیادوں پر امتیاز برتنے یا فسادات کو روا رکھنے پر زبردست تنبیہ کی ہے:-

[1] ترجمہ اور شرح :- ص۔ن ص ۳۸۴

Marfat.com

"کر بندن توشہِ خدائے" نظم کا ایک بند یوں ہے :۔

اُکی ہے ما لس تہٖ ماجہِ ہندن

دِ ے تتڑ آو کھ تہٖ ہائے

مُسلمانن کیوّ ہندن

کر بندن توشہِ خُدائے

اِس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو دو بھائی بتایا گیا ہے جن کا باپ ایک ہے ماں بھی ایک ہی ہے۔ اور یہ کہہ کر اُن عناصر کے خلاف نفرت کا بلواسطہ اظہار کیا جو عناصر بھائی اور بھائی کے بیچ نفرت کے بیج بو دئے ہیں۔ اور صاف ظاہر ہے کہ (کر) کب اور کس طرح ایسے بندوں پر (جو ان دو بھائیوں کے بیچ نفرت کی دیوار کھڑا کرتے ہیں) خُدا خوش رہ سکتا ہے یعنی مذہبی نفرت ایسا سنگین گناہ ہے جو خُدا کے حضور میں قابلِ معافی ہے ہی نہیں۔

اب اس قطعہ پر غور کریں :

شِو چھُے تھلِہ تھلِہ رَوزان

موزان ہیوٗند تہٖ مُسلمان

تُرُک اے چھکھ پان پنُن پرزان

سۆ ئی چھۓ تس سٔتۍ زانیوزان

Marfat.com

اللہ جل شانہٗ کا فیضِ جمال
یکساں ہے ہر کس و ناکس پر
مثلِ شعاعِ ضَوء بارِ آفتاب۔
پھر بھی یہ امتیاز؟
یہ ہندو وہ مسلمان۔
دانا ہے تو جان لے
اپنے وجود کو ہی بیگانہ
تبھی تو حاصل ہو گا تمہیں
پہچان حق کی، عرفانِ ذات

اس قطعہ پر بحث سے پہلے عرض کروں کہ کئی تذکرہ نویسوں نے (شاید ہم نے بھی کہیں پر اُس اتباع میں) "بیرزان" لفظ کو "بیرزناد" لکھا ہے۔ جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر "تم دانا ہو تو اپنی ذات کو پہچان وہی ذات حق کی پہچان ہے"۔ مگر یہاں پر واضح طور "بیرزان" ہے جو دو لفظوں کی ترکیب ہے۔ "بیر" بہ معنی غیر "انجان" "زان" بہ معنی جاننا، تصور کرنا۔ اس طور ترکیب کا معنی یوں بنتا ہے۔ غیر (بے گانہ) جانو۔ یعنی اپنے آپ کو ہی بیگانہ جاننا چاہئے۔ کیوں تم ہندو اور مسلمان کے مابین امتیاز کرتے ہوئے

Marfat.com

اگر ایسا کرنا ہی ہے یعنی فرق اور امتیاز اگر کرنا ہی ہے تو اپنے نفسِ امارہ اور نفسِ مُطمئنہ کے مابین امتیاز کرو۔ یہ نفرت اور امتیازات کے جذبات پیدا کرنے والے نفس کو ہی دُشمن مان لو۔ "من و تو" کے امتیازات سے بالاتر ہو جاؤ۔

اب ان دونوں حوالہ جات کو (یعنی اس قطعہ اور اس سے قبل بحث کئے گئے مناجاتی نظم کے بند کا) اکٹھے یا باہم گر مربوط کر کے پڑھئے تو ہمارے تصوّر میں ایک پکچر آتی ہے کہ شاعر کسی ماحول کو بنا تا ئے ___ اُن کہے بیان کرتا ہے بلکہ پورے محاکاتی جزئیات کے ساتھ ڈسکرائب DESCRIBE کرتا ہے۔ وہ ماحول جو ہمارے تصوّر میں اُبھرتا ہے وہ ایک متصادم ماحول ہے جس میں مفادات کے پرستار، استحصالی عناصر دو بھائیوں کے درمیان منافرت کے خلیج حائل کرنے میں مشغول نظر آتے ہیں۔ ایک ایسا ماحول ہماری آنکھوں کے سامنے اُبھر آتا ہے جہاں فرقہ وارانہ تعصبات کی آگ سُلگ چُکی ہے یا لگنے کو تیار ہے یا شعلہ بھڑک رہا ہے۔

گو کہ اُنیسویں صدی میں نقل کئے گئے نُور ناموں اور ریشی ناموں میں یہ قطعہ کلامِ شیخ میں ہی بالاتفاق شامل رہا ہے اور جو اُن ریشی ناموں یا نور ناموں پر للہ واکھ پر باب

Marfat.com

قائم کئے گئے اُن میں اِس کا بطور واکھ تذکرہ نہیں ہے پھر بھی اِس صدی کی ابتداء میں " لل واکھانی" کے ترتیب کاروں نے اِس قطعہ کو بھی بطور ' لل واکھ' درج کیا ہے۔ چونکہ زمانۂ حال میں اس قطعہ کے حوالہ سے حضرت شیخ کو سیکولر ولی ظاہر کرنے کی ایک سیاسی شعبدہ بازی چلتی رہی تو ردِّ عمل کے طور کٹر مذہب پسند مسلمان طالب علم اس قطعہ کو بلا تامل کلامِ شیخ سے خارج کرنے لگے ہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا یہ دُو بیتی حضرت شیخ کے فکر اور سوچ کے منافی ہے۔ ہم اِس کٹر پسندیت کو رد کرتے ہیں اور نہ صرف بر بناءِ قدامت بلکہ دیگر وجوہات پر بھی اِس نظم پارہ کو کلام شیخ ہونے کا صریحاً اعلان کرتے ہیں۔ یہ لل کا کلام نہیں ہے بلکہ حضرت شیخ نورالدین کا ہی ہے۔ لل کا زمانہ سلطان سکندر بت شکن کے اُس عہد سے قبل ختم ہوتا ہے جب سلطان کا وزیر نو مُسلم سیف الدین ملکی معاملات میں مذہبی مداخلت کی فضا قائم کرتا ہے اور جب ایسی پالیسی کی وجہ سے دو فرقوں میں خدشات اُبھرنے لگے تھے۔

اِس مخدوش ماحول کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے خارجی جاہ پرست اور نو مُسلم "پُروہت مُلّا" (یعنی وہ براہمن جنہوں نے اسلام تو قبول کیا تھا مگر مسلمان بننے کے بعد بھی اپنے ساتھ برہمنیت کا

Marfat.com

انسٹیوشن INSTITUTION اپنے ساتھ لائے تھے ۔ دونوں اب سرکار پر مُصِر تھے کہ مذہبی معاملات میں مداخلت ہونی چاہیئے۔ اِس سرکاری مداخلت سے لابدی ایک ردِّ عمل پیدا ہونا ضروری تھا۔ جو ہوا بھی اور جس کی وجہ سے تبلیغی کام کا اثر بہت حدتک کم ہوا۔ جو اُس وقت تک جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا سلسلہ تھا اُس میں سقوط جیسا طاری ہونے لگا تھا۔

گو کہ لل دید حضرت شیخ کے ہی ہم عہد تھی مگر دو کے مابین عمروں میں لگ بھگ نصف صدی کا فرق تھا اور اُس دوران یہاں کے حالات تیزی سے بدلتے رہے۔ اب ہم ان دونوں کے عہدوں پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ فرقہ دارانہ تناؤ کی کیفیت کس کا عہد تھا۔ عصری حوادث ہر احساس خلّاق ذہن پر اثر آفرین ہو کر اُس کے فن پاروں سے مُنعکس ہوتے ہیں۔ دونوں لل اور شیخ بہت ہی حساس تخلیق کار تھے مگر تاریخی پس منظر میں لل کو تخلیقی کاوشں میں ایسے خیالات اظہار کرنے کا کوئی کرب نہیں تھا۔ واقعات کی روشنی میں حضرت شیخ کا ہی ذہن اِس کرب سے گزرا ہے۔

لل عارفہ کا عہد کشمیری دور کا ابتدا رہا ہے یعنی آپ نے سلطان شہاب الدین اور سلطان قطب الدین کی

Marfat.com

حکومتیں دیکھی ہیں اور آخری زمانے میں آپ بالکل مجنونانہ اور مجذوبانہ حالت میں تھیں۔ سلطان قطب الدین کے عہد تک بھی مسلمان ابھی فقیہہ بنیادی اصولوں سے بھی ناواقف تھے۔ حتیٰ کہ حضرت امیر کبیرؒ کے کہنے پر سلطان نے اپنی دو بیویوں (جو دو سگی بہنیں تھیں) میں سے ایک کو طلاق دیا۔ حضرت امیر نے سلطان کو ہدایت دی تھی کہ سلطان اسلامی قوانین نافذ کرے مگر سلطان نے صاف بتایا کہ اُس کے فوجی جرنیل اور عمائدین سلطنت ہندو تھے، اُس کے لئے ایسا کرنا خطرہ سے خالی نہ رہ سکتا ہے، ملاحظہ ہو وے یہ اقتباس ڈاکٹر محب الحسن کی کتاب سے:۔

"ANXIOUS NOT TO ANTAGONISE HIS NON-MUSLIM SUBGECTS, QUTUB-UD-DIN DID NOT FOLLOW EVERY ADVICE OF THE SYED ...." KASHMIR UNDER SULTANS.

اس پریشانی کی وجہ سے کہ وہ اپنی غیر مسلم رعیت کو ناراض کر نہ پائے، سلطان قطب الدین نے حضرت سیّد کی ہر نصیحت کو نہ مانا ...."

اس کے برعکس پندرہویں صدی کی ابتدا ایک متصادم

Marfat.com

ماحول میں ہوئی جبکہ میر محمد ہمدانیؒ صاحب بھی سلطان پر اثر انداز ہو رہے تھے کہ کشمیری ہندوؤں کو ذمیوں کا درجہ دیکر اُن پر جزیہ عائد کیا جائے بلکہ سخت گیر سیف الدین ملک وزیرِ اعظم (سابقہ سہہ بٹ) کی بیٹی بی بی باریہؒ کا نکاح میر محمد صاحب کے ساتھ ہونے سے سیف الدین کی سخت گیر حکمتِ عملی پر روحانی اور عالمانہ مہرِ تصدیق ثبت ہوتی ہے۔ یہ بھی تاریخ سے واضح ہے کہ میر صاحب کے ایسے اثر کے خلاف میر محمد حصاریؒ نے بھی ردِ عمل ظاہر کیا تھا گو کہ حصاری اور ہمدانیؒ کی لڑائی میں لگتا ہے حضرت شیخ ہمدانی کے ہمنوا رہے ہیں۔ مگر نورالدین اور سیف ملک کے تعلقات میں تناؤ کی وجہ سے شاید میر ہمدانیؒ اور شیخ کاشمیری کے تعلقات بھی اثر انداز ہوئے تھے اور ہمدانی صاحب نے پھر مقامی حالات اپنے دوست شیخ کاشمیری کے ہاتھوں میں محفوظ پاکر یہاں سے حج کیلئے چل دیئے۔ گو کہ ہم نے جلد اوّل میں شیخؒ اور ہمدانیؒ کے تعلقات پر بحث کی ہے جس سے کہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں میں برادرانہ تعلقات تھے۔ اور دونوں نے اپنے تبلیغی مشن کو باہمی میل ملاپ سے چلایا تھا۔ یہ بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ کہ مرحوم مُغلو صاحب نے میر ہمدانیؒ اور شیخ کاشمیریؒ کے

Marfat.com

مابین جنگ ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس لئے یہ ایک متنازعہ امر بنتا ہے اور میری دانست میں میر محمد صاحب اور شیخ صاحب کے تعلقات کے بارہ میں ایک آزادانہ تحقیق کی بہت ضرورت ہے۔ لگتا ہے کہ میر صاحب کا سلطان سکندر کی سخت گیرانہ پالیسی پر اُن کی ہمت افزائی کرنا اور شیخ صاحب کا اُس پالیسی کے خلاف ہونا میر اور شیخ کے مابین بھی اختلافات کی گنجائش پیدا کرتا ہے کیا یہ اختلافات تصادم کی صورت اختیار کر چکے تھے، یہ بات تحقیق طلب ہے۔ آ مدم بر سر مطلب فرقہ وارانہ شدّت (COMMUNAL STRAIN) شیخ کے عہد پر تھی، للّ کے زمانہ پر نہیں تھی۔ اس لئے شیخ کے لئے اس معاملہ میں اپنا ردِّ عمل ظاہر کرنے کی نوبت وقت کا تقاضا تھا۔ آپ کو اِس پوزیشن پر کسی بھی نوعیت کا ردِّ عمل ظاہر کرنا تھا تو آپ نے بیک وقت تین صورتوں میں ردِ عمل کا اظہار کیا۔ پہلی صورت یوں ہے کہ آپ نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تصادم اور جذبۂ نفرت کو مصالحت اور جذبۂ رواداری میں تبدیل کرنے کا تبلغ کیا اور دوسری صورت یہ رہی کہ آپ نے مسلم معاشرہ میں ہندوانہ طرزِ عمل کی تطہیر کو ہی فوقیت دیدی تا اینکہ مسلمان نہ صرف نام کا مسلمان بنتا ہے بلکہ اُس کا تمدّن، رہن سہن، اُٹھ بیٹھ،

Marfat.com

رسم و رواج، طرزِ عمل، فکر اور شعور یہ سب صرف اور صرف اسلامی لائحہ عمل کے ہی جزو بن پائیں۔ اس لئے آپ نے رواداری نغموں کے ساتھ ساتھ مسلمان پر سرزنش اور تنبیہہ بھی کی ہے کہ وہ ہندوانہ طرزِ عمل سے اپنے تمدن کو آزاد کرے۔ تیسری صورت میں آپ نے ہندوؤں کے وِدوانوں، پنڈتوں، مٹھ داروں، سادھوؤں، رشیوں اور منیوں کو ہی خاص کر اپنی تبلیغ کے دائرہ میں لایا۔ آپ نے فرد کے ساتھ ساتھ اداروں کو بھی تبلیغی احاطہ میں لایا ہے۔ اس طرح سے فرقہ دوئم کے با اثر طبقہ کو یہ کہنے یا پھیلانے کی گنجائش نہ رکھی کہ اسلام کے پھیلاؤ میں کسی قسم کی ترغیب کاری یا زور جبر کا دخل تھا۔

ہمیں یہاں پر نفسِ مضمون کے مطابق صرف حضرت شیخ کے کلام میں رواداری کے بارہ میں بحث کرنی مطلوب ہے مگر ہرگاہ ہم یہاں پر اُن نظم پاروں کا تذکرہ نہ کریں جن کے رُو سے آپ نے مسلم معاشرہ کو ہندوانہ طرزِ عمل سے آزاد کرنے کا پرچار کیا ہے تو ویسی ہی غلط فہمیاں پیدا ہونگی جیسی کہ کلچرل اکادمی کی مُرتب کردہ "کُلیّاتِ شیخ العالمؒ" سے معقول طور پر پیدا ہوئی ہیں۔ اکادمی کے اربابِ اختیار اور کلیات کے ترتیب کار دونوں نے ... ... سیکولر نوازی (PSEDEO SECULARISM) کے جذبہ کے تحت یا شری سانی (ترتیب کار) نے

Marfat.com

اپنے ذاتی جذبہ کے تحت بذیل اہم نظموں کو کلیات میں سنسر CENSOR کی قینچی سے کاٹ رکھا تھا کہ جو آپ کے پاس مسودات تھے وہی راقم کے ماخذ بھی ہیں۔

(۱)

مسلمان یم ہندتھ یکن
شکن رسمن برن خوئے
گُہہ یم یون نۂ نعمژ چھکن
قیامژ وو تھن سیاہ روئے
یقین کفرک مسلمانی تھٔکن
سینہ نۂ صفا چھ بدخوئے [۱]

(۲)

مسلمان یُوہ ہندوٗت پالِی
آ ننتھ بدہ درہ نۂ اکھ
نیل ترائِدتھ نِش یُوہ زالی
کالیس کزل الفن پھکھ
کھو راکھ ووکھلی اکھ نادِوالی
یُتِس آسن چھکہ وان ہکھ [۲]

---

[۱] ترجمہ ص ن ۱۷ ص ۱۷۹۔ ۱۸۰
[۲] ترجمہ وتشریح ۴۶۴ تا ۴۶۶ جلد ۱

Marfat.com

(۳)

رِندَ و ہندین ہُنرِ کامہِ تراۤوِ توَ
تراۤوِ توَ نہٕ یراۤوِ توحقہٕ ہُنرو کتھ
محمدؐ صاحب منہٕ مند چھاۤوِ توَ
اَسہِ بنِ دوزخَس تَس روزِ کتھ

اوّل الذکر میں آپ نے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ ہندوانہ رسم و رواج سے اپنی تہذیب کو آزاد کریں، جو ہندؤں کی طرح توہم پرستی میں مُبتلا تھے جو نجومیوں اور پیشین گو لوگوں کے ارشادات پر چلتے تھے جس میں خود سلطان سکندر بھی تھا۔ جس کے دربار میں نجومیوں کا تصرف تھا جو ہندو تھے مگر عام ہندو پر جزیہ پالیسی؟ اسی طرح اِس نظم میں اُن مسلمانوں کو عبرت ناک انجام سے ڈرایا گیا جو نعمتیں ہندؤں کی طرح محض ارواح کے ایصال ثواب کے لئے ضائع کرتے ہیں۔

دوسری نظم میں اُن مُنافقوں کا پردہ فاش کیا گیا ہے جو کلمہ گو تو تھے مگر عملاً اسلامیات سے نابلد تھے، انہیں تنبیہہ کی گئی کہ وہ اُس مُسافر کی طرح چلتے ہیں جو ایک پیر ناو میں رکھ کر آبی سفر کرتے ہیں تو دوسرے پیر سے ساحل پر

Marfat.com

ڈگمگا کر چلتے ہیں۔ اِن لوگوں کو آخر پر ڈوب کر مرنے کی تخویف دی گئی ہے۔ یہ منافقوں کی سرزنش ہے۔

تیسرا نعتیہ قطعہ ہے، اِس میں شاعر حضرت رسول اکرم ؐ شافع محشر کی تئیں اپنے زبردست جذباتی لگاؤ کا اظہار کرتے کہتے ہیں کہ" اے مومن ایمان لاکر بھی تم ہندوانہ طرزِ عمل پر کاربند ہو، ایسے افراط و تفریط سے واپس آؤ روزِ محشر جب ہمیں اِس مُنافقانہ روّیہ کے لئے جہنم کی طرف گھسیٹ کے لینگے تو شافع محشر ؐ ربِ جلیل کے حضور میں شرمندہ ہو جائینگے۔"

ان تینوں نظم پاروں کے جوہر سے آپ کا ذہن واصل ہوا۔ ذرا اِس لذتِ وصل کے تجربہ پر کہیے کہ کیا ان میں" ہندوں" کے خلاف کوئی جذبہ پس پردہ بھی ہے۔ موتی لعل صاحب کو ہی نظر آیا ہوگا مگر ہمیں تو لگتا ہے کہ اِن نظموں میں اُن منافقوں پر وار کئے گئے ہیں جو ہندومت سے تو نکل چکے تھے مگر منافقوں کی صفوں میں تھے ۔کیا رواداری کا مقصد آدھا تیتر آدھا بٹیر بن کے رہنا ہے نہ ہندو نہ مسلمان۔ کیا رواداری کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان نام کا مسلمان رہے اور کام کرے کافر کا۔ کیا رواداری کی کسوٹی ہم پر مقرر کرینگے کہ وہی پنڈت زادہ نیشنلسٹ ہے جو کھل کر گلڑے کا

Marfat.com

گوشت کھائے یا اپنے گوترہ میں شادی کرے۔ یہ ایسا شخص ہرگز سیکولر نہیں ہے بلکہ بے راہ رو ہے۔ ایک بدمعاش ہے جو سماج کے لئے زہر ہے۔

اب اس بحث کی روشنی میں ہم حضرت شیخ کی روادارانہ پیغام کو واضح طور سمجھ پائیں گے۔ اُن کے کلام کا جوہر مختصراً یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان رہے، ہندو ہندو رہے۔ دونوں اپنے آدرشوں پر سختی سے پابند رہنے کی آزادی بھی ہو اور دونوں کو اپنے مشنوں کے پرچار کی بھی آزادی ہو مگر اس آزادی پر ایک پابندی دونوں کے ضمیر عائد کریں کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف کینہ نہ رکھیں۔ ایک دوسرے کا استحصال نہ کرینگے ایک دوسرے کے ساتھ فساد نہ کریں گے اور بحیثیت پڑوسی ایک دوسرے کے ساتھ ہمسائیوں کے حقوق و فرائض کی انجام دہی میں کوئی فروگذاشت نہ کریں۔ بھائیوں کی طرح رہیں۔ اور جو ان دو بھائیوں کے بیچ منافرت پھیلائے گا اُس کے گناہ کو کبھی باری تعالیٰ عفو نہیں کرتا ہے۔

اس طرح شیخ صاحبؒ کا پیغام مختصراً یہ ہے کہ ایک مسلمان ہر سطح پر، ہر دائرہ میں اور ہر ایک سچویشن میں مبلغ ہے اُس کو کفر و شرک کے ساتھ عداوت رکھنی ہے مگر کافر اور مشرک کو اپنی تعلیمات کے اثر میں لاتے ہوئے منافرت سے نہیں محبت سے کام لینا ہے۔

Marfat.com

کلامِ شیخ سے علمداری لقب کی تائید

سنگر گینے سنگرام ڈارس
یام ترٕہ آرس تام چھُس چو نوُ
دُوٚ ہے برٕ بنیا مےٚ ییتھ انہارس
خدمت گارس چھُس پلزِ دنوُ
کاٗلی ییلہِ ہکھ لگہِ پلِ صراتٕ تارس
حُکم اندازس ناو دزہِ میانوُ
نشہِ رسولِ خُدایسؐ تَس سردارس
چھُس بوُ نوُتن کرٕ دو نوُ
ییتنہِ بیٚہہ پروردگار وہترارس
ساڈہن تہ یاٹھن شفاعت میونوُ

اس نظم کا ترجمہ اور تشریح سے پہلے مناسب ہے کہ کچھ اشارات پیش کروں۔ سنگی گنے، حضرت شیخ العالمؒ کا ایک خادمِ خاص تھا جس کے پاس آپ دِری گام میں سالہا سال مہمان رہے۔ ڈری گام بھی مرکزی کشمیر میں ضلع بڈگام میں واقع ہے اور یہاں سے کچھ میل دُور ٹرارون (آجکا چرار شریف) واقعہ ہے یہاں پر سنگرام ڈار آپ کا دوسرا خادم تھا۔ سنگی گنائی کی آرزو تھی کہ

Marfat.com

پیر اُن کے ہی ملکیتی زمین میں اپنا صدر مقام قائم کریں اور یہی جگہ اُنکی آخری آرام گاہ بن پائے۔ ڈرے گام کو ایک اعتبار سے آپ نے سات سال تک ریشی تحریک کا ہیڈکوارٹر بنایا تھا مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ آپ کی نظریں اپنی جاگیر رہ پہ ون اور زاردن پر لگی ہوئی تھیں۔ سنگرام ڈار آبائی طور شیخ العالم کے خاندانی جاگیر کے جزوی حصہ کا تحویل دار تھا۔ شیخ صاحب اپنی ہی وراثت پر ہمیشہ کے لئے ریشیت کا مرکز قائم کرنے کے لئے مُصر تھے۔ دری گام اور رہ پہ وَن کے درمیان آنے جانے کا راستہ کچھ ڈھلوان اور جُزوی پہاڑی ہے۔ بیچ میں دریائے دودھ گنگا آتا ہے۔ اِس نظم سے اکثر تذکرہ نویسوں نے یہی معنی اخذ کئے ہیں کہ شیخ رح اپنے اِن دو خادمانِ خاص کو کہنا ہے کہ" جب دریا کے اس پار ہونگا تو سنگی گنئے کا رہونگا اور جب اُس پار جاؤنگا تو سنگرام ڈار کا بن جاؤنگا" یہ عامیانہ تشریح ہے۔ اِس شرح اور تشریح کو رد کرتے ہوئے اب ترجمہ اور تشریح پیش کرتا ہوں:۔

ترجمہ:۔ میرے خادمین! گناٹی صاحب، ڈار صاحب !!!

جونہی میں دریا (پُل صراط) پار کرونگا تو آپ کا ہوجاونگا (آپ دونوں کے لئے شافع محشرؐ سے شفاعت کی سند حاصل کرونگا)۔

Marfat.com

میں آپ (دونوں) کی خلوص بھری خدمت کا ممنون رہا ہوں
اور میرا شیوہ ہے کہ اپنے خدمت گار کی مدد کر پاؤں
جب پل صراط پار کرنے کی تم دونوں کی باری آئے گی
تو حاکمِ محشر کے پاس میرا نام جتلانا،
(کہنا کہ تم کس کے خادم ہو)
پیشِ سرورِ کائنات ؐ سردار روزِ محشر ؐ
میں سفارش کرنے کا دستگاہ رکھتا ہوں
میزان کی اُس گھڑی کو جب کہ،
پروردگار بندوں سے محاسبہ عمل کریگا
اُس وقت میں شریف النفس اور محتاجوں کی شفاعت
کا ضامن ہونگا۔

اِس نظم میں یہ پہلے حضرت شیخ اپنے دو خادموں کے واسطہ سے اعلان فرماتے ہیں کہ میری خدمت و اطاعت کرنے کا صلہ انہیں قیامت کے دن ملیگا۔ اس واسطہ سے پُل صراط بھی پار کر بینگے مگر احتیاط دیکھ کر کس طرح بتایا ہے کہ وہ اپنے خادموں کی سفارش تبھی کرے گا جب خود پل صراط پار کر کے اُس کو اپنا پروردگار رستگاروں میں شامل کریگا۔ شافع محشر کی شفاعت سے بھی فیضیاب ہونگیں۔ ان دو خادموں کی وساطت سے یہ مژدہ جانفزا

Marfat.com

یہ بشارت آپ کے مُریدوں کے لئے بھی ہے مگر آخیری شعر میں آپ نے خاص طور پر دُو طبقوں کا تذکرہ کیا ہے۔ "ساؔدی" اور "پاؔزھی"۔ 'ساؔدی'، جو پردہ دار، کم گو، شریف النفس اور منکسرالمزاج عام کشمیری اور "پاؔزھی" بھی وہی عام کشمیری ہیں جو البتہ مفلسی اور غربی سے دُنیا میں محتاج رہے ہیں۔ کشمیری عوام انہی دو طبقات پر عام طور مشتمل ہے۔ آخری شعر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے کشمیریوں کا آخرت سنوارنے کی بشارت دی ہے۔ یہاں پر پھر ہم بابا نصرالدین صاحب کے بیان کو دُھرائیں گے جو حضرت شیخ کی تدفین کے بعد اُنہوں نے قوم کو بتایا تھا:۔

"میں نے اپنے پیر بُزرگوار کو دیکھا اور اُنہوں نے مجھے بشارت دیدی کہ روزِ محشر قوم کو شافع محشرؐ کے حضور میں میرے راہبرِ کامل ہی اپنے علم کے سایہ میں پیش کرینگے۔"

اسی مناسبت سے آپ کا خطاب " علمدارِ کاشمیر" عام ہوا اور آپ نے اپنی زندگی میں ہی (۳۲-۱۴۳۳ء میں ہی) سنگی گنائی اور سنگ اِم ڈار کی وساطت سے اِس بشارت سے کشمیر کو نوازا تھا۔ بلکہ اِس سے پہلے بابہ نصر کو بھی یقین دیا تھا۔ کہ جو نُورالدّین نُورانی کی ہدایت پر عمل کرے گا، وہ اپنے گناہوں کو حرف غلط کی طرح مٹا پائے گا۔

Marfat.com

پانَے پانس پاپ ہنوارِی

یُس نُندہ سنزن دوپ ہیُے

دُوْیہِ وُسعژ تارہ تارِی

اکھ کارُن تہٕ بیٚیہ کریۍ

ترجمہ :- وہ خود بخود اپنے گناہ دھو ڈالے گا جو نُندہ سنز کے ارشاد پر عمل کرے گا۔ مگر رستگاری پانے کیلئے دو خصائص ہونے چاہیں، اولاً جہدِ مسلسل اور ثانیاً نیک عمل۔

ہم اعتراف کر چکے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ علمداری خطاب کب سے حضرت شیخؒ کے نام پاک سے باضابطہ وابستہ ہوا ہے۔ گو کہ خطاب آپ کی وفات کے فوراً بعد عام ہوا تھا۔ حضرت بابا داوُد خاکیؒ کے مناقبِ شیخ میں بھی اس لقب کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی بابا نصیب غازی صاحب نے اس لقب کے ساتھ حضرت شیخ کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ مولوی عبدالرسول نے دو سو سال قبل ایک منقبت میں یوں اس لقب کا اشارہ کیا ہے : خوش کردہ آں سرورے صاحب لواے محشرے

کشمیریاں را رہبرے قربان برّہانت شوم

Marfat.com

"علم، عالم اور مُلّا"

عالم انبیاءؑ کے ورثا ہیں اور علم نور ہے۔ مگر جب عالم اِس علم کو ذاتی مفاد کے لئے اِستعمال کرتا ہے تو لازماً وہ اِستحصالی نظام کا ایجنٹ بنتا ہے۔ اس لئے اِس پس منظر میں حضرت شیخ نورالدّین نے عالم (وارثِ پیغمبری) اور مُلّاۓ فتنہ پرواز کے مابین حدِ فاصل کی واضح نشاندہی کی۔ اِس نشاندہی کے لئے آپ کو علم کی تعریف کرنا پڑی۔ عالم کے کردار کو واضح کرنا پڑا اور پھر وضاحت کرتے ہیں کہ جب اُس کردار سے مختلف ڈگر پر عالم چلتا ہے تو وہ کیا بن پاتا ہے۔

علم کیا ہے :-

علم چھُے صندوقس سون زن کھُوںٛ
سوس سودا پکُن ـــــ پہوہ
سودہس موٗژ چھے ہٕزہ پوٗز بوٗن
ایمان ژونگ رٕ ژھٕن واوہ
نماز چھے زٕ ہینہٕ پھَل پھوٗل وٗوٗن
ادب چھُے سندہ ہیی توٗ
دِل چھے گاڈ ہوٗکھ منتے کھُوٗن

Marfat.com

ذکر چھے پوٗ ذٕ لسی ہَتوہ
نفس چھےٚ لال اکھٕ مو ترٛاوُن
صاحب معشوق توشی ہَتوہ

ترجمہ:۔ علم گنجینۂ سیم و زر ہے
اس دولت کا تصرف اعتدال ہے
راست گوئی پر اس کا انحصار ہے
شمع فروزاں ایماں کو
آندھی کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھنا ہے
نماز مزرعِ آخرت میں بیج بونے کا عمل ہے
(دھان کے یہ بیج کھیت سے تب ہی نشو و نما پا سکتے ہیں)
جب دھان کی لگائی ہوئی پنیری سے خودرو گھاس نکال دی جائے
دِل مچھلی کی طرح بے آب تڑپ بنا رہتا ہے
اس کو ذِکر کے جھیل میں آزاد رکھنا ہے
سانس لعلِ بے بہا ہے
تب ہی معشوق مہربان ہوگا

تشریح:۔ اس نظم میں " عِلم "کو عالمِ طبعیات اور عالم مابعدالطبعیات کے مابین بھی اور طبعی عالم کے اقوام کے مابین بھی رُتق و فتق کیلئے۔ (لے دے کے لئے) زرِ مبادلہ بنایا گیا ہے۔ علم بہ مثل سونے کے

Marfat.com

صندوق میں رکھنے سے یہی مقصد ہے۔ صندوق یہاں پر سٹاک ایکسچینج کا چیسٹ ہے۔ نہ کہ محض ذخیرہ کرنے کے لئے مُقفل رکھنا مقصد ہے۔ اب اِس زرِ مبادلہ کے صحیح اِستعمال کی تاکید کی گئی ہے کہ اسکا اعتدال سے اِستعمال ہو پائے۔ اس طرح نہیں کہ افراطِ زر سے معاشی بُنیادیں ہل جائیں جس سے کہ سیاسی استحکام متزلزل ہونا لابدی بنتا ہے اور خارجی غلبہ سے دفاع کرنا ناممکن بنتا ہے۔ زرِ مبادلہ کے متوازن اِستعمال کے لئے ایسی ڈپلومیسی کی ضرورت ہے جو صداقت پر مبنی ہو۔ سچ سے لبعید نہ ہو صرف سچ ہی سچ ہو۔ جھوٹ میں اسکی یک گونہ بھی ملاوٹ نہ ہو پائے۔ حق و باطل میں توازن صرف ایمانِ کامل سے قائم رہ سکتا ہے۔ جو ایک شمع فروزاں کی مانند باطل کی ظُلمت میں صداقت کے چشمۂ آبِ حیوان کی نشاندہی کرتا ہے۔ اِس شمع کی لُو کو وقت کی طوفانی آندھیوں سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ حق وصداقت سے قائم کردہ ماحول کی اکانومی کے استحکام کیلئے غذا کی ضرورت ہے۔ شاعر کے ماحول کا غذائی جنس دھان ہے لہذا اس جنس STABLE FOOD کو اُگانے کے لئے کھیتی باڑی کی ضروری ہے

اِس کھیتی کے بیج نماز ہے، لیکن یہ بیج پنیری تو اُگا ئیگی مگر اس کے ساتھ ساتھ شک وشبہات کے خودرو

Marfat.com

گھاس کے پودے بھی اُگ پائینگے جو دھان کی پنیری کے نشو ونما کے عمل کو ہی کھیت میں دم بخود کر دینگے اور فصل اُگ نہیں پائے گی، لہذا ضروری بنتا ہے کہ اِس خود رو گھاس کو کمر توڑ محنت سے نکالا جائے۔ یہ نکالنے کا کام صالح تمدن کا عمل ہے۔ صالح معاشرتی آداب ہی عجز و نیاز کے اِس فصل کو اُگاتے ہیں اور اُگاکر فصل کو پُختہ کرتے ہیں۔ دین کے اس سارے عمل میں اہم کارندہ دِل ہے۔ اُسکا تحفظ لابدی بنتا ہے۔ شاعر دل کو مچھلی سے تعبیر کرتا ہے۔ مچھلی کی بقا کا انحصار پانی ہے اور دِل کی بقا کا انحصار بھی "ذکر و فکر" پار ہے۔ اسلئے اس کو ایک ماہئی بے آب نہ بنادیا جائے بلکہ اسکو ذکر و فکر کے جھیل میں ہی آزاد چھوڑا جائے اسی سے یہ مچھلی (دِلِ عالم و عامل) متحرک رہتا ہے۔ اِس ذکر و فکر میں ہر سانس کو ایک لعلِ بے بہا تصور کرنا ضروری ہے، چڑھتی اُترتی ایک سانس بھی اگر اس ذکر و فکر سے جُدا رہی تو جان لینا چاہیئے کہ ایک لعل بے بہا ہاتھ سے گنوادیا۔ جب عالم "زرِ مبادل" یعنی علم کے لین دین کے معاملات میں اس مقررِ شدہ اعتدال سے خرچ کرے گا تب ہی وہ اپنے معشوق کو اپنے اوپر مہربان پائیگا۔

حضرت مولینا رومیؒ کے قول:۔ "علم را بر دل زنی یارے بود" کو حضرت شیخ نورانیؒ نے ایک مختلف مفہوم اور آہنگ میں

Marfat.com

ادا کیا ہے۔ یہاں بھی علم اور دل کا واسطہ ہے مگر اس میں کچھ مراحل طے کرنے ہیں۔ اس نظم سے صحیح عالم کے لئے مخصوص CODE OF CONDUCT وضع کیا گیا ہے۔ علم کو دولت عظیم کے ساتھ مشابہت دی گئی۔ "زر" (دولت) کئی اقسام کا ہوتا ہے۔ صاف دولت اور سیاہ دولت (BLACK MONEY) زرِ سیاہ صندوقوں میں کیا، خزانوں میں بھی بند رہے وہ محض مٹی ہے۔ اس کے برعکس زرِ خالص وہی دولت ہے جس سے صاحبِ دولت جو بھی چاہے خرید پا سکے۔ جس سے صاحبِ ثروت معزز بنتا ہے جو ممالک کے مابین کیا؟ اقوام کے مابین کیا؟ بلکہ مخلوق اور خالق کے درمیان بھی ایک سٹاک ایکسچینج کا منصب اختیار کرتا ہے۔

سونا ہے تو اس پر سچائی سہاگہ ہے۔ اِس سونے کی چمک متلاشی نظروں کو تب ہی اپنی جانب مرکوز کرتی ہے۔ جب اس چمک میں بے باکی ہوگی جو قوت ایمان سے پیدا ہوتی ہے۔ ایمان کو وسوسوں کی تیز ہواؤں سے محفوظ رکھ کر اپنے کو فحش و منکر سے جُدا رکھنا ہے جو مقام صرف قائم الصلواۃ ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن نماز کا خشوع و خضوع تہذیبی اور تمدنی روایات کی عظمت میں ہی مُضمر ہے۔ اِس تہذیب کی اساس "ذکر و فکر" پر ہونی چاہیے۔ ذکرِ خالقِ ازل کا فکر کہ اِس صناعِ ازل نے اس خلقت کو خلق کیا

Marfat.com

توکس مقصد کے لئے ۔ کیوں اور کیسے ؟؟ ذکر و فکر کا ڈِسپلن (DESCIPLINE) نظم و ضبط کا انحصار چڑھتے اُترتے سانسوں کی رکھوالی ہے ۔ تذکرہ نویسانِ شیخ نے یہاں پر نفس کا معنی کسی نے نفس امارہ سے لیا ہے اور کسی نے نفسِ لوامہ سے ، مگر ہم نے نفس کو یہاں ہر سانس کے معنی میں اِستعمال کیا ہے ، کلام شیخ میں کئی جگہوں پر نفس کو اِسی معنی میں اِستعمال کیا گیا ہے مثلاً :۔

نفس دِ ڈنی ہے تورے مِینتھ
گرڈ ھکھ اے ڑ ہِنتھ کرکھ نہ فوت

(سانس ازل سے ہی گِن کر اور ناپ کر عطا ہوئے ، اگر اِس راز کو سمجھو گے تو ایک سانس بھی نہ گنوا سکتے ہو)۔

اِس تشریح سے ہمارے پاس عالم کی ایک واضح تعریف پیش ہوتی ہے اور جو " صاحبِ علم " حضرت شیخ کے نظریہ میں اس راہِ اعتدال سے بگڑ جاتا ہے ۔ وہ افراطِ زر کا مرتکب ہے اُسکو آپ عالم نہیں بلکہ مُلا (ملہ) کہتے ہیں ۔ تعریف کے اِس دائرے کو یوں واضح کیا جاتا ہے :۔

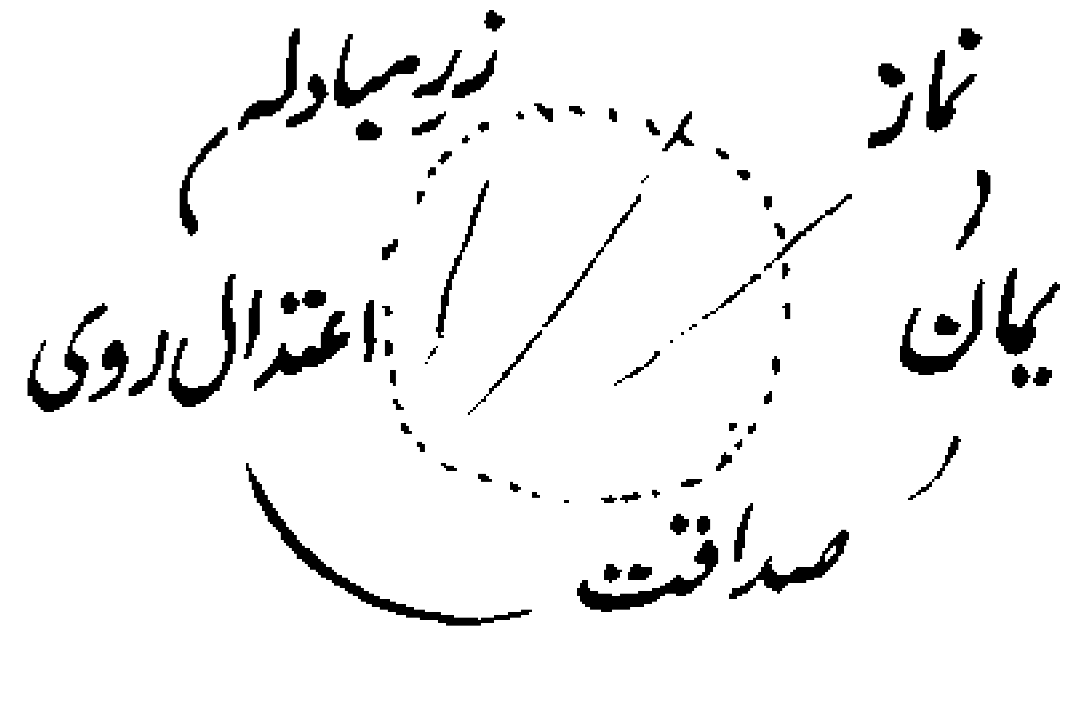

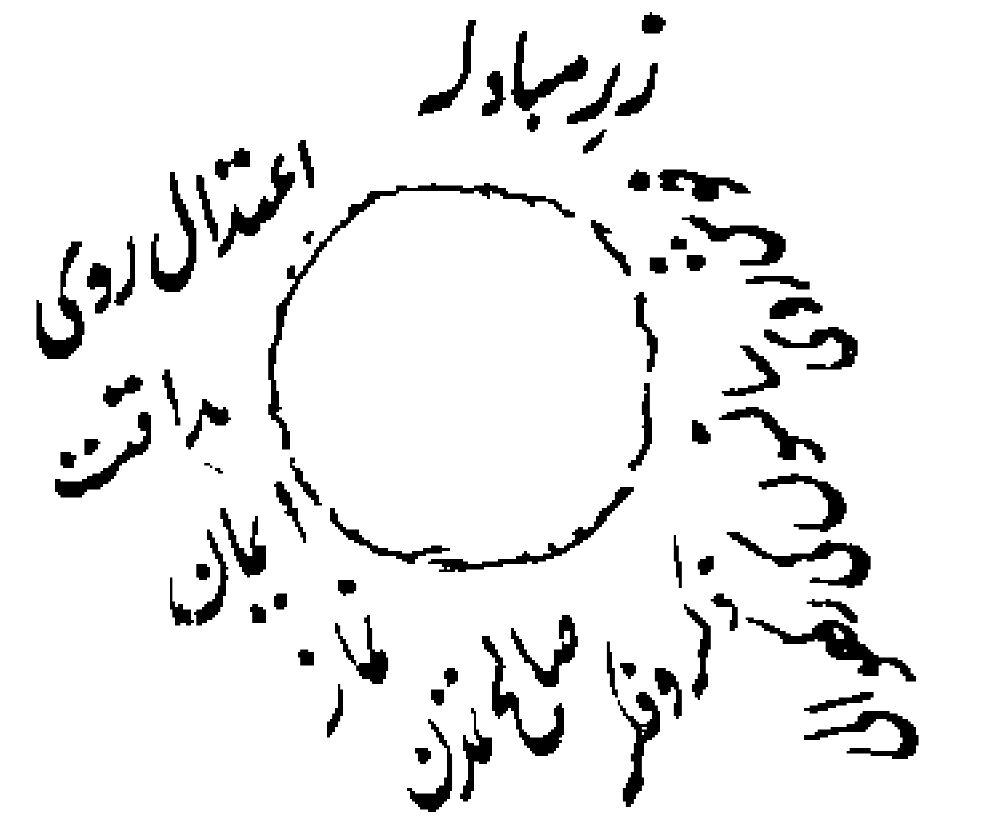

Marfat.com

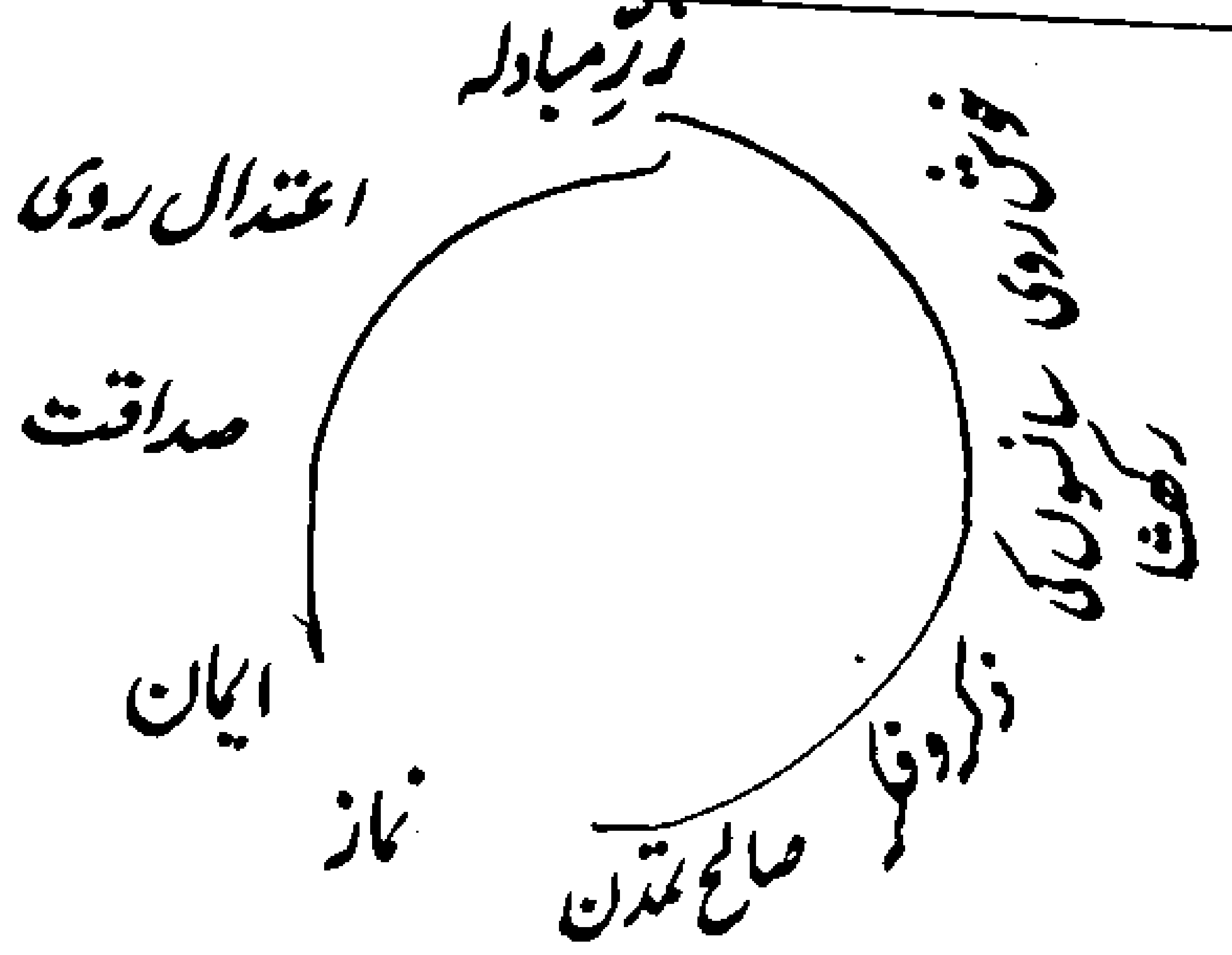

پس عالم وہی ہے جس کو حصولِ علم سے مقصد ہو گا۔ بس اپنے محبوب کی خوشنودی۔ چونکہ حضرتِ شیخ ولی اکمل ہیں اسلئے آخری شعر میں استعمال شدہ لفظ معشوق کو صرف محبوبِ مطلق رب جلیل سے ہی مُراد ہے۔ مگر شاعر نے اپنے مطلب کو ادا کرنے کے لئے دانستہ طور ایک سیکولر لفظ کا استعمال کیا کہ کسی بھی کمٹمنٹ (وابستگی) کا طالب علم اپنے ہی منزلِ مقصود کو معشوق مان کر اس نظم کو سیکولر توضیح کے ساتھ پڑھے تو یہی معنی بنتے ہیں کہ قومیت سے وابستہ ایک نیشنلسٹ عالم قوم کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے ایک ہیومنسٹ (HUMANIST) عالم بنی نوع انسان کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

نظم کو سیکولر پیرایہ میں پیش کرنے میں الفاظ: ایمان، نماز، ذکر، نفس وغیرہ مانع نہیں بن پاتے ہیں، کیونکہ ان کا استعمال بھی شاعر نے بہت ہی وسیع اقلبی کے ساتھ کیا ہے۔

"صداقت" ہر ایک مصلحت پر مقدم ہے مذہبی ضابطہ ہو یا نہ ہو۔

Marfat.com

اسی طرح لفظِ ایمان بھی سیکولر اور مذہبی لغات ۔ دونوں کا جزو ہے ۔ اب جہاں تک لفظِ نماز کے اِستعمال کا تعلق ہے ۔اس سے نظم پر مخصوص ضابطہ حیات کی لیبل چسپاں ہوتی ہے ۔لیکن اس کے نظم کی آفاقیت محدود نہیں ہوتی ہے ۔کیونکہ نماز ایک اجتماعی اور انفرادی ڈسپلن کی علامت ہے ۔"ذکر" ضروری طور صوفیانہ ترکیب نہیں ہے اور سانسوں کی رکھوالی پر ایک صالح ضابطہ حیات کے لئے ضروری ہے ۔

اس ضمن میں حضرت شیخ کے خاص مشن کو مدِ نظر بھی رکھنا ہوگا جس کی روشنی میں ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ اِس نظم میں اگرچہ مخاطب مسلمان عالم ہے مگر جو ٹریٹمنٹ (TREATMENT) آپ نے اِس " مخصوص عالم " کے دائرہ عمل کو واضح کرنے میں اختیار کیا ہے اُس سے اِس کا اطلاق یونیورسل بنتا ہے ۔

حصولِ علم کا مقصد علم پر عمل کرنا ہے ۔عالم نے اگر صحیح طور میں قرآن کو سمجھا ہوگا تو اُس پر یہ راز عیاں ہوا ہوگا کہ سورہ فاتحہ ہی اُم الکتاب ہے ۔ جس طرح دیباچہ میں ساری کتاب کے جوہر کے اشارات موجود ہوتے ہیں اسی طرح قرآن مجید کے اس دیباچہ میں یعنی سورہ فاتحہ میں قرآن کا جوہر موجود ہے، اسی طرح سورۃ اخلاص میں توحیدِ ذاتِ باری کے رموز پورے اختصار کے ساتھ

Marfat.com

چند آیات میں (کُل تین سطروں میں) بیان کئے گئے ہیں جو اس مختصر سے مضمون کو سمجھ لے گا، اُس کے قدم کبھی بھی ڈگمگا نہیں سکتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ تو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا ضروری ہے جس کے ساتھ ضم سورہ کوئی بھی پڑھا جاتا ہے جو اکثر اگر سورۂ اخلاص ہی ہو تو ساری نمازیں ادا ہو پائینگی اور ہر نماز کے جلسہ میں ہر دو رکعت کے بعد التحیات لِلّٰہ والصلواۃ الخ تحیّات و تعظیماتِ باری تعالیٰ اور صلواۃ بر رسولؐ کا ذِکر آتا ہے۔ اس حوالہ سے حضرت شیخ صحیح عالِم قرآن کی جھتیں یوں واضح کرتے ہیں :-

الحمدُ ، قُل ، ۲ التحیاتوُ
پالکھ نہ چھپے قرآنس یاتوُ
نَنَہِ ابلیسَ پرتاو کوتوُ
گوس پَینزِن سگ مؤلن دراتوُ

جلد اوّل میں معنی اور شرح دے چکا ہوں یہاں معنی دہراتے ہوئے اس زیرِ بحث ذیلی عنوان کی روشنی میں کچھ ایزادی شرح کی ضرورت ہے۔

سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور التحیات کے تعلیمات پر ہی اگر عمل پیرا ہو پائیں تو یقین کرو کہ سارے قرآنِ مجید کے اسرار و رموز کا عرفان حاصل ہوگا۔ یعنی اگر تم اِس روزانہ اعلان کر

Marfat.com

کہ "میں تمام شکر بجالاتا ہوں اپنے اللہ کا جو تمام عالمین کا پالنہار ہے"۔ اسی پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو تیرے دل سے دیگر تمام اتھارٹیز (وہ تیری نفسیات کی پیداوار ہوں یا وقت نے اُنہیں قائم کیا ہو) کا ڈر تیرے دل سے مٹ جائے گا۔ جب اِس اعلان پر تم یقین کے ساتھ عمل کرو گے کہ وہ رحم کرنے والا رحیم ہے، روزِ محشر کا مالک ہے اور محاسبۂ عمل کرنے والا ہے، اُسی کی عبادت بلاشرکتِ غیرے کرو گے اور صرف اُسی سے یاری، مدد، رفاقت طلب کرو گے تو کسی اور دہلیز پر تمہیں جبین سائی کرنا نہیں پڑے گی، نہ کسی نمرود و فرعون کا ڈر رہیگا نہ ماسوا اللہ سے مدد مانگنے کی ضرورت رہیگی۔ پھر تائیدِ ایزدی تمہاری دعاؤں کے اجابت کے دروازے واکرکے اُسی راستہ پر گامزن کیا جائے گا جس سے کہ سیدھا راستہ کہا جاتا ہے جو انعام میں ملا، نبیوں کو، صدیقوں کو، شہیدوں اور تمام صُلحا کو اور وہی طاقت دُور رکھے گا اُس ڈگر سے جس پر چل کر خسران میں پڑ گئے گمراہ لوگ۔ پھر عرفان تمہیں حاصل ہو گا۔ تیری رگ رگ سے اللہ کی وحدانیت کا ساز بج جائے گا۔ تیرا ہر قول فعل عملاً پکارتے رہیگا میرا خدا ایک ہے وہ پاک اور منزّہ ہے نہ کسی سے تولد لیا ہے نہ کسی کو جنم دیا ہے بس وہی وحدہٗ لاشریک میرا رب ہے پھر اُسی ایک اللہ کے حضور تیرا سر جھکتے رہیگا اور

Marfat.com

تحیات و تسلیمات تیرا شعار رہے گا۔

اگر ان مختصر سے تین لفظوں کی حقیقت (فاتحہ، اخلاص اور التحیات) تم پر نہیں کھل پاتی ہے۔ اگر ان تین اسرار کی کسوٹی تمہاری زندگی نہیں بن پاتی تو تیرا سارا علم و ادب، تصنیف و تالیف، بحث و تمحیص ــ اُسی طرح رائگان ہونگیں جس طرح "ابلیس" کا علم اُس کے وجود کی ٹہنیوں کے پتّوں کو تو آبیاری کر پایا مگر اُس کی جڑیں کاٹتا چلا گیا۔

(اسی رباعی سے کشمیری زبان کو "پیترن سگ مولن درُوت"۔ جیسا منطقی اور پُر مغز ضرب المثل مِلا ہے۔ معنی یوں ہے کہ پودے کے پتوں کی آبپاشی کیجائے اور درانتی سے اُس کے جڑ کاٹے جائیں۔)

اس رُباعی سے بھی شیخ کا نظریہ واضح ہوتا ہے۔ کہ علم عمل کے لئے ہے۔ ورنہ "علم بر تن زنی مارے بود" کے مصداق جو لوگ علم پر عمل نہیں کرتے ہیں وہ ابلیت کے کارندے ہی تو ہیں۔ وہ کون ہیں؟

---

[1] کلام شیخ محاورات وضرب الامثال کا منبع" اس ذیلی عنوان کے تحت ہم بحث کرینگے اس زبان کے اکثر محاورات وضرب الامثال کلام شیخ سے ہی اخذ ہیں اور جو لوگ اسکا" بیل باٹم" طریقہ اختیار کرکے کلامِ شیخ میں کشمیری محاورات وضرب الامثال کے اِستعمال کا ذکر کرتے ہیں اُنہیں کشمیری زبان کے تاریخ پر بہت کم نظر ہے کیونکہ تب ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ نے مروجہ ضرب المثل یا ٹکسالی محاورہ کا اِستعمال کیا ہے اگر ان سے پہلے کسی ذریعہ سے بھی اُن محاورات وغیرہ کے استعمال کا پتہ لگتا ..... اسکے برعکس کلام شیخ "اکثر محاورات کا مصدر ہے۔ گویا

Marfat.com

وہ وہی عالم ہیں جو علم حاصل کرتے ہیں مگر ذریعہ معاش کے لیئے۔

علم پران ماشہ کہ ہاوسہ
ژھلس زاگان اکس اکھ
چھوہ راو مت مالکہ مسہ
مہمان ڈیشتھ یوان ژکھ
تو نہ چھکہ گمانہ "اسی خاصہ"
تا وہنہ مو کلیشا ستاپہ منزہ اکھ

وہ بھی عالم اپنے کو کہلاتے ہیں جو علم پڑھتے ہیں دولت دُنیا جمع کرنے کی لگن میں اور اِس جُستجو میں ایک دوسرے کی مفادات کی ٹکر (CLASH OF VESTED INTRESTS) میں دھوکہ اور فریب کو حکمتِ عملی جان کر اپناتے ہیں۔ اُن کے قدم تو اِس طرح سے سمیٹی ہوئی دولت کی بدمستیوں نے ڈگمگائے ہیں کہ جب اُنکے ہاں مہمان آئے تو خندہ پیشانی سے مہمان نوازی کرنے کے بجائے یہ بدمست سرمایہ دار عالم مہمان دیکھتے ہی بدحواسگی کے عالم میں گرجاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ اِس فریب میں مبتلا ہیں کہ عالم ہونے کے ناطے یہ کسی خاص برتاؤ ــــ خاص عزّت و احترام کے حقدار ہیں مگر انہیں یہ بھی شعور نہیں کہ یہ لوگ خسارے میں پڑے ہیں جس خسارہ سے ہزار میں ایک بھی آزاد نہیں ہو پائیگا۔

Marfat.com

یہ مختصر نظم بھی ہمیں حضرت شیخ کے عہد کے اکثر علماء کے بارہ میں بہت کچھ بیان کرتی ہے۔ اُس عہد میں بھی وِدوان پنڈت کی دیکھا دیکھی خارجی یا مُقامی مُلا دونوں ظاہری عزت وتکریم کے منصبے حاصل کرنے میں اسی عہد کے دانشوروں کی طرح ایک دوسرے کی ٹانگیں نکالتے رہے ، ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنا پنڈت کا شعار بنا تھا جس نے کہ کشمیر کے شاہی درباروں کو سازش کا اکھاڑہ بنایا تھا۔ لگتا ہے کہ شہمیری عہد میں اگر اِس سازشی عمل کے ساتھ سے قشقہ محو ہو چکا تھا مگر وسط ایشیائی چُغہ ودستار زیب تن کئے ہوئے وہاں سے آیا ہوا عالم اور یہاں کا مقامی عالِم ایکدوسرے کے ساتھ منصبوں کے حصول میں گھتم گتھا تھے۔ اِن عالموں نے علم عمل کے لئے نہیں مگر حصولِ دولت کے لئے حاصل کیا تھا ایسے عالموں کو ہی خاص طور شیخ العالم ہدفِ ملامت بناتے ہیں۔ اور اُنکی اصطلاح کے مطابق یہی عالم 'مُلائے فتنہ پرداز ہے جسکو کشمیری میں "ملّہ" کہتے ہیں جو ملّاح یا ملاح یا مُلّا سے نکلا ہے۔ چونکہ کشمیریوں میں ہانجیوں کی آبادی بہت تھی اور اس قوم کو عرف عام میں 'ملہ' کہتے ہیں۔ اِس مُناسبت سے بھی ان طالب علموں کا نام ملہ حضرت شیخ نے دیا جو علم حاصل کرنے کے بعد بھی خصلتاً ہانجی ہی رہے۔ عادتاً چپو ہی چلاتے رہے اور فطرتاً جو جھیل ڈل

Marfat.com

کے بیچ کشتی میں سوار گاہکوں کو ڈبو دینے کی تخویف دہی سے استحصال کرتا رہا ہے۔ وہی مذموم کنیت حضرت شیخ نے عالم ناہنجار کے ساتھ وابستہ کی۔ یہاں اِس امتیاز کے بارہ میں اشارہ دینا ضروری ہے کہ حضرت شیخ نے گو کہ ذریعہ معاش کیلئے علم پڑھنے کو مستحسن قرار نہیں دیا ہے مگر علم سے دال روٹی کمانے والے طالب علم کو ہدف ملامت نہیں بنایا بلکہ بہ صراحت کہا:

علم پچھے پران ماشکہ ہاوسہ

اور پھر کہا۔ چھوہ رآہتی چھے مالکہِ مستہٖ

یعنی جو علم پڑھتے ہیں معاش (دولت) کے آرزو میں اور جو مست ہیں دولت کی مستی سے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر آپ نے خاص تذکرہ ملاؔ کے پاس مہمان آنے کا کیوں کیا۔ مہمان کی کچھ جہتیں ہیں حضرت شیخ کے مشاہدہ میں آیا ہوگا کہ کسی عالم کے گھر میں کوئی مہمان آیا تو عالم آگ بگولہ ہوگیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مشاہدہ نہ ہو بلکہ ذاتی تجربہ ہو کسی عالم کے پاس آپ مہمان کی حیثیت میں گئے ہوں تو شاید اُس عالم کے گھر میں حضرت شیخ کی مہمان نوازی کے لیئے عالم کے ساتھ دستر خوان بچھا ہو تو عالم نے گھر والوں پر غصّہ کیا ہوگا۔ یا یہ بھی ہو کہ "مہمان" کا لفظ آپ نے

Marfat.com

بطورِ اصطلاح "سائل" کے لیے استعمال کیا ہو۔ کیونکہ عرفِ عام میں ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ سائل اگر سوال کرے تو وہ دراصل سائل کے روپ میں خود خداوند تعالیٰ مہمان بن کر آتا ہے اسطرح سائل کی دِل آزاری اسلامی عقائداور کشمیری مہمان نوازی کی روایات کے خلاف ہے لیکن شیخ نے دیکھا ہوگا کہ دولت میں بدمست جاہ پرست مُلّا محض برائے حضرت اللہ سوال دینے والے سائل پر بھی دست درازی کرتے تھے اور اُن کو آپ نے ہدفِ ملامت بنا دیا۔ یہ بھی اس نظم سے واضح ہے کہ جاہ پرست ہونے کے باوجود۔ مہمان پر ٹوکنے کے باوجود ــــ علم فروش ہونے کے باوجود شیخ صاحب کا ہم عصر عالم اس خودساختہ فریب میں مُبتلا تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ خاندانی تھا۔ یا خاص بندۂ خدا تھا۔ یا سپیشل برتاؤ کا حقدار تھا، اسی نفسیات سے انہیں نکالا جاتا ہے بلکہ ہمارے عہد کے شعور فروش باشعور طبقہ کو بھی چیتاونی دیتے ہیں کہ یہ سب خسارے ہیں میں خسارہ سے یہ لوگ نہ یہاں آزاد ہونگیں نہ وہاں رستگاری پائیں گے۔

یہ عالم، دانشور اور ادیب شب و روز محو مطالعہ رہتے ہیں۔ رات دن لکھتے پڑھتے ہیں مگر پھر بھی انکی نفسیات جاہ پرستی، دُنیا طلبی اور ناعاقبت اندیشی کی رہی ہے۔ ایسے

Marfat.com

عالموں کے بارہ میں بھی دیکھیں کیا فرماتے ہیں :-

پَران پَران تال زبو فُجکھ

لیکھان لیکھان اکھ تنگیاے

توتہ نہ دونیہچ کل بود ژُجکھ

دِوہ تدرس لُجکھ نہ فِکر تہ رائے

(ان طالب علموں کی) زبانیں پڑھتے پڑھتے سُن ہو گئیں

ان کے ہاتھ لکھتے لکھتے سکڑ گئے

پھر بھی انہیں دُنیا داری میں شغف بڑھتا گیا

(اتنا پڑھنے اور لکھنے کے باوجود)

ان کے ذہنوں میں کوئی فکر نہ ہو پایا

نہ دِلوں میں خلوص کی رمق اُبھر آئی

اِس واکھ پر بھی دھیان دیں :-

پَران پَران پر گئے، تِم خر گئے کتابہ بارِے ہیتھ

یِم دِلہ نش باخبر گیے، تِم تر گئے فضل تہ عطا ہیتھ

ترجمہ :- پڑھتے پڑھتے (اپنے کو پانے کے بجائے)

(یہ لوگ) اپنے وجود سے بھی پرائے ہو چکے ہیں

گویا کہ گدھوں پر کتابوں کا بوجھ ڈھایا گیا

Marfat.com

(البتہ) جنہیں اپنا شعور پیدا ہوا

اور جو اپنے دل کے مقام کے آشنا ہو گئے

وہ تو مردانہ وار فضل و عطا کی فتوحات حاصل کر گئے

" خر گئے کِتابہ بارٕ ے ہیتھ "۔۔۔ (گدھے کتابوں کا بوجھ ڈھاتے چلے) اب محاورہ کے طور استعمال ہوتا ہے۔ اس عام مثل کا مصدر بھی قرآن مجید ہی ہے اور حضرت شیخ نے صاف طور اسی آیۂ کریمہ کے ترجمہ کو کشمیری زبان کا ضرب المثل بنا دیا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (سورۂ جمعہ آیت ۵)

اِس چھوٹی نظم میں ایک عام طالب علم کے اندرون و بیرون کا تضاد مظہر ہے:۔

دانِشمند چھے امرت گرٛو

پھیرِ پھیرِ آسس پشپان

برٛونٛہہ کنہ آسس کِتابہٕ لرٛو

ۄ چھِنہٕ آسہٕ تانٛز ران

ۄچھُن زٕلیتھ اندرہ زھرو

پرٛس پری مشس پان

ترجمہ:۔ یہ ذہین اور دانشمند آب حیات بانٹتا ہے

Marfat.com

جس کے ہر ایک جملہ سے امرت کی دھارا پھوٹتی ہے
یہ ہر وقت کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا ہے
اور کتابیں دیکھتے دیکھتے پڑھتے پڑھتے
اس کے بدن کا نس نس سرور کی کیفیت سے اُچھلتا ہے
مگر جب اسکے اندرون کو غور سے پرکھا جائے
اِس کو پاؤ گے بالکل خالی
یہ سب دوسروں کے لئے ہے
خود کو اِس علم و عرفان کی مستی سے محروم رکھا ہے

اِس نظم کے پہلے دو شعر مطالعہ کرتے ہوئے اس طالب علم، اِس دانشور، اِس دانشمند پر جی قربان ہونے کو چاہتا ہے جو بے شک ظلمت سے آب حیات لاکر مُردہ دلوں کو اپنے زور بیان۔ اپنی خطابت سے۔ اپنے موعظہ حسنہ سے۔ اپنی شاعری سے اپنے ادب اور اپنے فن سے۔ زندہ کرتا ہے۔ جس کے ایک ایک سانس میں اعجازِ مسیحائی کروٹیں لیتے رہتا ہے۔ جو نادر و نایاب پُر وقار کتابوں کے ماحول میں ہی رچا بسا ہے۔ اور جو اِن کتابوں کے مضامین کی لطافت سے سرشاری کا مظاہرہ کرتا ہے کہ لگتا ہے کہ اِن اقوال زرّین سے کتابوں کی اِن عبارات سے۔ ان رقت آمیز اشعاروں سے اِس عالِم کا وِجدان

Marfat.com

سرور سرمستی کی کیفیت میں نغمے الاپ رہا ہے اور جب اس مقناطیس سے وہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے اور پھر جب اُسکی ذات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اِس طالب کو زبردست مایوسی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اُس پر یہ راز ـــ زود یا بدیر ـــ لیکن کُھل ہی پاتا ہے کہ یہ دانشمند اندر سے کھوکھلا ہے اور جو کُچھ یہ پڑھتا ہے، لکھتا ہے، اور سُنتا ہے، وہ سب کچھ اوروں کے لئے ہے۔ خود یہ ظُلمت کی اُس گود کی طرح تاریک ہے جس میں آبِ حیوان کا چشمہ موجزن ہے۔ یہ تو آبِ حیات اور دل کو دیتا ہے مگر خود اس کو زہر آب پی کر تلخ کامی کا احساس بھی نہیں ہے۔

یہی حال تو لازماً شیخ صاحب کا ماحول بھی رہا ہوگا اور ہمارا بھی آجکل یہی حال ہے۔ واعظ کا موعظہ سُنیں، خطیب صاحب کا خطبہ سُننے کا موقعہ ملے، مقرر کی لذّتِ تقریر سے آشنائی ہو پائے۔ حضرت شاعر کی سحر آفرین نظم پڑھیں یا سُنیں۔ تو دِل اُس کی قدم بوسی کے لئے کھنچتا ہے۔ شرفِ قدم بوسی کیا ہوا کہ وہ سب تاثر ریت کی دیوار کی طرح گرتا ہے۔ یہی تاثر ملتا ہے جو حضرت شیخ کے ذاتی تجربہ کا حال ہے ـــ کہ

" پرس پیری مشس پان "

اوروں کو جام عرفان پلاتا ہے مگر خود کو اس عرفان کی سونگ تک نہ لگی ہے۔

Marfat.com

اِن عالموں اور دانشوروں پر آپ کس طرح کوستے ہیں جس سے اور آپ کے تاثر کی ترجمانی ہوتی ہے :۔

اوَل پرَن پڑِ تھ اُنَ

خلقن نیکی کُنن آسیے

ژھنَن کھاُرِتھ لرَہ اَسمانَن

زانن دُنیا سوُرِ بند آسیے

اُ خرتھ تژ اُوِتھ مازَن دھنن

سُہ بد بوُن حیوان آسیے

ترجمہ :۔ پہلے تو یہ علم حاصل کرینگے علم پڑھینگے

پھر اُمّی ہو جائیں گے

وہ اگر نیکی بھی کرینگے محض بطورِ تجارت

نیکیوں کے اس تجارت میں حاصل کی گئی دولت سے

فلک بوس عمارتیں بنائینگے

تاثر یہی دینگے یہ دنیا دیوار بند ہے

(جہاں سے جانا ہی نہیں ہے)

قُربان کرینگے آخرت کو حصولِ دولت کے مقصد پر

لیکن یہی عالِم، یہی دانشور پست تر ہوگا

حیوان کے مقام سے بھی

Marfat.com

تشریح :- چھ مصرعہ والی اس مختصر نظم کے بیانیہ سے ہمارے ذہن میں ایک ایسے شخص کا خاکہ اُبھر آتا ہے جس نے تو علم پڑھا حصولِ علم کی نیت سے۔ مگر جب فارغ التحصیل ہوا تو مفادِ خصوصی سے اندھاپن اُس پر چھا گیا۔ تو اس آیہ مبارکہ کی غلط تاویل کرکے آیات قرآنی کو مہنگے داموں فروخت کرنے لگا۔ (آیت شریفہ یوں ہے):-

اِنَ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَا اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَیَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا (البقرہ۔ آیت ۱۷۴)

اس طرح اس عالم نے مفتی بن کر آیاتِ الٰہی فتویٰ کے طور فروخت کیۓ۔ واعظ بن کر موعظہ میں نیکیاں تو تقسیم کیں مگر اس کا معاوضہ رقومات، دولت، مال و متاع، دو شالوں وغیرہ کی صورت میں حاصل کیا یا منصب داری کے عوض قال اللہ کو بیچ دیا۔ یا اُستاد بن کر آیات قرآن فروخت کیۓ یا تاویل کرکے فتنے بپدا کیۓ جس سے دولت بھی کمائی اور پوزیشن بھی حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ نے اس عمل کو نیکیوں کے نیلام سے تعبیر کیا ظاہراً۔ سب عمل — فتویٰ ہو — یا تاویلی دلیلات ہوں — موعظہ ہو یا درسگاہوں کے واسطہ سے کمانا — غرض ظاہراً تو نیکیاں ہیں مگر یہ لوگ یہ سب کچھ دولت حاصل کرنے کے لیۓ کرتے ہیں اسطرح

Marfat.com

سے یہ نیکیوں کی سوداگری بھی ہے۔ اور اِس سوداگری کا مقصد کیا ہوگا۔ دنیامیں عیش کے اسباب بنانا۔ فلک بوس عمارات تعمیر کرنا، ان محلات کی آرائش کرنا یا محض اقتدار کے منصب حاصل کرنا، یا صرف اہل سیاست کو مرعوب کرنا اور اسطرح قومی اور ملکی سیاست پر حاوی ہونا ۔ یہ سب مفادات حاصل کر کے بزعم خود اِس فریب میں مبتلا رہتے ہیں کہ دُنیا دیوار بند جگہ ہے جہاں سے اِنتقال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بحیثیت عالم انہیں معلوم ہے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے مگر اپنے عمل سے بھی تاثر دیتے ہیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی ڈالا گیا پھر اس کو ایک محدود دائرہ میں رکھا جاتا ہے جہاں سے اس کو کہیں جانا ہی نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں سے جانا ہے۔ آخرت میں جواب دہ ہونا ہے۔ مگر اُنہوں نے تو آخرت کے تصور کو ہی دولت کے عوض فروخت کیا ہے۔ یہ اتنے بڑے عالم ہیں مگر پوزیشن ان کی کیا ہے۔ حیوانات سے بھی ان کا مقام نیچے ہے۔ اِس طرح سے شاعر شیخ العالمؒ نے عالم کو علم پر عمل کرنے کا زبردست اصرار کیا ہے۔ جو عالم دین ہو۔ یا کسی مخصوص نظریہ کا نقیب ہو مگر خود دین کی تعلیمات سے بہرہ ور ہوگا یا دیگر مخصوص نظریہ کے بارہ میں دسترس رکھتا ہے۔ بلکہ بحیثیتِ دینی عالم یا نظریاتی عالم اپنے نقطۂ نظر پر درس و تدریس

Marfat.com

دیتا ہے۔ پند و نصائح کرتا ہے یا تخلیقی عمل سے اپنے مذہبی یا غیر مذہبی نظریہ کی تشہیر کرتا ہے مگر خود اُس نظریہ پر عمل پیرا نہیں ہے ایسے طالب علم پر حضرت شیخ نے بہت زبردست حملے کئے ہیں۔ بلکہ اس بے عمل عالم کو آپ نے اُس شخص سے مشابہہ کیا جو صاحبِ بصیرت تو تھا مگر اب اُس کی بینائی ہی سلب ہو چکی ہے۔ یہ نظم پڑھیں :-

علم پَرن تہٕ پَرِنھ نہٕ پالَن
پیکھ لالَن کُھلی گاشش کتہٕ آسیے
میٹھِ تہٕ مُدرہِ اَنتہٕ یِم پَرَن
پَرَن ستی تِمَن رُجوا آسیے
ہَجہِ مندورہ گَجھہِ ستی وَلَن
سوندَرن ستی تُہ بھتہ تِمَن آسیے
علمُک بار لوٗدکھ خَرَن
گو ناہ کرَن کھرَن صاحبہٕ سیے
صَدہ تہٕ نِفافہٕ پَرِکتھ پرَن
حوالہ گئے تِم شیطانہٕ سٕے

ترجمہ :- جو علم پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ اُنکا حال وہی ہے گویا اُنکی بصارت چھین لی گئی تو اِس طرح اُنہیں

Marfat.com

کیا دکھائی دیگا (وہ تو اندھاپن کے عذاب میں مبتلا ہیں) یہ عالم لوگ لذیذ و لطیف نعمتوں سے اپنی انتڑیوں کو بھر دیتے ہیں اسباب لذت کے حصول میں اُن کا سرِ تسلیم خم دشمنوں کے پاس رہے گا۔ (دشمنوں سے حاصل کی ہوئی) دولت سے چیدہ لکڑی سے بنائے ہوئے محلات پر یہ لوگ بے وقوفی کے ساتھ وہ سفید (گچھ) چڑھاتے ہیں جو مٹی کے صاف پلستر پر ہی چڑھ آتا ہے اور لکڑی پر لگانے ہی گر جاتا ہے۔ اگر وہ دانا ہوتے اور خون پسینے کی کمائی اُن کے پاس ہوتی تو "گچھ" چڑھانے کی بجائے لکڑی کی عمارتوں پر سپرٹ پالش، وارنش، السی کے تیل کا روغن اور دوسرے اقسام کے پینٹ PAINT لگاتے جو چڑھتے بھی اور زیبائش بھی دیتے مگر اُنکے اصراف کا عمل ہی تضاد کی کیفیت ہے۔ اسی تضاد اور مُسرفانہ دیکھ دکھاوے میں انہیں شہوت کے جذبہ نے اِسقدر مغلوب کیا ہے کہ اُن کا ضمیر عشوہ فروش حسینوں کی اداؤں نے خرید لیا ہے۔ یہ عالم نہیں بلکہ گدھے ہیں جن پر علم کا بوجھ ڈالا گیا۔ یہ تو (رات دن) گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اِنکا صاحب (خدائے برتر) اِن سے نفرت کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی سوچ، اپنی نفسیات اور اپنے شعور کو کینہ اور عداوت۔ کے نقائص سے سینچ لیا ہے۔ اسلئے (بارگاہِ ایزدی سے) یہ لوگ شیطان کے سپرد کیئے گیئے۔

Marfat.com

یہ بھی عہدِ شیخ اور اُس سے ماقبل زمانہ کا شہر آشوب کا حصہ ہے ۔ راجگان لوہارو خاندان کے دوران یہ حال وددان پنڈت کا رہا اور اس کے بعد چودھویں اور پندرویں صدی میں لگتا ہے کہ مسلمان عالموں کا بھی رہا ہوگا۔ کیونکہ حضرت شیخ نے جس سختی سے ان بے عمل ملاؤں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا اُس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ طبقہ عہدِ شیخ میں اسلامی مشنری کے عمل میں سدِراہ بھی بنا تھا اور مشن کے دشمنوں کے ساتھ ان کا زبردست تعاون رہا ہو۔ جس کے عوض ان لوگوں کو زر اور زن دونوں مہیا رکھے گئے تھے۔

پہلے ہی شعر میں آپ بے عمل عالم کو قرآنی اتباع میں اُس شخص کے ساتھ مشابہہ کرتے ہیں جس کو تو بصارت تھی مگر وہ چھین لی گئی۔ اُس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ غلط اور صحیح میں تمیز کرے عبث ہے ۔ اور جب انہیں یہ تمیز ہی ختم ہوگئی تو لت پڑی انہیں لذائذ دنیا کی۔ جب کہ معیارِ زندگی بلند ہوتا گیا تو ذرائع بھی پیدا کرنے میں قوم اور ملت کے دشمنوں کی طرف رجوع کیا اور قومی مفاد کے غدار بن کر قوم و ملت کے دشمن بن گئے تو یہ سٹنڈارڈ دنیاوی زندگی کا اِس غلط اور غدارانہ آمدنی سے بڑھتا گیا۔ پیٹ پرستی سے اب بنگلے اور محلات بنانے کی لت پڑی اسطرح

Marfat.com

بھی یہ مفاہمت کی طپش بجھ نہ پائی ۔ لذائذ کے بعد عیش و آرام کے خوابگاہوں کی تلاش ۔ ان مُزّین خواب گاہوں نے جنسی طپش کو بڑھایا ۔ تو حسیناؤں کی تلاش نے انہیں شہوت پرست بنادیا۔ اسی لئے حضرت شیخ ان کو طالب علم یا عالِم ماننے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اُنہوں نے ان پر صاف فتویٰ عاید کیا یہ اُن گدھوں کے بہ مثل ہیں، جن پر صحیفہ آسمانی لادھے گئے مگر گدھوں کو کیا امتیاز کہ وہ زبُور، انجیل، توراۃ اور قرآن کے نسخے اُٹھا رہا ہے یا اینٹوں کا بوجھ۔ یہ تو دن رات گناہوں میں مست ہیں اور خدا کے قہر و غضب کے ہدف بنے ہوئے ہیں ۔ اِس زر پرستی اور زن پرستی نے ان کے رگ وپے کو حسد آشنا اور ذہن کو نفاق آفرین بنادیا۔ حسد کرتا ہے ۔ اپنے ہم صفت بے عمل عالِم کا بھی جو اُن سے زیادہ اعلیٰ منصب پر فائز ہو اور عالِم باعمل کا بھی ۔ اول الذکر کا اسلئے کہ وہ کیوں اعلیٰ تر منصب پر ہے کب اس کو اُس منصب سے گراکر وہاں خود پہونچ پائیں اور عالِم باعمل کا اسلئے کہ اُس کا پُر خلوص ایک جُملہ بھی کیوں اور کس طرح عوام کے دلوں میں گھر کرکے اُس کی عوامی مقبولیت کو بڑھا دیتا ہے تو علی الاخیر یہ حاسد عالم شیطان کی اُمت بن گئی ہے ۔

اگر یہ حال زمانۂ شیخ کا تھا آج مختلف معاملہ نہیں ۔ میرے ملوں

Marfat.com

کو ہیں۔ یہاں پر کون عالم ہے جو حضرت اللہ جل شانہٗ اور اسکے محبوب رسولﷺ کا ایجنٹ ہے بر عکس اس کے علمی تبحر بھی کافی ہے۔ عالمانہ جبہ و دستار بھی ہے، فاضلانہ طرزِ روش بھی ہے۔ خطیبانہ سحر کاری بھی ہے، ناصحانہ اندازِ بیان بھی ہے، شاعرانہ فصاحت و بلاغت بھی ہے، وکیلانہ استدلال بھی ہے۔ مگر یہ سب ہوتے ہوئے اجنٹ ماسوا اللہ کے — یہی حال فقرا کا اور درویشوں کا ہے۔ زمانۂ شیخ میں بھی اُن کا بھی یہی حال تھا، بات تو اُن کے بارہ میں بھی چلے گی۔

چار مصرعہ والے اِس دوہے میں آپ نے عالِم باعمل اور مُلّا کے مابین حدِ فاصِل یوں قائم کی ہے:۔

ملہ اے ڈِٹھ زِ تنہہ مولوی رومیؒ
نَتّہہ پَڑھ دَمہہ دَمہہ اِستغفار
صُدرس تار دِتّیت تمی
پانَے پانسَ، سپید یا و یار

(عالم کی پہچان قائم کرنی ہے تو کسوٹی ہے حضرت مولینا جلال الدین رُومیؒ دیگر عالموں کو دیکھ کر توبہ و استغفار ورد کرنا چاہیئے۔ ہاں مولینا کی بات ہی الگ ہے اُس نے نیتا یار لگادی اور وہ خود اپنا رفیق بن گیا۔ اِس رباعی سے کچھ

Marfat.com

سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اولاً کہ مولوی رُومی کے بغیر دیگر مُلاؤں کے دیدار پر ہی توبہ واستغفار کی نوبت کیوں پہونچتی ہے؟ اور کس دریا سے اُس نے نیا کو پار کیا اور کس کی نیا؟ خود اپنا یار بننے سے کیا مقصد ہے؟؟ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولینا رُومیؒ نے علم وعرفان میں جو امتزاج پیدا کیا اُس سے قال حال بن گیا اور حال قال کا ترجمان ہوسکا۔ اُس کے برعکس عام عالم صرف "قال" کے حدود سے نکلتے نہیں ہیں اور صاحب حال بننا اُن کے بس کی بات نہیں۔ مولینا رُومی نے ساتویں صدی ہجری کے اُس پُرآشوب عہد اور ہولناک دور میں اسلامی ادب کو آسیب زمانہ سے بچاتے ہوئے ایک نئی جہت بخش دی۔ اُس وقت مُسلم دُنیا پر ابتلا اور بے چینی کے بادل منڈھلا رہے تھے۔ خانہ جنگی تھی۔ صلیبی جنگوں کے عظیم ہیرو صلاح الدین ایوبی کے جانشین اپنے ہی بھائی بندوں سے دست بگریبان تھے۔ فرنگی اسلامی مقبوضات پر تازہ دم یورشوں میں سرگرم تھے۔ خوارزم شاہیوں نے غوری اور سلجوقی سلطنتوں دونوں کو چیتاونی دے رکھی تھی۔ شیعہ سُنی فسادات عام ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ناگہانی آفات بھی مسلمان کے ہی نشیمن پر بجلی کی طرح کوندتی رہیں۔ قحط سالی نے وبائی حالات پیدا کئے تھے۔ لوگ کتوں بلیوں

Marfat.com

کو ہی نہیں بلکہ بچوں کو بھی بھون کر کھا گئے۔ شہر زلزلوں سے اُجڑ گئے اس پر طرہ یہ کہ تاتاری یلغار نے مسلم دُنیا کو پامال کر دیا تھا۔ خلافت عباسیہ کی آخری علامت خلیفہ مستعصم باللہ جو مسلمانانِ دُنیا کی آبرو تھا خیمہ میں لپیٹ کر پاؤں سے روندا دیا گیا، علوم و فنون کے نایاب خزانے مٹ گئے۔ اسی عہد میں مولینا جلال الدین رومی نے مثنوی کے چھ دفتر تخلیق کر کے مٹتے ہوئے آبرو کو بحال کیا۔ علم و عرفان کی روایت کو نئی جہتیں عطا کیں۔ اگر اس پُر آشوب دور میں رومی جیسی عہد ساز شخصیت نے "قرآن در زبان پہلوی" دُنیا کو نہ دیا ہوتا تو شاید مسلمان اجتماعی طور اُس ڈگر سے ہی بھٹک گیا ہوتا جو چھ صد سالہ تہذیبی ارتقائ سے اس قوم نے حاصل کیا تھا۔ اس طرح یہ کسی حد تک واضح ہوا کہ رُومیؒ نے نیّا کو کیسے پار لگایا اور کس نیّا کو پار لگایا۔ مولینا کی زندگی میں شمس تبریزیؒ نے انقلاب لایا۔ مولینا کی وابستگی اُن سے اس حد تک بڑھ گئی کہ مولینا کے بہی خواہ شاگرد اور مرید تصور کرنے لگے کہ شاید مولینا سب چھوڑ کر اُسی کے ہو جائینگے۔ سازشیں ہو گئیں اور شمس غایب ہوا۔ اس مرحلہ پر جب کہ مولنا کو اس ساتھی، ہمدم یا راہبر کی ضرورت تھی تو وہ غایب ہو گئے پھر آپ خود اپنے راہبر، اپنے رفیق، اپنے ہمدم بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

اسی واقعہ کی طرف اشارہ حضرت شیخ نے کیا ہے۔ اب جس "مُلّا" کا حضرت شیخ قائل ہے وہ رومی صفت عالم باعمل ہونا چاہئیے جو بدترین اور پرآشوب عہد میں بھی علم و عرفان کی سلسبیلیں رواں کردے۔ جو مُلّا اِس کسوٹی پر پورا نہیں اُترتے انہیں واعظ کشمیرؒ دُور سے سلام کرتے ہیں بلکہ اُن کا نام سُنتے ہی استغفر اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

مولٰنا رُومی کے اِس حوالہ کا ہم نے جلد ۱ میں خاص طور پر دو جگہوں پر تذکرہ کیا ہے۔ ص ۱۹۶ تا ۲۰۱ پر "کیا شیخؒ اُمّی تھے" کے ذیلی عنوان کے تحت بھی ذکر کیا ہے۔ ہم پھر وہ مختصر جُملہ دُھراتے ہیں :

" اگر آپ کو مثنوی کا مطالعہ نہ ہوتا تو کیوں اور کس واسطہ سے کہتے : اگر ملّا ہیں تو صرف مولانا روم ہی ہیں ...."

صفحہ ۴۷۶ - ۴۷۷ پر " کلام شیخ اور تصوف " کے ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے :-

.... مولٰنا رومی کی زبردست مدّاح ہیں فرماتے ہیں :-

" ملہ اے ڈِکی زِ تہ مولوی رومیؔ (ہاں اگر کوئی عالم وفاضل ہے جو اپنا لوہا منوا چکا ہے وہ مولوی رُومی ہیں۔ اتنا متاثر وہ اُن سے تب ہی ہو سکتے تھے جب اُنہیں اُن کی فکر اور اُنکے

Marfat.com

کلام کا عرفان ہو چکا تھا۔ محض فیشن کے طور پر رُومی کی اِسقدر تعریف نہ کرتے ....."

اِن بکھرے ہوئے دو تاثرات کو مربوط کر کے ذرا تفصیلی بات کھل کر ہو وے، حضرت شیخ نے اپنے کلام میں چار یار باصفاؓ اور اویس قرنیؒ کے بغیر کسی کی تعریفیں نہ کیں۔ حتیٰ کہ حضرت غوث الاعظمؓ کی شان میں بھی منقبت کا کوئی شعر نہیں ہے۔ صرف حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانی کے بارہ میں ایک ذاتی واقعہ اور وہ بھی اپنے لڑکپن کا حوالہ دیا۔ یا ان کے سپوت میر محمد ہمدانیؒ کے کشمیر میں ورودِ مسعود پر قطعہ تاریخ نظم کیا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹے کشمیر کے اسلامی انقلاب سے وابستہ رہے ہیں۔ اِس انقلابی مشن میں امیر کبیرؒ شیخ صاحبؒ کے فوری پیشرو تھے اور اُن کے فرزند میر محمد ہمدانیؒ ہم سفر تھے۔ لہذا اُن کا تذکرہ بحیثیتِ محسنانِ کشمیر شیخ کی شاعری میں متوقع ہے۔ اس کے برعکس منصور حلاّج اور مولانا رُومی وہ دو شخصیات ہیں جن سے نہ تو شیخ ظاہراً کسی روحانی سلسلہ سے وابستہ ہیں اور نہ ہی اِن دونوں شخصیات کا یا اُنکے عہد و ں کا کشمیر پر کوئی اثر تھا۔ اِس پس منظر میں اگر صرف مانا جائے کہ حضرت شیخ کو مولانا رُومی کی شخصیت کا عرفان روحانی طور حاصل ہے یا بصورتِ ایقان حاصل ہوا ہے تو پھر ایک سوال

Marfat.com

اور پیدا ہوگا کہ اسی عظمت کا عرفان ان کو کیوں دیا گیا۔ شیخ اکبرؒ کے ساتھ روحانی تعارف کیوں نہیں کرایا گیا، امام غزالیؒ کی شخصیت کا ایقانی عرفان کیوں عطا نہ کیا گیا۔ بات تو یہ ہے کہ حضرت شیخ کو منصور حلاج اور مولوی روم کی شخصیات اور ان کے پیغامات میں خاص شغف ہے جس نے آپ کو اِن دونوں کا مدّاح بنایا تھا۔ اِس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ دونوں کے فکر کا آپ کو مطالعہ حاصل تھا۔ بلکہ یہ کہا کہ مولنٰا نے نیّا کو پار لگایا" ایک اور نصِّ صریح کے لیے دلیل پیش کرتا ہے کہ شیخ العالم کو تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ تھا جس طرح انہیں کشمیری تاریخ پر گہری نظر تھی۔

بات ذرا نفسِ مضمون سے ہٹ کر بیان ہوگئی مگر بے محل نہیں ہے۔ ہم نفسِ مضمون کی طرف پھر لوٹ آتے ہیں۔

عالِم کا معیار قائم کر کے آپ نے جاہ پرست، دنیا طلب اور عیاش عالم کو طنز و تشنیع کا ہدف بنایا ہے بلکہ لگتا ہے کہ آپ کے مشن کے منشور (MANIFESTO) کا اہم ترین مد ان جاہ پرست ملاؤں کے خلاف جہاد کرنا تھا۔ لیکن جو عالم ورثۂ پیغمبری کو صحیح معنوں میں اِستعمال کرتے ہیں تو اُن کے رُوح عالمِ ارواح میں چاند تاروں کی طرح چمکتے ہونگیں۔

Marfat.com

پیمے پڑ تھ لاگن کلان
تِمن ابلیس زلان آسیے
توبہ چھُ دوا توٗہ چھ بلان
توبہ رژستے ڈلان آسیے
ہک لگہِ آخر چاک گژھ پلان
عالمن روٗح پژ زلان آسیے
ساد آسہ ژلان ژدر آسہِ لاران
گیلک بہ کری پھولان آسیے

ترجمہ :- جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد احساس برتری میں مبتلا ہوئے وہ شیطانوں کے چیلے ہوئے، ہاں ایسا ہونے کے بعد بھی اگر توبہ کرے تو اپنا صحیح مقام حاصل کریگا کیونکہ توبہ ہی تمام امراض کے لئے زود اثر دوا ہے اور توبہ و استغفار نہ کرنے والے کو ہمیشہ بھٹکنے کا قوی احتمال رہتا ہے۔ اور جب میزان لگے گا [غلطی سے " ہک لگ " کو اکثر تذکرہ نویسوں نے " حق لگہِ " لکھا ہے اور معنی محشر ہی لیا ہے۔ مگر کشمیری میں " ہک لگن " میزان، ناپ تول لگنے کو کہتے ہیں) تو چٹان بھی چکنا چور ہونگیں [پلان کو آجکل " پلن " کہتے ہیں۔ پل معنی چٹان اور " پلن " چٹانوں کو معنی رکھتا ہے] مگر جب

Marfat.com

سنگ و خارا دشت و دمن کوہ اور پہاڑ جلالِ ایزدی سے چکنا چور ہو جائینگے جب سب کچھ ملیامٹ ہو کر فنا ہو جائے گا تب صرف عالموں کے رُوح مہر و ماہ کی طرح تابندہ ہونگے۔ مگر بُرے زمانے کے دن ایسے ہونگے کہ سادھو، سنت، ریشی اولیاء کرام بھاگتے ہونگے۔ اور ڈاکو اُن کی باز پُرس کے لئے مامور ہو کر اُن کے تعاقب میں ہونگے۔ اہل اللہ کی گرفت ڈاکو اور بدکردار لوگوں کے ہاتھوں میں ہو گی۔

اِس نظم میں شیخ نے یہ نہیں کہا کہ "عالم" محشر کے دن تابندہ ہونگے بلکہ عالم کے روح کو یہ اعزاز دیا گیا ہے۔ اس سے اخذ ہوتا ہے کہ آپ قیامت کے دن بہ جسد مُحاسبہ کے قائل نہ تھے بلکہ روح کے محاسبہ کا ہی اعتقاد رکھتے تھے۔

مُلاؤں نے مغلوب ہو کر بھی حضرت شیخ کے بارہ میں تواریخی ریکارڈ یا تلف کرایا ہے یا تضادات کا مُرقع بنایا ہے۔ لگتا ہے کہ اِن ملاؤں کی گرفت معاشرہ پر دن بدن مضبوط ہوتی جاتی تھی تو اُنہیں نوا کو تلخ تر کرنا پڑا۔ آپ جانتے تھے طنز کا تیر ہدف کو مجروح کر کے چھوڑتا ہے۔ تو عام قاری و سامع کے لئے بھی ذہنی تعیش کا سامان مہیا رہتا ہے۔ اسلئے آپ نے مُلّا کی گرفت کو کمزور کرنے کے لئے طنز و مزاح

Marfat.com

کے ہی صنف کو زیادہ اپنایا ہے۔ بلکہ ملاّ پر طنز کرتے ہوئے حضرت شیخ کی شاعرانہ صلاحیتیں بہت ہی نکھر چکی ہیں۔ زمانۂ قریب تک حضرت شیخ کی طنزیہ شاعری کا اتباع ہی نہ ہو پایا یہ جناب پیر محمد مقبول کرالہ واری (وفات 1878) ہیں، جنہوں نے "گریسی نامہ" لکھ کر اس روایت کو آگے بڑھا دیا اور مرحوم غلام محمد لون (و: 1939) نے ملہ نامہ لکھ کر اس صنف کو آگے بڑھا دیا۔ اس لئے ہم اس مضمون پر حضرت شیخ کی ساری شاعری سے حوالہ جات دیکر "طنز و مزاح" کے ذیلی عنوان کے تحت پوری تفصیل سے بحث کرینگے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ملاؤں کے خلاف چھیڑے ہوئے جنگ کو اب بھی شیخ العالمؒ ـــــ اپنی وفات کے پانچ سو سال تک بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مرحوم غلام محمد لون نے ۱۹۲۴ء میں "ملہ نامہ" لکھنا شروع کیا تھا، پھر حضرت شیخ کو خواب میں دیکھا جنہوں نے اس بیسویں صدی کے شاعر کو یہ ارادہ ڈٹ کر آگے بڑھانے کی ہمت افزائی کی۔ [1]

ذیلی عنوان "کلامِ شیخ میں طنز و مزاح" کے تحت ایسے اکثر اشعار پر بحث کرینگے جن میں آپ نے قومی مزاج کے اہم معماروں

---

[1] بحوالۂ رسالۂ سو کھناگ

Marfat.com

یعنی عُلماء کو آڑے ہاتھوں لیا۔ چُونکہ یہ عنوان شاعر شیخ العالمؒ کی ایک فنکارانہ جہت ہے اسلئے تیسرے حصہ میں ہی اس پر بحث مُناسب رہتی، اُسی جلد میں ہم حضرت شیخ العالمؒ کے فن پر مفصل بحث کر رہے ہیں۔ مگر چونکہ زیادہ تر آپ نے مُلّا کو ہی ہدف طعن و تشنیع بنایا ہے لہذا اس تسلسل کی مناسبت سے اس موضوع پر بحث ملتوی چھوڑنے سے "علم اور عالم کی کلام شیخ کی روشنی میں جہتیں واضح کرنے کا مقصد ادھورا رہے گا اور تیسری جلد میں اِس جلد کے حوالہ جات کی تکرار پھر ناگزیر بنے گی۔

"طنز و مزاح"

کلام شیخ کی اِس جہت پر بحث شروع کرنے سے پہلے کچھ تاریخی حقائق کا حوالہ دینا ضروری ہے تا اینکہ قاری خود بھی اُس فوری ضرورت کو بجائے خود محسوس کر پائے گا جس نے اُس عظیم شاعر کو یہ تلوار اُٹھانے کے لئے مجبور کیا تھا جس کا زیادہ تر اندازِ بیان ناصحانہ، واعظانہ، مفکرانہ، مُبلغانہ رہا ہے اور جنہوں نے حتیٰ الوسع تصادم سے گریز کیا ہے۔

گو کہ ہم نے منطقی دلائل سے اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ اسلام دسویں صدی سے ہی بلکہ اُس سے قبل سے بھی کشمیری

Marfat.com

سماجی زندگی کا حصہ بنا تھا اور حضرت امیر کبیرؒ کے ورودِ مسعود سے قبل ہی کشمیر کی سیاسی زندگی پر چھا چکا تھا مگر حق تو یہ ہے کہ اسلامی انقلاب نظم و ضبط کے ساتھ پہلے پہل عبدالرحمان بلبل صاحبؒ نے متعارف کیا اور حضرت امیر نے اِس انقلابی ڈسپلن کو کشمیر کے اطراف و اکناف میں چودھویں صدی کی آخری چوتھائی میں حاوی کیا تھا۔ یہ بھی ہمارے قارئین جان چکے ہیں کہ امیرؒ کے ساتھ یا اُس کی ایڈوانس پارٹی کے طور یا اُس کے قابل فرزند میر محمد ہمدانیؒ کے ساتھ وسطِ ایشیاء سے علماً، سادات، شیوخ اور مُبلّغ جوق در جوق کشمیر میں داخل ہو کر یہاں کی تمدنی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے جُز بنے تھے۔ یہ اشارہ بھی ہم دے چکے ہیں کہ اِن لوگوں کو کشمیر کی جانب متعدد اور متضاد وجوہات نے آمادۂ ہجرت کیا تھا۔ اِن میں پُرخلوص مُبلّغ اور خدا دوست مشنری بھی تھے جو محض برائے تبلیغِ اِسلام کشمیر آئے تھے۔ ایسے بھی تھے جنہیں تبلیغ بھی مقصد تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ ذاتی خوشحالی کی بھی غرض تھی لیکن ایسے عالم، شاعر اور مصنف، تاجر، صنعت کار اور پیشہ ور بھی کشمیر آئے تھے جنہیں صرف اپنی غرض کے ساتھ غرض تھی۔ ان میں وہ عالم لوگ بھی تھے جو تیمور کی فتوحات سے وسط ایشیا کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے

Marfat.com

درباری منصوبوں سے محروم ہو گئے تھے اور جان چکے تھے، کشمیر میں نو قائم شدہ مسلمان حکومت کو فارسی زبان و ادب کے ماہرین کی درباری عہدوں اور دیگر کلیدی ملازمتوں کے لئے اشد ضرورت تھی۔ کشمیر پہونچتے ہی نو وارد خارجی علما کو سر آنکھوں پر بٹھایا گیا۔ اور وہ دربار پر بلکہ حکمرانی کے عمل پر چھا گئے۔ ایسے سادات بھی کشمیر میں داخل ہوئے تھے جو اپنی اپنی ریاستوں میں بڑی جاگیرداریوں اور زمینداریوں کے مالک تھے، منصب دار تھے سرکاری عہدہ دار تھے مگر تیمور کی سادات دشمنی کے پروپگنڈا سے ہراسان ہو کر اپنی بحالی کے لئے کشمیر کو ہی نعم البدل مان کر سرینگر براجمان ہو گئے، بحالی سے بھی مستفیض ہوئے بلکہ اپنے وطن سے بھی کشمیر کی سرزمین کو ہی اپنے ذاتی مفادات کے لئے زیادہ زرخیز پایا۔ یہ بھی ہمارے قارئین کرام جان گئے ہیں کہ ذوالچو کے حملہ کے بہت پہلے سے ہی پنڈت وِدوان اپنی مقصد برآری کے لئے مقامی حکومت اور مہاراجہ کشمیر کے دربار کو سازشوں کا اڈہ بنا چکے تھے۔ یہ انہیں سازشوں کا نتیجہ تھا کہ کشمیر اخلاقی طور دیوالیہ ہو چکا تھا۔ ان حالات کا فائدہ اُس تاتار حملہ آور نے اُٹھایا اور وہ قہرِ خداوندی بن کر کشمیر کو تتر بتر کر کے چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد بھی درباری سازشوں کا

Marfat.com

سلسلہ جاری رہا تھا اُسی سازشی ماحول کا فائدہ رنچن شاہ نے اُٹھایا اُسی ماحول کی پیداوار کوٹہ رانی تھی اور اُسی کینسر پر عملِ جرّاحی کرنے کے لئے تقاضائے فطرت نے شاہ میر کو چُنا۔ سازشوں کا یہ ماحول پنڈت جی کی تنگ دماغی کا ہی پیداوار تھا۔

مُسلم حکومت قائم ہونے کے باوجود کلیدی عہدوں پر پنڈت جی ہی براجمان تھا۔ وہ اپنی عادت سے مجبور تھا، اپنی خُو کبوں چھوڑتا مگر بھانپ چُکا تھا کہ دوسرے فرقہ کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہونے کی وجہ سے اُنکے مشورے بے چوں وچرا قبول نہ ہو پائینگے۔ ہندو مہراجہ کے لئے پنڈت جی کے مشوروں میں تقدس کا عنصر موجود تھا مگر سلطانِ کشمیر کے پاس وہ مشورہ ایسے عُنصر سے خالی تھا۔ اس لئے پنڈت جی نے اس خارجی عالم افسر کو اپنا ہمنوا بنایا ہوگا۔ وہ بھی وہی چاہتا تھا مگر مقامی مدد اور ہمت افزائی نے عمل میں سُرعت پیدا کی۔ پنڈت جی ہمیشہ برہمن برادری سے باہر دیگر ہندو ذاتوں کو " اچھوت" ماننے کا حق رکھتا تھا تو یہ خارجی عالم بھی اس اثر کے تحت " اتقٰکم "کے رمزِ قرآن کو قرطاسِ ذہن سے مِٹا چکا اور حسب ونسب، عہدہ داری، علم وفضل، ایرانی یا تورانی نژاد ہونے پر فخر واستکبار کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اِس مثبت مرض کے ساتھ منفی مرض کا

Marfat.com

پیدا ہونا بھی منطقی طور معقول تھا اور منفی مرض یوں پیدا ہوا کہ جس طرح برہمن اسلامی حکومت قائم ہونے سے یہاں کی مسلم اکثریت کو "ملیچھ" مان کر حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا اُسی طرح اِس خارجی سیّد عالم نے کشمیری نومسلم "ملیچھ" کو کم ذات (اچھوت) تصور کیا۔ جواب بھی اِن نام نہاد "ایرانی۔ تورانی" خانوادوں کے اولادان کی ذہنیت بن چکی ہے۔

مرحوم محمد دین فوق (۱۸۷۷۔ ۱۹۴۵) نے دیباچہ "تاریخ اقوام کشمیر" میں کئی واقعات درج کئے ہیں جن سے صاف اخذ۔ کہ اکثر خاندانوں نے آپ کو غلط اطلاعات اِس غرض سے فرا ہم ... ں کہ فوق صاحب اُن خانوادوں کو کشمیری النسل ہونے کے بجائے ایرانی نژاد تصوّر کرے۔ اس ایک اکتباس پر ہی اکتفا کرتا ہوں:۔

"ایک خاندان اپنے آپ کو کیکاوس، کے خسرو اور کیقباد کی نسل سے ظاہر کرتا ہے۔ کشمیری النسل نہیں بلکہ ایرانی الاصل ہونے پر فخر کرتا ہے"۔ ۔ ۔ ۔"

اسی پس منظر میں مرحوم مہجور نے فرمایا ہے:۔

تھزٕ زاژ اٚسنہٕ کیاز بنکھہٕ خامخاہ کاشُر

ترکی، بُخاری، کابلی افغان بنکھہٕ تہٕ

(اعلیٰ نسب ہوتے ہوئے اپنے کو کشمیری کیوں کہلاتے ہو۔ ارے! تُرکی وغیرہ بنو ۔ ۔ ۔ بنو")

خود کشمیری النسل لوگوں میں اس درجہ احساس کمتری پیدا ہوا تھا۔ کہ وہ اِدھر اُدھر سے جعلی شجرہ نسب بنوانے کے جتن کرتے رہے

Marfat.com

کہ کسی نہ کسی طرح اُنکے خاندانوں کا ڈانڈا مازندران کے ٹھگوں کے ساتھ وابستہ کیا جا سکے۔ سرینگر کے اکثر بڑے خاندان اپنے کو یا تو مغل زادے بتواتے ہیں یا گیلان و توران سے آئے ہوئے غیر کشمیری۔ حتیٰ کہ کشمیر کو ہزاروں سال کی تمدنی عظمت کا تاریخ موجود ہے اور علامہ اقبالؔ نے (جو ایسی ذہنیت سے بالاتر تھا) کشمیری النسل ہونے پر فخر کیا ہے۔

اِس احساس کمتری کا راقم نے اپنی انگریزی کتاب

HAZRATBAL CENTRALSTAGE OF KASHMIR POLITICS

میں تذکرہ کیا ہے اُسکا نچوڑ دہرانا چاہتا ہوں تا اینکہ یہ اندازہ کیا جائے کہ اِس نحیف و نزار شخصیت حضرت شیخ نے (جنہیں بھی نفسیات راہب، جنگل نشین بنا بیٹھی ہے) کیوں اِس خاص طبقہ کو ہی اپنا حریف بنایا ہے۔

موئے مقدس آنسرورؐ ایک عظیم کشمیری عاشقِ رسولؐ رئیسِ اشبرہ حاجی نورالدینؒ نے ۱۶۹۹ء میں بیجاپور میں حاصل کرکے کشمیر لایا۔ سفر کے دوران دسمبر ۱۶۹۹ یا جنوری ۱۷۰۰ء میں وہ وفات پا گئے۔ اشبرہ جس گاؤں کے وہ سکونت دار تھے جو موجودہ مغل باغات کے متصل ہے اور اب شہر سرینگر کا ہی حصہ ہے۔ ۳۶ قبل مسیح میں بھی یہاں دُنیا بھر میں مشہور

Marfat.com

شوِمت کا آشرم موجود تھا۔ مگر مصنف حُجت قاصرہ (سال تصنیف جون ۱۷۰۰ء) قلندر بیگ مرحوم نے نورالدین اشبرہ کو نور الدین عشاوری بنا کر یہ کہا کہ نورالدین صاحب یا اُن کے باپ دادا خراسان کے گاؤں "عشاورہ" سے آکر علاقہ "پھاگ" کے اِس گاؤں میں آباد ہوئے تھے اور ان کی اصلی جائے سکونت کے حوالہ سے یہ گاؤں عشبرہ (اب اِشنبرہ) بنا ہے۔ خود شیخ العالم کی مناجات میں اشہ برہؔ کے سادھو کی تلمیح ملتی ہے مگر اب حاجی نورالدین ؒ (جو اصل کشمیری تھے اور کشمیر کے عظیم بہی خواہ، محسن اور محبِ وطن تھے) کے خاندان سے متعلق لوگ اپنے کو "عشاوری" ہی لکھتے ہیں۔
یہ پس منظر بیان کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ یہ جاہ پرست علما کشمیر میں اپنی برتری نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ "کشمیریوں" میں "کمتری" نفسیات اس حد تک سرایت کر چکے تھے کہ شال دوشالے تحائف میں دیکر کشمیری جعلی سندات خریدنے کی دوڑ میں لگے کہ اپنے آبا کو ایرانی، تورانی، مازندرانی وغیرہ وغیرہ ثابت کر پائیں۔ اِس نفسیات کو قائم کرنے میں اِسلامی تمدن کی شناخت لئے ہوئے۔ جُبہ و قبا زیب تن کئے ہوئے، قرآن خوان، عربی فارسی زبانوں کے عالِم، علم قرآن، علمِ حدیث، اور علم فقہ پر دسترس کامل رکھنے والے ان جاہ پرست علما کے کلام اور رویہ کو اعتبار

Marfat.com

حاصل رہا ۔

اِس نفسیات کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے علم وفضل اورقرآن و حدیث سے اپنے تعلق کا اِستحصال کر کے دُنیا داری میں ڈوبے جاتے ہیں۔

ان سے حضرت شیخ متصادم ہوا۔ مُلاّ نے پنڈت آفیسر جیوتش اور وید کو اپنے ساتھ ملایا کیونکہ دونوں غرض مشترکہ کے حامل تھے۔ شیخ کو مختلف سازشوں کا شکار بنایا گیا مگر ناکامی اُن کی تقدیر بن گئی مگر یہ دونوں طبقات اپنا طریقِ عمل بدلا نہ پائے، چونکہ ان کے قول و فعل کا دونوں فرقوں کے عام آدمی پر گہرا اثر تھا لیکن اُس اثر کو زائل کرنے کے لئے ایسا ہتھیار حضرت شیخ کو اختیار کرنا پڑا جو شمشیر کی طرح تیز ہو۔ تیر کی طرح چُبھ کر جان و جگر کو زخمی کرے البتہ میان اور کمان دونوں کو سُہانا اور دیدہ زیب بنانا پڑا تا اینکہ دونوں میں سمائے آلات ذوق و شوق سے لئے جائیں ۔

بقولِ ڈاکٹر نکلسن ہجو کے یہ اشعار (جو قلمبند نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ زبان زدِ عام ہوتے تھے)

... " صحرائے عرب میں تیروں سے بھی تیز تر اُڑتے تھے اور سامع کے دِل و جان میں چُبھ کر جاگزین ہو پاتے تھے ... "[1]

1 LITERARY HISTORY OF ARABIA By DR. NICHOLSON.

Marfat.com

یہی حال حضرت شیخ کے طنزیہ اشعار کا رہا ہوگا کیونکہ اب تک بھی ہماری اجتماعی زندگی میں اِن تیز دھار لفظوں کی چبُھن کو محسوس کیا جاتا ہے۔

اب اِس تمہید طولانی کے بعد پڑھئے اولاً اِس قطعہ کو:۔

عِلم پرِتھ گیمتۍ ونیٹھی
ونیٹھی گوگل ٹیٹھی سے گیٔ
ہتزر ہیتھ یم آند کُن بیٹھی
تم اسے تل آسی پیٹھی سے گیٔ

ترجمہ:۔ علم پڑھ کر موٹے ہو گئے
ارے یہ موٹا شلجم کڑوا ہوتا ہے
البتہ جو عجز و نیاز کے ساتھ بیٹھے
(اقتدار کے دائرہ سے باہر)
وہ اگر پست مقام پر بھی ہوں عروج پاتے ہیں

گوگل:۔ آج کل کے محاورہ میں اسکو سرینگر اور وسط کشمیر میں "گوگج" کہتے ہیں۔ شلغم:۔ ترکاری، ہتزر:۔ عجز و نیاز۔
تشریح:۔ حصولِ علم میں محنت سے طالب علم سست اور لاغر ہوتا ہے۔ فارغ التحصیل ہوکر طالب علم کا موٹاپن

Marfat.com

اس بات کی دلیل ہے کہ علم فروشی سے وہ دولت سمیٹ کر فربہ ہوا۔
اس مصرعۂ اول میں صاف اُن عالموں پر چوٹ ہے جو علم حاصل
کر کے دُنیاوی جاہ و حشمت کے پیچھے دوڑ کر عیش و عشرت کی زندگی
بسر کرتا ہے۔ اس کی جسامت ـ قد و قامت اور موٹاپن دیکھ کر
نہ مرعوب ہونا چاہیئے اور نہ ہی اُس سے کسی فائدہ کی امید رکھنا
کیونکہ جتنا شلجم موٹا ہو یا تا ہے اُسی قدر اس میں کڑواہٹ
پیدا ہو جاتی ہے۔ عام گاہک موٹا شلجم دیکھ کر متوجہ ہوتا ہے
اور اس فریب میں کہ یہ زیادہ پکا ہو گا خرید کر اس سے سلونا
بنا تا ہے مگر جب کھانے کو بیٹھتا ہے تو روٹی یا چاول یا تو
نگلنے پڑتے ہیں یا وہ بھی ضائع ہوتے ہیں۔ سلونے میں مرچ
مصالہ بھی ضائع ہوتا ہے، اکثر کشمیری گھرانوں میں شلجم کے ساتھ
گوشت پکایا جاتا ہے اور اس طرح گوشت کی لذّت بھی خراب
ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ زمیندار اگر یہ موٹے شلجم گائے کو بھی کھلاتا
ہے وہ بھی مُنہ چڑھاتی ہے۔ موٹے مُلّا کو موٹے شلجم کے ساتھ
مُشابہہ کر کے شاعر نے یہ تاثر ذہن نشین کیا کہ جتنا مُلّا فربہہ
ہو اتنا وہ خطرناک بھی ہوتا ہے۔ اِس مشابہت سے
قاری و سامع اگر کھل کھلا کر ہنس نہ اُٹھتا ہو مگر ہونٹوں
پر خندہ رقصاں رہتا ہے جس سے یہ لطیف تاثر خود بخود

Marfat.com

ایسے استحصالی مُلّا کے خلاف حقارت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ کڑوے سلونے کے تصوّر سے ہی نفرت کا ایک انگارا پھوٹتا ہے۔ اِس جذبۂ نفرت کے ردِ عمل کے طور پر اُس طبقہ کے ساتھ اُنسیت کا جذبہ اُبھر آتا ہے جس کا ذکر دوسرے شعر میں کیا گیا ہے۔ جو مُلّا کی طرح فربہ نہیں لاغر ہیں مگر عجز و انکساری کے جو پُتلے ہیں اور جنہوں نے عالم ہوتے ہوئے بھی انکساری سے زندگی گذاردی اور اقتدار کے مناصب سے دُور بھاگ گئے۔ ظاہراً وہ ان عہدہ دار استحصالی مُلّاؤں سے ظاہری درجہ بندی میں پست تر ہوں مگر وقت ثابت کرتا ہے کہ وہی عظیم تر ہوتے ہیں۔ اِس قطعہ کو کشمیری زبان کا ایک بامعنی اور زود فہم ضرب المثل "دیٹھ گوگل گۓ ٹٹھ گوگل" ملا ہے جو ایسے واقعات پر بولا جاتا ہے جب بڑے رئیسوں، بڑے عہدہ داروں یا بڑے لوگوں کی تلخ مزاجی کے ساتھ آدمی کو پالا پڑتا ہے:۔

ملہ ڈیٹھم ماشی کھوان

ہاکس دِپان: "بہ چھُ کچھ"

بأکر خانہِ ڈاکر تزاوان

مشیدِہ دپان:" اَتہِ یچھ"

ترجمہ و تشریح:۔ مُلّا گوشت خور ہیں اور اگر کبھی سبزی پکا کر

Marfat.com

پیش کی جائے تو اس کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ "اسے کیا کھائیں، یہ گھاس پھوس بھی کوئی کھانے کی چیز ہے" اور جب گھی پر بنائی ہوئی لذیذ باقر خوانی کھلائی جائے تو ڈکار لگاتا ہے مگر جونہی اذان ہوتی ہے تو اس کو مسجد کی جانب جانے کو کہا جائے تو کہنے والے کو بھی وہاں جانے سے یہ خوف دیکر رُکاتا ہے" اوکہاں جائیں اِن کھنڈرات میں تو آسیب ہیں"

اِس طنز یہ رُباعی میں مُلاّ کی متضاد ذہنیت بے نقاب کی گئی ہے۔ مُلاّ ضیافتوں، وازہ وانوں اور لذائذ کا گرویدہ اِس حد تک ہوچکا ہے کہ اگر کبھی مجبوری کی حالت میں کوئی میزبان اِس بَلا صفت مہمان کو پکائی ہوئی سبزی بھی پیش کرے (حتیٰ کہ گوشت کے سلونے بھی ہوں) وہ اس کو حقارت کر کے رَد کرتا ہے اور نہ صرف خود نمازوں کا پابند نہ بن سکا ہے بلکہ عام انسان کو بھی مسجد جانے سے ڈرا کر روکتا ہے۔ ان تین مصرعوں میں مُلاّ کی عام ذہنیت بنائی گئی ہے مگر چوتھے مصرعہ میں طنز کی وہ چوٹ ہے جس کا تاثر ہمارے عہد تک جاری ہے۔

عصرِ حاضر تک ملاوں کے متعلق لوک ادب کی اتنی کہانیاں مشہور ہیں کہ مُلاّ کا کردار حقارت اور تضحیک کا مُرقع بنا ہے تاکہ کلامِ شیخ سے پیدا شدہ مستحکم روایت کا احساس ہو پائے۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ اذان ہو چکی تھی، مُلاّ ایک گاؤں میں اپنے مُرید کے گھر میں دعوت کھا رہا تھا تو میزبان کے بیٹے (جس نے پارہ عمّ تک درس حاصل کیا تھا) نے مُلاّ سے کہا "مولنا چلو مسجد چلیں کیونکہ واقیموا الصلواۃ آیۂ قرآن ہے"۔ مُلاّ نے جواباً کہا: "بیٹا یہ پارۂ عمّ کی بات ہے آگے قرآنِ مجید میں ہی ہے: لا تقربوا الصلواۃ" (نماز کے قریب مت جاؤ)۔ حتیٰ کہ پورے آیت شریف کی معنی ہے کہ نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشہ میں ہو۔

مَلَو چھو لُکھ مَلَو چھو لُکھ
مَلَو ڈیوَ کھُٹے نہ علمک ناو
مَلّو تتہ ہبا بَر تَل ڈُد لکھ
تُوتِرِ رو و کُنفہ مَلّو ناو

ترجمہ و تشریح:۔ تمہاری میل (صابن سے) دھوئی گئی پھر (صابن کا وہ سونگھ) بھی پانی سے نکالا گیا ، اے مُلا! اِس شُست و شو کے باوجود تجھ میں ذرا بھر بھی علم و آگہی نہیں ہے۔ اے مُلاّ! وہاں دروازہ پر ہی کس میرسی کی حالت میں پڑے رہو گے۔ ذرا سوچ تم نے مُلاّ خطاب کو ہی شرمندہ کیا ہے۔

مَلُو کا معنی ہوا "اے مُلاّ"، چھو لکھ کا معنی ہوا: تم کو دھویا گیا۔

Marfat.com

مَل :۔ میل۔ گندگی کو بھی کہتے ہیں۔ دھونے کے ساتھ "مَلُو" لفظ اِستعمال ہونے نے ذُو معنی بنایا ۔ اگر ہم "مَلُو" پڑھینگے تو معنی یوں ہوا :

" اے مُلّا ہم نے تم کو دو عملوں میں دھویا ہے۔

"چھوکُکھ" : "چھوکُن" لفظ بھی دھونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب سوتی کپڑے کو صابن سے دھویا جاتا ہے تو دھونے کا دوسرا مرحلہ بھی آتا ہے جب صابن کی سُگند نکالنے کے لئے خالص پانی میں کپڑے کو کئی بار دھویا جاتا ہے اُس دھونے کو "چھوکُن" کہتے ہیں۔ مصرعہ اوّل میں پہلا لفظ "مُلّا" لفظ ذو معنی ہے۔ "لام" پر اگر کسرہ لگائینگے تو معنی ہوگا "میل، گندگی اور نجاست سے دو مرحلوں میں دھویا گیا..." اگر لَ پر پیش "لُ" لگائینگے تو "ملُو" اے مُلّا معنی ہوگا۔ چونکہ رُباعی میں کئی بار "ملُو" ہے لہذا مصرعہ اوّل میں لام مکسور پڑھا جائیگا۔ اسی طرح چوتھے مصرعہ میں لفظ "لوہ زِ رُودِ تھ" کا معنی ہے شرمندہ ہونا ہے۔ عام طور "لوہ ذرو وتھ" پڑھا جاتا ہے جس سے مصرعہ کا معنی یوں بنتا ہے : اے مُلّا تو نے ملائیت کے وزن دار منصب کو بہت ہلکا کر دیا ہے۔

اِس رُباعی میں یہ جو دھونے کی ترکیب اِستعمال ہوئی ہے

Marfat.com

اس کا مقصد صاف ہے کہ علم طالبِ علم کو تمام لغزشوں سے پاک کرتا ہے۔ بلکہ حصولِ علم کا عمل ہی شرحِ صدر کا عمل ہے مگر افسوس ہے کہ اس طرح پیغمبرانہ صفات پانے کے باوجود جب یہ طالبِ علم ملائیت کے منصب پر پہونچتا ہے، جب مفتی کے عہدہ پر دارالافتا کا چارج لیتا ہے۔ جب محراب و ممبر پر براجمان ہوتا ہے۔ جب صدر مُدرّس بنتا ہے تو ایسے منصبے پاتے ہی اس میں لالچ، نفس پرستی، فتنہ پردازی اور دیگر علّتیں پیدا ہوتی ہیں جو دیکھ کر لگتا ہے کہ علم اس کو چھُوا تک بھی نہیں ہے (ڈیو ٹھے نہ علمُ ناو) یعنی اے مُلّا تم نے علم کا شائبہ تک بھی نہ پایا۔

اس کیفیت نے کہ دھونے کے باوجود اس میں علم کی صفائی نہ پائی گئی، ایک ایسا طنز اُبھرا ہے جو ایک المیہ سے کم نہیں ہے۔ شکم پرستی، پُر خوری اور لذائذ طلبی مُلّا کی شناخت رہی ہے۔ بذیل قطعات پڑھ کر بلا کسی تامل نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ شیخ میں بھی ثواب ارواح کے لئے فاتحہ خوانی کا رواج مُلّا نے مُسلم سوسائٹی میں قائم کیا تھا۔ لگتا ہے کہ ہندو مت سے نکل کر نو مسلم وہ اکثر بدعات ساتھ لایا تھا جن کی اسلامی نظامِ حیات میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہندو رواج کے مطابق

Marfat.com

کسی فرد کے مرنے کے بعد کئی خاص دنوں پر اُس کی آتما کو خوش رکھنے کے لئے پروہت کے لئے گھی پر بنائی پوریاں، حلوہ مانڈے، سلونے، پکائے گئے چاول کے لذیذ تھال وغیرہ کھلائے جاتے تھے اور ساتھ ہی دکھشنا بھی دی جاتی تھی۔ ایسے رسوم کی اسلامیات میں کوئی گنجائش نہ تھی اور نہ ہے۔ مگر کلامِ شیخ پڑھ کر صاف عیاں ہوتا ہے کہ بالکل اُسی ہندوانہ انداز کے مطابق مسلمان بھی مُردہ کا چہارم، چہلم، پندرواڑہ یا برسی یا ہمچو قسم تقریبات مناکر مُلّا کو کھلا پلا کر کے تحائف اور نذر ونیاز دیتے تھے بلکہ یہ بھی لگتا ہے کہ گردشِ پر میرا کے مطابق ہی پیر مرید کی بگڑی صورت موجود تھی جس کے تحت پیر اور مرید کے مابین رشد و ہدایت کا رشتہ باقی نہیں رہا تھا بلکہ پیر گنڈے تعویذ کے عوض مُرید سے تحائف وصول کرتے تھے مرید کے گھر آکر اُس کو لذیذ نعمتوں اور مہمان نوازیوں پر حق بنتا تھا مگر جب مرید پیر کے گھر مہمان کے طور جاتا تھا تو پیر چین بجبین ہو کر غصہ سے لال پیلا ہوتا تھا، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے :-

"مہمان ڈیشتھ یوان ژکھ"

(مہمان کو دیکھ کر غصہ آتا ہے)

یہ نظم بھی پڑھیں گو کہ اس کے آہنگ پر طنز کی شدت

Marfat.com

ٹپکتی ہے مگر اس میں ایک فکری المیہ کو بیان کیا گیا اس واسطے سے اسی جگہ اس پر تذکرہ ہووے البتہ طنز وظرافت کے ذیلی عنوان کے ساتھ بھی پڑھا جائے۔

مَلہٖ چھے زاڈِ گرُ زَن ڈلان
ملس کلہٖ دوہ زِلان آسیے
ملہٖ چھُے سُنزُ وَقتَن پلان
زیری مَلُن پھولان آسیے
ملہٖ چھُے طبق ڈیشتھ بلان
نوَرے مُشدِہ وَتھہ ڈلان آسیے

تشریح وترجمہ:۔

ملا، دلدل میں گھوڑے کی طرح چکراتا ہے
مُلا یا تا سر (غصہ سے) لال پیلا ہوتا ہے
مُلا صبح صادق تک بھی (بستر میں) کروٹیں بدلتا ہے
اور دیر سے مُنہ ہاتھ دھونا وہ اپنے لئے زینت تصور کرتا ہے
مُفت، نعمتوں کا طبق دیکھ کر مُلا کی بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے
اسی وجہ سے وہ مسجد کو جاتے جاتے راستہ ہی بھٹکتا ہے۔
گھوڑے کو دلدل میں پھنس کر ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے
اپنے زور سے وہ وہاں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر

Marfat.com

دلدل اس کو چمٹے رہتا ہے اور اس کشمکش میں یہ چکرانے رہتا ہے اور غصہ سے لال پیلا ہوتا ہے "دلدل" یہاں مراد ہے دنیاداری۔ گوکہ طالب علمی کا ضمیر اور عالمانہ منصب اسکو اس دلدل سے نکلنے پر زور لگانے کی ترغیب پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ دلدل اس کو چھوڑتا نہیں ہے اب اس حال میں صرف اپنے غصے اور جھوٹے افتخار پر زندہ رہتا ہے۔ طالب علم کی خصوصیت یہی ہے کہ سحر خیزی اس کا شیوہ رہے مگر استحصالی ملا وہ خاص وقت کروٹوں میں ضائع کرتا ہے اور پھر فیشن ایبل لجاجت سے دریا پر ہاتھ منہ دھونے جاتا ہے۔ ملا کو بحالت بیماری طبیب غذا میں پرہیز کا پابند کرتا ہے مگر یہ "وازہ وان" کی بو سونگھنے ہی شفا پاتا ہے اس کے باوجود۔ لذائذ سے سرشار رہنے کے باوصف بھی جب نماز پڑھنے کا وقت ہوتا ہے تو یہ مسجد کی اور راستہ ہی بھول جاتے ہیں۔

پروہت کی طرح یہ ملا اور اس کو دیکھ کر خارجی ملا بھی دونوں PARASITE پیرازایٹ (دوسروں کے وجود پر پلنے والا) بن چکا تھا جو خصائص وخصائل اُن کے کلامِ شیخ سے واضح ہیں۔ یہ بگاڑ نہ صرف ملائیت میں تھا بلکہ "شیوخ"، اور "صوفیائے" کرام بھی نام کے شیخ اور صوفی رہے تھے وہ بھی مطلب پرست،

Marfat.com

جاہ طلب اور دنیاداری کے دِلدادہ ہوئے تھے۔

ملّہٖ خوش حال ٹہرین تہٖ سالن
شیخ تیے مالس تہٖ ماشس مُتی
صوفی تیے کھری پلس تہٖ آلس
کھین کاس پانژو مازتہٖ بُتی
اُلک گیان گیلکہ کاس
نزہ کونژ نفس رُٹک پیتی

ترجمہ وتشریح :۔ مُلّا خوش حال ہیں۔ حال مست ہیں تحائف لیتے ہیں اور دعوتیں کھاتے ہیں۔ عابد وزاہد مال و متاع کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ صوفی سے ہل ناراض ہے (یا صوفی ہل یا ٹی سے نفرت کرتا ہے) اور تینوں اصحاب کا حال یہ ہے کہ شام کی ضیافت پر تین سیر چاول اور گوشت کھاتے ہیں۔ نہ اِن میں عاقبت اندیشی ہے اور نہ ہی انہیں اس دُنیا میں اصلی عزّت وتوقیر کا احساس ہے اگر ایسا اِن میں ہوتا تو نفس پر ہی قابو کرتے۔

ہل سے نفرت کرنا یا صوفی کے ساتھ ہل اور بیل نفرت کریں دونوں صورتوں میں مطلب یہی ہے کہ جو صوفی خود اپنے ہاتھوں سے زمینداری کر کے خود کو بھی کھانا تھا اور

Marfat.com

تک پہونچکر تین صدیوں میں ان عظیم اداروں میں تنزل آیا تھا۔ اس سہ بیتی میں طنز کا عنصر واضح ہے۔ تین سیر گوشت اور چاول ایک مولوی، ایک صوفی اور ایک شیخ کے ایک وقت کی غذا بتا کر اُن کی شکم پری پر ایک چوٹ ہے ورنہ نظم کا مزاج ایک شہر آشوب کا المیہ ہے۔ یہ ایک نوحہ کا تاثر پیدا کرتا ہے ــ "تین عظمتوں" کے مٹنے پر ایک درد آفرین مرثیہ کا تاثر اِس کا خاصہ ہے۔

اب دیکھیے دعوتوں پر جانے کی خامی نے مُلاّ کے کردار کو کس حد تک تضحیک کا ہدف بنا دیا ہے:۔

گبلُک مَلہ سالَس ہَکی
وووِرِی مَکِی ہَکی ہَن
رس ہیہ ڈُلِہ ماز ٹکی
مینیے گَرِ ھس رُوشس من
یا نزاہ یلہ شبِہ نرِہ ٹکی [36]
تِہ کھِتھ گرِہ ھس تیج دگہِ ہِن

ترجمہ و تشریح:۔ آجکل ــ زمانۂ حال کے مُلاّ کو جب دعوت پر بُلایا جاتا ہے۔ جونہی اس کو دعوت کھانے کا پتہ لگتا ہے وہ اِس طرح دوڑتا ہے جس طرح جُلا ہے کے شٹل

Marfat.com

خلق خدا کو بھی کھلاتا تھا۔ وہ بھی آرام طلب بن گیا ہے۔ وہ بھی اب دوسروں کی کمائی ہوئی دولت لوٹ لیتا ہے۔

یہ سہ بیتی بھی عہدِ شیخ کے رُوحانی اور علمی ماحول کا شہر آشوب ہے۔ اِس سے صاف واضح ہے کہ زہد و عبادت، سلک و معرفت اور علم دین کی صفات سے مسلم کشمیر بہت حد تک آشنا تھا مگر شیخ کے عہد تک یہ عظیم منصب بھی ایسے غلط لوگوں کے ہاتھوں میں پڑے تھے جنہوں نے اِن کی عظمتوں کو بگاڑ دیا تھا۔ عروج و کمال کا یہ عہد بس ۱۳۲۰ سے ۱۳۳۸ کا ہی عہد نہیں ہو سکتا ہے جس میں کہ خود عہد شیخ ۱۳۷۷ میں شروع ہوتا ہے جب شیخ نے اِس بگاڑ کے خلاف ردِّ عمل عین جوانی میں ظاہر کیا تھا۔ اس طرح کشمیر میں اگر ہم تحریری تاریخ کو بنیاد بنائینگے تو اسی پر پہونچ پائینگے۔ نتیجہ یہی نکلے گا۔ کہ ان عظیم اسلامی اداروں میں عروج و زوال کُل ساٹھ ستر سال کا رہا ہوگا مگر یہ قرینِ قیاس نہیں ہے کہ بس اِسی قلیل عرصہ میں یہ مناصب وجود پذیر ہو کر قبولیت حاصل کر لینگے اور اپنے مزاج میں دفعتاً معراج حاصل کر کے بیکدم تنزل اور بگاڑ کی طرف دوڑ پڑینگے۔ مگر اِس کے برعکس ہمارا تجزیہ ہے کہ یہ عمل زلکار ریشی کے عہد یعنی دسویں صدی یا اُس سے پہلے شروع ہوا تھا مگر حضرت شیخ کے عہد

Marfat.com

... سے دھاگے کی ڈوڑ نظر ہی نہیں آتی ہے اور جب یہ دعوت پر پہونچتا ہے تو شوربہ ایک بڑے برتن میں لیتا ہے تو گوشت کی بوٹیاں بڑے تھال میں جمع کرتا ہے (ٹیکی ۔ ٹاکی ۔ ٹوک ایک تھال جیسا ہوتا ہے) اور جب شوربہ اور گوشت لینے کے باوجود اُس کو یہ کم لگتا ہے تو رُوٹھ کر چلا جاتا ہے (اور مرید، طالب، یا شاگرد کو چیتاونی دیتا ہے کہ اُس کا دِل دُکھ گیا ہے۔ اور اس کی دِل آزاری میں اِس بچارے کی شامت ہے) شوربہ کے بڑے برتن اور بُوٹیاں کے تھال پر وہ یوں انصاف کرتا ہے کہ شوربہ کھا کر تھال سے ۳۶ بوٹیوں کی ہڈیاں تک چبا کر چوس لیتا ہے اور پچاس بوٹیاں بچا کر ساتھ لیتا ہے۔ اتنا کھا کر بھی اُس کا حال ویسا ہی ہے۔ کہ گویا کھایا ہی کچھ نہیں ہے۔

"پُنجر دگِر پن" ٹس سے مس نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ محاورہ بھی تھا مگر اب متروک ہے۔ قصائی جب کوفتہ کے لئے گوشت کی بوٹیاں چھُری سے کوٹتا ہے تو گوشت کا ایک ایک ریشہ الگ ہو کر بہت ہی باریک قیمہ بنتا ہے مگر اس میں جو رگیں ہوتی ہیں وہ اس زد و کوب کے باوجود بھی دھاگہ کی طرح لٹکتی ہی رہتی ہیں۔

اِس نظم میں مخصوص ۸۶ (چھیاسی) بوٹیوں کا ہی کیوں ذکر ہے۔ اِسے کوئی رائے دینا مشکل ہے کیونکہ نہ اُس عہد کا سماجی

Marfat.com

تاریخ کبھی مُرتب ہوا ہے اور نہ ہم سے پہلے تذکرہ نویسوں نے اِن نقطوں کی کوئی شرح کی ہے بلکہ اُنہوں نے کلامِ شیخ پر تشریح و توضیح اور تجزیہ اور تبصرہ سے بالکل گریز کیا ہے البتہ صرف مخصوص پس منظر پر نظم یا قطعہ کے بارہ میں وضع کئے ہیں جو کلام شیخ کی باریکیوں کو سمجھانے کے بجائے طالب علم کے ذہن کو پریشان ہی کرتے ہیں۔ یہی نظمیں اور قطعات جو ہم نے اِس ذیلی عنوان یا اِس سے قبل کے ذیلی موضوع کے تحت درج کیے ہیں۔ یہ سب بابا محمد کمال اور بابا محمد خلیل اللہ نے ڈبہ بند کر کے پیش کی ہیں اور من گھڑت قصہ بنایا ہے کہ یہ سب تیر و نشتر مُلّا مانک صاحب کے سینہ پر وار کیے گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ مُلّا مانک حضرت شیخ کے پاس اُنہیں امتحان کرنے کی غرض سے آئے تھے مگر یہ اشعار اُس کے اور حضرت شیخ کے مابین مکالمہ کے جُز نہیں ہیں نہ کوئی کلام مکالمہ کے طور موزون ہوا ہے مگر ہمارے تذکرہ نویس حضرات نے سارا کلامِ شیخ من گھڑت مکالموں کی نذر کرتے ہوئے اس کی آفاقیت اور ابدیت مجروح کی ہے۔

ہاں ہم ۸۶ بوٹیوں کی بات کرتے تھے۔ لگتا ہے کہ شاید ۷۸۶ ہندسہ کے حوالہ سے یا کسی اور وجہ سے شیخ کے عہد کے کسی خاص مُلّا نے گوشت کی ۸۶ بوٹیوں کا مطالبہ کیا تھا یا اس

Marfat.com

عدد کے ساتھ کوئی شگون وابستہ کیا تھا جس سے کہ اس مخصوص عدد کی بوٹیاں "نذرِ پیر" ہونے کی رسم بنی تھی۔

چھ مصرعوں والی اس مختصر نظم سے یہ بھی ہم اخذ کر سکتے ہیں کہ جس طرح آجکل یا ہمارے باپ دادا کے وقت سے کشمیر میں "ختمات" کی مجالس منعقد کرنے کا رواج بنا ہے۔ ایسا ہی رواج پیروں نے عہدِ شیخ میں قائم کیا تھا۔ چونکہ اکثر سادات اور بزرگ عالمِ وسط ایشیا۔ سمرقند، بخارا، قندہار وغیرہ سے آئے تھے وہاں پر ختمِ "خواجگان" کی روایات قائم تھی اور اس روایت کو یہاں بھی مسلم معاشرہ نے (مقامی ہونے کے تسلسل کے طور) اپنایا ہوگا اور اس طرح "ملاؤں" کے لئے مفت خوری اور دعوتوں کے بہانے قائم ہوئے تھے۔

ملاؤں میں خاص فن۔ خطابت کا موجود تھا۔ مجلس آرائی اور مجلسوں پر گفتگو کے اندازوں سے چھا جانا۔ چرب زبانی انکا شیوہ تھا۔ ملائیت کی اس مخصوص شناخت کو حضرت شیخؒ یوں ہدفِ طنز بناتا ہے:۔

ملہٕ ڈیٹھم کتھہٕ کُبارٕ
ریشن ہیتھ وارِ کانت

Marfat.com

مُلَن ہِشزَن کتھن پاڑی

چھ اپز یاری کیشاہ ٹھُوہ بڑانت

ترجمہ و تشریح :- میں نے مُلّا کو چرب زبان، باتونی پایا ہے۔
اسی چرب زبانی سے یہ لوگ رشیوں کا دِل بھی موہ لیتے ہیں۔
اِن ملاؤں کی باتوں پر سر قربان کروں تو کیا ، مگر ہیں تو فطرتًا
جھوٹے انکے ساتھ امید وابستہ کروں تو کیا؟

اِس قطعہ میں صاف طور مُلّا کو جھوٹا کہا گیا ہے مگر یہ حقیقت بیانی
اُس انداز سے کی گئی ہے کہ لگتا ہے ان کے محاسن بیان کئے
جاتے ہیں۔ اُن پر یہ تیر چلانے سے پہلے شاعر اُنکے فصاحتِ
کلام کی داد دیتا ہے، اُس پر جاں نثاری کا اعلان کرتا ہے مگر
اسی فصاحت و بلاغت کو کذب بیانی سے تعبیر کر کے ایک
زبردست چوٹ کی جاتی ہے۔

اب پیش امام حضرت کا حال دیکھئے جو مسندِ رسولؐ محراب
پر موعظہ دیتا ہے اور امامت کے منصب سے نائب رسولؐ
اور خلیفۂ رسول ہے۔ مگر اُس نے امیرالمومنین کے اِس منصب کو
بہت نیچے گھسیٹا ہے محض اپنے عمل سے، اپنی شکم پرستی سے
اور ایمان کی کمی سے۔ اِس طرح سے امام صاحب قائدِ ملّت
ہونے کے بجائے اُس طرح مسجد کا اجارہ دار بنا ہے جس طرح

Marfat.com

ہندو سیٹھ دار اور مندروں کے پجاری اِن عبادت گاہوں کے دُکاندار بنے تھے۔ بحیثیتِ امیرِ قوم مسجد کے امام کا رول یہ تھا کہ وہ علاقہ کے مسلمانوں میں نماز کا ضابطہ نافذ کرکے مسجد کو حقیقی معنوں میں نہ صرف عبادت گاہ بناتا بلکہ قومی سیاست کا صدر مرکز۔ مگر اِس شکم پرست مُلّا نے اپنے عمل سے نماز قائم کرنے کی بجائے عوام میں مساجد کا خوف پیدا کیا ہے۔

ملہٖ چھِ مشیدن وشدرو
بیتھ بٹہٕ چھِ ہیلین ژھرہیتھ
ساسہٕ منز اکھاہ اوٗبرو
نتہٕ ساری شیطانٕ برہیتھ

مُلّا مسجدوں کے آسیب بنے ہوئے ہیں جس طرح پنڈت (بروہت) پتھر کے بُت کے ماحول میں پتھر دِل بنا ہے۔ اِن دونوں طبقات میں ہزار میں سے شاید ایک صحیح معنوں میں مُلّا یا پنڈت ہے ورنہ دونوں کو شیطان نے اپنی تابعداری پر مامور کیا ہے۔

اِس نظم میں اپنے طنز سے شاعر مُلّا کو آسمان پر چڑھا کر دفعتاً زمین کی گہرائیوں میں دھنس دیتا ہے۔ اِس کیفیت نے طنز کو انقلاب آفرینی کے جوہر سے ایک مسیحائی نعرہٕ قُم

Marfat.com

بنا دیا ہے۔ بشرطیکہ طبیعت حساس ہو اور انقلاب آشنائی کا ضمیر رکھتا ہو:۔

علمہ جھکھ بوڈ ملہ جھکھ دانا
سینہ جھں کپنک کھنا ہیئو

آہ روس ڈیو ٹھکھ تور روس چھانا
در ہول ار کھول گنا ہیئو

اسہ بیتہ دیہ سُتد رچا و بنا
فقیر کوہ گوُسے کانا ہیئو

وو نڈرس کلمہ چھں دبہ سُتد ینا
میو روس ڈیو ٹھکھ دنا ہیئو

صاحب یانے بیتہ کڈہ جانا
یانس نوہ نہ بیا کھ دانا ہیئو

اس نظم کا متن راقم نے کئی دستیاب نسخوں سے پڑھنے کی کوشش کی مگر کچھ الفاظ یا غلط لکھے گئے یا تبدیل کئے گئے ہیں۔ مثلاً مصرعہ دوم کمال بابا صاحب نے یوں لکھا ہے: " جبر بت ثنا کھو" میری سمجھ میں یہ مصرعہ نہ آسکا۔ کچھ ایسا ہی روضۃ الریاض میں بھی ہے۔ جو متن میں نے

Marfat.com

لکھا ہے وہ بابا محمد خلیل کا بذیل فارسی ترجمہ زیر نظر رکھ کر مرتب کیا ہے۔ پھر بھی وثوق کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہوں۔ طالب علموں اور نقادوں کے لئے وہ ترجمہ بھی پیش کرتا ہوں:۔

مصرعہ اول: نیستی اے مُلّا تو با فرہنگ و رائے
علم داری عالی و رِفعت گرائے

مصرعہ ۲:۔ سینہ ات پُر کینہ از جور و جفا
این بود در راہِ حق شکر و ثنا؟

" ع ۳:۔ دیدہ مت بے عار بے تیشۂ نجار
از خلوئے کُندۂ کج بیچدار

" ع ۴:۔ ما پناہِ بیت خُدا بگر بگفتیم
از طلب چیزے بناکس گفتہ ایم

" ع ۵:۔ تو چرا از شستنِ مسجد فقیر
مے نشیند درمیانِ چشمِ نیز

" ع ۶:۔ قلب تو از کلمۂ حق بہرہ ور
ورنہ نخلی دیدہ مت بس بے ثمر

" ع ۷: حق فریسند اندرین جا مائدہ
زاں بود جمعے فقیراں فائدہ

Marfat.com

مصرعہ ۸ :- دیگرے از خویش ابتر مشمر
خاصہ بر خود ظنِ دانائی مبر

باباصاحب کا یہ ترجمہ اُس پس منظر کے ساتھ میل کھاتا ہے جو تذکرہ نویسوں نے اس نظم کے شانِ نزول کے بارہ میں گڑ لیا ہے۔ وہ فسانہ بھی سُن لیں۔ لکھتے ہیں کہ :-

ایک روز حضرت شیخ مرہامہ گاؤں اپنے مریدان کے ساتھ پہونچے۔ دیر ہوئی تو رات گاؤں کی مسجد میں گذارنے کے لئے رہے۔ وہ خاص تیوہار کا دِن تھا کہ پکے چاول اور گوشت کے طبق گاؤں والوں نے مسجد میں فقراء کے لئے بھیجدئے مگر امام مسجد نے اپنے آدمی کو مسجد کی ڈیوڑھی پر رکھا اور جو طبق آتے تھے وہ مسجد کی بجائے مُلّا گھر جاتے تھے۔ اور بعد نمازِ مغرب مولوی صاحب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ان ناہنجار جاہلوں کے لئے گھر سے کچھ کھانا لاؤ یہ مفت خورے ہیں" تو شیخ نے یہ ریمارکس پاس کئے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اِن تذکرہ نویسوں نے کون کرام الکاتبین مرہامہ کی مسجد میں مامور کئے تھے جنہوں نے یہ نظم صدا بند کر کے رکھی۔

Marfat.com

کچھ اس فارسی ترجمہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور کچھ اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس نظم کا ترجمہ یوں پیشِ خدمت ہے:۔

"اے مُلا تمہیں تو کافی علم بھی حاصل ہے اور دانائی بھی ہے اس نعمتِ ایزدی کا شکر تم بجالاتے ہوئے مگر کینہ و عداوت سے کفرانِ نعمت سے تم سخت دِل ہو، ترکھان ہو جو آلات ترکھانی کے بغیر ہی لکڑی کا تخس تخس کرتے ہو (میرے خیال میں "عارِ روس" نہیں ہونا چاہیئے بلکہ "آرِ روس" آرہ کے بغیر — آری اور تور، ترکھان کے دو اہم ہتھیار ہیں) تم تو ترکھان تھے جس کو لکڑی کے ٹھٹے کو اپنی فنی تخلیق سے کوئی خاص مطلوبہ شکل عطا کرنی تھی مگر تم نے وہ ہتھیار گنوا دئے ہیں اور خود ہی ارکھل درخت کا تنا بن گئے ہو (ارکھل کانٹے دار جنگلی درخت کیکر جو کاٹنے پھاڑنے اور چیر پھاڑ کے لئے بہت سخت ہوتا ہے نہ ہی چولہے میں جل کر ایندھن کا کام دیتا ہے نہ اسے دروازہ یا کھڑکی بن سکتی ہے) اے مُلا ہم نے یہاں پر اپنے رب کے معبد میں پناہ لی ہے مگر تم کو فقرا لوگ اپنی آنکھ میں شہتیر محسوس ہونے لگے" (شاید اسی آخری شعر کی وجہ سے تذکرہ نویسوں

Marfat.com

نے مرہامہ مسجد کا واقعہ بنایا ہے"۔ کلمۂ توحید دِل میں، خوفِ خدا پیدا کرنے کے لئے سرایت کرنا چاہئیے تھا مگر تیرے بے ہنگم وجود کو خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے سے کوئی انقلاب پیدا نہ ہوا تم بے ثمر درختوں کا ایک گھنا جنگل ہو جہاں تک تو ایک بھوکا مسافر بھوک مٹانے تو پہنچتا ہے مگر جب ہر درخت اور ہر درخت کی ٹہنی کو بے ثمر پاتا ہے تو اِس فریب پر شرمندہ ہوتا ہے۔ ہاں کسی کو تم حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا بلکہ دوسرے کو اپنے سے دانا تر ماننا چاہیئے"۔

اِس نظم میں لگتا ہے کہ کوئی مُتکلّم ہے اور کوئی مخاطب۔ اِسی مخصوص انداز کی وجہ سے ہمارے تر دماغ تذکرہ نویسوں نے ایسا پسِ منظر چُست کیا ہے جو معقول بھی لگتا ہے۔ ہم نے حصّہ اول میں کہا ہے کہ اِن "تذکرہ نویسوں کی نفسیات مخصوص تھی۔ وہ اِس نفسیاتی مرض میں مُبتلا تھے کہ ایک عظیم ولی اللہ کے لئے شاعری وہ بھی کشمیری شاعری شجرِ ممنوعہ جیسی تھی، اسلئے انہوں نے بلکہ اُن سے پہلے عوامی ذہن نے ہر ایک قطعہ، رُباعی، واکھ، نظم، غزل کا کوئی نہ کوئی پس منظر جوڑا تھا اور اکثر بنائے گئے شانِ نزول برمحل ہی لگتے ہیں بلکہ اِن سے ذہن کو آزاد

Marfat.com

کرنا طالبِ علم کے لئے مشکلات بھی پیدا کرتا ہے۔ خود میرے والدِ محترم مرحوم حاجی محمد اکرم مقیم صاحب ایسی اکثر داستانوں پر اعتبار کرتے تھے اور راقم کے ساتھ اکثر اس بارہ میں بحث و تمحیص کرکے ایسی کچھ کہانیاں تسلیم کرنے کے لئے دلیلیں پیش کرتے تھے مگر وفات سے کچھ دیر قبل اُنھوں نے راقم کی رائے سے اتفاق کیا تھا کہ اِن کہانیوں سے حضرت شیخ کی شاعری کو نِکال باہر کرکے اُس کو اپنے جائز مقام پر لانا ہے۔

اِس نظم سے بلند خیالی، تجربات کی فنکارانہ ترسیل اور جدّت طرازی کے جوہر ٹپکتے ہیں مگر اسلوب اور آہنگ اِس کا ظریفانہ ہے جو خاص طور سے الفاظ کے انتخاب نے پیدا کیا۔ یہ ہمارے ادب کی پہلی نظم ہے جو قاری کے ذہن کو ہیئتوں کے تقابلی مطالعہ سے مانوس کرتا ہے۔ صنعتِ تضاد کے اِستعمال نے طنز کو نکھارا۔ مُلّا کو دولت علم و حکمت سے نوازا گیا ہے مگر اس کا شکر و ثنا وہ اپنی بد حواسی سے کرتا ہے۔ ایک ہی بیت کے ایک مصرع میں اس کو ترکھان سے مشابہہ کیا جو ٹیڑھے میڑھے شہتیر سے فن کے نمونے تخلیق کرتا ہے مگر خود دوسرے ہی

Marfat.com

شعر میں اسی کو ہی ٹیڑھے میڑھے شہتیر کے طور پر ہدفِ ملامت بنایا گیا وہ بھی خطرناک اتنا سخت ہے کہ نہ پھاڑا جاسکتا ہے نہ کاٹا جاسکتا ہے۔ لہذا "فنی تخلیق" کے لئے خام مال بننے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ اس شعر سے مقصد یہ ہے کہ مُلا کی دو حیثیتیں ہیں۔ وہ فنکار ہے مگر پہلے اُس کو اپنے فن سے اپنا سخت وجود نکھارنا ہے۔ سنوارنا ہے۔ مگر "تراشیدنِ ذات" کے لئے اُسکو جن آلات کی ضرورت تھی ــــ (نجار کی آری اپنے سخت وجود کو کاٹنے کے لئے ــــ یعنی انکساری، عاجزی فقر جس آلہ سے اس سخت "ارخلی شہتیر" نخوت کو یہ کاٹ سکے ــــ پھر نوڑ ــــ (ہتھوڑا) تزکیہ نفس جس سے اِن کاٹے ہوئے ٹکڑوں کو سلیقہ سے چیر کر (کھڑکی یا دروازہ کا فریم یا سونا رکھنے کے لئے صندوق کی پھٹیاں وغیرہ) بنایا جائے۔ "ورہوّل ارکھوّل" الفاظ کے اِس اِستعمال نے موسیقیت پیدا کی ہے اور ایک معنی آفرین ترنم ریز ترکیب زبان کو عطا کی ہے۔ "ورہوّل" معنی ٹیڑھا میڑھا۔ "ارکھوّل" کانٹا دار جنگلی کیکر کا درخت۔

تیسرے شعر میں کسی خاص ذاتی تجربہ کا اشارہ ہے جس کے سہارے من گھڑت افسانہ پس منظر کے طور لگا گیا۔

Marfat.com

مگر دراصل یہ کسی خاص مقام کا واقعہ نہیں ہے جیساکہ تذکرہ نویسوں نے اس کو مریامہ کی مسجد میں محدود کیا ہے:

"اَسیہ بیتہ دیۃ سُند رچاؤ بَنا" الخ

"اَسیہ" ـــ بہ معنی ہم نے ـــ بیتہ ـــ یہاں پر۔ "دیۃ سُند" خُدا کا ـــ رچاؤ ـــ بکڑا اٹھا رکھا تھا۔ محدود کیا تھا ـــ بَنا ـــ حد، زمین کا ٹکڑا۔ بَنہٖ = حَد۔ محدود حد۔

ہم نے یہاں پر خُدا (کی زمین میں سے) ایک حد اپنے لئے محدود کیا تھا۔ اور تمھیں فقیر کا یہ عمل آنکھ کا شہتیر کیوں بنا۔ یعنی ہم بھی اِس وسیع و عریض دُنیا میں اپنے مشن کے لئے تبلیغ کے لئے، اصلاح قوم کے لئے ـــ اپنا پیغام عام کرنے کیلئے اپنے محدود حد میں کام کرتے ہیں۔ مگر اے مُلّا تم کو اس ہمارے عمل سے بوکھلاہٹ کیوں، فقیروں کے اِس خلوص کو تم تعصب اور کینہ و عداوت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں۔ اس میں اُس ذاتی تجربہ کا اظہار ہے جو حضرت شیخ کو ملاؤں کی سازش سے حاصل ہوا تھا۔ اور اُس عام حقیقت کی بھی ترسیل ہے کہ مُلّا ہر پُرخلوص اصلاحی عمل کے خلاف خدا واسطے کا بیر رکھتا ہے۔

"فقیر کوہ گوّے کانا ہیُو"

Marfat.com

"اے فقیر تمہاری (چشم میں) تیر کی طرح چُبھ کیوں گیا"۔ یہاں پر لفظِ چشم استعمال میں نہ آیا بلکہ "کانا" لفظ کے رحم میں ہی اس لفظ کا وجود مُنعکس TRANSPARENT ہے۔ مگر اسی لفظ نے سنجیدگی کو ظرافت آمیز بنادیا ہے۔ اِس کے بعد کے شعر کا ایک مصرعہ ایک کیفیت پیدا کرتا ہے تو دوسرے مصرعہ کی تضادی کیفیت پہلی کیفیت سے ٹکرا کر کانچ کی گُڑیا کے ٹوٹنے سے ٹھن ٹھن جیسی ایک چیخ پیدا کرتی ہیں۔

کلمہ اعلائے حق (لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ کلمہ طیبہ کا اعتراف واعتقاد) تیرے دِل کو ذات باری کی جانب کھینچنے کے لئے ایک رسّی۔ ڈور کی طرف باندھا گیا تھا۔ یعنی کلمہ طیبہ کی وسالت اور وساطت سے تم میں ہر لحہ خدا طلبی کی کشش ہونی چاہئے تھی مگر تیرا حال اُس جنگل کا سا ہوا جس میں گھنے درخت شاداب بھی ہیں، دراز قامت بھی، سایہ خیز بھی مگر بے ثمر۔ یعنی جنگلی درخت (سیب، ناشپاتی وغیرہ) تب تک بے ثمر رہتے ہیں (گو کہ نشو نما زبردست اُن میں ہوتا ہے) جب تک اُن میں میٹھے پھل کا پیوند (GRAFTING) نہ لگایا جائے۔ اے مُلّا صاحب اعلائے حق کے کلمہ نے آپ کے اندر کو درختوں کا ایک جنگل بنادیا ہے۔

Marfat.com

اِس سے تو کائنات کو فائدہ ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے میٹھے اور رسدار پھل سے خلقِ خدا استفادہ کرتی۔ کاش تم نے ان اچھی طرح نشو ونما پائے ہوئے درختوں پر خلوص، فقر، عاجزی اور خدمت خلق کے جذبہ کا پیوند کیا ہوتا۔ کلمہ گو مسلمان میں فطرت نے اہم جوہر ودیعت کیا ہے۔ مگر اُس جوہر کو نکھار دینے کے لئے سودمند بنانے کے لئے کیسے پیوند کار۔ مردِ کامل کی ضرورت ہوتی ہے جو اندر کے اس اُگ آئے ہوئے درخت کی ہر شاخ کو کاٹ کر (شرح صدر کر کے) اُس کے ہر گھاؤ پر اپنے خلوص اور تکمیل کا ریشہ جوڑ دے پھر اُسی قطع وبرید، جوڑ توڑ اور اُسی پیوندکاری سے یہ جنگلی بوٹا میٹھے، خوشبودار اور لال لال امبری سیبوں کے ٹوکرے بھر دیتا ہے۔

اے دانا مُلاّ! کیوں تلاشِ رزق میں سرگردان ہو۔ خدائے رزاق کو ہر ایک کے لئے رزق بہم کرنا ہے۔ اِس پریشانی میں تم کیوں اپنے علم کے جوہر اور دانائی کی دولت کو تجربات میں ضائع کرتے ہو۔ ہماری بات مان لو۔ توکّل کی دولت حاصل کرو۔ کبھی اوروں کی بات بھی مانو نا۔ کبھی کبھار تو اپنے سے زیادہ کسی اور کو بھی دانا سمجھنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔

اِس آخری شعر میں مبلّغ، واعظ، مصلح شیخ نورالدینؒ ہر

Marfat.com

طالب علم، ہر جگہ کے طالب علم اور ہر دور کے عالم کو ایک ابدی اور لافانی پیغام دیتا ہے کہ وہ اپنے میں دو خصائل و خصائص پیدا کرے۔ اولاً: توکلؔ بر ذاتِ باری اور ثانیاً صرف اپنے کو ہی عقلِ کُل سمجھنے کے فریب میں نہ رہے۔

چوتھے شعر میں آپ نے عالم بے عمل کو بے ثمر درختان کے جنگل سے مُشابہہ کیا ہے۔ اِس مثال کو بھی خرمنِ احادیث سے لاکر قرآن و حدیث کے اِس عاشق نے حدیث رسولؐ کو کشمیری محاورہ بنایا ہے:

(عالِم بے عمل بے ثمر درخت ہے حدیث نبوی صلعم)

حضرت مُلاؔ، عالم اور علم کے بارہ میں ہم نے اوپر کلام شیخ کے حوالہ جات پر بحث کی۔ ان خیالات کو اس عظیم شاعر نے دو طرح سے ادا کیا ہے۔ طرحِ اوّل میں آپ نے مثبت انداز سے اہل علم، اہلِ بصیرت اور دانائے رازِ عالم کی تعریفیں کیں اور طرحِ دوئم میں آپ نے ظریفانہ رویّہ اختیار کر کے اُن عیوب اور نقائص کی نشاندہی کی جس سے اہلِ علم تفریط کے ماحول میں پڑے ہیں۔ اِس نشاندہی سے بھی علم و فضل کی عظمت کا ہی مطلب و مقصد واضح کیا گیا ہے مگر دونوں طرحیں سکّے کے دو اطراف ہیں۔ یہ ہمارے قاری حضرات

Marfat.com

اخذ نہ کریں کہ خدا نخواستہ حضرت شیخؒ نے علم اور عالم کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا بلکہ آپ نے چوٹ کی ہے ایسے سرمایہ داروں پر جو اس دولت کا جائز استعمال نہیں کرتے ہیں جس استعمال کے لئے دولت دینے والے نے اس دولت مند کو نوازا تھا۔
اب اخیر پر ہم آپ کے اس قطعہ کا منظوم ترجمہ پیش کرتے ہیں:

علمک آگر کلمک معنی
کر یہ ہُند آگر مینیے کھن
شنیہک آگر پانئے زانے
صدرک آگر لبن نہ ژھن

ترجمہ: قطعہ

مصدرِ علم مخزنِ عرفان معنئ لا اِلٰہ اِلا اللہ
تزکیۂ نفس اصلِ طاعت ہے سرِ مخفی ہے یہ عبادت کا
جانتا ہے مکینِ قلبِ فقیر درحقیقت یہ لامکان کیا ہے
لانہایت ہے منبع ساگر کا ابتدا ہے یہ اِنتہا ہے کیا

اِس قطعہ میں کچھ اہم باتیں بتائی گئیں ہیں جن پر بحث تو

Marfat.com

طویل ہو سکتی ہے مگر مختصر اشارات ناگزیر ہیں۔ اولاً: علم مصدر ایمان ہے۔ ایمان توحیدِ باری تعالیٰ اور رسالتِ سرورِ کائنات پر۔ اِن عقیدوں سے ہی یہ عقدے کھلتے ہیں کہ تخلیق کائنات کا مقصد کیا ہے۔ انسان کا مقام کیا ہے۔ کیا اُس کی حیثیت کائنات پر بس ایک بشر کی ہے کیا یہ صرف تخلیق کار کے تخلیقی عمل کا نمونہ ہی ہے یا اِس پر بحیثیتِ خلیفہ کچھ اور کٹھن ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ اِس عظیم تخلیق کار کے خالقانہ جلال و جمال کا کماحقہٗ ہی عرفان ہو سکتا ہے جب یہ تخلیق شدہ اشیا کی حقیقت جانتا ہے۔ وہ حقیقت جاننے کے لئے اِس کو مختلف علوم اور سائنس جاننے ہونگے۔ وہ سب سائنس جو نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ کی اصلیت کے بارہ میں ہونگیں۔ مختصر کہ خالقِ ازل پر اعتماد اور اعتقاد ہی اُس کے کمالات کی حقیقت کو جاننے کی لگن پیدا کرتا ہے۔ اسی واسطہ سے اعلائے کلمۃ الحق مصدر علم و فنون بن گیا۔ توضیح اور بھی بہت ہیں اس نقطہ پر پھر پورا ایک باب صرف ہوگا۔

اب جبکہ اِس عقیدہ نے علم کے دروازہ کھولکر واضح کیا ہے کہ صنّاعِ ازل نے فطرت اور اس کے ہر ایک ادا کی

Marfat.com

تخلیق میں خاص مقصد مُضمر ہے تو پھر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے یہ داعیٔ توحیدِ باری تعالیٰ لازماً عبادتِ خدا میں لگ جائے گا مگر تمام عبادات کا منبع تزکیہ نفس اور تقویٰ ہے۔ ہاں عام فلسفی کی طرح وہ لامکان (شُونّیہ) کی حدود کی تفتیش میں سرگرداں نہیں رہے گا بلکہ وہ خود بخود لامکان کی اصلیت ـــــ لامکان کے مصدر کی حقیقت جان جائے گا۔ "پانے ذانی" (خود جانے گا) کے دو معنی ہیں اولاً جو ہم نے ظاہر کیا یعنی داعیٔ توحید جب تزکیہ نفس کی کُنجی ـــــ سے اطاعت کے دروازے وا کرے گا تو اس کو خود بخود نہ صرف لامکان کی حقیقت معلوم ہوگی بلکہ وہ لامکان کے مصدر کا عرفان بھی حاصل کرے گا۔ دوسرا مفہوم یوں ہے کہ وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) ہی خود جانتا ہے یعنی علمِ توحید سے مالامال عالِم جب تزکیہ نفس سے مقامِ تقویٰ حاصل کرے گا تو اس سے یہ راز کھُل جائے گا کہ خود خدا تعالیٰ ہی ماوراء کی حقیقت جانتا ہے اور یہ عالم ان موشگافیوں میں نہیں پڑے گا۔ بلکہ وہ جان لے گا کہ جس طرح سمندر کا کوئی انت نہیں ہے اسی طرح اس کے اسرار کا کوئی کنارا نہیں ہے۔

یہاں تک ہم نے طنز و مزاح کی مثالیں حضرت مُلّا کے

Marfat.com

حوالہ سے پیش کیں ہیں اب دیکھیں دیگر کلام سے یہ صفت
کس طرح ٹپکتا ہے۔ عام تجربہ ہے کہ بے مایہ لوگ جو بالکل
کھوکھلے ہوتے ہیں کبر و نخوت کے پُتلے ہوتے ہیں اور
اُنکے برعکس سرمایہ دار، جاننے والے اور صاحبِ بصیرت
منکسرالمزاج ہوتے ہیں۔

نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمین (سعدیؒ)

اِس قطعہ میں بھی حقیقت بیان کی گئی ہے مگر اُس
طنزیہ انداز میں کہ اس کی چبھن ہر حساس ذہن محسوس
کرتا ہے:۔

آسہِ چھُنِس ٹینڈھ بُرِس گو ببری
آسہِ طوطہِ کوّل تہٖ کاوَس کانٹھ
آسہِ نُہجہ کَھزُر فلُجہِ گو ببری
آسہِ پاَز وَنَن یا کھَلِ کَانٹھ

ترجمہ و تشریح کے لئے جلد اوّل ۵۵۳ - ۵۵۴ ملاحظہ
ہوئے۔ کھوکھلے کے ساتھ لفظ "ٹینڈھ" (بے وقوفانہ
اندازِ افتخار) کا اِستعمال اِس ترکیب کی ہئیت میں ہی
طنز کی چاشنی پیدا کر چکا ہے۔ طوطہ کا گونگاپن اور
کوّے کی گردن میں چندن ہار کا ہونا۔ "نہج (درازقامت

Marfat.com

ایک گھاس جو اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے)۔ فلّج (پکّے سرسوں کا پودا) ان دو کی تشبیہات کے حوالہ سے کھوکھلے پن کا غرور اور بےمائگی کے انکسار کا پُر مغز مگر طنزیہ اظہار ہے۔

بَڑہ کیتھِ رُودکھ آکھ دوہ مُو
مُرکھس پتنہٖ بڑ و شٹھ ڈُکوئی
تیلہِ بیٹوکھ فکرن گوکھ بیٹلہِ کُنہو
وائے تسہِ ہُنڈ سبزر گُو یام ہُلوئی

ترجمہ و تشریح:۔ کبھی ایک دن بھی تم صداقت پر ڈٹے نہ رہے، اے احمق تم اپنی شناخت کھو بیٹھے ہو تمہاری بیٹھ پیٹ بن گیا ہے اور پیٹ بیٹھ بنا ہے۔ جسم کی ہئیت کا انقلابی تغیر ہونا بیٹھ کا پیٹ بننا یا پیٹ کا بیٹھ بننا۔ انسانی شناخت ہی کھو بیٹھنا یعنی صورت مسخ ہونا ہے۔ اور اب فکر کرنے لگے ہو جب تم بوڑھے ہو کر آثارِ قدیمہ کی طرح ناکارہ ہو گئے ہو اور جب کہ تمہاری عمر کا سارا کیا ہوا ٹیڑھا (منحنی ہوا ہے) یعنی جب تیرا سب کیا ہوا اکارت ہو چکا ہے۔

بات تو کہی گئی ہے کہ اصول پر ڈٹے نہ رہنے کے نتائج کیا نکلے اور اب اُن نتائج پر اس مرحلہ پر تفکر کس طرح عمل رائگاں ہے

Marfat.com

مگر الفاظ کے انتخاب نے اس خیال کے اندازِ اظہار میں نشتر کی سی تیزی ودیعت کی ہے۔

اِن قطعات میں شاعر نے اپنے نفسِ امّارہ کو سامانِ تضحیک بنا کر اس کو ڈانٹ پلائی ہے مگر دونوں قطعات میں انتخابِ الفاظ نے طنز کا سا آہنگ پیدا کیا ہوا ہے:۔

نَفَسے میانہِ ژیرِو اگُو
دِژرامے دگ پھوٗلہم نہٖ زاہ
مَندِ ہنِ مٕہتھ ژوٗلہم ٹھگو
ہا سگو ہیتٕہ ژوٗلہم نہٖ زاہ

ترجمہ:۔ اے میرے نفسِ امّارہ تم آڑو کے درخت کے تنے کا وہ سخت ترین حصہ ہے جس کو "اگ" کہتے ہیں اور جو کسی بھی کلہاڑی سے پھٹ نہ سکا اور کسی آرہ سے کٹ نہ سکا۔ تم ایسے دیدہ دلیر ٹھگ ہو جس نے دوپہر کی روشنی میں میرا سارا اثاثہ لوٹ کر مجھے کنگال بنایا ہے، تم کُتّے کی طرح تب تک پیچھا نہیں چھوڑتے ہو جب تک کاٹتے نہ ہو۔ "ژیر داگ" وہ ترکیب ہے جس کا پورا مفہوم ادا کرنے کے لئے میرے لئے بلکہ اردو زبان کے لئے نعم البدل نہیں ہے۔ شاعر کے وسیع تجربہ نے اس ترکیب کو بنا کر کشمیری زبان کے لئے ایک مخصوص سُجھاؤ کو

Marfat.com

ادا کرنے کے لئے بہترین وسیلہ بنایا ہے۔ سچویشن کو یوں سمجھا جاتا ہے۔ پھل والے اور غیر ثمر دار درختان دونوں کا آخری استعمال یا تعمیری نوعیت کا ہوتا ہے یا ایندھن کے طور پر ان کی لکڑی کام میں لائی جاتی ہے۔ دونوں اغراض کے لئے لکڑی کو کلہاڑی یا آرہ سے کاٹنا ہوتا ہے۔ ان سبھی درختوں کی لکڑی میں خوبانی کا تنا بھی اور شاخ بھی توڑنا لکڑ ہارے کے لئے مشکل کام ہوتا ہے۔ لیکن جب تنے میں "اگ" ہو (اگ ــــ جو درخت کے تنے میں ایک قسم کا پھوڑا جیسا پڑتا ہے اور اُس مخصوص جگہ کو سخت ترین بناتا ہے تو یہ سخت تر لکڑی سخت ترین بنتی ہے جس پر تیز دھار وزنی کُلہاڑا بھی ٹوٹ جانے کا احتمال رہتا ہے) ۔ نفس کو کاٹ کھانے والا کُتا کہہ کر اس کو مسافر کے تعاقب میں رکھنا گو کہ مفکرانہ ہے مگر اندازِ اظہار ایسا ہے کہ پڑھنے والے کے احساسات میں نہ صرف رنج و قلق ہوتا ہے۔ خوف چھا جاتا ہے بلکہ حسِ لطیف کو گدگدی جیسی ہوتی ہے جس سے کہ اس کا طنزیہ پہلو غالب ہوتا ہے۔

[ہمارے خانہ ساز ماہرِ لسانیات "گونگل نامہ" کی لسانی ہئیت پر جبین بجبین ہو کر " مقدم " لفظ کے استعمال کی وجہ سے اس نظم میں الحاقی کلام کی آمیزش کا دعویٰ کرتے ہیں مگر

Marfat.com

یہ کیوں نظرانداز کرتے ہیں کہ اِس قطعہ میں کُتّے کے لئے شاعر نے فارسی لفظ "سگ" استعمال کیا ہے جبکہ یہ لفظ اب بھی استعمال میں نہیں ہے بلکہ کشمیری زبان میں پہلے سے آج تک لفظ "ہون" استعمال کیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے "مقدم" گاؤں کے مُکھیہ کے لئے اسقدر اور اتنی قدامت سے عام ہے کہ یہ یقین کرنا مُشکل ہے کہ یہ کتنی صدیوں سے روزمرہ کا جُز بنا ہے۔ اِس لفظ کا یہاں اس لئے حوالہ دیا جاتا ہے کیونکہ شاعر کو "اگ" لفظ کے ساتھ "سگ" ہم قافیہ مِلا تو وہ کیوں اُس کے اِستعمال سے کتراتے۔ اسی طرح اگر حضرت شیخ نے ہی مکھیہ ڈوم کو "مُقدم" بنا کے عزّت افزائی کی تو اس وجہ سے گونگل نامہ پر اعتراض کیوں۔ ہمیں یہ قبول کرنا چاہیئے کہ شیخ العالمؒ نے خود دانِستہ طور کشمیری زبان میں فارسی الفاظ کا اِستعمال کرکے اِس زبان کو تمدنی اور مذہبی انقلاب سے پیدا شدہ حالات کے اظہار کے لئے موزون اور مُکتفی بنایا۔]

یہ قطعہ بھی مُلّا صاحب کے بارہ میں ہی ہے مگر اس کے ساتھ مِزاح کا ایک عنُصر پیدا کیا گیا ہے جس میں ایک تیر سے دو شکار مارگرائے گئے ہیں۔ مُلّا کے ساتھ ساتھ بلواسطہ اُس پھیری والے "ترنگرِہ ووُنی" کو بھی طنز کا ہدف بنایا گیا ہے۔

Marfat.com

جو پچھڑے ہوئے علاقوں میں سودا سلف چھوٹے چھوٹے تھیلیوں میں بھر کر تھیلیوں کو دو بوریوں میں یکساں طور رکھتا تھا اور دونوں بوریوں کو ایک ڈنڈے سے باندھ کر ڈنڈا کندھے پر رکھ کر پھیری کرتا ہے اور جہاں جہاں گھر والے نے 'بلایا "تنرنگری" کندھے سے اُتار کر تھیلیوں میں رکھے گئے ۔ سودا سلف کی نمائش کر کے حسب مطالبہ فروخت کر کے پھر دونوں میں وزن کی برابری کر کے کندھے پر لے کے آگے کی جانب چلاتے ہوئے چلتا ہے:

ملّا ڈیو کھُم زن دانبرو
مہمان ڈیشتھ تؤت گو
سنگرُوسں تنرنگر بھرو
کانگری پھٹس رُت گو

ترجمہ: ایک ملّا کو میں نے دیکھا جلتا ہوا چولہا تھا۔ اِس کا شعلہ زیادہ بھڑک اُٹھا جب گھر کی اور مہمان کو آتے دیکھا (اس سخت رویہ کے باوجود) یہ مات کھا گیا جب جاڑے میں پہاڑوں کے سفر سے تھکن اور ٹھنڈ سے ٹوٹے ہوئے اِس مُلّا کو اپنا ہم سفر "تنرنگری" (پھیری والا) اِس پچھڑے علاقے کے سفر کے دوران معمولی چیزوں کے عوض یونجی ہی لیتا ہے

Marfat.com

چلواِس ٹھٹھرے ہوئے مسافر مُلّا کے بدن کو گرمی دینے والی کانگڑی ہی ٹوٹ گئی، اچھا ہوا۔

اس قطعہ کی توضیح ضروری ہے۔ شاعر اپنا تجربہ بیان کرتا ہے کہ جو انفرادی تجربہ ہونے کے باوجود اس طبقہ (ملاؤں کے طبقہ) کے بارہ میں اجتماعی تبصرہ ہے۔ قطعہ کا اندازِ بیان ایک ماحول پیدا کرتا ہے جس میں شاعر نے ایک تیز تُند اور طرار مُلّا کو دیکھا ہے جو مہمان کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ شاید شاعر ہی مہمان تھا کیونکہ جس طرح اِس مُلّا کے ساتھ ہوئے حادثہ پر شاعر خوشی کا اظہار کرتا ہے اُس سے لگتا ہے کہ اِس نار صفت آتش دان مُلّا کی سوزش نے شاعر کے حساس ذہن کو جلا دیا تھا۔ مگر پھر بھی اُس مُلّا کو جاڑے کے دوران (جب اکثر مُلّا گھر سے باہر مریدوں سے نذر لینے لانے جاتا ہے) کنڈی علاقوں میں مریدوں کے پاس جانا پڑا اور وہاں سے واپسی پر تو اس کو ایسے پھیری والے کا ساتھ ملتا ہے جو اِس علاقہ سے پھیری کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔ وہاں کچھ سودا بچا تھا، وہ اِس سارے نذر و نیاز کے عوض فروخت کرنا جو مُلّا نے مریدوں سے حاصل کیا تھا اور جب یہ تھیلے اُٹھانے پڑے تو چلتے چلتے اس کو کانگڑی ہی گر کر ٹوٹ گئی جو اُسکے لئے ایک ضرورت تھی۔ یا ایسا ہوا تھا کہ "تر نگری" پھیری والا

Marfat.com

بھی اپنا سودائے سلف بیچ کر جب میدانوں کی طرف آرہا تھا تو عندالراہ مُلّا صاحب کے ساتھ مِل گیا۔ مُلّا کا بوجھ اپنے کندھے پر لادھ دیا۔ "ننگری" پس و پیش رہکر راستہ تبدیل کر کے مُلّا کا اثاثہ لے کر فرار ہوا تو مُلّا اپنی بے وقوفی پر مُشتعل ہوا۔ تو "قہرِ مُلّا بر جان مُلّا" کے مصداق کانگڑی کو دانستہ طور یا غفلت سے توڑ بیٹھا۔ شاعر جس کو کبھی یہی مُلّا اپنے گھر کی جانب آتے دیکھ کر آگ بگولا ہوا تھا اب اِس "آتش دان" مُلّا کے المیہ پر یوں داد دیتا ہے:

" رُت گو ۔۔۔ اچھا ہو گیا۔

اِس " اچھا ہی ہو گیا" تبصرہ نے مُلّا کی ملائیت کو ایک بھونڈے مذاق میں تبدیل کیا ہے۔

جلد ایک میں " طہارت ذہن" کے ذیلی عنوان کے تحت ہم نے ایک نظم " تبسیحہ بِھلی پھیرِ نہ کھُلی . . ." کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں شاعر اپنی ذات کو ولایت کے دعویدار ہونے پر ہدفِ تضحیک بنایا۔ اِس بحث کے ساتھ اُس کا بھی مطالعہ کریں۔

" سوزن" بہ معنی اچھا آدمی اور "کوزن" بُرے آدمی کو کہتے ہیں۔ پرگنہ شاہ آباد میں حضرت شیخ ۹۔۱۴۰۸ میں سیاحت پر تھے گاؤں گاؤں تبلیغ کرتے تھے کہ "ہلر" گاؤں پہونچے۔ وہاں آپ نے گاؤں کے باہر ایک پُرانے درخت کے تنے

Marfat.com

میں ایک جولاہے کو دیکھا تھا جس نے اسی تنے میں کھڈی نصب کی تھی اور کپڑا بُن رہا تھا مگر اسی تنے کے نزدیک ایک کھول میں شہد کی مکھیوں کا چھتّا تھا۔ جولاہے کے "ٹھک ٹھک سے" ان مکھیوں کو پھولوں کا رس چوسنے اور شہد پیدا کرنے کے عمل میں رکاوٹ ہوتی تھی۔ یہ جُلاہا اسی درخت کے تنے میں عبادت کرتا تھا اور ریشیانہ زندگی بسر کرکے کام کرتا تھا۔ شیخ پہلے تو اس کے عمل سے متاثر ہوئے مگر جب اس کے کام کرنے کے ڈھنگ سے پایا کہ مخلوقِ خدا کو ناجائز رکاوٹ پیدا ہوتی تھی تو شیخ نے جُلاہے کو عبادت گاہ تبدیل کرنے کی نصیحت کی مگر جُلاہے کے جواب سے شیخ کو لگا کہ اِس مخصوص طریقِ عبادت میں خلوص نہیں تھا بلکہ یہ ریاکاری تھی۔

شیخ نے اُسکا نام پوچھا۔

"میرا نام "سوزن" ہے۔ ریشی بولا

شیخ نے فی البدیہہ کہا:۔

ہلہ ترتس تُلہ آذکھ
وُدورِہ بوٗر تھا چاوٗ
کھسکھ وان لوٗئی زَن وَزکھ
بوٗ زن دپے بوزکھ ناوٗ

Marfat.com

ژدہ پار پھیرتہ دوورہ گرژکھ
ژ ئے کمی کوڑئے سوزن ناو

ترجمہ:۔ اے پلر گاؤں کے باشندے کیوں اِن شہد کی مکھیوں کو اذیت پہونچاتے ہو اور کیوں اس رنج آفرین عمل پر افتخار کرتے ہو۔ تم تو کھڈی پر چڑھتے ہو مگر اُسی طرح غرور کی آوازیں پیدا کرتے ہو جس طرح المونیم کے کھوکھلے پن سے ٹھن ٹھن کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ میں تم سے تیرا نام پوچھ چکا ہوں۔ تم اسی کھڈی پر گردش میں رہتے ہو مگر ذرا بتا کس ناہنجار نے تمہارا نام سوزن (اچھا آدمی) دیا ہے۔

دیکھئے کہنا تو "جلاہے" سے تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو تمہیں نام دیا گیا تھا بات تو ضرور وہی کہی مگر بلواسطہ۔ حقارت کی گئی، اِس شخص کو "نکوکار" نام رکھنے والے کی، اِس انداز سے حقارت کی گئی مگر آداب بجا آوری کے ساتھ۔ نتیجہ یہ تھا کہ تیر ہدف پر پہونچا اور سوزن ریشی اس واقعہ کے بعد ریشی تحریک کا اہم ممبر بن گیا۔

مست کو سم سشراوِنی
ٹکھ زَن دُیتم کاوِنی

Marfat.com

مٹے ہٕ سُود ژ ٹے ہٕ تاوُنی
یم کھوری گژھی راوِنی
دوہ گئی پچاسس واوِنی
یوہس ناو چھے شراوِنی

ترجمہ:۔ میرے سر کے بال اوستا شراونی (حجام نے کاٹ لئے) گویا کوّے نے چونچ سے میرے بال نوچ لئے۔ نہ مجھے اس حجامت سے کوئی فائدہ ہوا نہ اے حجام تجھے کوئی خسارہ ہوا۔ جاؤ تیرے یہ اُسترے گم ہو پائیں۔ میں اچانک یہاں (بادِ صبا کے جھونکے کے ساتھ آیا) میری دُعا ہے کہ تیرے اُسترے (سامانِ دُنیاداری) تم سے چھُوٹ جائیں۔ کسی نے تمہیں "نوبہار" کا نام دیا ہے جب کہ تم آسیبِ خزاں ہو۔

پرگنہ آڈونی (تحصیل کلگام) میں ایک ریشی صاحب، موسوم بہ اسم "شراونی ریشی" کا روضہ ہے۔ مشہور ہے وہ عہدِ شیخ میں اس علاقہ کا حجام تھا، نیک دِل اور نیک سیرت تھا۔ "شراون" نام تھا جو کشمیری کلنڈر کا چوتھا مہینہ ہے۔ یہ مئی۔ جون کا مہینہ ہوتا ہے جو کشمیری جغرافیہ کے مُطابق بہار کے جوبن کا موسم ہوتا ہے۔ شراون جوانی، سرمستی، دولت مندی کی علامت ہے اور

Marfat.com

اِس کا متضاد 'پوہ' کا مہینہ ہوتا ہے۔ جو کشمیری کلنڈر کا نواں مہینہ ہوتا ہے جو لگ بھگ دسمبر کا مہینہ ہوتا ہے جب پت جڑ نے سارے ماحول کو ننگا کیا ہوتا ہے۔ بدن میں چُبھن پیدا کرنے والی خشک ٹھنڈ سے نہ صرف ماحول مکدر ہوتا ہے بلکہ بیماریاں وغیرہ بھی عام ہو جاتی ہیں۔ گو کہ چلۂ کلان کی آمد پر (آخری دسمبر) برف کے گرنے سے ماحول کی عریانی کو تا حدِ نظر سفیدی ڈھانپ لیتی ہے مگر اِس سے پہلے کا موسم کشمیر کے حُسن کے تنزل کا ہوتا ہے اسلئے "پوہ" بڑھاپے، کم تری اور افلاس کی علامت ہے۔ شیخ کو حجام کا رویّہ، حسنِ اخلاق اور جذبۂ ایثار تو پسند آیا مگر اُس کے کُند اُسترے اور بال کھینچنے والی قینچی سے تکلیف ہوئی تو لگ گیا کہ بیچارا اُستاد شِراونی کا نو بہار نہیں ہے دُنیا داری کے معاملہ میں اُس پر ہمیشہ کے لئے خزاں مسلط کیا گیا تھا بلکہ ظاہراً تو بد دُعا دیگئی مگر اُس کے باطن کو سنوارا گیا۔ وہ حجامت چھوڑ کر متقی پرہیز گار ریشی ہوا۔ مگر جس انداز سے شاعر نے نائی کے نام پر طنز کیا اُس کی صلاحیت کو ہدف تحقیر بنایا اُس سے صاف واضح ہے کہ شیخ طبیعتاً ہی ظریف مزاح اور حاضر جواب تھے۔

ہم نے "علم، عالم اور مُلّا" ذیلی عنوان میں شاعر

Marfat.com

شیخ العالمؒ کے ظریفانہ کلام کو بھی ٹھونسا۔ وجہ قاری نے بھانپ لیا ہوگا کہ حضرتِ شیخ نے مُلّا کو زیادہ تر اپنے طنز و مزاح کا ہدف بنایا ہے۔ ہاں کہیں پر عالمِ بے عمل، صوفیٔ ریاکار اور دنیا پرست ریشی کو بھی طعن و تشنیع سے شکار کیا ہے۔ لیکن اس ضمن سے باہر بھی کئی لوگوں پر آپ نے طنز کیا ہے۔ وہ اشعار بھی ہم نے اسی ذیلی عنوان میں درج کیے کہ دو جگہوں پر الگ الگ تذکرات تکرار کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس توضیح کے بعد ہم پھر ذیلی مضمون کے نتیجہ کی طرف قاری کا دھیان مبذول کرتے ہیں۔

کلامِ شیخ میں مُلّا کے خلاف اسقدر تلخی کو محسوس کرتے ہوئے ہمارے قاری پر یہ بھی تاثر پڑھ سکتا ہے کہ شاید خود حضرت شیخ "ان پڑھ" تھے، اسلئے جس جوہر سے وہ محروم تھے اس جوہر کے مالکوں کو اپنے (ماشاءاللہ) حسد کا شکار بنادیا۔ تلخیاں ضرور ہیں مگر ذاتیات نہیں ہے۔ اگرچہ یہ تلخیاں بھی شاعر کے ذاتی تجربات کی آئینہ دار ہوسکتی ہیں مگر اس لہجہ میں بھی تبلیغ، اصلاح اور سدھار کے اغراض شامل تھے۔ ہاں دلائل کی روشنی میں ہم نے پہلی جلد میں "کیا شیخ العالم اُمی تھے" کے ذیلی عنوان کے تحت ثابت کیا ہے کہ آپ عالم تھے مگر ایک سازش کے تحت آپ پر ان پڑھ ہونے کی

Marfat.com

بہتان تراشیاں ہوتی رہیں اور پھر آپ کے مدّاحوں اور پروانوں نے اس عیب کو بھی حُسن کے طور پر قبول کیا اور رسول امّیؐ کے عاشق اُمّیؒ کی محبت کو جُزوِ ایمان بنا دیا۔ مگر آپ کے علم و فضل کا بابا داؤد خاکیؒ جو خود بہت بڑے عالم، عابد اور ولی اللہ تھے یوں اعتراف کرتے ہیں :۔

معدنِ زُہد منبعِ ورعست — مصدرِ علم و دین و ایمانست
درِ علوم تصوّف و توحید — حکمت آموز صد چو لُقمانست

ہاں یہ طنز کا ہتھیار بھی جہاد کے سِلّاح کے طور ہی استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مُلائیت اِسلامی سوسائیٹی کو اندر سے دھیمک کی طرح چاٹ رہی تھی اُسلئے اندر کے ان دشمنوں کو بے نقاب کرنا ضروری تھا ورنہ انقلاب کا عمل دیر یا زود ردِّ انقلاب کے اسباب ہی پیدا کر سکتا تھا۔

Marfat.com

جہاد

ہم نے "حضرت شیخ بحیثیت مجاہد" ذیلی عنوان کے تحت اس ولیٔ اکمل کی مجاہدانہ زندگی پر بحث کی ہے۔ اُس بحث کے اختتامیہ کے طور پر ہم نے آپ کی نظم بعنوان "زالن چھے" درج کی ہے جس کا ترجمہ اُسی جلد کے صفحہ ۵۰ پر درج ہے۔ کہیں پر اس کی شرح اس جلد میں بھی کی گئی ہے مگر نفسِ مضمون کے ساتھ قاری کے ذہن کو وابستہ رکھنے کیلئے مختصراً اِس نظم کی کچھ جہتیں پھر بیان کریں گے۔

کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن میں رعد و برق اور برف و باران مُصیبتِ ناگہانی سے کم نہیں ہیں۔ بجلیاں گرنے سے ماضی قریب تک آبادیاں ویران ہو جاتی تھیں۔ گرج کی گونجیں بڑے بوڑھے، ضعیفوں، بچوں اور ناتوانوں کے دلوں میں خوف، وہم، ڈر اور وسوسے پیدا کرتی ہیں۔ کالے بادل کشمیر سے باہر میدانی علاقوں میں کاکلِ پریشان کا تصوّر پیدا کر کے محبوب کی زُلفوں کی چھاؤں میں مدہوش ہونے کی تحریکیں پیدا کرتا ہے اور رندِ خرابات کو جام و مینا

ؔ ملاحظہ ہو ص۔ ن۔ ع ۱ ص ۱۸۷ تا ۱۹۱

Marfat.com

کی طپش بڑھنے لگتی ہے مگر یہی کالے بادل کشمیر میں بجلی کو اپنی آغوش میں لاکر پکے ہوئے فصل کے خرمن کو۔ بادام کے ادھ کھلے شگوفوں کو برجستہ بہارِ یاسمن کو خاکستر کر دیتا ہے۔ اور بہار کے موسم میں رعد و برق ــــ کالے بادل، بارش کی کثرت اور بے وقت کی برفباری ــــ روزِ روشن کو شبِ تار میں تبدیل کرتے ہیں۔ اب اس تھوڑے سے پس منظر میں اِس نظم کو بہ آسانی سمجھ پائیں گے۔

شاعر کہتا ہے کہ جدّ و جہد ــ برداشت ــ صبر و رضا یہ کہنے کے لئے تو آسان الفاظ ہیں۔ دھرانے کے لئے میٹھے بھی لگتے ہیں۔ مگر جدّ و جہد کرنا۔ جہد کے کرب کو برداشت کرکے ــــ جہد کے نتائج حاصل کرنے کے لئے صبر کی آزمائش سے گذرنا ایسا ہی ہے کہ آدمی رعد و برق کو اپنا نشیمن بنائے۔ جس طرح گرج سے اُس کی قوتِ سماعت ہی ٹوٹ جائیگی، گھبراہٹ، خوف اور ڈر سے اُس کا دِل تردداّت کے احساس کی چکی بن جائے گا۔ برق ــــ بجلی اُس کے ماحصل کو خاکستر کر کے چھوڑے گا، اِس طرح سے یہ تحمل یہ برداشت ــــ صبر کی آزمائش اُس پر ایسی حالت طاری کرے گا کہ گویا اُس کے روشن دن کا اُجالا گھُپ اندھیرے میں تبدیل ہوگا۔ یعنی یہ

Marfat.com

تجربہ اس کی کایا پلٹ کردے گا۔ اُس کی آنکھوں پر اندھیرا
طاری کرے گا۔ برداشت وتحمل کا یہ تجربہ اپنے وجود کو چکی
میں پیسنے کے برابر ہے۔ چکی میں دو پتھر ہوتے ہیں، اوپر والا
مسلسل چکر میں رہتا ہے۔ ناچتا رہتا ہے اور نچلا ساکت ہے اور
دانہ اس میں پیسا جاتا ہے۔ مشرقی ادیبوں کے ہاں آسمان حرکت
میں رہا کرتا تھا اور زمین ساکت تھی۔ اسی لئے زمانہ کے رفتار کو
رفتارِ چرخ سے تعبیر کیا گیا۔ شاعر کا مطلب ہے کہ صبر وتحمل سے
جدوجہد کے نتائج حاصل کرنے والا دانۂ گندم کی طرح زمانہ کی
تیز رفتاری میں پیسا جاتا ہے اور پیسے جانے کا یہ عمل اتنا کٹھن ہے
اتنا خطرناک ہے کہ گویا منوں زہر (کھار دومن وزن کا کشمیری پیمانہ
جو اب اسّی کلو کے برابر مانا جاتا ہے) بیک لُقمہ نگلنا پڑتا ہے۔
جس سے قلب وجگر پاش پاش ہوتے ہیں۔ یہ برداشت کی
کوئی آسان بات نہیں ہے۔ یہ جدوجہد کوئی بازیچۂ اطفال نہیں
ہے۔ بھئی یہ تو ہمالہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھانے سے بھی کٹھن ہے
اور آگ کے شعلہ کو ہتھیلی میں سمو دینے کے مترادف ہے۔

جس بادیہ نشین ــــ غار نشین (نعوذ باللہ بُدھسٹ
رہبانیت کے متاثر ــ جیسا کہ تذکرہ نویسوں نے تاثر دیا ہے)
کا جدّوجہد کے متعلق یہ نظریہ ہو اُسکا سُخن جذبۂ جہاد کو ہی

Marfat.com

پرورش کرے گا نہ کہ بے عملی کو۔

ہم نے جلد اوّل میں محولہ بالا ذیلی عنوان کے تحت وضاحت کی کہ حضرت شیخ کو کشمیر میں کن حالات سے واسطہ پڑا اور اُن حالات نے کس نوعیت کے جہاد کا علَم اُن پر اُٹھانے کی ذمہ داری عائد کی اُن حالات میں اُنھیں یا تبلیغ سے کام لینا پڑا یا مباحثہ یا مناظرہ سے اور بلکہ مباہلہ سے بھی ہمارے پاس بلا واسطہ کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس سے یہ اخذ ہو پائے کہ آپکو تیر و ترکش سے آراستہ میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت پڑی تھی۔ کیونکہ ماحول ایسا تھا جس میں افہام و تفہیم سے عقیدوں اور نظریات کی اشاعت ہوتی تھی۔ اِس اشاعت میں ایسی رکاوٹیں پیدا ہونے کی ہمارے پاس شہادت نہیں جو رکاوٹیں ہٹانے کیلئے فوجی نوعیت کی مداخلت تک ضروری بنتی ہے۔ ہاں سازشیں ہوتی رہیں۔ جو ریاکاری پر مبنی ہوتی تھیں جس کا توڑ خلوص، عزم صمیم اور صالح عمل ـــــ سے کیا گیا۔ اِس پس منظر سے واضح ہے کہ آپ کو جنگی نوعیت کا جہاد کرنے کی ضرورت نہ پڑی تھی۔ آپ کے ہاں جہادِ اکبر کی ضرورت تھی۔ نفس سے جہاد کرنے کی ضرورت تھی مگر اس کے باوجود جہاد (HOLLY WAR) کا آپ نے واضح تصور پیش کیا ہے

Marfat.com

ملاحظہ ہو :۔

یئیمؤ اُسی ڈُنی یہس سُوزِی تہ سازی

تَس پتھ تو لقـہ بڑِھ گلوَ

کھسَو دِ تِن تو رگ تہ تازی

تِمَن کھِستھ غازی کرَو

تُسی پتھ مرِو زانون راضی

بیَس اُس نم تہ ماز لگوَ

ترجمہ :۔ جس خداوندِ تعالیٰ نے ہمیں اِس دنیا میں بھیجدیا

اور جس نے یہاں پر ہمارے لئے سامانِ (حیات) پیدا کئے

اُسی کے ساتھ تعلق بڑھا کر ہم اُسی کے خلوص پر مرمٹینگے

(اُسی کیلئے) جس نے ہمیں سواری کیلئے حسین اور برق رفتار گھوڑے دیئے

ہم اُسی پر مرینگے (اور اپنی قربانی سے) اُسی کو راضی کرینگے۔

جس کے ساتھ ہمیں گوشت اور ناخن کا تعلق ہے۔

تشریح :۔ اِس نظم میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدائے بزرگ نے ہمیں زمین پر بھیج کر زمین و آسمان کی ساری نعمتوں سے مالامال کیا۔ اُسی کے ساتھ تعلق بڑھانا لہٰذا لابدی ہے۔ اور اُسی تعلق اور بھروسہ سے اُسی کے لئے اپنی جانیں قربان کرینگے۔ بات صاف ہے جب زندگی خدا کی دی ہوئی ہے

Marfat.com

زندہ رہنے کے سامان خدا نے دیئے ہیں تو ہم ماسوا اللہ کے لئے پھر کیوں جئیں؟ پھر جینا ہے تو اُسی کے لئے جس نے ہمیں زندگی بخش دی۔ اب اُس کے احسانات چکانے میں اُسی کے ہو جائینگے۔ اور جب یہ ربط بڑھ گیا تو اگر مرحلہ یہاں تک پہونچا کہ جان بھی جان آفرین کے لئے قربان کرنا پڑے تو وہ بھی خلوص سے کرینگے۔

اُسی کی نعمتوں میں ایک یہ برق رفتار خوبصورت گھوڑے ہیں: ان کی خوبصورتی، مست خرامی، قدم ڈگمگانے کی لچک اور تیز رفتاری کیوں ہم صرف دنیا داری اور تفنّنِ طبع کے لئے اِستعمال کریں۔ اِس نعمت کا شکرانہ ادا کرنے کا واحد ذریعہ ہے کہ ان پر چڑھ کر ہم اعلائے کلمۂ حق میں جہاد کر کے غازی کا خطاب حاصل کریں گے۔ گھوڑا ہم ڈاکہ ڈالنے کے لئے اگر استعمال کریں تو ڈاکو بن گئے، اگر لوگوں کو زیر کرنے کے لئے اِستعمال کرینگے تو ظالم بنینگے۔ اگر ہوسِ ملک گیری کے لئے اِستعمال کریں تو چنگیز و ہلاکو کے مرید کہلائینگے، فسادی خطاب ملے گا۔ اور اُس واسطہ سے ہم کو شیطان کا ایجنٹ مانا جائیگا ہاں جہاد برائے رضائے اللہ کریں تو غازی بنیں گے اگر مر گئے تو شہادت کا درجہ پائیں گے۔

ہم اُسی خالق کے لئے مرینگے اور یقین رکھینگے کہ ہماری

Marfat.com

اس برائے رضائے اللہ قربانی سے ہم اپنے معبود کو ضرور راضی کر پائیں گے۔ جس کا ہمارے ساتھ اِس نوعیت کا رشتہ ہے کہ وہ ہمیں مصائب و آلام سے بچاکر ہمارا دفاع کرتا ہے۔ ہم بھی اُس کی رضامندی کے خلاف کسی طاغوتی نظام کے نفاذ کے خلاف صف آرا ہوکر اُسکی " رضامندی" یعنی اُس کے مقرر کردہ ضابطہ کا دفاع کریں۔

شاعر نے مثال پیش کی ہے۔ اِنسانی بدن کی، گوشت. اور ناخن کی۔ یہ اب محاورہ بنایا۔ جب دو افراد، دو قوتیں یا دو قومیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بنتے ہیں، ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی باہمی ضرورت بنے ہوں تو اُنکے اِس تعلق کو کشمیری محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ " یم جِھ اَکھ اُکس نَم تہٕ ماز" (اگر ایک اُنگلی کا گوشت ہے تو دوسرا اُس پر ناخن)۔

ناخن ذرا گہرا کٹے تو اُنگلی میں درد ہوتا ہے اور ناخن کا وجود ہی اُنگلی کے دفاع کے واسطہ کے لئے ہے۔ اس طور آدمی کی حیثیت ناخن کی ہے جس کا فرض ہی دفاعی ہے۔ مگر تعلق کے واسطہ سے اگر ناخن (یہ دفاعی عنصر) ذرا گہرا کٹ گیا تو اس کا کرب اُس کے لئے بھی ناقابلِ برداشت

Marfat.com

بن جاتا ہے جس کی دفاع کی ذمہ داری اِس رضاکار پر عائد تھی۔

اِس نازک خیالی سے شاعر نے بندہ و خدا کے باہمی رشتہ کی تعریفیں کر کے اِس فکر کو حسین الفاظ کے پیکر میں تراشا ہے کہ تعلق کی بنیاد ہی قربانی پر قائم ہے اور اِس تعلق کو پروان چڑھانے کے لئے جہاد ایک منطقی امر بنتا ہے۔

اِس عملِ جہاد کو اِس قطعہ میں دوسرے پیرا بہ میں بیان کیا گیا ہے :۔

ژوک تہ موٗدُر ٹوٗٹھ تہ زہر
خونِ جگر یتھی اہرکوہ
یتھی یتھ پیٹھ ہیٚنز ڈ تہ قہر
سُہ تنھ شہر گژِھتھ ہوہ[1]

جلد اوّل میں ہم نے [ص۔ن جلد (۱) صـ۳۳۷) اِس نقطہ کو اُبھارا کہ حضرت شیخ نے حق و صداقت اور شجاعت کے مقامی تاریخی اور اساطیری کرداروں کو بہت احترام کے ساتھ پیش کیا ہے اور اُن کے حوالہ سے اپنی تعلیمات کو یونیورسل بنا دیا۔ اِس سلسلہ میں ارجن دیو کا تذکرہ آیا جو مہابھارت کا اہم کردار ہے۔ اُسکے دلیرانہ کارناموں کو بھی

[1] دیکھئے ص۔ن جلد ۱ ص ۵۴۴

Marfat.com

آپ نے مجاہدانہ استعارہ کے طور پیش کر کے حق و باطل کی جنگ کی ابدیت اور عالمگیریت کا رمز و انکشاف کیا، فرماتے ہیں :-

پھنبہ کایں سِلاح پارتو ؛ لاگیتھ بینرنو ارجن دِو
ٹلیصرأٹزی ٹکان تارتو ؛ اتی ونتو مبارک چھو

اس شعر میں آپ نے مخاطب قاری اور سامع دونوں پر اصرار کرتے ہیں کہ اپنے نرم اور گداز بدن کو رزم آرا بناکر اُن سختیوں کے لئے تیار رہے۔ اور ہمیشہ جنگی ساز و سامان سے لیس ہوکر اُسی طرح سر ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ کارزار میں گرمجوشی کے ساتھ ڈٹے رہے جس طرح مہابھارت کی حق و باطل کی لڑائی پانڈو زادہ ارجن دلیو کرتا رہا۔ اب اسی ہندو بہادر کے حوالہ سے اپنے ہم عصر مجاہد کو — ہر دور کے مجاہد کو یقین دینا ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے طفیل ہی دنیا کے کٹھن مراحل بھی طے کرتا ہے اور آخرت میں بھی پلِ صراط تیز گامی کے ساتھ پار کر سکتا ہے تو اسی جہاد کے طفیل وہ مبارکبادی کا مستحق ہوگا اور کوئی کارنامہ فخر اور امتیاز کا نہیں ہے جس پر کہ کسی کو مبارک دیا جاسکتا ہے۔

(جوابِ اعتراض) : ہمارے کچھ محدود نظر دوست ایسی تلمیحات، ہیچو قسم علامتوں اور ایسے حوالوں پر یا تو بلا کسی مطالعہ کے

Marfat.com

فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ ایسا کلام حضرت شیخ کا نہیں ہو سکتا ہے۔ یا تو حضرت شیخ کے نقطۂ نظر سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہیں، اُن میں سے اکثر دوست علامہ اقبالؒ کے مدّاح بھی ہیں۔ اُن سے اُنہی کے کلام کے واسطہ سے سوال پوچھنے کی جُرأت کرتا ہوں۔ علامہ فرماتے ہیں :-

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بُولہبی

اس شعر سے یہ صاف ثابت ہے کہ حق و باطل ہر عہد میں اور ہر جغرافیائی خطہ میں ایک دوسرے کے ساتھ متصادم رہا ہے۔ اور اِس تصادم میں حق پرستوں کا جو وصف ہے اس میں "شیرِ خدا" کے ساتھ "رستمِ دستان" کا آرزو بھی مولنا رُوم نے کیا ہے :-

"شیرِ خُدا و رُستمِ دستانم آرزوست"

دونوں، رُستم بھی اور ارجن دیو بھی قبل اسلام عہد کے دو اہم ترین اقوام کیلئے بہادری کی علامت ہیں۔ اور دونوں کی بہادری کے جواہر وقت کی آوازِ حق پر وقف رہے ہیں۔ اگر رُومیؒ نے ایک یعنی رُستم کی آرزو کی تو دوسرے بہادر ارجن دیو کے تذکرہ پر جبین بہ جبین کیوں ؟-

Marfat.com

جنگ

ہم نے اِس سے پہلے کے ذیلی عنوان پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کو جنگ کے ساتھ سنبرد آزما ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی نہ ہماری رائے میں اُنہوں نے کوئی جنگ لڑی ہے۔ مگر کچھ عجیب متضاد معاملات اُبھارے گئے ہیں۔ تذکرہ نویس اصحاب نے بابا نصیب صاحب سے بابا محمد خلیل تک یہ صاف تاثر دیا ہے کہ حضرت شیخ جنگل نشین جندہ پوش فقیر تھے۔ ایسے فقیر کو جنگی قرار دینا یا ایسے فقیر سے جہاد یا جنگ کے بارہ میں اظہار خیالات کی توقع رکھنا ان کے نقطۂ نظر کے مطابق ایک حیرت کُن معاملہ ہے۔ مگر ہمارے بزرگ ہم عصر مرحوم غلام محمد منگلو رفیق (وفات دسمبر ۹٦) نے اپنی اسی سالہ عمر حضرت شیخ کے بارہ میں تحقیق میں صرف کی مگر منظر عام پر بہت کم آیا۔ ہاں جو کچھ بھی اُنکے بکھرے مواد میں آیا ہے اُس سے اخذ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے جنگ بھی لڑی ہے اور آپ ایک فوجی جنرل کی سی مہارت رکھتے تھے۔ منگلو صاحب نے حضرت شیخ کے جنگی تدبر (MILITRARY STRATEGY) کا تذکرہ کرنے

Marfat.com

ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے (حضرت شیخ نے) ریشیت کے ہیڈ کوارٹر "چرار ون" کو حملہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے راہبر کامل حضرت سرور کائنات صلعم کے ہی اتباع میں خندق کھُدوائے تھے جو خندقیں بعد میں اروجن (ERosion) کی وجہ سے آجکل گہری کھائیاں بن گئی ہیں جو اس وقت قصبہ کے اردگرد ہیں۔ اِس معاملہ کے بارہ میں راقم کو کوئی مواد دستیاب نہیں ہوا ہے۔ مرحوم مُغلو نے سرینگر کے "ملہ کھاہ" مقام پر حضرت شیخ کو سادات کے ساتھ لڑایا ہے جن کی قیادت (بقولِ مغلو) حضرت میر محمد ہمدانی رح کے ہاتھوں میں تھی۔ راقم کو اس کے ساتھ اتفاق نہیں ہے نہ اِس مفروضہ کی تائید کسی دستاویزی شہادت سے ہوتی ہے۔ مُغلو مرحوم کے پاس کچھ نہ کچھ مواد موجود ہوگا مگر ہمیں اُس مواد تک رسائی ممکن نہ ہو سکی ہے۔ ہم نے جلد اوّل میں ذکر میر محمد ہمدانی رح (ص ص: ۹۸ تا ۱۲۲) کے تحت اِن دو عظمتوں کے تعلقات پر بحث کی ہے۔ اور ہماری رائے یہی رہی ہے کہ دونوں کے برادرانہ مراسم رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کے تبلیغی طریقوں میں کچھ اہم اختلافات تھے مگر بعد میں ہمدانی رح صاحب نے تبلیغی مشن کی بھاگ ڈور حضرت شیخ کے ہاں

Marfat.com

محفوظ اور جائز ہاتھوں میں پاکر خود کشمیر سے چلے گئے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ جہاں حضرت میر محمد ہمدانیؒ چاہتے تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ "ذمیوں" کا سلوک کیا جائے وہاں حضرت شیخ سرکاری سطح پر مداخلت کو تبلیغی مشن کے خلاف ردِعمل پیدا کرنے کا سبب تصور کرتے تھے۔ ہمدانیؒ صاحب کو سادات کے ہی ایک گروہ کے ساتھ شدید اختلافات تھے جن کی راہبری میر محمد حصاری کرتے تھے۔ خیر اس متنازعہ فیہ مسئلہ کو ہم اپنے جانشین محققین کے لئے چھوڑ کر نفسِ مضمون کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

حضرت شیخ نے جنگ لڑی یا نہیں مگر آپ کے کلام پر لفظِ جنگ، جنگی سازوسامان اور ضرب وحرب سے وابستہ استعارات، تلمیحات اور علامتوں کا غلبہ نمایاں ہے اس لئے بھی یہی اخذ ہے کہ یا آپ نے جنگ لڑی تھی یا چونکہ کشمیر کا سنہرے دور سے دور آشتی یعنی عہدِ بڈشاہی بھی جنگی طلاطم سے دوچار رہا ہے اور اسی واسطہ سے آپ نے اپنے مشاہدہ سے بصورتِ ضرورت جنگی الفاظ و تراکیب کا استعمال کر کے اُن کے حوالہ سے اپنے تجربہ کی ترسیل کی ہے۔

Marfat.com

آپ نے "عشق" کی صعوبتوں، اِس لذیذ مرض کی کسک کو اور اس احساس کی اضطرابی اور اضطراری کیفیات کو ایک نظم میں ادا کیا ہے۔ عشق ذوقِ جمال کا مظہر ہے۔ جمالیات کے ساتھ مہیب آفت خیز اور تباہی آفرین جنگ کا کیا واسطہ؟ مگر حضرت شیخ پر جنگی ماحول کی اِسقدر چھاپ ہے کہ اِس حسِ لطیف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

عشق چھے جنگس بڑو تنھٹ نیرُن
سوے پتھ پھیرِ تہٕ کھٔی
عشق چھے رتہٕ جامہ پیرُن
گنڈِتھ موٚزرِہ تہٕ کھٔی[1]

عشق کیا ہے؟
یہ تو جنگ میں فوج کے ہراول دستے کی قیادت، یہ آگے بڑھے تو یا فتح یا موت مگر پیچھے صرف موت۔ تو عاشق عشق سے فرار پائے۔ کیا یہ ممکن ہے؟
عشق کیا ہے؟
یہ کربلا کے میدان میں خونین کفن اوڑھنا
(اور شہادتِ عظمیٰ پانے کا برملا اعلان ہے)

[1] نظم میں ترجمہ ص ر ن: جلد ۱۰ ص ۵۰۰

Marfat.com

تو کیا یہ جامہ (کفن) زیب تن کر کے نکالا جا سکتا ہے

اس قطعہ میں کچھ ایسے لازم و ملزوم حقیقتوں کا بیان ہے جن کے ربط باہمی سے شاعر نے اپنا مافی الضمیر بلا واسطہ بیان کر کے ایک ایسی ایہامی صورت پیدا کی جس کے کچھ نہ کہنے میں بھی لگتا ہے کہ بہت کچھ کہا گیا ہے:۔

گَرِ رُوس سِپاہ چھُپے سُنْرِ رُوس مولو مالِ رُوس سُتر چھُپے پھلِ رُوس کان
پیرِ رُوس مُرید تیرِ رُوس نُولو کھورِ رُوس نٲوِ دتورِ رُوس چھان[1]

تشریح:۔ شیخ ؒ نے سپاہی کے لئے گھوڑے کا ہونا لازمی قرار دیا اُسی طرح جس طرح ایک آدمی تب ہی باپ کہلایا جاتا ہے جب اُس کو اولاد ہو۔ کسی نے اگر دس بچے بھی جنے ہوں مگر وہ مرے ہوں، لاپتہ ہوئے ہوں، وہ بھی باپ نہیں کہلائے گا۔ اسی طرح ایک جنگی کے لئے گھوڑا بہ مثل بیٹے کے ہے۔ بیٹے کی پوزیشن وہی آوارگی جو اس تیر کا مقدر ہونا ہے۔ تو چلا گیا تھا کسی پرندے پر مگر تیر میں نشتر ہی نہیں تھا۔ اور وہ ضائع ہوا فضا کی وسعتوں میں۔ یہی حال اُس گھوڑے کا جس کا سوار سپاہانہ خو کا مالک نہ ہو۔ بے پیر اپنے کو سالک کہنے والا ایک پیشہ ور دستکار ہے مگر ایسا جس کے پاس متعلقہ دستکاری کے آلات ہی نہ ہوں اور یہ سب

---

[1] ترجمہ ص۔ن جلد ۱ ص ۵۶۰

Marfat.com

حالت اُس فضول کمان کی ہے جو شانے پر شکاری کے لٹکتی ہے مگر
اس کو استعمال کرنے کے لئے شکاری کے پاس کوئی تیر ہی نہیں
ہے۔ اسی طرح گھوڑے کے لئے حدی خوانی لازم ہے۔
اور بیج بونے کے لئے زمین میں نمی لابدی ہے
بے بادشاہ ملک خطرے کی گود میں رہتا ہے۔
اس قطعہ میں سب الفاظ جنگی لغت سے ہی وابستہ ہیں اور
اِن الفاظ کے اِستعمال نے اِس کا آہنگ ہی رجز کا سا بنا دیا ہے۔
اِس نظم کا بھی ملاحظہ ہووے:

یَس کان کا نشرھ نتہ چھوں آسہ نوٗلوٗ ۔ شمہ کھُر سپاہ جنگس اڑے
بیٹھی نتہ لوٗب نتہ طمع گوٗلوٗ ۔ نمہ سوہ کالہ تس کُس بڑے
بیٹھہ آسہ کرُے کرُنک اوٗلوٗ ۔ سوے شئے رٹھنس کرشے کتھ وتڑے

ترجمہ:۔ جس کے پاس ایک تیر نہیں اُس کا کمان کس فائدے کا؟
وہ میدانِ جنگ میں کس لئے جائے۔ (مرنے کے لئے؟)
(اسی فوجی کی طرح جو بندوق سے لیس ہے
(مگر کوئی گولی ساتھ نہیں) وہ شخص بھی ہے۔
جو سلک و معرفت کے حلقوں میں آتا ہے
مگر لالچ کی خصلت کو پامال کئے بغیر
ایسے حلقے جہاں پر عبادت و ریاضت کا ماحول ہو
(میدانِ جنگ ہے جس طرح وہاں بے سلاح نہیں جایا جاتا)

Marfat.com

اُسی طرح ان حلقوں میں لالچ کے سلاح سے
آراستہ ہو کر جانا) خطرناک ہے۔
جائے تو کیا کرنے؟

ژ بنتوٗ رن لُجی" نظم پر جلد ایک میں صفحہ ۳۵۷ سے بحث کی گئی ہے۔ "رن" کا بھی معنی جنگ ہی ہے۔ دونوں ہم معنی لفظوں کے مصدر دو مختلف زبانیں ہیں جن کے تہذیبی پس منظر بھی مختلف رہے ہیں۔ مگر جس طرح ان تہذیبوں کا حضرت شیخ نے باہمی طور بھی اور کشمیری تہذیب کے ساتھ بھی امتزاج پیدا کیا اُسی طرح آپ نے اِن امتزاجات کا توازن برقرار رکھتے ہوئے کشمیری زبان کے لغت کو بھی وسیع تر کیا۔ آپ نے نہ "جنگ" سے "رن" موقوف کیا نہ "جنگ" کو اپنانے میں علاقائی تعصب اختیار کیا۔ ہمارے ہاں ایسے زبان دشمن بھی اب سر اُٹھانے لگے ہیں جن کے ذہن کٹر پسندی (CHAUVINISTIC) سے مغلوب ہیں۔ جو اس امتزاج کو غلبہ تصور کرتے ہیں۔ غلبہ تب مانا جاتا اگر ایک الگ تہذیب نے دوسرے تہذیب کے خدوخال مٹائے ہوتے، اُس کے برعکس یہ امتزاج ترقی پسندانہ رہا ہے۔

Marfat.com

اِس نظم میں بھی جنگ کا ایک ماحول ہے مگر انسان کے اندرونی میدانِ جنگ میں یہ لڑائی لڑی جارہی ہے۔

اسی لفظ کے سہارے یعنی "جنگ" کے حوالہ سے یہاں پر فلسفیانہ تفکر کو نکھارا گیا ہے:-

گیان یُس ووُت رَن تَس تیجِ
سہ کرِہ ہرَس زیتہ واو
مَدیَس موُر تہٕ خوُدی تُرجی
بہٕ تہٕ کُنہِ میٚنے کینٛا ناو
سُہ بیٚمہِ ڈیوٗٹھ دے تَس تُرجی
کُس کرِ گو ندَنہٕ کس کرِہ گژاو

ترجمہ و تشریح:- جس نے حکمت و دانائی سے کام لیا وہی جنگ میں فتحیاب ہوتا ہے۔ وہی ہر دلعزیز ہوسکتا ہے یا وہی اپنے مولا کو — اپنے مقصدِ حیات کو شعور کے جھولے میں جھُلائے گا۔ اس جنگ میں فتحیابی کے لئے ایک اہم حکمت عملی STRATEGY اپناتا ہے۔ نخوت اور افتخار کے جذبات پر قابو ہی یہ حکمت عملی ہے۔ اس مُجاہد کے عمل سے واضح ہو کہ اُس کی ایک ایک ادا چلاکر کہتی ہے " میں کوئی نہیں ہوں۔ میرا نام کیا ہے۔"

Marfat.com

یعنی ہمہ تن نیستی کا وہ مُظاہرہ ہو۔ پھر جب ایسا فوجی۔ یہ مجاہد جس کو ایسی حکمتِ عملی سے فتح ملتی ہے اور فتحیابی کے بعد اپنے مقصود سے ملتا ہے اُس کا کیا حال بیان کروں۔ وہ ایسا ملاپ ہے۔ ایسا وصل ہے جس ملاپ اور وصل کے مرحلے پر نہ معشوق کوئی شکایت ـــ عاشق کی کوتاہیوں کی ـــ بر لب لاتا ہے اور نہ ہی عاشق معشوق کی بے اعتنائی کا گلہ کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں صرف وصل کی لذت آشنائی ہی جنگ کی فتحمندی ہے۔

اس موضوع پر بہت اشارات کلامِ شیخ میں موجود ہیں مگر ہم یہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور تکرار کے ساتھ کہتے ہیں کہ شاعر حضرت شیخ کو جنگ کا بحیثیت ایک فوجی کے ذاتی تجربہ رہا ہے یا جنگ ہونے کا یا جنگی تیاریوں کا یا اُس ماحول کا جہاں جنگ ناگزیر تھا آپ کو گہرا مشاہدہ تھا۔ یہاں پر بحیثیت ایک اوسط درجہ کے شاعر اور ناولسٹ کے مجھے یہ ذاتی تجربہ ہے کہ شاعر پر اتنی چھاپ (جتنی کلام شیخ پر جنگ کی ہے) تب ہی ہو سکتی ہے جب ذاتی تجربہ ہو یا ذاتی مشاہدہ کا غلبہ ہو۔

اس مضمون کو مختصر کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ کے کلام میں حرب و ضرب کے متعلق الفاظ کا بہت استعمال ہے

Marfat.com

مثلاً رن، جنگ، کرتل (شمشیر) کان (سنان) تیر۔ سپاہ (سپاہی) گر[1] (فوجی گھوڑا) تازی بچہ (اسپِ تازی) راس (لگام) پیادہ، سلاح، غازی کرن (جہاد کرنا) پھل (آب الماس)۔ مدہوس (بدمست ہاتھی) ستھ لورہ تالو (گھر کے چھت میں سات ڈنڈے لڑائی کے لئے موجود رکھنا) نیزہ (نیزا)۔ سپر (ڈھال) وغیرہ۔

اس کے علاوہ بھی الفاظ و تراکیب کے استعمال سے بہت اشارے ملتے ہیں کہ آپ کے خون اور ضمیر میں ہی رسم سپاہ گری سرایت تھا کیونکہ سات پشتوں سے پیشہ آبا سپاہ گری ہی رہا تھا۔

---

[1]۔ آپ نے "گر" فوجی گھوڑے کے طور استعمال کیا ہے اور عام گھوڑے کو ٹٹو کہا ہے۔

Marfat.com

توبہ

الا الذین تابوا و اصلحوا و بینوا فاولئک اتوب علیھم و انا التواب الرحیم ۰

(جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کریں اور جو کچھ چھپاتے تھے اُس کو بیان کرنے لگیں اُنکو معاف کرونگا اور میں بڑا در گذر نے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ البقرہ آیۃ ۱۶۰)

الا الذین تابوا من بعد ذالک و اصلحوا فان اللہ غفور رحیم ۰

(مگر جنہوں نے توبہ کرلی اس کے پیچھے سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ـــ النور آیت : ۵)

ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق ۰

(جنہوں نے توبہ نہ کی اُن کے لئے عذاب ہے دوزخ کا۔

Marfat.com

اُن کے لئے عذاب ہے جلتی آگ کا ــــــ البروج آیت ۔۱۰

کھلی بشارت ہے تائب کو خدا کی دوستی کی۔" خُدا توبہ کرنے والے اور پاک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔" ــــ (العرفان)

توبہ کا لفظی معنی بازگشت ہے یعنی کسی کے کام کے ارادہ سے اُس راہ پر چلنے سے واپس مُڑنے کا۔ اصطلاحی معنی ہے کہ گناہوں کے راستہ سے، بدکاری سے، غلط رویہ سے، مختصراً اُس راستہ سے واپس مُڑنے کو توبہ کہتے ہیں جو گمُراہ لوگوں کا راستہ ہے، اور صراط المستقیم پر چلنے کا عزم کرتے ہوئے آگے بڑھنے کو توبہ کہتے ہیں۔

اِس قرآنی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب کلامِ شیخ سے توبہ کے موضوع پر کشمیری واعظ کی واعظانہ نصیحتوں اور اس کشمیری شاعر کی مفکرانہ فکر نے انہی رموزاتِ قرآن کو کشمیری پیراہن پہنا کر نہ صرف اس خطہ کو رُوحِ قرآن سے واصل کیا بلکہ کشمیری لفظ و آہنگ کو جمالِ قرآن کے دیدار سے مُنور کیا۔

توبہٕ یوّد کرَکھ بۆ سَہرِ نَرَکھ
بۆ سہ توٗبہٕ تاڑ وٗن تاو

Marfat.com

توبہ روس پانو تتہ کھی ود برکھ
بینہ چھے نہر تہ بشن داو

ترجمہ:۔ توبہ کروگے تو اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو
(جس کی لہریں اور موجیں ہولناک ہیں)
بہ آسانی پار کروگے
کیونکہ توبہ ہی وہ جہاز ہے جس سے اس سمندر کو پار کیا
جاسکتا ہے۔
کیسے اُس طلاطم خیز گرداب میں ہاتھ پاؤں مارونگا
کیسے اُن تند و تیز لہروں موجوں پر قابو پاسکوں؟
میں نے تو توبہ ہی نہیں کی،
اُف وہاں تو (اُس سمندر میں) متضاد اذیتیں ہیں،
اتنی سردی کہ انگ انگ ٹھٹھر کر کانپ جائے گا،
اتنی گرمی کی کہ رُم رُم حرارت سے جلتے رہیں گے

"توبہ کرنا" کچھ ہمارے تصور میں استغفر اللہ یا "توبہ کردیم، توبہ کردیم" الفاظ و تراکیب کی گردان لگتا ہے۔ تاثر دیا گیا ہے کہ یہ کوئی رسم ہے یا کسی مخصوص عمل کو انجام لانا ہے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا عمل ہم پورے ضابطہ اور ترکیب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ روزے کا عمل بھی کئی

Marfat.com

ترکیبوں کا مُرکب ہے۔ حج بھی کئی آداب بجالانے کی عمل آوری ہے مگر توبہ اِس قسم کا خاص کوئی عمل EXERCISE نہیں ہے۔ یہ تاثر ہمارے ہاں اکثر عالموں، واعظوں اور پیر صاحبان نے عام کیا ہے کہ درودِ نجات کا ختم شریف یا ختم استغفراللہ وغیرہ کچھ وِردات ادا کرنے کو توبہ سے تعبیر کیا گیا ہے بلکہ اُسکی زبان بھی فارسی رکھی گئی ہے اور جب بلند آواز میں ہم قبلہ رو ہو کر حلقوں میں وہ ختمات پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ توبہ کا عمل کیا۔

"خداوندا بہ حضرت جلال تو باز گشتیم توبہ کردیم از ہر بدی سہو و خطا غفلت و بیکاری .... و بربان.... تائیدیم و باز گشتیم۔ بہ صدقِ دل مے خوانیم اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ......

پھر حضرت جامیؒ کی مناجات:

یا الٰہ العالمین بارِ گناہ آوردہ ام

بلند آواز میں روتے روتے پڑھتے ہیں اور بہ صدق و دِل اشھد ان لا اِلٰہ الا اللہ کے ورد کو توبہ مانا گیا ہے۔ اِس تقریب پُرسعادت سے اُٹھے تو وہی کرتے ہیں جو اس تقریب کی بجا آوری سے قبل دس منٹ اِس رسمی تایب کا عمل رہا

Marfat.com

ہوتا ہے۔ مگر یہ رسم ہے توبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابتدا میں ہی کہا کہ "توبہ" بازگشت (واپسی) کے لئے عربی لفظ ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ آدمی تمام لغزشوں اور گناہوں کے لئے جو اس سے سرزد ہوئی ہوں، خدا سے پورے خشوع اور خضوع سے معافی مانگے اور اس کے بعد ایسی لغزشیں اُس سے سرزد نہ ہوں۔ اور اگر ایک مسلمان واقعی اور یقیناً سابقہ عمل سے مُنہ موڑکر واپس آیا پھر بھی اُس سے بشری لغزشوں کے ارتکاب کا احتمال رہتا ہے جو شعوری لغزشیں نہ ہوں بلکہ جنکا آدمی کو احساس بھی نہ ہو، اسلئے مرنے دم تک ہر سہو و خطا کے لئے خدائے تواب سے عفو مانگتے رہنا اُسکا عمل ہونا چاہیے اُن نادانستہ لغزشوں کا شعور بھی خداوندِ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور پھر بندہ اپنے آقا کے حضور تقریباً تقریباً پوری پاکی کے ساتھ پیش ہونے کے لایق بنتا ہے۔ یعنی "توبہ" احساسِ ندامت ہے اور یہی احساسِ ندامت اُس سمندر کو پار کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

"تارِ ڈُنی ناو" دریا کو پار کرنے کا ناو۔ چونکہ کشمیر کے وسائل آمد و رفت اندرونی طور دریائی ہی رہے ہیں۔ اِس نالوں، دریاؤں اور جھیلوں کی وادی میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جانے کیلئے کوئی نہ کوئی دریا پار کرنا ہے اِس لئے یہ ترکیب علامتی روپ دھار گئی ہے۔

Marfat.com

صحیفۂ نور کا اِختتامیہ
اور
صحیفۂ فکر کا اِبتدائیہ

چونکہ اِن دو جلدوں میں ریشیت، ریشی تحریک کی تاریخ اور علمبردارِ ریشیت کے حوالے سے تذکرات اختتام پذیر ہیں۔ ان دو جلدوں میں ریشی نامہ کے دو جُز انشاالله اکٹھے کرکے الگ بطور ریشی نامہ ترتیب دیا جاکر شائع ہوگا۔ مگر کلامِ شیخ کا ابھی نصف حصہ بھی پورا نہیں ہوا ہے، صحیفۂ نُور اگرچہ یہیں پر پورا ہوتا ہے مگر ابھی ہم نے حضرت شیخ کو بحیثیتِ شاعر جانا ہی نہیں ہے۔ اُن کی شاعرانہ عظمت پر ابھی تذکرہ ہوا ہی نہیں۔ اُن کی شاعری فنی اور فکری لحاظ سے کشمیر کی ادبی تاریخ کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ ہم اِس مشن کو آگے لیتے ہیں اور اِنشاالله اِس سلسلہ کی تیسری کڑی "صحیفۂ فکر" ہوگا، وہ بھی شاید دو جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ پھر ایک اور کڑی

Marfat.com

"دشتِ نُور" کی ہو گی، جو خاصکر چرارِ شریف کا تاریخ ہوگا اور اُس کے حوالہ سے دربگام، کیموہ اور دیگر چند مقاماتِ نُور کا تذکرہ بھی ہوگا جو حضرت شیخ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ خاص طور وابستہ ہیں۔ اخیر پر "ذکرِ نُور" ترتیب دیا جاکر ہدیۂ قارئین ہوگا اسمیں ان منظومات کے اکتسابات دئے جا ئینگے جو پندرہویں صدی سے ہی فارسی، کشمیری اور اردو میں حضرت علمدار کی مدح میں نظم کئے گئے ہیں۔ خُدا اپنے محبوب کے صدقے یہ توفیق ہمیں عطا کرے آمین!

"صحیفۂ فکر" میں ہم حضرت شیخ کے فکروفن پر بحث کرینگے چونکہ اُن کا فکر شعری فن میں ہی ہم تک پہونچا ہے اس لئے فکرِ شیخ بھی اُنکی فنی صلاحیت ہی کا جُزء ہے۔

ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ حضرت شیخ پُرگو شاعر بھی ہیں آپ نے زبان سازی کا دانستہ عمل بھی اختیار کر کے فارسی اور مقامی سنسکرت آمیز زبان کے امتزاج سے موجودہ کشمیری زبان کو قائم کرنے کا انقلابی عمل بھی کیا ہے اور کامیابی کے ساتھ یہ مقام اپنی زندگی میں ہی حاصل کیا تھا۔ آپ نے اس طرح سے اس زبان کو بنایا ہے کہ لگتا ہے کہ آپ نے کچھ نہیں کیا ہے، لگتا ہے کہ یہ زبان اسی حیثیت میں صدیوں اُن سے پہلے

Marfat.com

قائم و دائم تھی مگر یہ حقیقت ہم پر تب ہی کھل پاتی ہے جب ہم حضرت شیخ سے قبل کا کلام شتی کنٹ کا مہانے پرکاش اور لل واکھ پڑھتے ہیں۔ ان تین گراں قدر اسلاف شعراء کے لسانی اسلوب بالکل الگ الگ تین عہدوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ گو کہ لل واکھ میں اُس تہذیبی شکست و ریخت کی کشمکش موجود ہے جس سے کہ اُس کا عہد دو چار ہوا تھا مگر کلامِ شیخ اُس کشمکش کا ایک مُطمئن کُن پُر امن دانستہ اور شعوری امتزاج کا آہنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ ہمیں کشمیری "پوژہ" کھٹکتا ہے اور نہ ہی اس کا فارسی نعم البدل" مہمان" درانداز لگتا ہے۔ "برف" بھی میرے ماحول کا حصہ ہے۔ شین (کشمیری لفظ برائے برف) بھی سرما میں میرے آنگن کا اوڑھنا ہے اور "ہیم" (برف کے لئے سنسکرت) بھی مجھے اپنے

روزمرہ کا حصہ لگتا ہے۔ یہ زبان سازی شاعرِ شیخ کا ایک فنی جہت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے فکر کو جس پیرایہ میں ادا کیا ہے اِس سے یہی ثابت ہے کہ آپ کا شمار دُنیا کے عظیم شاعروں میں ہونا چاہیے۔ مگر ہم نے اُن پر نہیں خود اپنی تاریخ پر ظلم روا رکھا ہے کیونکہ ہم نے اِس عظیم

Marfat.com

شاعر کو جاننے اور ماننے میں تعصبات سے کام لیا ہے۔

یہ بھی صریحاً ایک تعصب تھا کہ "شیخ پرستوں" کے اعتقاد کو یہ تسلیم نہ ہو سکا کہ ایک عظیم ترین ولی اللہ شاعر بھی ہو سکتا، کیونکہ شاعری اُن کے ہاں مبالغہ آرائی، چیستاں گوئی، کذب بیانی تھی بلکہ گناہِ کبیرہ تھا۔ اسلئے انہوں نے کچھ حالات بنائے جن حالات میں اس ولی اللہ کو کلام موزون فرمانے پر مجبور کیا گیا۔ اس طرح ہر ایک قطعہ اور نظم کے لئے نہ صرف من گھڑت پس منظر بنائے گئے بلکہ لفظوں کا جوڑ توڑ بھی روا رکھا گیا۔

شاردا رسم خط کے بجائے" فارسی عربی رسم خط کا جاری ہونا ایک لابدی اور لازمی تاریخی امر تھا لگر کاش اُس وقت کشمیری زبان کو کسی تاریخ ساز عالم یا رہبر کی قیادت حاصل ہوئی ہوتی تو کشمیری لکھنے کے لئے نیا خط استعمال کرتے وقت صوتی تقاضات کو کم سے کم پورا کرنے کا عمل ہوا ہوتا تو ہمارا شعری سرمایہ کلام شیخ رح شیخ کے خلفاء کی شاعری، خود زین العابدین (بڈشاہ) کی شاعری سب محفوظ طور ہماری نسل تک پہونچا ہوتا۔ مگر یہ بھی ایک تعصباتی عمل تھا کہ اس ضرورت کو نظر انداز کیا گیا۔ اس سے زیادہ تعصب یوں برتا گیا کہ شاردا سے فارسی خط لکھنے کے بعد شاردا میں لکھے گئے مخطوطات کے ساتھ بے اعتنائی برتی گئی۔

پھر تعصب کا وہ دور آیا جب خاص کر واعظ، مبلغ اور جیرا شریف کے کچھ گھرانوں نے کلامِ شیخ کے نسخے اس طرح

Marfat.com

بند کئے گ صرف اتھی گیسے پیٹے اشعار کے مجموعے چھپ سگئےجو
یا تو نیم جاہل واعظ غلط ملط پڑھکر لوگوں کو رُلاتا تھا یا
ان پڑھ موسیقار ترنم کے ساتھ گاتا تھا۔ چونکہ اس نیم خواندہ
واعظ نے حضرت شیخ کو بس کئی نصیحتوں کے لفافہ میں بند کیا تھا
اسلئے وہی پند و نصائح کے اشعار عام ہوئے، اسطرح گانے والے
نے وہی ترنم آمیز اشعار گائے جن پر دُنیا بے زاری کا بہت
غلبہ تھا کیونکہ اِس صدی کے ابتدائ سے ہی قنوطیت ہمارے
تمدن پر غالب رہی ہے، لہذا حرمان زدہ موسیقار بھی ایسے
ہی کلام سے بے چارے سامع کو رُلاتا رہا۔ اِن دو ذرائع سے
جو کلامِ شیخ بازار میں آیا وہ یا تو پند نامے کے ابیات تھے
یا دُنیا بیزاری کا دُکھڑا روتے تھے۔ یہ دو جہتیں بھی کلامِ
شیخ کے ساتھ وابستہ ہوکر اِس کے محاسن ہی ہیں مگر جب ہم
صرف ان ہی دو واسطوں سے شاعر شیخ کو جاننے پر مجبور
ہونگے تو لازماً یہی تاثر پڑے گا کہ ہاں کچھ نصیحتیں ہیں۔
شاید وہ صرف ایک ریفارمر تھا، واعظ تھا یا دُنیا بے زار
صوفی تھا۔

اس کے برعکس لل عارفہ کی خوش قسمتی تھی کہ اُسکا کلام
بہت مختصر ہے۔ اصنافِ سخن میں بھی صرف (قطعہ) واکھ

Marfat.com

میں ہی الگ بھگ سارا کلام ہے اور اُس کے استحصال کے لئے
محاورت کا کوئی منصب نہ بن پایا تھا، اُس کا کلام بازار آیا
یا بلکہ دانستہ طور نادانستہ طور کلامِ شیخ میں سے بھی کچھ اس کے
ساتھ ملا یا گیا۔ اس کے برعکس اصل کلامِ شیخ، پورا کلامِ شیخ
بازار میں آیا ہی نہیں۔

ہمارے عہد میں خانہ ساز عالموں، ادیبوں اور تنقید نگاروں
نے ادبی بد دیانتی اور تعصب کی اِنتہا کی۔ اس کو آپ بد دیانتی
نہیں تو اور کیا کہینگے کہ آپ کے پاس کلامِ شیخ پورا موجود ہی
نہیں جو حصہ موجود بھی ہے وہ غلط ملط ہے تو آپ خامہ فرسائی
کر کے ناقدانہ رائے قائم کرتے ہیں۔ علمی تنقید میری دانست
میں ویسا ہی عمل ہے جیسا کہ ایک جج کا فیصلہ لکھنے کا عمل ہوتا
ہے۔ جج کے پاس پورا ریکارڈ ہوتا ہے بلکہ اُس نے اکثر خود گواہاں
کو سماعت کیا ہوتا ہے، اُنکا اندازِ بیان۔ لگاؤ۔ دلچسپی، یہ سب
معاملات فیصلہ کرنے کے وقت اُس کے ذہن کے پردۂ سیمین
پر رینگتے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اُس کے پیشرو نے بھی شہادتیں
قلمبند کی ہوتی ہیں تو اُس نے بھی (DEMANEOUR OF
WITNESS) گواہ کے انداز کے بارہ میں مُکتفی اشارات قلمبند
کئے ہوتے ہیں۔ پھر اس سب مواد پر وہ ایک رائے قائم کرتا ہے

Marfat.com

جس میں وہ گواہ کے ماحول کو بھی زیرِ نظر رکھتا ہے۔ مقدمہ کے فریقین کے پس منظر، خاندانی روایات تہذیبی ورثہ وغیرہ کے بارہ میں ذہن کھُلا رکھتا ہے۔ مگر ہمارے تنقید نگار حضرات اُس کے برعکس کلامِ شیخ پڑھنے کے بغیر ہی یا اگر پڑھا تو سمجھنے کے بغیر ہی رائے قائم کرتے ہیں۔ یہ بھی تعصب ہے۔

اس تعصب کو اُس "کلیاتِ شیخ العالم" کے شائع ہونے نے ایک سند سی عطا کی تھی جو بہت ہی سُرعت کے ساتھ تنہا ایک ترتیب کار کو ترتیب دینے کے لئے تفویض کیا گیا جس میں لازماً اور نتیجتاً فاش غلطیاں رہی ہیں جنکا میں نے کئی جگہوں پر اِس حصّہ میں بھی اشارات دئے ہیں اور "سرینگر ٹائمز" میں بھی ایک مقالہ میں وہ غلطیاں نشاندہ کر چکا ہوں۔[1] اب بتائیے جو تنقید نگار حضرات اِس غلط کتاب پر حضرت شیخ کے فن و فکر کا جائزہ لینگے اُن کے اخذ کردہ نتائج کیا ہونگیں؟

[1] ملاحظہ ہو روزنامہ سرینگر ٹائمز مورخہ ۱۲ر اپریل ۹۸ء مجھے خیال تھا کہ کوئی دوست میرے گریبان کو پکڑ کر مجھ سے پُوچھ لیتا ہے کہ میں نے کلیات شائع ہونے کے بعد بیس بائیس سال خاموشی اس بارہ میں کیوں اختیار کی تھی مگر کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ خیر خود اپنے اعتراض کا ہی جواب دیتا ہوں۔ میں نے یہ غلطیاں نکالنے اور واضح کرنے کا مشن تابع بنایا تھا کلامِ شیخ پر اپنی کتاب شائع کرنے کا۔ چونکہ ۱۹۹۷ء صحیفہ نُور کا جلد ۱ آیا تو اُس حد تک میں نے کلیات کی غلطیوں کی نشاندہی کی — گوہر

Marfat.com

جو ترجمہ کار یا محقق غلط اشعار کا ترجمہ کرینگے یا ان کے حوالہ سے تحقیقات کرینگے، اُن کے ترجمہ اور تحقیق کی قیمت کیا ہوگی؟ محض خود فریبی یا قومی ذہن کو پریشان کرنے کا عمل! "شاعری الفاظ کی ترتیب ہے" اور جب اِس ترتیب کو بگاڑا گیا تو وہ شعر شاعری نہیں رہتا ہے۔ ہاں کچھ قافیہ بند کچھ منظوم مکالمہ وغیرہ لگتا ہے۔ بلکہ اکثر الفاظ کی ترکیب و ترتیب میں ہی، بحر اور اوزان کا انحصار ہوتا ہے تو جب یہی ترتیب بگڑ گئی تو وزن کہاں اور 'بحر' بحرِ بے کراں بنتا ہے۔

شاہِ ہمدان اور کشمیر

گلشن پبلیشرز سری نگر

Marfat.com

عشقِ رسول ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

قیمت مجلّد ۵۰ روپے

صفحات ۱۹۲

سائز ۲۲×۱۶/۱

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو جمالِ مصطفوی ﷺ سے روشناس کرانے اور انہیں ایمان کی حقیقی اساس یعنی محبتِ رسول ﷺ کی طرف راغب کرنے اور زوال آشنا امتِ مسلمہ کی عروقِ مردہ میں خونِ زندگی کی گردش از سرِ نو بحال کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کی عنایتِ بے پایاں اور نبی کریم ﷺ کی شفقتِ کریمانہ کے طفیل یہ کتاب منظرِ عام پر لائی گئی ہے۔

رسولِ خدا کا دشمنوں سے سلوک

(امداد صابری)

اس کتاب میں رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے ان پہلوؤں پر جن کا تعلق مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ عام انسانوں سے ہے اور جن کی بنیاد پر اسلام نے ترقی حاصل کی اور دُنیا میں اس کی روشنی پھیلی، مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کوئی خوفناک بھوت نہیں بلکہ اسلام وہ مذہب ہے جو انسانیت کو ذلیل و خوار ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ قیمت ۲۵ روپے

Marfat.com